



خزائن عشق و تنگ
سمیرا شریف طور

”ہائے یہ کیا کروا شہری بی بی آپ نے۔“ شہرہ کی کھینچ
رفار گاڑی نے ایک لوگر مارنے کے بعد جیسے سرخ پتی کو
کھس کیا تو پھٹی سیٹ پر بیٹھا افضل دین ایک دم چلا ہوا مگر وہ
اس کی دہائیوں کی پروا کیے بغیر گاڑی کی اسپرڈ مزید تیز تر کرنی
چلی گئی۔

”بی بی جی اللہ کا واسطہ ہے گاڑی کی رفتار دھیمی کر لیں ورنہ
 گاڑی الٹ جائے گی، اس کا اشارہ ہے سرک پر۔“ فضل دین
 بھٹا بھٹا خوف زدہ ہو چکا تھا جبکہ اس کی آواز پر شہر کی نے ایک دم
 اسے ڈانٹ دیا۔
 ”سٹاپ، اب اگر تم بولے تو تمہارا منہ توڑ دوں
 گی۔“ وہ غمراہی۔

فصل دین اچھا خاصا گھبراچکا تھا اس کا دل کانپ رہا تھا وہ مسلسل گردن پیچھے کر کے دیکھ رہا تھا جہاں سرخ پتی کی خلاف ورزی کرنے پر ٹریفک پولیس والا یوں کھلے عام قوانین کی خلاف ورزی دیکھتے اب اپنے وائریس پر فوراً کسی سے رابطہ کر رہا تھا۔ فضل دین کا دل تو پہلے ہی اس ناگہانی پر رز رہا تھا اب شہری لی لی کی اس حرکت پر گویا حلق میں آگ لگ چکی تھی۔

”شہری بی بی اے اسٹریٹک والے نے انوائس پر اطلاع
 کردی ہے اب ہم ضرور پکڑے جائیں گے آپ کو اللہ کا واسطہ
 ہے گاڑی کی رفتار کم کریں ورنہ گاڑی کسی سے ٹکرا جائے گی۔“
 اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو شہری نے بیک مرر سے اسے کھاجانے
 والی نظر دےں گھورا۔

”اب تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو گاڑی سے اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔“ شہری کے الفاظ پر وہ مزید پریشان ہوا تھا اسے اپنے مالک کا غصے سے سرخ چہرہ ابھی سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

ہی کسی نہ ہمارا ہاتھ اور سارا رستہ دل ہی دل میں سلاحتی کی دعائیں مانگتا رہا تھا۔ شہرینہ بی بی فی فل موڈ میں تھیں، فل والیہم میں ریکارڈ آن کیے اس نے گاڑی کو تیز اسپینڈر پر چھوڑ رکھا تھا۔
 ”نی بی جی اسپینڈر کم کر لیں آپ کو نہیں پتا یہاں لاہور کی ٹریفک کا اگر کسی جگہ ہم چھس گئے تو پھر بری طرح شامت آئے گی۔“ وہ بانی کا سارا رستہ مسلسل دہائیاں دیتا رہا مگر دوسری طرف قطعی اثر نہ تھا جیسے شہرینہ کان میں روٹی ڈالے ڈرائیو کر رہی تھی۔

یابا کا خاصا منہ چڑھا جیتا ملازم تھا اس نے اب کی بار بس
 کھورنے پر ہی اکتفا کیا تھا کہ اب کی بار ساری توجہ
 ڈرائیونگ اور بچھڑے فی موہاں پر تھی۔ ایک جگہ چاروں طرف
 سے تیز رفتار بائیکر نے آکر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اب
 اسے مجبوراً گاڑی روکنا پڑی تھی۔

تھی۔ ”گاڑی اسٹارٹ کرو۔“ اس کا بے لچک، پیشہ ورانہ جھکم
آہستہ انداز تھا شہری جو ابھی تک تمام صورت حال پر برا اعتماد و
مطمئن بھی ایک دم بچ گئی۔
”کیوں..... تم لوگ مجھے زبردستی کہیں نہیں لے جاسکتے،
جو چالان ہوا ہے وہ گاڑی میں ابھی بے کروں گی مگر میں کہیں نہیں
جاؤں گی۔“ فضل دین اس ساری صورت حال پر اس قدر
پریشان اور گھبرا ہوا تھا کہ حقیقت میں اس کی کئی کم ہوئی تھی وہ
اب بالکل خاموش تھا۔
”سٹ اپ..... گاڑی چلاؤ، ہری اپ۔“ عورت
کے لہجے میں کوئی نرمی نہ تھی۔ اب کے شہرینہ کے چہرے
کارنگ بدلا۔
اس کے لیے یہ سب جھٹ ایک قہرل تھا ایک فن تھا۔
ایک انجوائے منٹ..... اور بس وہ ہر دوسرے تیسرے دن ایسے
ایڈ وانچ کر کر لیتی رہتی تھی وہ تو ایسے خطرات میں کودنے
میں ماہر تھی درحقیقت وہ خاصی بے خوف، بہادر اور نڈر لڑکی تھی بلا
سوچے سمجھے آگ میں کود جانے والی، ہمیشہ دل کی مانتی اور
جب بھی مانتی تھی آخری حد تک مانتی تھی اس کے پیچھے اپنے پاپا
کے مضبوط سیاسی بیک گراؤنڈ کا زعم تھا جس کی وجہ سے اسے بھی
احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کچھ غلط بھی کرتی ہے اب بھی اپنی
اس انجوائے منٹ کو اس نے اٹا کا مسئلہ بنالیا تھا۔
”میں ایسے تو نہیں جانے والی تم لوگ مجھے جانتے نہیں کہ
میں کون ہوں میں ابھی ایک کال کروں تو تم سب لوگوں کی کئی کم
ہو جائے گی۔“ اس نے ہنسی دیتے ڈیش بورڈ پر بڑا اپنا قیمتی
موبائل اٹھاتا چاہا تھا مگر ٹریفک وارڈن نے اس سے پہلے ہی
موبائل اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔
”تم جو بھی ہو شرافت سے گاڑی ڈرائیو کرو، تمہارا بیک
گراؤنڈ کیا ہے؟ فس چل کر سن لیں گے تم پر دو مقدمے درج
ہوں گے ایک جان بوجھ کر سنسٹرز تو ذکر فرما رہے ہوئے کا اور دوسرا
موٹر بائیک سوار کو جان بوجھ کر ٹکڑا مار کر زخمی کرنے کا اب تم نے
ایک لفظ بھی کہا تو منہ توڑ دوں گی تمہارا جو بھی کہنا ہے فس چل
کر کہنا۔“ وارڈن نے سخت پتھر پیلے انداز میں کہا تو شہرینہ کے
اندرا یک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی۔
”اوکے۔“
”بہت شوق ہے تم لوگوں کو مجھے لے جانے کا.....
اوکے..... ابز یوش۔“ اس نے بغیر گھبرائے ڈرے کندھے اچکا

روئے کے برعکس عجیب متضاد ساحلیہ تھا مجموعی طور پر وہ مردانہ ٹائپ تیوروں میں مشرقی انداز و اطوار کی لگ دکھاتے اس متضاد حلیے میں ماحول پر عجیب سا تاثر چھوڑ رہی تھی، اتنی قیمتی اور شاندار گاڑی پھر اپنے شاہانہ لباس و اطوار کے ہمراہ وہ دیکھنے والوں کو پہلی نگاہ میں ہی اپنی طرف متوجہ کر گئی تھی، آفس کے اندر روم تک آتے آتے لیڈی وارڈن کا روہ اس کے ساتھ خود بخود نرم ہو گیا تھا۔ وہ جس روم میں لائی گئی تھی وہاں آفسرانہ ٹھانڈا ہاتھ والا ماحول تھا۔

”کیا بات ہے کون ہے؟“ ان کے روم میں داخل ہونے کے بعد وہاں موجود شخص نے لیڈی وارڈن اور دوسرے شخص کو دیکھا یہ شخص تقریباً پچاس سال کے لگ بھگ تھا۔ شہرینہ کی شخصیت اور بڑا اعتماد انداز اسے بھی چونکا گیا تھا۔ اتنی شاندار لڑکی کم از کم کوئی جرم تو نہیں کر سکتی تھی۔

”سر! میں نے کلمہ چوک سے آگے ٹریفک سگنل توڑا تھا۔“ لیڈی وارڈن نے بتایا۔

”تو پھر..... یہاں آفس تک لاینے کی کیا ضرورت تھی یہ براہم وہیں سولو کرتے آرام سے چالان کرتے۔“ آفسر نے محکم بھرے انداز میں کہا۔

”سر! میں نے رکنے کی بجائے گاڑی بھگائی تھی اور ان کی گاڑی کی اسپینڈ بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے دوسری طرف سے آئی بانیک کو ٹکر مار دی تھی اس کا سوار بھی زخمی ہوا تھا اس کے بعد اگلے سگنل پر بھی ان کی گاڑی نہیں رکی تھی مجبوراً موبائل پولیس کی مدد لینا پڑی تھی۔“ اب کے دوسرے شخص نے بتایا تھا جس کے حکم پر انہیں یہاں تک لایا گیا تھا۔

”اوہ.....“ آفسر نے اپنے ماتحت کے منہ سے خاصی سنجیدگی سے ساری تفصیل سنی تھی۔

اور پھر شہرینہ کو دیکھا جواز حد اطمینان سے اطراف میں دیکھ رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے یہ سب کارنامہ اس نے نہیں بلکہ کسی اور نے سرانجام دیا ہو..... شہرینہ کا حلیہ بھی آفسر کو اس کی حیثیت بتانے کے لیے کافی تھا وہ کسی ایلٹ ہائی فائی کلاس کی بگزی ہوئی لڑکی لگ رہی تھی۔

”سر! یہ ان کا موبائل اور بیگ ہے۔“ اس نے اپنے موبائل سے کال کرنا چاہی تھی مگر میں نے منع کر دیا تھا۔“ لیڈی وارڈن نے اس کا بیگ اور موبائل ٹیکل پر رکھا۔ آفسر نے اپنے سامنے رکھے آئی فون کو دیکھا۔ اس نے ایک گہری سانس فضا میں

خارج کی۔
یعنی لڑکی اچھے خاصے گھرانے سے لی لاگ کرتی تھی۔ یہ یقیناً کسی بہت امیر کبیر گھرانے کی انتہائی بگزی ہوئی صاحبزادی تھی جولاہور کی سڑکوں کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتی تھی اور جیت جتاہری لگتی تھی۔
”بٹھو.....“ آفسر کی آواز پر شہرینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ اب تک جو بھی حرکات سرانجام دے چکی تھی ان کی موجودگی میں اسے یہ رعایت خاصی حیران کن لگتی تھی۔

”بٹھو.....“ وہ اپنے مخصوص بڑا اعتماد شاہانہ انداز میں کہتے کرسی پر ٹپک گئی۔

”جس آدمی کو ان کی گاڑی نے ٹکر ماری ہے اس کی کیا کنڈیشن ہے؟“ آفسر نے اب کے اپنے سامنے کھڑے مرد وارڈن سے پوچھا۔

”سر وہاں فوراً ریسیک کو کال کر دی گئی تھی وہ نو جوان زخمی ہوا ہے ہیرا خیال ہے کوئی سیریس کنڈیشن نہیں تھی تاہم اب تک ریسیک والے اسپتال لے گئے ہوں گے میں نے اپنے ہمراہ موجود ساجد خان کو اس کا ساتھ دینے اور آئندہ صورت حال سے آگاہ کرنے کا کہہ دیا تھا جبکہ مجھے گاڑی کو فالو کرنا پڑا تھا تو فوراً وہاں سے نکلا تھا۔“

”ہوں آپ کیا فرماتی ہیں خاتون اس سلسلے میں؟“ وہ پچاس سال کے لگ بھگ ایک جہانہ دیدہ شخص تھا شہرینہ نے کندھے اچکا دیے۔

”آئی نو گاڑی کی اسپینڈ تیز تھی جس کی وجہ سے سگنلز پر بروقت بریک نہ لگ پائی اور سگنلز کراس ہو گیا تھا اور بس.....“ وہ شخص اس کے انداز پر حیران ہوا۔

”اور باقی کا معاملہ، رکنے کی بجائے گاڑی بھگا لینے اور موبائل بانیک سوار کو زخمی کرنے والا؟“ اب کے آفسر کے لہجے میں لگی تھی۔

”گاڑی میں نے ضرور بھگائی تھی مگر بانیک کا ایکسڈنٹ میری غلطی سے نہیں ہوا تھا وہ بانیک سوار بھی آؤٹ آف وے تھا

اور اس کی بانیک کی اسپینڈ بھی خاصی تیز تھی، دوسرے روڈ سے اس نے جس طرح ٹرن لینے روڈ کراس کرنے کی کوشش کی تھی وہ سب بھی ٹریفک روڈز کے خلاف تھا جیت جتاہری سوار کی اپنی غلطی کی وجہ سے میری گاڑی اور اسپینڈ ہونے کی وجہ سے اسے

ہو جاتی۔“ آفیسر نے اب کے خالص پرفیشنل انداز میں کہا جس پر شہرینہ خاموش ہو گئی تھی۔

”آپ اپنا ایڈریس اور کنٹیکٹ نمبرز اس پر لکھ دیں ہم ان کو اطلاع دے دیتے ہیں ان سے رابطہ کر کے صورت حال بتا کر بنی اب کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے۔“ آفیسر نے اپنا رائٹنگ پیڈ اور پین اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

”اوکے۔“ وہ قدرے ریٹیکس ہوئی اور کندھے اچکاتے نیبل پر ہنک گئی تھی۔

”سر ان محترمہ کے ساتھ ایک ملازم بھی تھا وہ پچھلے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا وہ ڈرائیور تھا مگر گاڑی یہ خود ڈرائیور کی تھی ہم نے ان کو باہر بٹھایا ہوا ہے۔“ مرد وارڈن نے اطلاع دی تو آفیسر نے سر ہلادیا شہرینہ نے ایڈریس اور کنٹیکٹ نمبرز لکھ کر پیڈ واپس آفیسر کی طرف بڑھا دیا تھا۔

”عثمان فاروق۔“ آفیسر نے زیر لب دہرایا اور چونکا۔

”رہائش اسلام آباد باؤس۔“ باقی کے الفاظ آفیسر کے منہ میں رہ گئے تھے اس نے بہت چونک کر شہرینہ کو اور پھر موہا بل کو دیکھا اور پھر شہرینہ کے پُرسکون اور مطمئن انداز کو۔

”یہ عثمان فاروق سے کیا ریلیشن ہے آپ کا؟“ اب کے آفیسر کو گھبرایا ہوا تھا۔

”ہی از مالی فادر۔“ انگش لب دلچے میں اس لڑکی نے روانی سے کہا۔

”مسٹر عثمان فاروق.....“ آفیسر ایک دم پریشان ہو گیا تھا شہرینہ مسکرا دی۔

”یہ میرے فادر ہیں اور شعبہ اطلاعات و نشریات میں مسٹر ہیں رہائش اسلام آباد میں ہے کنٹیکٹ نمبرز دے چکی ہوں، مزید کچھ پوچھنا ہے تو بتائیے۔“ روٹل شہرینہ کی توقع کے مطابق تھا آفیسر تو ایک طرف اس کے عقب میں کھڑے مرد وارڈ عورت وارڈن دونوں ہی چونک گئے تھے شہرینہ کے مطمئن و پُرسکون انداز کی وجہ انہیں اب سمجھا نہ آتی تھی۔

”یہ میرے فادر کا کارڈ ہے۔“ گاڑی سے نکلنے سے پہلے اس نے ڈیش بورڈ سے کارڈ اٹھالیا تھا اور اب وہی کارڈ آفیسر کے سامنے رکھ دیا تھا۔ آفیسر نے اپنے سامنے کھڑے اپنے ماتحتوں کو بڑی کیڑے تو نظروں سے گھومتے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

شہرینہ کا ابھی بھی وہی بے پروا
 بھر انداز تھا آفیسر نے اسے گھورا۔
 ”کہاں کی رہائش ہے آپ؟“
 ”اسلام آباد۔“ وہی مخصوص پُرسکون انداز تھا۔
 ”اے؟“ آفیسر نے گھورا۔
 ”یہاں کیا کر رہی تھیں آپ؟“
 ”ریٹینوز کے ہاں آ رہی تھی۔“ مخصوص انداز میں جواب
 آفیسر الجھ گیا۔ ذرا بھی تو اس لڑکی کے چہرے پر گھبراہٹ یا
 کوئی نہجی اور نہ ہی اپنے فعل پر وہ شرمندہ نگاہ رہی تھی۔
 ”جانتی ہیں، ٹریفک روٹ کی خلاف ورزی پر آپ پر کیس
 بن سکتا ہے اور اگر خدا نخواستہ جس شخص کو آپ نے زخمی کیا
 وہ سیریس حالت میں ہوا تو آپ پر کیس بھی بن سکتا
 ہے۔“ آفیسر نے اب کی بار خاصی سختی سے کہا۔
 ”سو اٹ؟“ شہرینہ کا اعتماد قابل رشک تھا۔
 ”آپ بظاہر کسی اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں، ایسی
 دل پر مروتو آتے جاتے رہتے ہیں مگر خواتین کا پایا جانا آپ
 کے لیے شرمندگی کا باعث ہونا چاہیے۔“ آفیسر نے اسے شرم
 نا چاہی تو وہ مسکرا دی۔
 ”میرے پایا ہیں مجھے سپورٹ کرنے والے چلیں میں
 کوئی لیتی ہوں کہ اور اسپینڈ اور سٹیکل کر اس کرتا میری غلطی بھی مگر
 یہ کام کا بہت ہونا میری غلطی سے نہیں ہوا تھا۔“ شہرینہ نے
 کہا مگر کہا تو آفیسر نے پایا کی سپورٹ پر فخر کرنے والی اس
 کی بغور دیکھا۔
 ”کیا کرتے ہیں آپ کے فادر؟“
 ”پولیکس میں ہیں۔“ آفیسر چونکا تبھی یہ لڑکی اتنی
 سادہ گئی۔
 ”حکومت میں ہیں؟“ شہرینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”کس شعبے میں ہیں؟“
 ”شعبہ اطلاعات و نشریات۔“
 ”دیکھیں ہمیں خواتین کو ادھر بلوانا ایلا نا اچھا نہیں لگتا آپ
 کی بیٹی کی ہم عمر ہیں سو رعایت دے رہا ہوں اگر وہ شخص جس
 کو آپ نے زخمی کیا ہے اس کی سیریس کنڈیشن نہیں تو آپ پر
 کیس نہیں بناؤں گا مگر چالان تو ضرور ہوگا اور جرمانہ ملے گا وہ آپ
 کے سامنے کسی جاننے والے کو بلوالیں، اب کچھ کھینچنے کو
 مان پڑے گا۔ جب تک اس نوجوان کی کنڈیشن واضح نہیں

آفسر کے درم میں پہنچا دیا گیا تھا۔

”السلام علیکم۔“ فضل دین اور شہرینہ دونوں چیخ کر بیٹھے۔
دوئے تھے فضل دین اسے دیکھ کر فوراً کھڑا ہوا تھا فلکن نے
سرری طور پر سر ہلا دیا تھا۔

”فلکن۔“ فلکن کو دیکھ کر شہرینہ حلق تک کڑوا ہوتا چلا گیا تھا۔
وہ یہاں اس کڑوے کڑیلے کے علاوہ ہر کسی کو ایک سیٹ کر رہی
تھی۔ فلکن نے بھی بڑی طنزیہ غصیلی اور زہریلی نگاہوں سے
اسے دیکھا اور پھر اسے عمل طور پر نظر انداز کرتے آفسر سے
بات چلنے لگا۔

”آئی ایم فلکن اشفاق فاروق۔“ اس نے اپنا
تعارف کرایا۔

”میں عثمان فاروق کا بھتیجا ہوں آپ سے یقیناً میرے
والد اشفاق فاروق صاحب فون پر بات کر چکے ہیں میں ان
لوگوں کو لینے آیا ہوں۔“ وہ اسے مخصوص مڈ منچ در انداز میں گویا تھا
ذرا بھی چپک نہ تھی شہرینہ جی بھر کر بد مزہ ہوتی تھی۔

شہرینہ کا بیک اور مو بائل اس کے پاس تھا آفسر نے اس
کے والد کے تعارف کے بعد اسے بڑی عزت سے بٹھایا تھا اور
فضل دین کو بھی بلوایا تھا آفسر کا مشرکی جینی کے تعارف کے
بعد اچھا خاصا رویہ بدل گیا تھا۔ فوراً اسلام آباد رابطہ ہوا تھا
دوسری طرف بانیک سوار سے متعلق اطلاع بھی مل چکی تھی اور یہ
نطالع خاصی حوصلہ افزا تھی۔

ماما نے اس سے بھی فون پر بات کی تھی ماما یہی سمجھ رہی تھیں
کہ یہ سب فضل دین کی نا اہلی کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ خاصی
یشان ہو رہی تھیں انہوں نے اسے پریشان نہ ہونے کا کہہ کر
نیا بابا سے رابطہ کرنے پھر کال کرنے کا کہا تھا اور اس کے بعد
سے پاپا کی کال آتے ہی آفسر مزید بدحواس ہوا تھا اور اب
ان کو سامنے پا کر وہ بچھا جا رہا تھا۔

”پلیز بیٹھیں نا۔“ فلکن کے بے چنگ انداز پر آفسر نے کہا
فلکن مادے باندھے بیٹھ گیا۔

”تم لوگ گاڑی میں جا کر بیٹھو میں ضروری کارروائی بنائ کر
آؤں۔“ وہ نوک انداز میں فضل دین سے کہتے وہ شہرینہ کو
عمل طور پر اگنور کرتے آفسر سے گفت و شنید میں مصروف
ہوئے اس نے فضل دین کو گاڑی کی چابی بھی پکڑا دی تھی۔ فضل
دین فوراً فلکن کے رعب میں آ گیا تھا۔

”آئی بی بی جی۔“ شہرینہ فلکن پر ایک غصیلی نگاہ ڈالتے

اس کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔

باہر فلکن کی بلیک کروڈا کھڑی تھی وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی
تھی۔ اسے سی کی کوئنگ میں کچھ سکون ہوئی۔ فلکن کا خیال تھا
کہ یہ ساری صورت حال فضل دین کی نا اہلی کا نتیجہ ہے مگر آفسر
سے تمام تفصیل سننے کے بعد اس کا پارہ آسان تک جا پہنچا تھا۔

وہ ایک اصول پرست اور ڈسپنڈ انسان تھا اسے یہ ساری بے
اصولی اور بد نظمی سخت گراں گزرتی تھی اس کا جی چاہا کہ ایک دم
شہرینہ جیسی پارہ صفت، فتنہ پرور لائٹا لڑکی کا حشر نشر کر ڈالے
وہ تو اسے ہمیشہ سے ہی اپنی تمام تر بے پروائیوں اور شر پسند
حرکات کے سبب پہلے ہی خاصی زہریلی تھی اور اب تو وہی کسی
کسر بھی پوری ہوئی تھی۔

وہ آفسر بچا جان کی وجہ سے اس معاملے میں مکمل تعاون
کر رہا تھا مگر اس ڈنچی اور چالان سے متعلق تمام تر ذمہ داری قبول
کرنے کو کہا تو فلکن نے ایک گہرا سانس لیا۔ آفسر سے تمام
معاملہ کلیئر کرانے میں فلکن کو تھوڑی دیر لگی تھی۔ وہ جب تمام
معاملہ بننا کر واپسی اپنی گاڑی کی طرف آیا تو فرنٹ سیٹ پر
شہرینہ کو بیٹھے دیکھ کر اس کی تمام تر محل مزاحی ایک شدید غصے کی
لپٹ میں آ گئی تھی۔

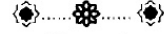
”تمہیں اسلام آباد میں اپنی تحریب کارانہ کارروائیوں کے
لیے مواقع کیا کم میسر آئے تھے جو یہاں آتے ہی خون خرابہ
شروع کر دیتے۔“ گاڑی میں بیٹھے ہی وہ پھنسا تھا۔ شہرینہ تو
ایک دم ڈری گئی تھی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ آتے ہی
ایسے کہے گا۔

”میں نے کوئی خون خرابہ نہیں کہا میری غلطی تو خیر واضح نظر
آ رہی ہے اور وہ شخص بھی غلط انداز میں روٹ کر اس کرنے کی جو
کوشش کر رہا تھا وہ کسی کو نظر میں نہیں آتی بد قسمتی یہ تھی کہ میری
گاڑی کی اسپینڈ تیز تھی اور وہ تیزی ہو گیا۔“ وہ شہرینہ ہی کیا جو اپنی
غلطی قبول کرے اگلے ہی پل خود کو سنبھالتے اس نے بے
پروائی سے کہا تو فلکن نے ایک تیز گرم، سٹکی نگاہ اس پر ڈالتے
چھپلی سیٹ پر براجمان فضل دین کو دیکھا۔

”اور تمہیں سچی جان نے اس کے ساتھ اس لیے بھیجا تھا
کہ یہ محترمہ اپنی مرضی سے اپنی من مانیوں کریں جسے مرضی اپنی
تیز رفتار گاڑی تلے روند کر گزر جائیں۔“

”میں نے بی بی جی کو ذرا نیوکرنے سے منع بھی کیا تھا مگر یہ
نہیں مانی تھیں۔“ فضل دین منمنایا۔

نہیں۔ وہ مثل طور پر نظر انداز کرتے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ ابھی
شہر کے کوکھر پہنچا کر واپس جمیل جعفری اور اس کے وکیل
جسٹس لمانا تھا۔



نئی وہ دونوں رستے میں ہی تھے کہ ماما، بڑے پاپا (اشفاق
بھائی) کے علاوہ فرح شایان کی بھی کال آنا شروع ہو گئی تھی
انہوں نے برقی قمقموں سے سچے اسے گھر کے سامنے گاڑی
پر لگی تھی شہر یہ گاڑی سے یوں لٹکی گویا برسوں بعد کی قید
سے رہائی نصیب ہوئی ہو جبکہ انہوں نے وہیں سے گاڑی
کو اس کی بڑی امی، فرح، اسد اور شایان سبھی شدت سے منتظر
تھے۔ وہ جیسے ہی گیٹ سے اندر داخل ہوئی سبھی لان میں ٹپکتے
پاؤں لگاتے تھے۔

”اسلام علیکم۔“ وہ بے اختیار بھاگ کر بڑی امی کے گلے
میں لپکتی تھی۔

”وہیکم اسلام۔۔۔۔۔ جیتی رہو۔۔۔۔۔ خوش رہو۔۔۔۔۔ بڑی امی
جسٹس علی خاں بھی تھیں اور یہ سب اس کے نہ صرف تایا زاد تھے
بلکہ بڑا بھائی بھی تھے۔

”ایکسیڈنٹ کا سن کر تو میری جان نکل گئی تھی رہ رہ کر
میں نے ستارے تھے اور دیو صوفی (شہرینہ کی والدہ) کی عقل کو
سنبھال لیا ہوا؟ اتنی دور تنہا جہاز کی بجائے گاڑی سے ہی بھیج دیا
”خود سے جدا کرتے اس کی روشن پیشانی چومتے
انہوں نے کہا تو وہ سارے رستے ان کو کوسے، غصہ پیٹے اپنا
دھن بانی آئی تھی اب ایک دم بڑی امی کی اس قدر محبت پر بے
حد محبت سے گھرا کر آئی۔

”میں میں ماما کا کوئی تصور نہیں بائے روڈ آتا میری
پیشانی پر۔“

”بہن زیادہ نقصان تو نہیں ہوا نا؟“ ان کی تسلیش ابھی بھی
چلتی رہی تھی۔

”بچہ بھی نہیں ہوا تھا بڑی ماما۔۔۔۔۔ بس یوں سمجھ لیں بچت
میں موت در۔“ اس نے اپنے مخصوص بے پروا انداز میں
پیشانی امی قدرے ریٹیکس ہو گئیں۔

”پیارے کے یہ مظاہرے ختم ہو گئے ہیں تو جناب ادھر بھی
نہیں۔۔۔۔۔“ فرح کے الفاظ پر وہ
بڑی ماما کے بازوؤں کے حصار سے نکل فرح سے

”لگن اندر نہیں آیا۔۔۔۔۔ آ کر صورت حال ہی بتا دیتا، باہر
سے ہی چلا گیا ہے کیا؟“ بڑی ماما پوچھ رہی تھیں لگن کے ذکر پر
اس کا حلق تنک کڑوا ہو گیا کھنسر ہلا دیا۔

”چلو تم لوگ بہن کو لے کر اندر آ جاؤ۔“ بڑی ماما کہہ کر اندر
کی طرف بڑھ گئیں تو وہ بھی ان تینوں کے ساتھ ہال میں
آ گئی۔ اس وقت ہال کیا سا گھر ہی مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔
وہ فردا فردا بھی لوگوں سے ملنے لگی تھی۔

”اکیلی آئی ہو کیا۔۔۔۔۔ تمہاری ماں اور باقی لوگ کہاں
ہیں؟“ رخشندہ خالہ جو کہ ماما کی خالہ زو تھیں انہوں نے پوچھا۔
”جی ماما اور باقی لوگ پاپا کے ساتھ ہی آئیں گے۔“ اس
نے سنجیدگی سے بتایا۔

”لوفا نقد کی عقل کو کیا ہو گیا لڑکی ذات کو اکیلے اتنی دور بھیج
دیا آئی کس کے ساتھ ہو۔“ رخشندہ خالہ تو بات کا ہنسنے بنانے
میں ماہر تھیں بڑی ماما فوراً قریب آئیں۔

”اکیلی کہاں آئی ہے لگن لے کر آیا ہے۔ وہ صبح گاؤں
سے ہی اسلام آباد چلا گیا تھا اور واپسی پر شہر کو لے آیا۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ رخشندہ خالہ کے تورا یک دم بدلے تھے۔“ مگر
لگن کو تو کچھ دیر پہلے میں نے خود اوپر سے نیچے اترتے اور باہر
جاتے دیکھا تھا۔“ ان کا انداز مشکوک تھا۔

”شہر کی کوشاننگ کرنی تھی تو وہ فضل دین کے ساتھ وہاں
چلی گئی تھی اور لگن گھر آ گیا تھا اسے ضروری کام تھا فوراً تیار ہو کر
نکل گیا۔“ شہرینہ نے الجھ کر بڑی ماما کو دیکھا تب جانے وہ رخشندہ
خالہ کو یہ بیان کیوں دے رہی ہیں۔

”اوہ۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔“ رخشندہ خالہ سر ہلاتے ساتھ ہنسی کسی
دوسری خاتون سے محو کلام ہو گئیں تو بڑی ماما نے اسے وہاں سے
جانے کا اشارہ کر دیا وہ فرح کے ہمراہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

یہ سارے مہمان شایان کی شادی کے سلسلے میں اکٹھے
ہوئے تھے تین دن بعد شایان کی شادی بھی پاپا نے شیدول کے
مطابق دو دن بعد آنا تھا اور ماما کا پاپا کے ساتھ آنے کا پروگرام تھا
اور وہ اتنے دن بھلا کہاں انتظار کر رہی تھی۔ اس کے کانچ میں
مڈھرم ہو رہے تھے سوا سے رکتا پڑ گیا تھا وہ نہ شایان کی شادی ہو
اور وہ ادھر ایک میڈیو تو ضرور ڈیرے لگاتی۔

آج اس کا آخری پیر تھا اور فارغ ہوتے ہی وہ فوراً ماما سے
ضد کر کے سفر پر روانہ ہو گئی تھی اور یہ اور بات تھی کہ یہ سفر اس کی
توقع کے برعکس ثابت ہوا تھا۔ اہ پر سے لگن سے ہونے والی

شخص تھا اسی لیے وہ سبھی کے ساتھ خاص فاصلے پر رہتا تھا اس کا سبھی پر رعب تھا اس کے اپنے بہن بھائی اسے دیکھ کر فوراً مؤدب ہو جاتے تھے مگر شہرینہ ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتی تھی کہ وہ مارے طیش کے اکثر اس کے ساتھ بہت بری طرح چوڑا تھا۔

”یہ ایک سیڈنٹ کا اصل چکر کیا ہے اور تمہیں یہ فلائٹ کی بجائے بالی روڈ آنے کی کیا سوچھی؟“ کھانا کھانے کے دوران فرح اور اسد اس کے پاس ہی چلتے تھے۔

”ایک سیڈنٹ کا کوئی خاص چکر نہیں اور فلائٹ رات گیارہ بجے کی سیٹ سے مل رہی تھی اتنی دور کیلے ماما بھیجنے کو راضی نہ تھیں اور مجھ سے صبر نہیں ہو رہا تھا بس ماما کو پٹانا پڑا۔ سو تھوڑی سی ایکٹنگ کے بعد ماما مان گئیں اور اس میں ادھر ہوں۔“

”اور ایک سیڈنٹ کے پیچھے کیا چکر تھا؟“ شایان بھی اصرار ہو چلا آیا تھا اور کرسی تھپٹ کر بیٹھ گیا۔

”کوئی چکر نہیں تھا۔“ اس نے ٹالا۔

”محترمہ، فضل دین گاڑی لے کر آ گیا ہے گاڑی بالکل ٹھیک خاک اور اصلی حالت میں ہے اس کا مطلب ہے کہ فریق ثانی کا نقصان ہوا ہے اور فضل دین سے جو معلومات ملی ہیں وہ کافی سستین ہیں ساری غلطی تمہاری ہے اگر اس بندہ کی جان چلی جاتی تو؟“ شایان نے بنجیدگی سے شرم دلانے کا کوشش کی۔

”اف۔۔۔ آپ کے وہ دھانسو بگ برادر پہلے ہی اچھا خاصا سنا چکے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میرا موڈ بری طرح نا ایکٹ کرے ایک لفظ بھی اب مزید نہیں کہنا۔“ اس نے اٹھ کر اوپر لیا۔

”اگلن بھائی نے تو صرف زبانی کلامی سنائی ہوں گی ام میں ہوتا تو اس وقت دو ہاتھ تمہیں ضرور لگاتا۔“

”شٹ اپ۔“ وہ فوراً بھنائی۔ شایان نے ریٹیکس اند میں اسے دیکھا۔

”چھوڑیں شایان بھائی ان تلوں میں تیل نہیں ہے آہ اس کا وہ پچھلے سال کا بنگامہ بھول چکے ہیں کیا جو اس نے گاؤں میں سرانجام دیا تھا۔ گاؤں کی سڑک کو تھڑمہ نے مٹا دیا۔ کرریس لگا لی تھی اور مانی تھی ان آٹھ دن تک اسپتال بھگت

بد مزگی نے خاصا بد مزہ کر ڈالا تھا۔ اگلن بڑے بابا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ بڑے بابا جو کہ اس کے تایا بھی تھے اور خالو بھی اگلن اپنا زلیخہ وقت گاؤں میں بابا صاحب اور اماں بی کے پاس گزارتا تھا۔ اگلن کے بعد شایان تھا پھر فرح اور آخر میں اسد تھا شایان کی شادی بڑی پھوپھو کی بیٹی زوبیہ سے ہو رہی تھی۔ اگلن سے پہلے شایان کی شادی کی بھی ایک وجہ تھی کہ بڑی پھوپھو ایک عرصہ دراز سے دل کے عارضے میں مبتلا چلی آ رہی تھیں پچھلے دنوں انہیں پھر ایک ہوا مگر بروقت طبی امداد سے وہ بچ گئی تھیں مگر اس کے بعد انہیں وہم ہو گیا تھا کہ اب وہ زندہ نہیں بچ سکیں گی اور اپنی اسی بیماری کے خوف میں وہ اپنی اکلوتی بیٹی زوبیہ کی شادی اپنی زندگی میں ہی کر دینے کی خواہاں تھیں۔

شایان اور زوبیہ کی آپس میں کچھ اندراشہد تک تھی پھوپھو کا خیال تھا کہ زوبیہ کا رشتہ اگلن سے طے ہو جائے مگر جب بڑوں تک بات پہنچی تو شایان نے بڑے صاف اور واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا گھر کی بات تھی انا کا مسئلہ بنانے کی بجائے نہ صرف یہ رشتہ طے ہوا تھا بلکہ جٹ پٹ شادی کی ڈیٹ بھی فائنل ہو گئی تھی۔ بڑے بابا پرنس مین تھے تعلیم کے بعد اپنے بڑوں کے برعکس انہوں نے پرنس شروع کیا تھا جبکہ ان سے چھوٹے بھائی عثمان فاروق کا رجحان سیاست کی طرف تھا عثمان سے پہلے بابا صاحب سیاست میں تھے اس طرح اپنے علاقے کی سیٹ ہمیشہ ان کے پاس ہی رہی تھی اب کچھ عرصے سے عثمان بابا صاحب کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے جبکہ بابا صاحب اب صرف گاؤں میں موجود زمینوں وغیرہ کے معاملات دیکھتے تھے۔

شایان نے پچھلے سال ہی پرنس میں ڈگری لینے کے بعد اپنے بابا کے ساتھ گھر میں جاکر لیا تھا جبکہ شایان سے بڑا اگلن جو انڈیو کرٹ تھا اگلن نے لاء پڑھا تھا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر چلا گیا تھا مختلف کورسز کے بعد وہ وطن لوٹا تو بابا صاحب کے ساتھ زمینوں کے معاملات میں ان کا ہاتھ بنانے لگا تھا اس کے علاوہ وہ بڑے بابا کا پرنس انڈیا نازر ہونے کے ساتھ ساتھ بابا صاحب کی زمینوں کے تمام مقدمات خود ہی ہینڈل کرتا تھا اس کا مستقل قیام ماں باپ کی بجائے گاؤں میں بابا صاحب اور اماں بی کے ساتھ ہوتا تھا اگلن کی پرورش بھی مکمل طور پر بابا صاحب اور اماں بی کی زیر نگرانی ہوئی تھی اسی لیے وہ اپنے ماں باپ کی نسبت دواوا دادی کے زیادہ قریب تھا وہ خاصا بارعب

تھیری اور بریکسٹنل تھا گھر آتے ہی یہاں کی تیاری کی ایک طویل سفر اور وہ ٹھنڈا بڑھ جو ٹریفک پولیس کے انجین میں گزرا اب یوں لگتا ہے کہ جسم میں جان ہی نہیں رہی، بڑی تھکن ہو رہی ہے دل کر رہا ہے کہ فوراً جا کر نرم گہم ہستر میں مٹس جاؤں۔ اس نے کہا تو فرح نے ہورا۔

”تو پھر کیا فائدہ اس ساری نجل خواری کا اس سے بہتر تھا کہ تم رات گیارہ کی فلائٹ سے آئی اور آ کر سو مرنے والی۔“ فرح نے منہ پھلایا۔

”اچھا تاراض کیوں ہو رہی ہو، یہ بتاؤ کل کا کیا پروگرام ہے؟“

”کل ہم چھو پوکے پاں جا رہے ہیں اور پرسوں ہونے میں دونوں طرف کا کپائٹن فٹنشن ہوگا۔“ اسد نے بتایا تو اس نے سر ہلایا۔

”اوکے، یا تم اس وقت مجھے کوئی روم دکھاؤ بلکہ تمہارے روم میں ہی چلتے ہیں میں فریش ہوں اس کے بعد کچھ دیر سوؤں گی اور پھر کل اور پرسوں دن میں تم لوگوں کے ساتھ مل کر ہر ایک ٹیوٹی میں پیش پیش رہوں گی پر اس۔“

”اٹھو، مرو اور میرا روم اس وقت تمہارے شاہان شان بالکل نہیں ہے شادی کے سلسلے میں کل ہی سے رشتہ خالہ اپنی تینوں دختران کے ہمراہ یہاں قدم نہ فرما چکی ہیں اور اس وقت تینوں دختران کا قیام میرے روم میں ہے اور کہیں بتا تو ہے کہ ان لوگوں کی طبیعت کا وہ کتنا پھیلا وہ پھیلائی ہیں۔“ وہ اسد اور شاہان کو وہیں چھوڑے فرح کے ہمراہ ہوا گئی تھی ایک دم کی۔

”اوہ... نو... پھر...“

”ان کی وہ بڑی بیٹی عجیب ماڈل ہے ہر وقت جان کو چپکنے کو تیار رہتی ہے میں تو ہر وقت اس سے بچنے کے چکر میں ہوتی ہوں مگر وہ بھی اس قدر ڈھیت ہے کہ جان بوجھ کر کلام کرنے کی کوشش کرے گی ویسے اس وقت گھر میں ہاں میں تو مجھے نظم نہیں آ میں تینوں۔“

”اوپر ہیں وہاں کوئی مووی دیکھ رہی ہیں شکر کرو ابھی تم سے ملاقات نہیں ہوئی ورنہ ان کے انجینئر دیکھ دیکھ کر تمہارا پی خواہو ہائی ہوتا۔“ فرح نے ہنسنے ہوئے کہا تو اس نے شخص سر ہلادیا۔ وہ فرح کے کمرے میں آئی تو دیکھ کر چکر اٹھی۔

”مائی گاڈ یہ تمہارا کمرہ ہے یا کوڑا دان۔“ اس نے سر

آئی تھیں جب لیکن بھائی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بسمل سے اس کی کھوپڑی اڑا دیتے بس اماں اور بابا صاحب کی وجہ سے بچت ہوئی تھی اس کی اسے تو تب بھی عقل نہ آئی تھی جب لیکن بھائی کو اماں بی کے فورس کرنے پر اتنے عجیب رویے کی اس سے معذرت کرنا پڑی تو پھر جا کر ان محترمہ کا موڈ بحال ہوا تھا اور اب اس کو سمجھنا قطعی فضول ہے۔“ اسد نے کہا تو اس کا پارہ ایک دم ہائی۔ وہ اس نے پانی والا گلاس ٹیبل پر بیچ دیا۔

”تم سب انتہائی فضول ہوں اور تم شاہان تمہاری وجہ سے میں اتنی افراتفری میں بھاگ بھاگ سب کو دین چھوڑ کر آئی ہوں اور تم لوگ مجھے ہی الزام دے رہے ہو اس سے بہتر تھا کہ میں نہ ہی آئی اب بھی اگر کسی نے مزید ایک لفظ کہا تو میں اپنا سامان لوں گی اور واپس اسلام آباد چلی جاؤں گی۔“ اس کا غصہ سے برا حال تھا۔

”بڑی مہربانی بڑی نوازش۔ تمہارا یہ احسان میں بندہ ناچیز عمر بھر نہیں بھلا پاؤں گا۔“ شاہان نے فوراً ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ گھورنے لگی۔

”اب اپنی آنکھوں کی یہ نشانی بازی بند کرو اور کھانا کھاؤ۔“ شاہان نے سکر کر کہا تو وہ تاجا سرگردی۔

”ویسے شہری چچا جان کو پتا ہے تمہارے اس سارے بنگے کا۔“ اسد نے پوچھا۔

”آئی ڈونٹ نو، ویسے ماما سے بات ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھیں کہ ابھی پایا کو نہیں بتایا میرا خیال ہے ماما بتائیں گی بھی نہیں، بڑے بابا نے ہی اس آفسر سے بات کر کے لیکن کو بھیجا تھا۔“ وہ کھانا کھا چکی تھی لیکن اس سے ہاتھ صاف کرتے بتایا۔

”شکر کرو کہ ابھی تک کسی اور کو خبر نہیں ہوئی تمہارے اس تازہ ترین کارنامے کی بابا نے سختی سے مجھے اور ماما کو کہہ دیا تھا کہ کسی اور سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور رشتہ خالہ سے تو بالکل بھی نہیں اور منی ڈالو تم سب لوگ اب اس قصبے پر اور تم نے کھانا کھا لیا ہے تو اب اٹھو، تمہاری وجہ سے میں نے ڈھولک کچھ دیر کے لیے روکوا دی تھی اب تم آگئی ہو تو مل کر خوب رونق لگاتے ہیں۔“ فرح نے برتن میٹے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”ابھی میرا کسی بھی ایکٹیوٹی میں بڑی بیو نے کاموڈ نہیں آج کالج میں ٹیسٹ تھا کل ساری رات تیاری کرنے لڑ گئی اور کالج میں سارا دن بزدلت اور بڑی رہا اور پر اس قدر تھ

”اب اس کمرے میں تم بھی قیام کرو گی میں ماسی کو بلا کر کچھ سینک کروا دیتی ہوں تم بھی تو اچانک آئی ہو کوئی اطلاع بھی نہ دی ورنہ میں ان لوگوں کا کہیں اور بندوبست کرا دیتی اور کمرہ صاف کروا لیتی مہمانوں کی وجہ سے اوپر نیچے کے سب روم فل ہیں نا۔“

”شیور یار اس روم کو دیکھ کر مجھے چکرا رہے ہیں میں تو اب ایک بل بھی یہاں رات نہیں ٹھہروں گی تم کہیں اور راتچ کر کوئی صاف ستھرا کمرہ ہوتم جانتی ہو میں ایسی جگہ ایک بل نہ لگوں۔“ اس نے ناک منہ چڑھا کر کہا۔ وہ اتنی ہی غرلی اور نازک مزاج تھی مندیگی اس کی طبیعت پر ہمیشہ سخت گراں گزرتی تھی۔ ”آج رات تجوری ہے ادھر ہی گزارہ کر لو صبح میں ان کو کہیں اور سیٹ کروں گی۔“

”گرگز نہیں کہیں اور راتچ کرو میرا۔“ وہ فوراً کمرے سے باہر نکلی تھی۔

”رکو تو سہی۔“ فرح اس کے پیچھے پیچھے تھی ہاتھ پکڑ کر روکا۔ ”کیا بات ہے کیا ہوا؟“ بڑی مالا اھر سے گزریں تو دونوں کو دیکھ کر رک گئیں۔ فرح نے انہیں ساری بات بتادی۔

”اوہ۔“ وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ ”اوپر تین فلن والا کمرہ فارغ ہے اپنی بالکل اصلی حالت میں اب چنانچہ فلن رات واپس آتا ہے یا بابا صاحب کا کام مکمل کر کے واپس گاؤں چلا جاتا ہے کل اماں لی لی اور بابا صاحب کو ساتھ لے کر آئے گا وہاں کام تھا تو وہ دونوں آج نہیں آسکے فرح تم شہری کو فلن کے کمرے میں لے جاؤ۔“ بڑی ماما نے رسائیبت سے کہا۔

”اگر فلن بھائی گاؤں جانے کی بجائے ادھر آ گئے تو؟“ فلن کا کمرہ کوئی اور استعمال کرے اور وہ بھی شہریتہ قیامت آ جانے کے آثار تھے فرح ماما کی بات پر ایک دم گھبرا ائی تھی۔

”اس کے پروگرامز کا بھی پتا نہیں چلتا وہ یہاں رکنا کب ہے اب بھی بابا صاحب کے کام سے آیا تھا اور بھگم بھاگ چلا گیا نجانے واپس ادھر آتا بھی ہے یا سیدھا گاؤں جاتا ہے تم ٹینشن نہ لو، فلن کے کمرے میں شہری کو لے جاؤ نقل دین میرے کمرے میں شہریتہ کا سامان رکھ گیا تھا وہ کسی ملازمہ کو کہہ کر کمرے میں بھجوا دو۔“ انہوں نے محبت سے اس کے بالوں کی لٹوں کو چہرے سے ہٹاتے کہا تو وہ ان کے اس خصوصی سلوک پر ایک دم شرمندہ ہوئی۔

”دھنکس بڑی ماما۔“ محبت دو الہانہ پن سے ان کو خود سے لپٹا کر کہا تو وہ ہنس دیں۔

وہ فرح کے ساتھ اور آگئی تھی۔ فلن خاندان کا پہلا اور بڑا بچہ تھا سو خصوصی توجہ اور سلوک سے نوازا جاتا اھر گاؤں میں بھی اس کا کمرہ بہت خوب صورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا یوں گمان ہوتا تھا کہ کسی شہزادہ عالم کی خواب گاہ ہو۔ اور اب یہ شہر والا کمرہ بھی بہت خوب صورت تھا شہریتہ نے قدرے سکون محسوس کیا۔

”تھینک گاڈ اوپر شہر نہیں ہے ورنہ دماغ خراب ہو کر رہ جاتا۔“ وہ آرام سے بستر پر گر گئی تھی۔ بھی ملازمہ اس کے دو بھاری بیگز اٹھائے چلی آئی تھی۔

”ویسے یہ فلن ہے کہاں؟“ اپنا بیگ کھول کر ٹائٹ سوٹ نکالتے اس نے فرح سے پوچھا۔

”وکیل صاحب بابا صاحب کے کسی کام سے نکلے ہوئے ہیں۔“ فرح نے بتایا۔

”یہ پریس کر کے فافٹ لے آؤ۔“ میں اتنی دیر باتھ لے لوں۔“

”اور اس وقت وکیل صاحب کی کون سی کچہری کھلی ہوئی ہے۔“ ملازمہ کو رخصت کر کے فرح سے پوچھا ساتھ ساتھ اس نے خود کو جیکٹ سے آزاد کرنے کے بعد بالوں سے کچر نکال کر ہاتھوں سے بالوں کو سنوارا تھا لیسر شپ میں کئے بال کندھوں پر ارد گرد بکھر گئے تھے۔

”کوئی ذلتی کام ہے بابا صاحب کا جائیداد وغیرہ کا اسی سلسلے میں کسی سے ملنے جانا تھا انہیں۔“ فرح نے بتایا تو سر ہلا گئی اور انا نا دل بیک سے نکال کر باڈی اسپرے بکٹوں اور شپو اور سوپ نکال کر ہاتھ روم کی طرف بڑھی۔

”چائے پیو گی یا دودھ بھجواؤں؟“ فرح نے جاتے جاتے پوچھا۔

”نہیں یار، اب کچھ بھی مت بھجوانا اب عرف ہاتھ لے کر سوؤں گی۔“ فرح سر ہلاتے دروازہ بند کرے واپس آگئی تھی اسے ابھی نیچے بہت سے مہمانوں کو دیکھنا تھا اور ڈھولک کا بنگامہ علیحدہ بکھرتھا۔



پلے پلے
او پلے پلے نور پناہن دی

اوپلے..... لے..... نور چٹا بن دی
جتنی کھل دی مڑوڑا میں اوچل دی
نور چٹا بن دی
لے.....

وہ جیسے ہی اندر کی طرف بڑھا تھا تیز ہنسی قہقہوں سے لبریز
کان بھانڈ دینے والی آوازیں اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح
بہتی تھیں۔ اگلن نے کوفت سے اندر کی طرف دیکھا جہاں ہال
کمرے میں یہ نشست بھی ہوئی تھی بھانت بھانت کی بولیاں
تھیں اور ان گنت لوگ۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور اس رات گئے
کی مشقت نے اسے اس قدر تھکا ڈالا تھا کہ اب جی چاہ رہا تھا
کہ سب کچھ نظر انداز کرتے سیدھا اپنے بیڈ روم میں جا سکے اور
بستر پر گر کر لمبی تان کر سوتے۔

شادی والے گھر میں ایسے ہنگامے تو عام ہی بات تھی۔
رات کے اڑھائی بج رہے تھے مگر لگتا تھا کہ ادھر کی کا بھی کوئی
سونے کا ارادہ نہیں تھا کہیں بھی نیند کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ اندر
بانے کے بجائے باہر راہداری سے ہی ہوتا ہوا میسر کی
طرف جانے والے زینہ پر چڑھ گیا تھا اس وقت اگلن کا کسی
سے بھی سامنا کرنے کا قطعی موقع نہیں تھا اس لیے وہ جیکے سے
ادھر چلا آیا تھا۔ کھانا وہ جمیل جعفری اور اس کے ویل کے
ساتھ کھا کر آیا تھا اب صرف تھکے ماندے جسم کی پہلی ترجیح
نیک نہ سکون نیند تھی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ساؤنڈ
دف کمرے میں قدم رکھتے ہی بچے سے آنے والی تمام
چٹکی آوازوں کا گویا کسی نے گٹھ جوڑ دیا تھا کمرے کی
پیش آن کر کے ہاتھ میں پکڑا بریف کیس نزدیکی صوفے پر
گتہ کی چین اور موبائل ٹیبل پر رکھتے وہ پلٹا تھا۔ اگلے ہی پل
اسے رک جانا پڑا تھا۔ منہ کے بل کبل سر تک تانے سوتے
نود کو دیکھ کر وہ ایک پل کو جاہد ہوا تھا۔

”یہ کون ہے۔“ اس کا کمرہ بڑے استحقاق سے کسی نے
تعمیل کیا تھا۔

”واٹ از آن سنس۔“ اپنی پرائیویسی میں یہ مداخلت
نہ کوئی نہیں بھائی تھی وہ ایک دم ناگواری سے بڑبڑایا تھا۔

یہ وجود جانے کون تھا۔ وہ تیزی سے بستر کی طرف بڑھا مگر
تھکی پل رکتا پڑا۔ بستر سے نیچے قالین پر پڑے لیڈ پر چیل،
نیل پیل پر پڑا خوب صورت جگمگاتا پتھر غریب ہی رکھا تھتی
بل اور سر ہانے پر بکھرے بال وہ اچھا خاصا الجھ گیا تھا۔

”اوف..... کون ہے یہ محترمہ؟“ منہ کے بل نیکے میں منہ
مکھائے سوتا وجود وہ بغور دیکھنے پر بھی نہ پہچان پایا تو ایک دم
جھنجھلا اٹھا تھا جس قدر تھکن سے وہ دوچار تھا ایسے میں یہ نئی
صورت حال اسے خاصے طش میں جتلا کر دی تھی۔ جی چاہ رہا
تھا کہ یہ محترمہ جو کوئی بھی ہیں بس اٹھا کر باہر پھینک دے۔ کس
قدر بے سکون انداز میں اس کا روم استعمال کیا گیا تھا وہ جو اپنی
پرائیویسی کے معاملے میں اس قدر حساس تھا کہ اس کی اجازت
کے بغیر ملازم اس کا روم تک صاف کرنے کی جرأت نہ کرتے
تھے اب کوفت کا شکار ہو چکا تھا۔ نجانے کون بھی مہمان تھی یا پھر
کوئی رشتہ دار؟ وہ بلا سوچے سمجھے ایک دم آگے بڑھا تھا۔ سوتے
ہوئے وجود پر بڑا ہوا کبل کا ٹونا تھام کر پھینچنا چاہتا تو رک گیا ایک
دم اس کے جذبات پر عقل غالب آئی تھی۔ نجانے کون بھی اور
کس قسم کے مزاج و اطوار کی مالک بھی؟ پھر نیند سے یوں
اٹھائے جانے پر نجانے کیاری ایکشن ظاہر کرے محترمہ۔

کیا بید تھا اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر چننا چلا تا ہی نہ
شروع کر دے اور خواہ مخواہ کوئی نئی صورت حال کری ایٹ
ہو جائے۔ مہمانوں سے بھرپور گھر تھا ایسے عالم میں اگر کوئی
محترمہ اس قدر اطمینان و سکون سے آرام فرما رہی تھی تو یقیناً گھر
میں سے بھی کسی نہ کسی فرد کے تاج میں ان محترمہ کی اس کمرے
میں موجودگی ہوگی؟ اگلن نے ہاتھ صحتیج لیا تھا ایک عصبی نگاہ
سوتے ہوئے وجود پر ڈالتے وہ تیزی سے کمرے سے نکلنے
سیڑھیاں پھلا نکلنے ہال کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ تمام قریبی رشتہ
دار خواتین ڈھونڈ کے گرد جمع ابھی بھی زود شور سے محفل بھائے
ہوئے تھیں صورت حال ایسی تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے
رہی تھی۔ فرج ڈھونڈ پر پہنچ بجاتے مکمل طور پر اسی ماحول کا
حصہ بنی ہوئی تھی۔

”فرج۔“ اس نے آواز دی مگر بے فائدہ رہی نقار خانے
میں بھلا طوطی کی آواز کون سنتا..... اس نے غصے سے اطراف
میں دیکھا مالا ایک صوفے پر کسی قریبی رشتہ دار خاتون کے ساتھ
مچھلنگو تھیں۔ وہ فرج کو وہیں پھونڈتا مالا کی طرف چلا آیا۔
”ماما۔“ مالا سے دیکھ کر چوئیں۔
”آہ مجھے تم۔“

”جی آپ ذرا ایک منٹ باہر آئیں مجھے آپ سے ایک
بات کرنی ہے۔“ وہ اپنی بات کہہ کر پلٹ گیا تو مالا اور اس کے
پیچھے گئیں۔

اسے حقیقتاً شہرینہ جیسے فتنہ پرور لوگوں سے شدید نفرت تھی شہرینہ نے ہمیشہ ایسی ہی اٹھی سیدھی حرکتیں سرانجام دی تھیں اور سونے پر سہاگہ باپ کے سیاسی بیک گراؤ نڈ پر بے جا فخر فکرن کو ایسے لوگ نہ ہر گزتے تھے جج کو کچھ بھی ہوا تھا اس کے بعد تو فکرن کے دل و دماغ میں شہرینہ سے متعلق کوئی خوشگوار یا اچھی سوچ باقی نہ رہی تھی۔

”فکرن“ ماما نے جیرانی سے فکرن کا یہ انداز ملاحظہ کیا۔

”ماما پلیز آپ فوراً میرا کمرہ خالی کر لیں۔“

”وہ سوری ہے اس کی نیند خراب ہوگی۔“

”ماما پلیز میں بھی صبح سحری کا اٹھا ہوا ہوں، اب تک

بھاگ دوڑ سے تھک کر چور ہوا ہوں اور اس وقت میں بس اپنے کمرے میں سکون سے ریٹ کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ جھنجھلا گیا تھا۔

”تم ایسا کرو میرے کمرے میں چلے جاؤ تمہارے باپا تو اب کل صبح ہی واپس لوٹیں گے میں سب کو کہہ دوں گی وہاں تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا آرام سے سونا۔“ انہوں نے محبت و شفقت سے اس کی پیشانی پر کبھرے بال سینٹے لجا جت سے کہا تو فکرن نے ایک گہرا مضطرب سانس لیا۔ ماما کے اس لاڈ پر وہ ہمیشہ خاموش ہو جاتا تھا اب بھی بے چارگی سے انہیں دیکھا تھا۔

”ماما اپنا کمرہ ہونے کے باوجود میں آپ کو کیوں ڈسٹرب کروں۔“

”کہہ تو رہی ہوں تا میں صبح کوئی کمرہ صاف کر کر اسے وہاں شفٹ کر دوں گی پلیز میری خاطر۔“ انہوں نے کہا تو فکرن نے از حد سنجیدگی سے انہیں دیکھا تھا۔

”مگر یہاں شور بہت ہوگا آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ شور میں مجھے نیند نہیں آتی۔“ وہ شہرینہ عثمان سے کمر خربلا نہ تھا وہ ہنس دیں۔

”بس یہ محفل برخاست کراتی ہوں تم کمرے میں لیٹ کر دروازہ بند کرلو۔“

”اور آپ کہاں جائیں گی۔“ ماں کے سامنے وہ ہمیشہ خود کو بے بسی محسوس کرتا تھا اب بھی بارہا سنتے ہوئے پوچھتا۔

”نہیں بھی لیٹ جاؤں گی اپنا کمرہ ہے وہاں صبح ہونے والی ہے کچھ دیر میں فجر کی نماز پڑھ کر ہی لینوں گی صبح کو بھی کام ہوں گے وہ بھی دیکھتے ہیں۔“ اس کو مانتے دیکھ کر انہوں نے

”میرا خیال تھا کہ تم کام نہ پٹاتے ہی حویلی چلے گئے ہوں گے اتنا لٹ ہو گئے تھے تا تم۔“ ماما نے فوراً قریب آ کر کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

”میرے دم میں کون ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”او..... اچھا تم کمرے سے بھی ہوا آئے ہو۔“ انہوں نے فکرن کے سنجیدہ انداز کو نظر انداز کیا اور نارمل انداز میں بتانے لگیں۔

”شہری ہے تمہیں اس کے موڈ کا تو پتا ہے تا کسی قدر چوڑی ہے فرح کا کمرہ خالی نہ تھا اور سے رخشندہ کی بیٹیوں نے خوب پھیلا وہ پھیلا رکھا تھا اس نے بے ترتیب کمرے میں رسنے سے انکار کر دیا تمہارا کمرہ صاف تھرا اچھی حالت میں اور خالی بھی تھا تو میں نے اسے وہاں ٹھہرا دیا یہی تھی ہوئی تھی کھانا کھاتے ہی سو گئی ہے پھر مجھے یہ تھا کہ تم سیدھا حویلی ہی چلے جاؤ گے اور نہیں آؤ گے۔“ شہرینہ کے ذکر پر فکرن کا غصہ ایک دم سوانیزے پر آیا تھا۔

”حد ہوئی ہے گھر میں اتنے کمرے ہیں کسی میں بھی اسے ٹھہرا دیتیں لیکن نہیں لے دے کے میرا کمرہ ہی دے دیا۔“ وہ غصے سے بولا تو ماما نے سنجیدگی سے دیکھا۔

”بیٹا وہ تھکی ہوئی تھی پھر گھر میں باقی سارے کمرے بھی دوسرے مہمانوں کے پاس ہیں میں صبح کوئی کمرہ خالی کر کر اسے وہاں شفٹ کر دوں گی تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟“ انہوں نے رسانی سے کہا تو فکرن نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”آئی ڈونٹ کیئر۔ آپ ابھی اور اسی وقت میرا کمرہ خالی کرائیں میں اس جیسی بے ترتیب آتش فشاں لڑکی کو ایک منٹ بھی اپنے کمرے میں مزید برداشت نہیں کر سکتا آپ اسے فوراً وہاں سے نکالیں ورنہ میں خود اٹھا کر اسے باہر پھینک دوں گا۔“ ماما فکرن کے غصے سے ایک دم پریشان ہوئی تھی۔

”فکرن وہ مہمان ہے ہماری۔“ انہوں نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

”مالی فٹ مہمان نہیں در در سر بلکہ بلائے جان کیسے تو بہتر ہوگا آتے ہی اس محترمہ نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے میرا تو سوچ سوچ کر ابھی تک خون کھول رہا ہے یہ سب بچا جان اور خالہ جان کی بے جا و جیل کا نتیجہ ہے اس کے لیے انسانی زندگی اس قدر اراں ہے کہ اپنے تھکر کے نام پر جسے مرضی رو نہ کر گزر جائے مجھے شدید نفرت ہے ایسے لوگوں سے۔“ وہ بھٹ پڑا تھا۔

درمیانے سائز کی مثال کندھوں پر لیٹے اپنے کل سفر والے حلیے سے قطعی مختلف تھی۔ رات کی بھر پور نیند اور آرام وہ بستر نے اس کی ساری تھکن اڑا دی تھی اور اس وقت وہ خود کو خاصا فریش اور پُر سکون محسوس کر رہی تھی۔ ٹپکتے ہوئے اسے ماما کا خیال یا تو اس نے پاکٹ سے موبائل نکال کر ماما کا نمبر ڈائل کیا۔ کال ریسیو ہوتے ہی سلام دعا کے بعد ماما نے اس کی فوراً کلاس لیتا شروع کر دی تھی ورنہ رات سے وہ موبائل بند کیے سو رہی تھی سوائے تک ان کی ڈانٹ سے بچی ہوئی تھی۔

”مجھے تم پر بہت غصہ آ رہا ہے میں لاہور میں ہوتی تو تمہاری خوب خبر لیتی لیکن اس سے ساری تفصیل سن چکی ہوں جب اس آفیسر نے کال کی تو مجھے بھی لگا تھا کہ فضل دین سے ایک سیڈنٹ ہوا ہے لیکن رات جب لیکن سے بات ہوئی تو ساری حقیقت جان کر بہت دکھ ہوا مجھے تمہارے پاپا ملک سے باہر ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں تم ایسے مسئلے کڑی ایٹ کر رہی ہو، ابھی تو ان کو کوئی اطلاع نہیں دی لیکن جب بھی انہیں تمہارے اس تازہ کارنامے کی خبر ملے گی تو سب سے زیادہ وہ مجھ پر خفا ہوں گے کہ میں نے تمہیں بائے روڈ جانے کی پریشانی دی یہی کیوں تھی۔“ ماما تو سخت غصے میں تھیں شروع ہوئیں تو بہتی چلی گئی اور وہ کان دبائے شرافت سے ان کی بھانسن رہی تھی۔

”ایم سو ری ماما۔“ اس نے ان کے توقف کرنے پر فوراً کہا تو دوسری طرف ان کا غصہ مزید بڑھا۔

”تمہارے یہ ایڈوانچرز دن بدن سنگین صورت حال پیدا کرتے جا رہے ہیں میں اب تمہیں کسی بھی قسم کی اور ایکٹیوٹی نہیں کرنے دوں گی۔“

”کہنا تا ماما ایم سو ری، آپ کو علم تو ہے کہ جب اسٹیرنگ میرے ہاتھ میں آتا ہے تو گاڑی کی رفتار خود بخود تیز ہوتی چلی جاتی ہے اب جان بوجھ کر تو نہیں گاڑی ماری میں نے۔“ اس نے انتہائی معصومیت سے کہا تو دوسری طرف ماما کو شدید تپ چڑھی تھی۔

”سٹ اپ شہری، اب تمہیں بابا ہی آکر سمجھائیں گے یہ چھوٹی موٹی انجوائے منٹس اور تھریل بعض اوقات بہت مہنگے بھی پڑ جاتے ہیں۔“

”ماما پلیز اب بس بھی کریں نا، ایک وہ خطرہ کا جانشین بھی اتنا کچھ نہا گیا تھا اوپر سے آپ کی کلاس۔“

”بری بات شہری۔“ لیکن تم سے بہت بڑا ہے عزت سے

مانیت سے کہا۔
”مجھے اب چینیج بھی کرنا ہے شاید ان کا کمرہ بھی تو اچھا خاصا ہے اس میں ٹیبلر اور بی اسے۔“ لیکن کو پھر کمرے کا خیال کیا تھا۔

”عروسی سبائٹ کے لیے اس میں کام ہو رہا ہے ہر طرف مایان اور چیزیں بکھرے ہوئی ہیں شہرینہ بھی نہ رکھی وہاں۔“ کاجی چلا کہ وہ تک نہ ہی شہرینہ سے سنا تھا جاتے تو اس کا گلا گھونٹ دیا وہ لیکن اس وقت وہ ماما کے سامنے صرف صبر کے خوبصورت بی کر رہ گیا تھا۔

”کسی کو بھیج کر میرے کمرے سے سیلینگ سوٹ اور چند اور استعمال کی اشیاء منگوادیں۔“ وہ غریبے انداز میں کہہ کر ماما کے کمرے کی طرف بڑھا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا ورنہ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ حقیقتاً شہری کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکل دیتا۔

وہ صبح خیز تھی وہ چٹنی بھی بکڑی تھی لیکن اس میں بہت سی بھی کواٹیز بھی تھیں جن میں ایک صبح خیزی بھی تھی رات چاہے کسی بھی وقت سوئی آنکھ ہمیشہ فجر کے ساتھ ہی کھل جاتی تھی۔ فجر کی نماز کی عادت ماما اور اماں بی (دادی) کی وجہ سے پڑی تھی پہلے اماں بی کے ساتھ گاؤں میں رہتی تھیں اور وہ تینوں بھائی بھینسوں کی وجہ سے ہاسٹلز میں ہوتے تھے بعد میں تینوں وغیرہ میں گاؤں جانا ہوتا تھا تو گاؤں کے ماحول میں ایسا بہت مشکل لگتا تھا ایسے میں اماں بی کی روک ٹوک۔

اماں بی بہت مذہبی خاتون تھیں اور نماز کی از حد پابند وہ بچھینوں میں گاؤں جاتی تو وہ حتیٰ سے نماز پڑھواتی تھیں اور نماز پڑھنے کے ساتھ فجر کی نماز کی عادت پختہ ہوتی چلی گئی تھی سیاست میں چلے گئے تو وہ لوگ اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے بہت کم گاؤں جانا ہوتا تھا زیادہ تر اماں بی خود ہی اسلام آباد مل جایا کرتی تھی آج بھی وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ رات ایک پونیندی تھی فجر کی نماز ادا کر کے وہ کمرے سے نکل آئی تھی پانی تو ہر سو ملکا ہکا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ رات جس گھر میں شراباؤر ہنگامہ برباد تھا قہقہے کو رخ رہے تھے اب وہاں سکوت تھا بر کوئی تھا بارانی آبی آرام گاہ میں خواستراحت ان میں آکر وہ ادھر ادھر ٹپکتے لگی تھی۔

اس وقت مائٹ کے ساتھ گھنٹوں سے اوپر شرٹ پہنے

درمیانے سائز کی مثال کندھوں پر لیٹے اپنے کل سفر والے حلیے سے قطعی مختلف تھی۔ رات کی بھر پور نیند اور آرام وہ بستر نے اس کی ساری تھکن اڑا دی تھی اور اس وقت وہ خود کو خاصا فریش اور پُر سکون محسوس کر رہی تھی۔ ٹپکتے ہوئے اسے ماما کا خیال یا تو اس نے پاکٹ سے موبائل نکال کر ماما کا نمبر ڈائل کیا۔ کال ریسیو ہوتے ہی سلام دعا کے بعد ملانے اس کی فوراً کلاس لینا شروع کر دی تھی ورنہ رات سے وہ موبائل بند کیے سو رہی تھی سوائے تک ان کی ڈانٹ سے بچی ہوئی تھی۔

”مجھے تم پر بہت غصہ آ رہا ہے میں لاہور میں ہوتی تو تمہاری خوب خبر لیتی لیکن اس سے ساری تفصیل سن چکی ہوں جب اس آفیسر نے کال کی تو مجھے بھی لگا تھا کہ فضل دین سے ایک سیڈنٹ ہوا ہے لیکن رات جب لیکن سے بات ہوئی تو ساری حقیقت جان کر بہت دکھ ہوا مجھے تمہارے پاپا ملک سے باہر ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں تم ایسے مسئلے کڑی ایٹ کر رہی ہو، ابھی تو ان کو کوئی اطلاع نہیں دی لیکن جب بھی انہیں تمہارے اس تازہ کارنامے کی خبر ملے گی تو سب سے زیادہ وہ مجھ پر خفا ہوں گے کہ میں نے تمہیں بائے روڈ جانے کی پریشانی دی یہی کیوں تھی۔“ ماما تو سخت غصے میں تھیں شروع ہوئیں تو بہتی چلی گئی اور وہ کان دبائے شرافت سے ان کی بھانسن رہی تھی۔

”ایم سو ری ماما۔“ اس نے ان کے توقف کرنے پر فوراً کہا تو دوسری طرف ان کا غصہ مزید بڑھا۔

”تمہارے یہ ایڈوانچرز دن بدن سنگین صورت حال پیدا کرتے جا رہے ہیں میں اب تمہیں کسی بھی قسم کی اور ایکٹیوٹی نہیں کرنے دوں گی۔“

”کہنا تا ماما ایم سو ری، آپ کو علم تو ہے کہ جب اسٹیرنگ میرے ہاتھ میں آتا ہے تو گاڑی کی رفتار خود بخود تیز ہوتی چلی جاتی ہے اب جان بوجھ کر تو نہیں گاڑی ماری میں نے۔“ اس نے انتہائی معصومیت سے کہا تو دوسری طرف ماما کو شدید تپ چڑھی تھی۔

”سٹ اپ شہری، اب تمہیں بابا ہی آکر سمجھائیں گے یہ چھوٹی موٹی انجوائے منٹس اور تھریل بعض اوقات بہت مہنگے بھی پڑ جاتے ہیں۔“

”ماما پلیز اب بس بھی کریں نا، ایک وہ خطر کا جانشین بھی اتنا کچھ نہا گیا تھا اوپر سے آپ کی کلاس۔“

”بری بات شہری۔“ لیکن تم سے بہت بڑا ہے عزت سے

مانیت سے کہا۔
”مجھے اب چینیج بھی کرنا ہے شاید ان کا کمرہ بھی تو اچھا خاصا ہے اس میں ٹیبلر اور بیس۔“ لیکن کو پھر کمرے کا خیال کیا تھا۔

”عروسی سبائٹ کے لیے اس میں کام ہو رہا ہے ہر طرف مایان اور چیزیں بکھرے ہوئی ہیں شہرینہ بھی نہ رکھی وہاں۔“ کاجی چلا کہ وہ تک نہ مہی شہرینہ سے سنا جاتے تو اس کا گلا بند ہوا وہ لیکن اس وقت وہ ماما کے سامنے صرف صبر کے خوبصورت بی کر رہ گیا تھا۔

”کسی کو بھیج کر میرے کمرے سے سیلینگ سوٹ اور چند اور استعمال کی اشیاء منگوادیں۔“ وہ غریبے انداز میں کہہ کر ماما کے کمرے کی طرف بڑھا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا ورنہ اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ حقیقتاً شہری کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکل دیتا۔

وہ صبح خیز تھی وہ چٹنی بھی بکڑی تھی لیکن اس میں بہت سی بھی کواٹیز بھی تھیں جن میں ایک صبح خیزی بھی تھی رات چاہے کسی بھی وقت سولی آنکھ ہمیشہ فجر کے ساتھ ہی کھل جاتی تھی۔ فجر کی نماز کی عادت ماما اور اماں بی (دادی) کی وجہ سے پڑی تھی پہلے اماں بی کے ساتھ گاؤں میں رہتی تھیں اور وہ تینوں بھائی البتو کیشن کی وجہ سے ہاسٹلز میں ہوتے تھے بعد میں تینوں وغیرہ میں گاؤں جانا ہوتا تھا تو گاؤں کے ماحول میں انسا بہت مشکل لگتا تھا ایسے میں اماں بی کی روک ٹوک۔

اماں بی بہت مذہبی خاتون تھیں اور نماز کی از حد پابند وہ بچھینوں میں گاؤں جاتی تو وہ حتیٰ سے نماز پڑھواتی تھیں اور نہ بڑھنے کے ساتھ فجر کی نماز کی عادت پختہ ہوتی چلی گئی تھی سیاست میں چلے گئے تو وہ لوگ اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے بہت کم گاؤں جانا ہوتا تھا زیادہ تر اماں بی خود ہی اسلام آباد مل جایا کرتی تھی آج بھی وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ رات ایک پورنیدی تھی فجر کی نماز ادا کر کے وہ کمرے سے نکل آئی تھی پانی تو ہر سو ملکا ہکا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ رات جس گھر میں شراب اور ہنگامہ برپا تھا قہقہے کو رخ رہے تھے اب وہاں سکوت تھا بروٹی تھا بارانی اپنی آرام گاہ میں خواستراحت ان میں آکر وہ ادھر ادھر ٹپکتے لگی تھی۔

اس وقت مائٹ کے ساتھ گھنٹوں سے اوپر شرٹ پہنے

بلایا کرو بھائی کہا کرو اسے۔“ عزت تو میں ان کی کرتی ہوں جو واقعی عزت کے قابل ہوں ان جیسے لوگ جو خود کو ابھہ پر عجب جمائیں انتہائی زہر لگتے ہیں مجھے۔ مجھے دیکھ کر تو وہ انکار سے چبانے لگتے ہیں اگر یہ عزت مآب فلن صاحب بڑی مامکے سپوت نہ ہوتے تو اب تک میں ان کو اپنی فرسٹ کلاس قسم کی شاند بازی کی زد پر رکھ چکی ہوتی۔“ کڑوے کیلے لہجے میں کہتے اس نے جیسے ہی رخ بدلا تو ٹھٹھک گئی اس سے کچھ فاصلے پر فلن صاحب کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے اسی کی طرف متوجہ تھے۔ یقیناً اس نے اسے متعلق فرمائے گئے شہری کے تار فرمودات سن لیے تھے وہ مسلسل کیڑ تو نظروں سے گھور رہا تھا۔ شہرینہ بجائے شرمندہ ہونے کے ڈھٹائی سے مسکرائی تھی۔

”او کے ماما پھر بات ہوگی بائے۔“ اس نے کال بند کی اور موبائل واپس پاکٹ میں ڈالنے پھر مسکرا کر فلن کو دیکھا۔

”ہائے۔۔۔ گنڈ مار تک۔“ اس نے جان بوجھ کر فلن کو مخاطب کیا۔

وہ جاکنگ سوٹ میں ملبوس کچھ پل پہلے کمرے سے نکلا تھا اس کا ارادہ لان میں کچھ دیر ایکسر سائز کرنے کا تھا لیکن شہرینہ کو دیکھ کر ٹھٹھکا تھا اور پھر اس کے یہ تار و تاب فرمودات سن کر اس کا غصہ ایک دم سوائیز سے پرچا ہوا تھا۔

”ٹھٹ اپ۔“ وہ انتہائی درشت لہجے میں کہہ کر اسے گھور کر دیکھتے واپس پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھا تا وہ اندر چلا گیا تھا۔

شہرینہ نے محظوظ ہوئی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا اور کندھے اچکا کر بھر لان میں چہل قدمی کرنے لگی تھی۔

○ ○ ○ ○ ○

وہ اندرائی تو سمجھی سو رہے تھے بلکہ رت جگے کی پینڈ پوری کر رہے تھے وہ بچن میں آگئی ملازما میں رات کے بھرے برتن دھو رہی تھیں اور ایک ملازمہ چو لہے کے سامنے کھڑی تھی۔

”آپ کچھ لیس گی بی بی صاحبہ۔“ ملازمہ نے دریافت کیا اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”بس چائے دے دو، اسٹرانگ سی ہو۔“ وہ وہیں کھڑی رہی ملازمہ نے فوراً چائے کا برتن رکھا تھا۔

”ناشہ بھی بنا دوں؟“

”نہیں ابھی نہیں جب سب کریں گے تو میں بھی کر لوں گی اس وقت تو بس چائے کی طلب ہو رہی ہے۔“ ملازمہ نے اسے

چائے پیش کر دی تھی وہ گگھم کر لاؤنج میں آئی تو اپنے کمرے سے نکل کر کچھ کھینچتی فرح ابھری چلی آئی تھی۔

”اٹھ گئی تم؟“ فرح اسے جاگتے وہ بھی چائے کے گگ کے ساتھ دیکھ کر حیران ہوئی۔

”تم جانتی ہو میں شروع سے ہی صبح خیز ہوں۔“

”ہاں بس یہی ایک اچھی عادت ہے تمہارے اندر ورنہ۔۔۔“ وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی شہرینہ نے اسے گھورا۔

”واٹ ڈو یو مین ورنہ۔۔۔“

”مذاق کر رہی تھی یار۔“ فرح نے ہنس کر کہا شہرینہ نے سر جھٹکا۔

”میرے اندر اور بھی بہت سی اچھی اچھی کوالٹیز ہیں اور یہ کوالٹیز صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو مجھے بہت اچھے سے جانتے ہیں۔“

”مثلاً۔۔۔“ فرح نے مذاق کیا۔ ”وہ کون عزت مآب لوگ ہیں۔“

”جیسے کہ میرے پاپا۔“ چائے کا گھونٹ بھرتے اس نے کہا۔

”ہاں یا تو یا چچا جان کب تکہ میں گے اور آفاق بھائی اور نیپو کب پہنچ رہے ہیں؟“ نیپو اور آفاق اس کے بھائی تھے آفاق شایان اور نیپو اسد کے ہم عمر تھا آفاق تعلیم کی غرض سے امریکا میں تھا جبکہ نیپو اسلام آباد میں ہی زیر تعلیم تھا نیپو نے ماما اور پاپا کے ساتھ ہی شادی میں شرکت کرنی تھی جبکہ آفاق بھائی کا اچھی کسٹرم نہیں تھا۔

”پاپا کل واپس آئیں گے یہاں ان کو آفس کے کچھ کام ہیں وہ مینا کر ہو سکتا ہے شادی والے دن ہی پہنچ جائیں ماما کہہ رہی تھیں کہ اگر پاپا لٹ ہو گئے تو وہ نیپو کے ساتھ ایک دن پہلے ضرور شرکت کریں گی۔“ اس نے تعصلاً بتایا۔

”یہ تو زیادتی ہوئی گھر کی شادی ہے اور یہ لوگ مین شادو والے دن پہنچیں گے۔“

”یار ان لوگوں کی مصروفیات ہی کچھ ایسی ہیں گھر کا تقریبات میں بھی بے شکل ٹائم نکال پاتے ہیں ماما پاپا۔“

”رات میں کمرے میں گئی تھی تم تو گہری نیند میں تھی۔“

”ہاں یار کافی تھکن ہوئی تھی لیکن یہ نیند نے آلیا ج آگ کھلی تھی۔“

”یہ قلن بھائی کب آئے تھے؟“

رات میں ہی لوٹے تھے ان کے کمرے میں تم تھیں تو ملا
کے کواپنے کمرے میں ٹھہرا لیا تھا تم سے ملے وہ؟“

”نہیں میں نے لان میں دیکھا تھا مجھے دیکھ کر ایک دم غصے
آئے تھے میں نے سلام دعا کرنے کا ابھی سوچا ہی تھا کہ وہ تن
تے چلے گئے۔“ فرح نے گھورا وہ ہنس دی مگ خالی

اس نے سائیڈ پر رکھا۔
”جج جج بتاؤ تمہارا بھائی پیدا انہی ایسا تھا یا آفٹر برتھ کوئی مسئلہ

تھا۔“ بہت سنجیدگی سے اس نے پوچھا تھا۔
”کیا مطلب؟“

”مثلاً آنکھوں کو ایسے کر کے دیکھنے کا اسٹائل۔“ شہرینہ
”انکھوں کو باقاعدہ بھیجنا کر کے ہٹایا تو فرح نے ایک زور کا

”جس کے کندھے پر مارا۔“
”کیوں نہ؟“

”تو تمہارا ہاتھ ہے یا کسی پہلوان کا ہتھوڑا۔“ شہرینہ نے
”راہتے فوراً کندھا مسلا۔“

”خیر وار میرے بھائی کو کچھ کہا تو قلن بھائی جیسی گہری،
”سیاہ آنکھیں خاندان میں کسی مرد کی نہیں ہیں، تمہیں کیا

”سب مرئی ہیں ان کی آنکھوں پر۔“ اس کی دہائی کو نظر انداز
”فرح نے بھائی نامہ سنایا۔“

”اس موٹی تازی باہر کو اہلٹی آنکھیں ایسی خوب صورت
”تھیں تو گاؤں میں ماسی خیریں کی جینسز کی بھی ہوتی تھیں

”جسے گاؤں کی ٹی میل جینسز مرئی تھیں۔“ شہرینہ بی
”جس کے بھائی نامے کی اچھی خاصی ٹانگہ مروڑی تھی۔“

”تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے تم تو ہو ہی میرے
”میں نے زنی دشمن۔“ وہ کہہ کر لاؤنج کے ساتھ حق و اش روم

”میں۔“
”یہ کدھے اچکا کر ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر

”کر نیم دراز ہوئی۔“
”میں نے ہلا کو خان قسم کے بھائی سے دشمنی کر کے مجھے کیا

”جسے بلکہ یوں کہو تمہارا وہ کھڑوں ٹائپ بھائی مجھ سے جلتا
”میں نے اوچی آواز میں کہا تھا تاکہ ہاتھ روم میں موجود

”بھائی ذہانت سے میری خوب صورتی سے اور میری
”سب سے۔“ اس نے مزید جلانے کی

وضاحت دی۔

فرح نے ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر اسے گھورا۔ وہ منہ دھور
راتی تھی صابن منہ پر لگا ہوا تھا بمشکل آنکھیں کھل پائی تھیں۔

”قربان جاؤں تمہاری ان خصوصیات پر پورا اسلام آباد
”چھوڑ کر ایک میرا بھائی ہی ملا تھا نہیں جلانے کے لیے اور خوب

”کئی اس ذہانت کی پچا جان کی سختی کی بدولت اگر تم کچھ بڑھ لکھ
”ری ہو تو اس میں اتارنے کی قطعی ضرورت نہیں رہ گئی خوب

”صورتی اس میں بھی سارا کمال خالصہ جان کا ہے کہ تم ان کی بیٹی ہو
”ان جیسی نازک مزاج، خوب صورت، حسین و جمیل اور نفاست

”پسندوستی کی بیٹی ہو تو تم بھی خوب صورت ہو در نہ تمہارا اپنا کمال
”نہیں۔“ اس نے فوراً اس کی خوبیوں کو زیر کیا شہرینہ نے گھورا۔

”اور وہ رہ گئی مضبوط بیک گراؤنڈ والی بات تو تمہارا بیک
”گراؤنڈ اہل بی اور بابا صاحب سے ہے اسی حساب سے قلن

”بھائی کا بھی اس لیے ہواؤں میں اڑنے کی بجائے آرام سے
”زمین پر قیام پذیر ہو تو بہتر ہے قلن بھائی اگر تم پر غصہ کرتے

”ہیں تو کچھ غلط نہیں کرتے تمہاری باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔“
”منہ ہاتھ دھو کر ٹاول سے چہرہ رگڑتے وہ واپس شہرینہ کے پاس

”آئی تھی تھی اور شہرینہ بی بی اس کی اس درجہ صاف گوئی پر اسے کھا
”جانے والی نظروں سے گھوری تھی۔“

”تم میری دوست ہو یا اپنے بھائی کی بہن۔“ شہرینہ نے
”پوچھا تو فرح ہنس دی۔“

”دونوں ہی ہوں اچھا چھوڑ دو میں تو مذاق کر رہی تھی سیریس
”کیوں ہوتی ہو۔“ شہرینہ بہت جلد خفا ہو جاتی تھی سو فرح نے

”فورا بات بدلی۔“
”بی بی اور بابا صاحب کب آ رہے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”کل شاپنا آ جائیں۔“
”اور چھوٹی چھو پو۔“

”وہ بڑی چھو پو کے ہاں سے شامل ہوں گی بڑی چھو پو کے
”ہاں سبھی لوگوں نے مل کر خوب رونق لگا رکھی ہے ہمارا روزانہ ادھر کا

”چکر لگتا ہے بہت مزہ آتا ہے آج دوپہر کو چٹیس گی پھر تم بھی
”دیکھنا چھو پو کے سرسالی رشتہ دار کس قدر باذوق ہیں ہمارے ہاں

”تو باقی دونوں خالاؤں اور ماموں نے اسے کیا ہوا ہے ڈھولک یا
”ڈانس کے علاوہ اور کچھ آٹا نہیں کسی کو۔“ فرح نے منہ بسورا۔

”تو پھر کیا مسئلہ ہے ہم بھی رونق لگا لیتے ہیں ویسے کیا کیا
”ایکٹیوئرز ہیں ان لوگوں کی۔“

”شاعری کی محفلیں سجاتے ہیں باقاعدہ چادریں بچھا کر گاؤ
تکے لگا کر گیتوں کا مقابلہ ہوتا ہے ایک سے بڑھ کر ایک منکر
موجود ہے وہاں اور کیا کمال کا انتخاب ہوتا ہے بھی صحت پر
باری کیوں محفلیں ہو رہی ہیں تو کہیں پینک پر جا رہے ہیں۔ سب
بغیر بھرے یہ سب چل رہا ہے کیا کیا پلان بنائے تھے بھائی کی
شادی کے لیکن ہائے حسرت ان غنچوں پر۔۔۔“ فرح واقعی
افسردہ تھی۔

”ایک تم سے امید تھی اور تم آئیں بھی جب شادی میں
صرف دو دن باقی رہ گئے۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
”ذہنت درہی یار، میں آگئی ہوں کچھ اور لوگ بھی موجود
ہیں کچھ نہ کچھ رونق ہم بھی لگائیں گے۔“ فرح کی افسردگی کو اس
نے کم کرنا چاہا۔

”چلو دیکھتے ہیں تم کہاں تک رونق لگاتی ہو۔“ اس نے
چیلنجنگ انداز میں کہا۔۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کسی بھی چیز کو
قبول کر لینا شہرینہ بی بی کی کمزوری تھی۔
”دیکھ لینا۔“ رد عمل توقع کے مطابق تھا فرح ہنس کر
کھڑی ہوئی۔
”اس وقت تو سخت بھوک لگی ہے چلو کچن میں چلتے ہیں۔“
شہرینہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔



آہن اپنے کمرے میں آتا تو کچھ ٹیکس ہوا۔ جیسے وہ توقع
کر رہا تھا اس کے برعکس کمرہ بکھرا ہوا نہیں تھا ہاں البتہ بستر پر
کمبل بکھرا ہوا تھا کشتہ بھی بے ترتیب تھے اور بیڈ شیٹ بھی باقی
سارا سامان انہی جگہ موجود تھا۔ اس نے ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور
پھر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

صبح لان میں شہرینہ محترمہ کو دیکھ کر مڑا تو میزبان ضرور تھا
لیکن اس قدر بھی نہیں کہ وہ اپنی مارتنگ واک کا شیڈول ہی
ڈسٹرب کر دیتا جیسے ہی شہرینہ لان سے نکلتی وہ چلا آتا تھا واک
کے بعد وہ اندر جانے کی بجائے سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور
اس کی توقع کے مطابق کمرہ خالی تھا۔ آہن نے الماری کھول کر
اپنا ڈریس نکالا اور واش روم کی طرف بڑھا تھا لیکن واش روم میں
آ کر وہ ٹھکا واش روم میں وہاں محترمہ شہرینہ صاحبہ کا لباس
فاخرہ لنگ رہا تھا۔ مین کے اوپر پیو، پاؤں اسپرے، لوشن اور
بھی چند لوشنز موجود تھے جو کہ بالکل لیڈی یوز کے لیے تھے
اپنے کمرے کے واش روم میں شہرینہ بھی آفت لڑکی سے

متعلقہ سامان دیکھ کر آہن کو شدید غصہ آیا جی تو چاہا تھا کہ سب
کچھ اٹھا کر فوراً کمرے سے باہر پھینک دے لیکن وہ آنکھوں پر کرتا
اب بھیچ کر رہ گیا۔ وہ ہاتھ لے کر واپس کمرے میں آیا۔۔۔ ہاں
بنا کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر بیڈ کی طرف بڑھا تھا
سائڈ ٹیبل کی طرف آیا تو رکا کچر وہاں رکھا ہوا تھا آہن نے
بہت غصے سے کچر کو گھورا اس نے کچر اٹھا کر پوری قوت سے
دروازے کی طرف پھینکا تھا لیکن بد قسمتی سے فرح کے ساتھ
کمرے کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھتی شہرینہ بی بی کے
کندھے پر وہ کچر آ کر پوری قوت سے لگا۔

”فلفلف۔“ شہرینہ بی بی کی شدید چیخ نکلی اور آہن ایک
پل کو ٹھکا تھا۔

”کیا ہوا؟“ کچر شہرینہ کو لگ کر دروازے میں گر تھا لیکن
فرح سمجھ نہ پاتی تھی کہ شہرینہ کیوں چیختی جبکہ شہرینہ محترمہ کندھا
تھاے ایک دم مٹ گئی۔

”کیا ہوا شہری بھائی تو؟“ وہ دونوں تو ناشتے کا آرڈر دے کر
آہن کے کمرے میں آئی تھیں کہ وہاں سے ملا کی ہدایت کے
مطابق شہرینہ کا سامان نکال کرنی انہی فرح کے کمرے میں
منتقل کرنا تھا پھر ماما نے کسی کمرے کی صفائی کر کر شہرینہ کو وہاں
شفٹ کر دینا تھا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی ہونے والے
سواگت نے فرح کو پریشان کر دیا تھا۔

شہرینہ کندھا سہلاتے سیدھی ہوئی۔ اس نے آہن کو
کہہ دیا تو نظروں سے دیکھا اور پھر دروازے کے پتوں پر گرنے
والی چیز کو اسے کچر بہت زور سے لگا تھا۔ اسٹیل کا بنایا کچر کافی
قیمتی اور شہرینہ کا فیورٹ تھا جو کہ اب دروازے میں گرنے سے
ٹوٹ گیا تھا۔ فرح نے بھی شہرینہ کی تقلید میں کچر کو دیکھا اور
جلدی سے کچر اٹھا لیا تھا۔

”یہ تو تمہارا کچر ہے۔“ وہ ابھی بھی صورت حال نہیں سمجھی
تھی لیکن شہرینہ بی بی کی کم غصہ نہ تھی کندھے کے درد سے زیادہ
آہن کی نظروں میں موجود اپنے لیے جو تاپنڈی لگی دکھائی دی تھی
اس نے اسے شعلہ جوالہ بنا دیا تھا۔

”ہاؤ ڈیر یو۔“ وہ آہن کے سامنے آ کر آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر پھٹکاری۔

”کوئی بھی تاپنڈی یہ چیز جو میری اجازت کے بغیر میرے
کمرے میں آئے ہیں اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا ہوں
شکر کرو کہ تمہارا کچر تھا ورنہ تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیتا۔“

کون سا بڑے میرے تھا اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تھا۔
اپنے سے کئی سال کم عمر لڑکی آنکھوں کو دیکھ کر بھی گلن کا بس
چلتا تو ایک لمحے میں شوٹ کر دیتا فرح ایک دم صورت حال کی
تحقیق بھی تھی۔

”آپ میری اسلٹ کر رہے ہیں مسٹر گلن۔“ جواباً شہرینہ
بھی بہت تجھے سے بولی۔
”اسلٹ تو ان کی ہوتی ہے جن کی کوئی عزت ہو۔ جن
کی کوئی عزت ہی نہ ہو ان کی اسلٹ ہی کیا ہو؟“ جواباً گلن نے
شعلے پھوڑے تھے۔

”واٹ ڈو یو مین؟“ شہرینہ تو بھڑک اٹھی تھی ایک دم آپ
سے باہر ہو گئی تھی۔

”عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔“ گلن نے زہریلی
مسکراہٹ کے ساتھ ٹھنڈے ٹھنڈے لہجے میں کہا تو شہرینہ سر تاپا
سلک شفی۔

”آپ میرے تایا زاد ہیں؟ میں آپ کا بہت لیظ
کرتی ہوں لیکن آپ ہمیشہ اس طرح مجھے ڈی کر دیتے
ہے۔“

”میں بھی مدافعی چاہتا ہوں۔“ گلن نے کہا تو شہرینہ نے
موت۔

”گلن بیکہ وہ اپنی موت چاہتا ہے۔“
”ورنہ کیا؟“ شہرینہ تو گویا آگ کا شعلہ بن چکی تھی۔

”جہاں چاہے گی۔“ گلن نے جواب دیا تو شہرینہ نے کہا
”اس سے پہلے کہ اس شہرینہ سے وہاں تک کہ جاتا فرح
نہ رونا دھنا کرے۔“

”آپ جہاں کہہ کر رہے ہیں؟“ شہرینہ نے کہا تو وہ بہت
برٹ ہوئی۔

”تو اس کو جو کہہ رہا ہوں وہاں سے چلی جائے۔“
ایک پسندیدہ لڑکوں کو آپ اس کے پاس آکر کھڑی کر دیا
نہیں کروں گا۔“ وہ جہاں کہہ کر رہا ہے وہاں سے روٹ کر تپا دیا

چلا اور شہرینہ وہ تو مارے تو جن کے اپنی جلد سانس ہی روٹی تھی
اور فرح کم صدم۔ چچی جان کی چوتھی شہرینہ کی جس طرح گلن کو
شہابی کر کے لگا تھا یعنی کچھ دیر بعد ایک بہت بڑی آفت ٹوٹ

پڑنے لگا تھا۔

فرح نے کن کن اٹھیوں سے بمشکل اپنی آنکھوں میں چمکتے
پانی کو ضبط کرتی شہرینہ کو دیکھا اور تاسف سے اس کے کندھے

پر ہلکی بھرا ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن شہرینہ ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر
پرتی۔

گلن سے بھی زیادہ زور سے دروازہ بند کرتی باہر نکلی تو فرح کا دل
ایک دم لرزے لگا تھا۔

شہرینہ بیک تیار کیے واپس جانے کو تیار نہیں تھی بڑی
پریشان تھیں اور فرح اب بھی ہوئی۔ انہوں نے بمشکل اسے
روک رکھا تھا اور غصے میں گلن کا بلوایا تھا۔

”گلن مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی فرح تیار ہی تھی تم نے
بہت مس لی بیویا ہے بلیر تم شہر سے ایک سو زکرو۔“

”ایک سو زکروں وہ بھی میں۔“ گلن ایک دم بھڑکا جبکہ
شہرینہ اپنا بیک کندھے پر ڈالے کپڑوں والا سوٹ کس کس سانسے
رکھے پاگل جانے کو تیار تھی۔

”گلن جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔“

”میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا جو ایک سو زکرتا پھروں
جس نے جانا ہے وہ بخوشی جائے کسی کے شامل نہ ہونے
سے ہمارے شادی رک نہیں جائے گی۔“ قطعی انداز تھا بڑی

ماما نے سر پکڑ لیا۔

گلن اپنی بات کہہ کر بھاگ چکا تھا انہوں نے شہرینہ کو دیکھا جو
بیک کندھے پر ڈالے کپڑی تھی شہرینہ کا چہرہ مارے تو جن کے
سرخ ہو رہا تھا۔

”لو کہ بڑی ماما جی ہوں میں۔“

”میں بیٹا۔“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن شہرینہ نے ایک
موت۔

”میں نے سب کچھ کہہ دیا۔“ شہرینہ نے کہا تو وہ بہت
برٹ ہوئی۔

”تو اس کو جو کہہ رہا ہوں وہاں سے چلی جائے۔“
ایک پسندیدہ لڑکوں کو آپ اس کے پاس آکر کھڑی کر دیا
نہیں کروں گا۔“ وہ جہاں کہہ کر رہا ہے وہاں سے روٹ کر تپا دیا

چلا اور شہرینہ وہ تو مارے تو جن کے اپنی جلد سانس ہی روٹی تھی
اور فرح کم صدم۔ چچی جان کی چوتھی شہرینہ کی جس طرح گلن کو
شہابی کر کے لگا تھا یعنی کچھ دیر بعد ایک بہت بڑی آفت ٹوٹ

پڑنے لگا تھا۔

فرح نے کن کن اٹھیوں سے بمشکل اپنی آنکھوں میں چمکتے
پانی کو ضبط کرتی شہرینہ کو دیکھا اور تاسف سے اس کے کندھے

پر ہلکی بھرا ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن شہرینہ ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر
پرتی۔

”کیا ہو رہا ہے یہ سب؟“ اشفاق صاحب گزشتہ رات
برنس سیمینار اینڈ کرسمس کے ملنے ہوئے تھے وہ ابھی لوٹے تھے
لیکن لاؤنچ میں موجود افراد کو کوئی نہ کہہ سکتے تھے ان کا خیال

تھا کہ وہ شہرینہ سے مل کر کمرے میں جا میں گئے لیکن اندر
موجود صورت حال نے انہیں چونکا دیا تھا۔ بڑی ماما اور فرح نے

آپ سامان واپس رکھیں میں اُٹھن سے بات کرتا ہوں
اشفاق صاحب نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے کہا تو
اس نے نفی میں سر ہلایا۔
”ہمیں بڑے پاپا مجھے جانے دیں میں اپنی انسلٹ نہیں
بھول سکتی۔“ شہرینہ کا انداز ابھی بھی اُٹھن تھا۔

”آپ میری بہت اچھی بی بی ہیں اس لیے جو کہہ رہا ہوں وہ
کریں آئی براؤس میں اُٹھن سے بات کروں گا۔“ انہوں نے کہا
تو وہ خاموش ہو گئی، لیکن دل اب یہاں رکے گا مادہ نہ تھا۔
”جاؤ فرح شہری کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔“ انہوں
نے فرح کو اشارہ کیا تو وہ شہرینہ کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

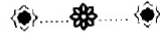
”مجھے بہت حیرت ہو رہی ہے اُٹھن پچھوڑ برتن ہے مجھے
اس کے شہرینہ سے ایسے مس لبی بیوی کچھ نہیں آئی۔“ وہ دین
صوفی پر ٹنگ گئے۔

”حیرت تو مجھے بھی ہو رہی ہے اُٹھن تو بہت سمجھدار ہے
نجانے ایسے کیوں کیا اور شہرینہ بھی لاڈلی ہے ذرا بھی برداشت
نہیں کر سکی فرح بھی وہیں موجود تھی بتا رہی تھی ساری غلطی اُٹھن
کی ہے۔“

”میں کمرے میں چلتا ہوں اسے میرے پاس بھیجیں میں
بات کرتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے کہہ کر اور اپنے کمرے کی
طرف چل دیے اور بڑی ماما ہارنگل آئی تھیں۔ انہوں نے
ملازمہ کو واڈی توڈو فور پاس آئی۔

”اُٹھن سے کہو ہمارے کمرے میں آجائے اس کے پاپا بلا
رہے ہیں۔“
”لیکن وہ تو صاحب جی کے کتانے سے پہلے ہی گاڑی لے
کر نکل گئے تھے۔“

”کہاں؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
”میں نے سنا تھا چوکیدار کو کہہ رہے تھے کہ ماما کو بتا دینا وہ
گاؤں جا رہے ہیں وہاں کچھ کام ہے۔“ ملازمہ نے بتایا تو
انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور سر ہلا کر واپس اندر کی طرف
بڑھ گئیں۔



وہ کچھ دیر پہلے گاؤں پہنچا تھا فریش ہو کر کھانا کھایا شہر سے
وہ کچھ بھی کھائے بے بغیر نکلا تھا اب ڈنٹ کرنا شہر کرنے کے
بعد وہ اماں بی کے پاس چلا آیا تھا جو اپنے کمرے میں شہر جانے
کے لیے تیار ہو رہی تھیں ملازمہ ان کا بیگ تیار کر رہی تھی اُٹھن

ماما تو شوہر کو دیکھ کر ایک دم شیشائی تھیں جبکہ فرح کا
لوہا کھل اٹھا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ
اپنے باپ کو ہی نہیں بلکہ اشفاق صاحب کو بھی
ملازمہ نے ہم بڑے پاپا۔“ غصے سے بدلنا ظنی شہرینہ بڑے
بڑے ایک دم مودب ہوئی تھی۔ باپ کے بعد اسے تایا
سوچی پیار تھا بلکہ اسے پیار تو سب لوگ ہی کرتے
تھے اُٹھن کی نفرت کے۔

”ہم اسلام۔“ بڑے پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر
ساتھ لگایا۔
”دینا ٹھیک ہے؟“ شہرینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
”کی کہاں جانے کی بات ہو رہی تھی۔“ یقیناً انہوں نے
مسل بات نہیں کی تھی جی دریافت کر رہے تھے۔
”فرح فوراً بولی۔“
”انہوں نے حیرت سے شہرینہ کو دیکھا جسے
پاپا تو جن یاد آئی۔“

”میں بھی کمرہ خالی نہ تھا ماما کا خیال تھا کہ اُٹھن بھائی رات
آئیں گے انہوں نے شہری کو ان کے کمرے میں
تیار رات گئے لوٹے تو ماما نے ان کو اپنے کمرے میں
لیٹنے کی سوجھ بوجھ دے دی اور میں ان کے کمرے سے
سامان لینے گئی تو انہوں نے شہری کو بہت ڈانٹا۔“ فرح
نے اس طرح شروع ہو گئی باپ کے چہرے کے زاویے
تین تینم کو دیکھا جو شیشائی کی کھڑی تھیں۔

”انہوں نے انہوں نے اتنا برا
کے ٹریٹ کرتے وہ مجھے کہ خدا نخواستہ میں بہت غلط
... اول تو میں کہیں آئی جاتی ہی نہیں اور اگر باپ
ان سے سامنا ہو جائے تو ہر بار ان کا رویہ ایسا ہی
ہوتا ہے۔“ شہرینہ کی آواز ایک دم رندہ گئی تھی۔ وہ
نے بھی لیکن بڑے پاپا کے سامنے وہ اٹھن کی ہوئی
نے سنجیدگی سے ساری گفتگو سنی۔

”نہیں ہر ہی ہے؟“ انہوں نے بیگم سے پوچھا۔
”نہیں ابھی تو اصرار ہی تھا لیکن اب کا نہیں پتا یہاں سے
تو اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں تھیں۔“ بڑی
بتایا۔

کے آنے پر وہ اماں بی کے اشارہ کرنے پر کمرے سے چلی گئی۔
 اگلے بستر کے کنارے تک گیا تھا۔

”ہوگئی تیاری آپ کی؟“

”تیاری تو بس بہت دنوں سے کیے ہوئے ہوں بس تمہارے بابا صاحب کے کام ہی ختم نہیں ہوتے اب دیکھ لو مجھے تیار ہونے کا کہہ کر خود کہیں باہر نکل گئے ہیں اب لوٹیں گے دو تین گھنٹوں بعد۔“ اماں بی کا انداز شکوے سے بھر پور تھا۔ اگلے مسکرایا۔ اماں بی کو بابا صاحب سے ہمیشہ اسی بات پر شکوہ رہتا تھا کہ وہ ہمیشہ کوئی کام کہہ کر خود زمینوں کی طرف جا کر واپس آتا بھول جاتے تھے۔

”رستے میں میری ان سے بات ہوئی تھی نہروالی زمین کے سلسلے میں پانی دینے کا مسئلہ بنا ہوا ہے بس اسی کے سلسلے میں گئے تھے۔“

”اپنے بچوں کی شادی ہے اشفاق ناراض ہو رہا تھا کہ میں ابھی تک نہیں پہنچی اور ادھر ان کے زمینوں کے مسئلے ہی جان نہیں چھوڑتے، کئی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے اگلے کے ساتھ بھیج دیے۔“ کہتے ہیں نہیں میرے ساتھ ہی جاتا ہے عجیب ضد ہے ان کی۔“ چادر سلیقے سے اوڑھتے وہ بھی اگلے کے پاس ہی بستر پر بیٹھی تھیں۔

”اچھی بات ہے اس عمر میں بھی بابا صاحب کو آپ کا اس قدر خیال ہے آپ کو ساتھ لے کر شادی میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔“ اگلے نے چھبڑا تو وہ نہیں اور بستر پر رکھی چیزیں بیک میں رکھنے لگیں۔

”فائدہ کی کال آئی تھی۔“ اچانک یاد آنے پر بتائے نکلیں۔
 ”ہمارا ہی بھی کہ شہری بیٹی بھی آچکی ہے۔“ کچھ توقف کے بعد انہوں نے مزید کہا تو اگلے چونکا ہوا تھا۔

”میں پریشان ہوگئی تھی سن کر دیکھو یہ فائدہ کی عقل کو کیا ہو گیا ہے جو ان جہان لڑکی تھا بھیج دی میں نے فائدہ کو کال کی تھی لیکن ملازمہ نے کال ریسیو کی کہہ رہی تھی کہ بیگم صاحبہ کسی نہرووری کام سے نکلی ہوئی ہیں۔“ اگلے پھر بھی خاموش رہا۔ اس نے چہرے پر شہری کا نام سن کر ہی انتظار ہے کی نیزارہت چھپا لی تھی اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اخبار اٹھا لیا۔

”عثمان ملک سے باہر ہے فائدہ کو اس قدر جلدی بھلا کس بیٹی تھی کسی کو کال کر کے بلوائی مجھے ابھی تک ہول اٹھ رہے ہیں کہ پکی تنہا آئی تھی۔“

”چھوڑیں ایڈوائس لوگ ہیں جو مناسب لگا کر لیا۔“ اخبار کا صفحہ پلٹے اگلے نے طنزیہ انداز میں کہا تو اماں بی نے گھورا۔
 ”لو کیوں چھوڑ دوں وہاں جا کر خبر لوں گی فائدہ کی بھی شہری کی بھی پکی بندی ہے لیکن ایسی بھی کیا ضد کہ ماں تن تنہا بھیج دے۔“

”اب اس میں فائدہ جچی کا کیا قصور ان کی دختر نیک اختر ہی ان کے کنٹرول میں نہیں ہے تو۔۔۔۔۔“ اگلے کا انداز حد سے زیادہ طنزیہ تھا اماں بی نے چونک کر اگلے کو دیکھا۔

”کیا مطلب ہے تمہاری بات کا۔۔۔۔۔؟“ وہ از حد سنجیدہ تھیں اماں نے بغور اگلے کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ اخبار کی اوٹ میں تھا لیکن آنکھوں کی کیفیت عجیب سرد مہری سی لیے ہوئے تھی۔

”کچھ خاص نہیں، ویسے ہی کہہ رہا ہوں۔“ اماں بی کی نگاہوں کی گرمی محسوس کر کے اگلے نے اخبار ایک طرف کرتے مسکرا کر کہا۔

”پچھلے مہینے رخشندہ اور اس کی بڑی بیٹی کیا نام تھا اس کا۔۔۔۔۔“ اماں بی یاد کرنے لگیں۔ ”ہاں فریج۔۔۔۔۔“ اماں بی کو ایک دم یاد آیا تھا۔

”دونوں ماں بیٹی گاؤں آئی تھیں مجھ سے بھی مل کر گئی تھیں رخشندہ عجیب ابھی ابھی باتیں کرتی رہی تھی خصوصاً فائدہ اور شہری بیٹی کے لیے تب سے میرے دل میں عجیب سے دوسے سے آ رہے ہیں۔“ وہ پریشان تھیں۔ اگلے نے ایک گہرا سانس لیتے اخبار ایک طرف رکھ دیا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا تب رخشندہ خالہ نے کیا کہا تھا۔ اتفاقاً اس دن جب رخشندہ خالہ اماں بی سے شہرینہ سے متعلق باتیں کر رہی تھیں اگلے اس وقت مقبلی کمرے میں موجود تھا جہاں اماں بی کے کمرے میں ہونے والی تمام گفتگو لفظ بہ لفظ اگلے کے کانوں تک پہنچتی تھی اور اگلے بھی اس دن کی گفتگو سننے کے بعد شہرینہ بہتر تہ سے مزید بدظن ہو گیا تھا۔ وہ ضدی تو شروع سے ہی تھی لیکن اس حد تک بڑھ چکی ہوئی اندازہ نہ تھا۔ اگلے کے دل میں اس کے لیے رہی کسی مردت بھی ختم ہوگئی تھی اور پھر جب کل ٹریفک پولیس کے درمیان اسے دیکھ کر اگلے کا دماغ گھومنا تھا ایک بل کو اس کا دل آیا تھا کہ ایک بل لگائے اور اس چھانک بھر لڑکی کا چہرہ پھنوس سے لال کر دے لیکن وہ بڑے ضبط سے اس کی بدگیزی چھیل گیا تھا لیکن جب اسے اپنے

فرح کے کمرے سے خالہ رخشدہ کی بیٹیوں کا کہیں اور انتظار کروایا گیا تھا شہری فرح کے کمرے میں بستر پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور فرح مسلسل اس کی دلجوئی میں مصروف تھی۔
”اچھا بس بھی کرو بابا نے کہا ہے تاکہ اگلن بھائی کو دیکھ لیں گے سو بی کوں۔“

”بات مت کرو تم مجھ سے اتنی افسوس کے بعد کون کون ہوتا ہے میرا دل کر رہا ہے کہ تمہارا یہ ملا کو خان بھائی میرے سامنے آ جائے تو میں اسے شوٹ کر دوں۔“ اپنا چہرہ نشو سے صاف کرتے شہرینہ نے بھنا کر کہا۔

”اچھا سوری یار..... ان کی طرف سے میں معذرت کر رہی ہوں نا۔“ شہرینہ نے فرح کو دیکھا وہ پریشان سی صورت لیے اس کا ہاتھ تھامے مسلسل پیش کر رہی تھی جبکہ وہ بے قصور تھی۔

”اوکے لیکن اپنے بھائی کو سمجھا دیتا میں اس کی زرخیر نہیں ہوں اگر وہ آئندہ میرے ساتھ ایسا مس لی ہو کرے گا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ وہ اسے وارن کر کے غصے سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ فرح نے ایک گہرا لیکن مد سکون سانس فضا میں خارج کیا بھی دروازہ تاک ہوا تھا فرح نے پلٹ کر دیکھا فریڈ موجود تھی۔

”ہیلو۔“ فرح نے جبراً مسکرا کر اسے دیکھ کر کہنے کو سر ہلایا تھا۔ فریڈ حد سے زیادہ باتوئی اور چرب زبان لڑکی تھی اس کی بہ نسبت اس کی باقی دونوں بہنیں ماریہ اور حور یہ کافی سنجھی ہوئی اور ملنساری نہیں پچھلے دنوں سے یہ تینوں بہنیں اس کے کمرے میں موجود تھیں اور فرح سر سے پاؤں تک فریڈ بی بی کی بناوٹی محبتوں سے بیزار ہو چکی تھی۔

”شہرینہ کدھر ہے؟“ وہ اس کے پاس ہی بستر پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”واش روم میں ہے۔“ اس نے واش روم کی طرف اشارہ کیا بھی شہرینہ منہ دھو کر کمرے میں آئی تھی اور فریڈ کو دیکھ کر اس کے چہرے کے زوئے پھر تن گئے تھے فریڈ اس کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی۔ دونوں میں بظاہر کوئی چپقلش نہ تھی لیکن بنانے کیوں وہ فریڈ سے بھی بھی ملال نہ کی تھی فریڈ اس سے بہت محبت جتاتی تھی لیکن وہ اس سے دور بھاگتی تھی۔

”ارے شہرینہ تم تو یہاں آ کر غائب ہی ہو گئی تھی رات سے میں تمہارا اتنا پوچھ چکی ہوں لیکن تم کہیں نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔“

میں دیکھا تو پھر ضبط نہیں ہوا تھا۔
”اماں بی کچھ ہوتا ہے تو لوگ باتیں بناتے ہیں نا۔ رخشدہ ماں۔“ ان کی بیٹی نے کچھ دیکھا ہوگا تو ہی کچھ کہہ رہی تھیں نا۔
اماں بی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”نہ بیٹا رخشدہ کو تو پرکا کو بتانے کی عادت ہے شروع سے اللہ ہدایت دے میری فائزہ سے تو اسے شروع سے ہی اللہ ہدایت کا پیر رہا ہے بچپن سے جوانی اور پھر شادی کے بعد بھی وہ اپنا مقابلہ کیا ہے اس نے سارا خاندان رخشدہ کی عادت سے باخبر ہے کہ کیسے وہ رانی کا پہاڑ بنانے میں ملکہ رکھتی ہے شہری شہری ضدی ضرور ہے لیکن کردار کی ہلکی نہیں ہے نہ بچے کے لیے نہیں مانتا۔“ اماں نے پر زور تردید کرتے لٹی میں سر ہلایا تھا لیکن طنز یہ مسکرایا۔

”شہرینہ مجھ سے زیادہ ماڈرن اور لیبرل ہے اس بات کو کوئی بھی انکاری نہیں ہے۔“ اماں نے بغور اگلن کے چہرے پر مزین طنزیہ مسکراہٹ کا جائزہ لیا۔

”ماڈرن اور لیبرل ہونا اور بات ہے لیکن بد کردار ہونا بالکل مختلف چیز ہے میرا دل نہیں مانتا میں نے تو جب رخشدہ نے وہ کیا تھا بھی اسے ڈانٹ دیا تھا کہاں میری شہری اور کہاں میری ابھی ابھی گفتگو۔“

”اماں بی وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے لڑکوں سے انچھٹ ہو کر شہری بات سہاس میں نہ ماننے والی کیا بات ہے۔“ اگلن کا ٹوک تھا۔ اماں بی کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت چھا گئی۔

”تیار ہے کہنے کا مطلب ہے کہ رخشدہ اور اس کی بیٹی سچ کہتی ہیں۔“ ان کی آواز خدشوں سے مزین بھی اگلن سے مسکراتے کھڑا ہو گیا۔

ان کو شہری سے ایسی کوئی خاص پر غاش نہیں ہوگی کہ خواہ مخواہ خلاف جھوٹ گھڑتی پھریں۔ وہ کہہ کر مڑا۔ اماں نے پر عجیب سی کیفیت لیے اسے دیکھا تھا۔ اگلن کا تین سنجیدہ دو ٹوک اور پراسرار سا تھا۔ اماں بی کے دل میں وہم جاگتا تھا۔

”باہر بابا صاحب کو دیکھ لوں۔“ وہ کہہ کر کمرے سے اماں بی چہرے پر سوچ کی کیفیت لیے اسے خاموش چھٹی رہی تھیں۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی آرام کر رہی تھی۔“ وہ ناول سے چہرہ صاف کرتے وہیں بستر کے کنارے تک گئی۔ فریج نے اسے بغور دیکھا۔

”ارے تم روئی ہو کیا؟“ شہرینہ کی آنکھوں کی لالی اور سوچے چوٹوں نے فوراً فریج کی توجہ منجھ لی تھی شہرینہ نے فرج کو دیکھا۔

”میں بھی شہری تھا میز فیکشن ہو گیا ہے۔“

”اوہ..... زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوتا؟ کوئی ڈراپس وغیرہ یوز کیے۔“ اس کا انداز منتظر تھا۔

”ہاں شہری نے آئی ڈراپس یوز کیے ہیں۔“ فرج کہہ کر کھڑی ہوئی۔

”شہری تاشہ کر لیا؟“ شہرینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”پلیز مجھے سخت بھوک لگی ہے صبح سے پیٹ میں چوہوں کا میچ ہو رہا ہے میں کچھ لاتی ہوں پھر مل کر کھاتے ہیں۔“ وہ کہہ کر چلی گئی اور شہرینہ نے بی بی ایک مہر اسانس لیتے باتونی اور جب زبان فریج کی باتیں سننے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

وہ فرج کے ساتھ مارکیٹ آئی تھی اسد ساتھ تھا اور فریج بھی کان کھانے کو موجود تھی۔ ماما نے اس کے لیے بطور خاص اسلام آباد کے سب سے اچھے بوتیک سے بہت ہی زبردست ڈریس ڈیزائن کرائے تھے لیکن اب فرج نے اسے شاپنگ کے لیے کہا تو وہ فوراً جانے پر آمادہ ہوئی فریج ہر دوسری تیسری چیز دیکھ کر رک کر جائزہ لینے لگتی تھی مجبوراً فرج اور اسد کو بھی رکتا پڑتا تھا جبکہ شہری کے لیے یہ سب انجوائے منٹ تھا۔ شاپنگ کا اسے ایسا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔

ساری ٹیکلی کی شاپنگ ماما خود کیا کرتی تھیں پاپا جب بھی کسی بھی جگہ کے دورے پر جاتے تو ساری ٹیکلی کے لیے بہت ہی اچھے اچھے اور قیمتی تحائف لے کر آتے تھے۔ شہرینہ کی ڈریسنگ سے کرہ چیز ہی نہایت اعلیٰ کوالٹی کی ہوتی تھی وہ سب کی لاڈلی تھی تو بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے اسٹڈی میں بڑی رہنے کی وجہ سے ذاتی طور پر شاپنگ کا اتفاق بہت کم ہوا تھا سواج وہ مطمئن ہو کر ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔ مارکیٹ سے انہوں نے کچھ چیزیں لی تھیں مہندی کے لیے آرائش وغیرہ کا کچھ سامان درکار تھا اسد ان کو شاپنگ مال میں چھوڑ کر خود سامان دیکھنے لگا تھا وہ لوگ شاپنگ مال میں ایک شاپ میں جیولری کی

اشیا دیکھ رہی تھیں جب گلاس وال سے باہر کی طرف دیکھتی فریج نے فرج کو کہنی ماری۔

”وہ دیکھو۔“ فریج نے آنکھوں سے باہر کی طرف اشارہ کرتے کہا تو فرج کے ساتھ رنکر دیکھتی شہرینہ نے بھی باہر دیکھا وہاں کوئی لڑکا کھڑا تھا۔ فرج نے سوالیہ نظروں سے فریج کو دیکھا۔

”یہ لڑکا مارکیٹ سے ہمیں فالو کر رہا ہے پہلے اسد کی وجہ سے دور دور سے دیکھ رہا تھا اب اسد کو موجود نہ پا کر سامنے آ گیا ہے۔“ فریج کا انداز سرگوشیاں تھا فرج نے الجھ کر دیکھا۔

”مہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“ فرج نے لڑکے کو دیکھا جو ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا ان لوگوں کو متوجہ پا کر وہ بڑے اسٹائل سے مسکرا کر باہر کی طرف دیکھنے لگ گیا تھا۔

”جس طرح وہ دیکھ کر مسکرایا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔“ فریج پر اعتماد بھی۔ فرج نے شہرینہ کو دیکھا اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

”ہاؤ کیئر، انٹرایٹ یار۔“ وہ کہہ کر پھر جیولری کی طرف متوجہ ہوئی جبکہ فریج اور فرج بدستور سامنے کی طرف متوجہ تھیں۔

”یہ رنگ کیسی ہے؟“ شہرینہ نے ہاتھ کی انگلی میں رنگ بہن کر ہاتھ فرج کے سامنے کیا تو وہ سر جھٹکتی شہرینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ جیولری لے کر باہر نکلیں تو وہ لڑکا ایک دفعہ پھر ان کے پیچھے ہولایا۔

”وہ لڑکا پھر پیچھے آ رہا ہے۔“ نوٹ تو تینوں نے ہی کیا تھا لیکن بولی فریج ہی تھی۔

(الشاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





جسٹس عزیز علی شاہ
سیکریٹری جنرل

دل میں پھر ایک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں اہتمام ہم عید کا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہنگاموں میں خوش و پر جوش ہوتی ہے۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوتا ہے ایسے میں شہرینہ کو آرام کرنے کی خاطر اہل گھر کو کمرہ دیا جاتا ہے لیکن اہل گھر کو یہ سب بالکل پسند نہیں آتا جب ہی رہتوں میں اس بات کو لے کر غامضی کا ہی ہوجاتی ہے۔ اہل گھر کے والد اشفاق فاروق اہل گھر کو سمجھاتے شہرینہ کو بہلانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مگر اسے اپنی یہ تو بہن قطعاً برداشت نہیں ہوجاتی۔ اہل گھر کی بہن فرح کے ساتھ شہرینہ کی خوب دوستی ہوجاتی ہے جب ہی وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہے ایسے میں فریج بھی ان کے ہمراہ ہوجاتی ہے وہیں موجود ایک لڑکا کافی دیر سے انہیں اپنی نظروں کے حصار میں رکھتا ہے جس پر فریج چونک جاتی ہے اور اسے یوں پیچھے آتے دیکھ کر شہرینہ خاصے چار حاشا انداز میں اس کی طرف بڑھتی ہے۔

اب آگے بڑھیں

”ڈونٹ وہی آئی کین ونڈل اٹ۔“ شہرینہ ابھی بھی بے سکون تھی جبکہ فرح کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی چھائی ہوئی تھی۔
”کوئی ضرورت نہیں ایسے وارہ لوگوں کے منہ کلنے کی۔“ اس نے نو کا تو شہرینہ نے گھورا۔
”کیوں ہم کیوں ایسے گھبرا لوگوں کو برداشت کریں مجھے ایسے لوگوں کو ڈبل کرنا بہت اچھی طرح آتا ہے۔“ جسٹ آف منٹ۔ ”وہ کہہ کر کھنٹی۔“
”شہری رکھو۔“ فرح پکارتی رہ گئی جبکہ شہرینہ دوسرے لمحے اس لڑکے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔
”واٹ دا پراہم دو یو۔“ وہ تھکے نقوش لیے لڑکے سے مخاطب ہوئی۔

شہرینہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہے دو بھائیوں اور ماں باپ کے بے جالا ڈیپارنے اسے کافی ضدی و خود سر بنا دیا تھا۔ اس کے والد عثمان فاروق حکومت کے شعبہ اطلاعات و نشریات میں تعینات ہیں ان کی پوسٹ کا شہرینہ تا جائز فائدہ اٹھاتی ہے۔ شہرینہ کو خاندانی تقریب کے سلسلے میں اسلام آباد سے لاہور آتا ہوتا ہے فائدہ (شہرینہ کی والدہ) ڈرائیور کو تاکید کرتی ہے کہ گاڑی وہ ہی ڈرائیور کرے گا لیکن شہرینہ اسے کبھی سٹ پر بٹھا کر کار خود ڈرائیور کرنے لگ جاتی ہے تب لاہور میں داخل ہوتے ہی اس کی گاڑی سے ایک بائیک سوار کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے جس پر پولیس اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اہل گھر شہرینہ کے بڑے بابا (تایا) کا سب سے بڑا بیٹا ہے اہل گھر اپنا زیادہ تر وقت بڑے بابا کے امور سنبھالنے میں گزارتا ہے ایسے میں اسے شہرینہ کے اس حادثے اور لاہور آنا دکھتا چلتا ہے جس پر وہ نہایت شرمندگی محسوس کرتے اسے گھر تک لاتا ہے۔ شہرینہ کو اپنا یہ بد مانع اور اکھڑ مزاج کزن بالکل بھی پسند نہیں ہوتا اہل گھر شہرینہ کی ان جھگڑا کرتوں پر اسے نہایت برا بھلا کہتا ہے۔
رخشندہ جو کہ فائدہ کی خالہ زاد ہے شروع سے ہی فائدہ سے رقابت رکھتی ہے اور اس کے حسن سے خائف نظر آتی ہے۔ فریج ماں کے اشاروں پر عمل کرتی ہمیشہ شہرینہ کی نوہ میں رہتی ہے۔ رخشندہ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ اہل گھر سے طے کرنے میں کامیاب ہوجائیں اسی مقصد کی خاطر وہ شہرینہ کو اہل گھر اور دیگر لوگوں کے سامنے برا ثابت کرنے کی کوششیں کرتی ہیں۔ فریج بھی اس مقصد کے لیے ماں کا بھرپور ساتھ دیتی ہے اہل گھر کے چھوٹے بھائی شایان کی شادی بڑی پھوپھو کی بیٹی زویہ سے طے پائی ہے اور شہرینہ شادی کے دن

فرح اور فریڈ بھی فوراً ان کے پاس آئی تھیں۔ لڑکا کوئی بیس سال کے لگ بھگ تھا ڈریسنگ سے کسی ایلٹ فمیلی کا لگتا تھا لمبے بال، اسٹائش سا خٹ (ہلکی داڑھی) اور ہاتھ میں جھولنے کی چین۔ شہرینہ نے اس سے پاؤں تک دیکھ کر اس کے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔ وہ لڑکا ڈریس سے بے خبر مگر کیا۔

”تیار سو پرینی..... دل یو گیوی پور ٹائم“ لڑکے کا انداز بڑا واہیات تھا اور آفراس سے بھی زیادہ واہیات شہرینہ کا دماغ ایک دم گھوما تھا۔

”شٹ اپ۔“ اس نے سمجھ کر اس لڑکے کو پشیمارا۔ وہ لڑکا ایسی صورت حال کے لیے تیار نہ تھا لڑکی خود اس کے پاس آ کر مخاطب ہوئی تھی وہ سمجھا تھا کہ وہ بھی لڑکی کو انٹریکٹ کر گیا ہے لیکن اپنی گھنیا آفر کے جواب میں اتنا جاندار تھپڑ کھانے کو ملے گا اس کے تو دم و گمان میں بھی نہ تھا وہ کراہ کر پیچھے مگر تھا جبکہ فرح اور فریڈ کی چیخیں بے اختیار نکلیں تھیں۔ ارد گرد چلتے لوگ ایک دم کے تھے۔

”ہاؤ ڈیزو..... (تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟)“ وہ لڑکا ایک دم سنبھل کر پلٹا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا یا شہرینہ کا ہاتھ دوبارہ اٹھتا فرح نے ایک دم شہرینہ کو سمجھ کر اپنے پیچھے کر لیا۔

”میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ تمہیں پتا نہیں میں کون ہوں۔“ وہ لڑکا چیخا۔

ارد گرد موجود مردوں میں سے دو مردوں نے آگے بڑھ کر اس لڑکے کو نہ تمام لیا ہوتا تو یقیناً اب تک وہ کچھ کر چکا ہوتا۔ فرح کا دل بند ہونے والا تھا اور فریڈ ٹنگ سی دیکھ رہی تھی۔

”تم جانتے نہیں میں کون ہوں ابھی ایک کال کروں تو تم لاک اپ میں بند ہو جاؤ، ایسی درست بنواؤں کی تمہاری کہ تم دوبارہ بھی کسی لڑکی کو فالو کرنا بھول جاؤ گے۔“ شہرینہ بالکل مطمئن تھی۔ اس کے لیے جیسے ساری صورت حال بہت نارمل سی تھی۔

جو بارہ لڑکا مغلقات بکنا شروع ہو گیا تھا۔ وہاں ایک جھوم سا اکٹھا ہو گیا تھا۔ فرح کے لیے یہ ساری صورت حال بڑی عجیب سی تھی۔ وہ ہمیشہ بھائیوں یا باں کے ساتھ گھر سے نکلتی تھی ابھی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں ہوا تھا اسے علم نہیں تھا کہ ایسی صورت حال کو کیسے ہینڈل کرتا ہے ایسے میں اگر اسد آجائے تو نجانے کیا ہو۔

”چلو شہری کوئی ضرورت نہیں ایسے لوگوں کے منہ گلنے

کی..... پلیز چلو یہاں سے۔“ لوگ لڑکے کو برا بھلا کہنے لگے تھے بلکہ ایک دو نے تو لڑکیوں کو تنگ کرنے پر دو ہاتھ بھی لگا دیے تھے۔

”آپ لوگ جائیں یہاں سے پلیز ہم دیکھ لیں گے۔“ ایک مہذب شخص نے کہا تو فرح شہرینہ کا ہاتھ کھینچنے فوراً وہاں سے نکلی جبکہ شہرینہ کا دل خوب اچھی طرح اس لڑکے کی درگت بنانے کا تھا۔

بشکل وہ ان دونوں کے ساتھ وہاں سے نکلی انہیں ابھی اور شاپنگ کرنا تھی لیکن فرح بہت خوف زدہ ہو گئی تھی، اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ شہرینہ بی بی ایسی مرد مار قسم کی لڑکی ہے اس نے کال کر کے اسد کو فوراً وہاں پہنچنے کا کہا۔

”تم مجھے بلاؤ جی ہی سمجھ لائی ہو۔ تم جیسی ڈرپوک لڑکیوں کی وجہ سے ہی ان لڑکوں کو اتنی جرأت ملتی ہے ایک ہاتھ لگ جائے تو کسی کی مجال ہے جو عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے۔“ شہرینہ کو اپنا وہاں سے زبردستی سمجھ کر لایا جانا طبعی نہ بھالیا تھا سو فرح پرچہ دھڑکی تھی۔

”ایسے لڑکوں سے دور ہی رہنا چاہیے دیکھا نہیں کیسے دھمکیاں دے رہا تھا؟ لگتا بھی کسی ہائی کلاس سے تھا۔“ فریڈ کو بھی گویا بی بی تھی۔

”ہائی فائی کلاس مائی ف، میرے پاپا بھی کسی سے کم نہیں ایسے لڑکوں کو ڈبل کرنا مجھے بہت اچھی طرح آتا ہے۔“ وہ اب بھی اسی طرح بڑبڑا رہی تھی۔

”اتنا اور کا نفیڈنٹ ہونا بھی اچھی بات نہیں، سوچو ذرا وہ بھی تم پر ہاتھ اٹھا لیتا تو۔“

”ایسے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ لوگ صرف گیدڑ بھمکیاں ہی دے سکتے ہیں عملاً بالکل زبرد ہوتے ہیں۔“ وہ حد سے زیادہ مطمئن اور بڑبڑا رہی تھی۔

”تم یہ سب اس لیے کر رہی ہو کہ تمہارے پیچھے ایک مضبوط بیک ہے جو تمہیں ہر حال میں سپورٹ کرے گی لیکن وہ تمام لڑکیاں جن کے پیچھے کوئی مضبوط سپارٹ نہ ہو وہ بچاری تو خاموش ہو کر اپنی عزت بچا کر نکلنے کی کریں گی۔“ فریڈ نے کہا تو شہرینہ نے سنجیدگی سے دیکھا۔

”تمہارا موقف شاید درست ہو لیکن میں اس سے انگری نہیں کرتی کسی بھی لڑکی کو اپنی سیلف ریسپیکٹ اور عزت کے لیے کمزور نہیں ہونا چاہیے ورنہ ایسے لڑکے ان کا جینا دوبھر

کہو۔ اس کی بات فریجہ کے چہرہ اکتاہٹ دکائی۔
 ”لور مجھے اپنے مضبوط بیک گراؤنڈ پر فخر ضرور ہے لیکن میں اسے ڈھال کے طور پر یوز نہیں کرتی ہوں جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں استعمال ضرور کرتی ہوں۔“ بھی اسد وہاں چلا آیا تھا وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔
 ”ہو گئی شاپنگ۔“ اس نے پوچھا تو فرح نے سر ہلا دیا۔
 ”کیا ہوا، سوڈ کیوں آف ہے۔“ شہرینہ کے چہرے پر اکتاہٹ تھی جبکہ فریجہ خاموش، فرح نے مسکرانے کی کوشش کی۔
 ”کچھ نہیں ہوا؟“

”چھوٹے سٹی کے اپنے مسائل ہیں عجیب سے لوگ ہیں یہاں کے اسلام آباد میں یہ سب نہیں ہوتا وہاں ایلٹ کلاس کا اپنا ایک لائف اسٹائل ہے کوئی کسی پر تنقید نہیں کرتا اور یہاں کوئی اچھا سا لباس پہن کر باہر نکل آئے تو لوگوں کی آنکھیں ایکسرے مشین بن جاتی ہیں۔“ شہرینہ گزشتہ تجربے سے سخت اکتاہٹ ہوئی تھی اس نے کہا تو فرح کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے، وہ سدھ کو اس معاملے کی بھنگ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی لیکن شہرینہ کے تیروں سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ بتا کر ہی دم لینے والی تھی۔

”واٹ اپنڈ؟“ اسد نے حیران ہو کر پوچھا۔
 ”کچھ نہیں ہوا۔“ فرح نے ٹالنا چاہا۔

”کیوں نہیں ہوا کچھ شہری کی وجہ سے اتنا بڑا ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا اگر لوگ انوالو نہ ہوتے وہ لڑکا تو شہرینہ پر یقیناً ہاتھ اٹھا دیتا۔“ فریجہ نے کہا تو فرح نے سر ہٹا دیا۔
 ”کوئی نہیں۔“ مجھے بھی ایسے لوگوں کی طبیعت صاف کرنا آتی ہے۔ وہ جوابا ہنس کر بولی۔

”وہ بھی کسی عام گھرانے سے نہ تھا تو طبیعت صاف کر دیتی لیکن اس کے بعد جو ہوتا تھا اس کے نتائج بھی کچھ اچھے نہ ہوتے۔“ فریجہ نے ناگواری سے کہا۔ اس نے حیرانی سے دیکھا۔

”ہوا کیا ہے؟“ اس نے شہرینہ اور پھر فریجہ کو دیکھا۔
 ”ایک لڑکا کب سے فالو کر رہا تھا ہمیں شہرینہ نے اسے روک کر ایک تھپڑ لگا دیا۔“ بات ہی ایسی تھی کہ اسد تن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ فریجہ نے ایک تھپڑ کو بڑھا کر پیش کیا تھا۔

”مائی گاڈ.....“ تم نے مجھے کیوں نہیں کال کی۔“ اسد نے

فرح کو گھورا۔
 ”میں گھبرا گئی تھی۔“
 ”اس لڑکے کی ہمت کیسے ہوئی۔“ اس نے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارا۔ ”جواباً کوئی بد تمیزی تو نہیں کی؟“ اسد نے براہ راست شہرینہ سے پوچھا۔
 ”نہیں۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”وہ غصے سے شہری کی طرف آیا اور اس نے ہاتھ بھی اٹھایا تھا لیکن لوگوں نے درمیان میں روک لیا تھا وہ کمندی زبان استعمال کرتا دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔“
 ”لوہ، کہاں ہے وہ لڑکا؟“ اس کا ضبط ایک دم جواب دینے لگا تھا۔

”لوگ اسے سمجھ کر لے گئے تھے اور ہم ابھرا آ گئے تھے۔“ فرح نے جواب دیا۔

اسد نے شہرینہ کو دیکھا جو سنجیدہ تاثرات لیے ان سے لا تعلق باہر دیکھ رہی تھی شہرینہ کو کچھ بھی سمجھنا فاضل تھا۔ لیکن اسد کو یہ ساری صورت حال جان کر از حد غصہ رہا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ان تینوں کو تنہا چھوڑ کر ہی کیوں گیا۔ اسے رہ رہ کر اس لڑکے پر بھی طیش آ رہا تھا وہ یقیناً اس وقت وہاں موجود ہوتا تو حقیقتاً اس لڑکے کا حشر نشر کر چکا ہوتا لیکن اب وہ ہوائے افسوس کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

فریجہ میڈم کو فرح نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ گھر جا کر کسی سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ فریجہ ہی کیا جو باز آ جاتی اسے تو قدرت کی طرف سے ایک موقع ملا تھا گھر آتے ہی وہاں کے پاس آئی تھی۔

رزشندہ نے ساری بات سنی تھی کچھ دیر غور کیا اور پھر جی کو مسکرا کر دیکھا۔

”اچھا ہوا تم ساتھ چلی گئی تھی میری مانو تو سارا وقت فرح اور شہرینہ کے ساتھ گئی رہو کچھ نہ کچھ تو جانے کو ملے گا جی نا۔“
 ”لیکن آپ تو کہہ رہی تھیں کہ میں سارا وقت اٹن کے ساتھ رہوں ایک منٹ بھی کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دوں۔“ رزشندہ نے اپنا ہاتھ پٹا۔

”لو میری کم عقل اولاد ہر بات سمجھانی پڑتی ہے اٹن ابھی اچھڑ جوتھیں ہے جب تک وہ اچھڑ نہیں تو شہری کے ساتھ رہو بس۔“

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیز بہ فراہم کر سکتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

قیمتیں بڑھانے اور ڈرامائی گرام
ویسٹ اینڈ یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسر چیمبرز مبداء ہاؤس روڈ کراچی۔

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

circulationngp@gmail.com

”اچھا۔“ فریحہ نے نہ سوج انداز میں سر ہلایا۔

ماں سے تازہ احکامات و ہدایات لے کر وہ پھر فرح کے کمرے میں آگئی تھی، فرح تو موجود نہ تھی لیکن شہرینہ موبائل کے ساتھ نیم دراز تھی۔

فریحہ بھی اس کے پاس لیٹ گئی اور اس کے لیٹنے پر بھی شہرینہ اسی طرح لیٹی رہی تھی اس کی توجہ ابھی بھی موبائل کی طرف تھی۔

”آج کیا پروگرام ہے؟“ فریحہ نے موبائل کی اسکرین کو بغور دیکھتے پوچھا۔ وہ فیس بک پر گروپ چیٹنگ میں مصروف تھی۔

اس گروپ میں اس کے یونیورسٹی کے مختلف فیلوز ایڈ تھے جن کے ساتھ اس کی ڈسکشن ہوتی تھی۔ فریحہ کے سوال پر اس نے سرسری سا سیدھا دیا۔

”آئی ڈنٹ نو۔ فرح کو ہی علم ہوگا۔“
”وہ شاید آج ذہنی کی طرف جانے کا کہہ رہی تھی۔“ فریحہ نے کہا۔

”ہے بی۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔
فریحہ کو اس کی مصروفیت ذہن پر تلنے لگی تھی اس نے مشکوک نظروں سے اس کے موبائل کو دیکھا۔

”کیا کر رہی ہو؟“
”فریحہ ز سے بات کر رہی ہوں۔“

”یہ زین شاہ کون ہے؟“ فریحہ نے ان پکس میں دکھائی دینے والے نام کو دیکھ کر پوچھا یہ شکل اسے جانی پہچانی لگ رہی تھی لیکن ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔

”کلاس فیلو ہے ہمارا۔“ فریحہ اس کے ذہن میں ایک دم کلک ہوا تھا۔
”ہاں پاریہ تو وہی ہے جو تم لوگوں کا سی آر ہے۔“ فریحہ نے اس کی نظر آئی ڈی پی کو بغور دیکھتے کہا شہرینہ نے توجہ نہ دی۔

”ہوں۔“
”تم لوگوں کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف کافی دفعہ دیکھا ہے اسے کافی جنس لڑکا ہے۔“ شہرینہ اس سے حال یہ ہونے والے پرچوں سے متعلق بات کر رہی تھی گروپ چیٹ میں

زین کے علاوہ ایک اور لڑکی بھی اس وقت آن لائن تھی حور یہ عباس وہ بھی بات کر رہی تھی، زین شاہ کا سائیز پوز تھا اس لیے

فریحہ فوراً پہچان نہ سکی تھی اور نہ وہ اسے ابھی طرح جانتی تھی۔

”تمہاری اور زین شاہ کی کافی دوستی ہے نا؟“ فریجہ کے انداز میں کچھ تھا۔ شہرینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا فریجہ مسکرائی۔

”وہ میرا کلاس فیلو اور بہت اچھا ساتھی ہے۔“
”میری دوست ساریہ کا کزن ہے۔ ساریہ تو بہت زیادہ ذکر کرتی رہتی ہے اس کا۔“

”ساریہ، وہی جو تمہارے ساتھ انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ہے وہ تمہاری دوست ہے۔“ شہرینہ نے چونک کر فریجہ کو دیکھا۔

”ہاں بہت اچھی دوست ہے میری۔ اصل میں ساریہ زین کو بہت زیادہ پسند کرتی ہے، بہت بہتر پس ہے زین کی پرستاشی اور اس کی ذہانت سے۔“ شہرینہ چونکی۔

”زین بھی ایک اہل فانی فیملی سے لی لائک کرتا تھا ذہانت اور وجاہت اسے ورثے میں ملی تھی۔ اسنے ڈیپارٹمنٹ کی ہر دل عزیز شخصیت تھا ہر ایک بیوی میں آگے اس کا ایکڑک ریکارڈ بہت شاندار تھا وہ اپنے امیر کبیر والدین کی اکلوتی لولاد تھا۔

ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ بھی بہت سی لڑکیاں ایسی تھیں جو اسے دیکھ کر آجیں بھرا کرتی تھیں۔ شہرینہ سے اس کی اچھی خاصی سلام دعا اور دوستی تھی وہ اگرچہ ولی طہ پر زین کی طرف انوالوئیں ہوئی تھی لیکن وہ زین کی ذہانت، اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ضرور تھی زین سے متعلق ساریہ کی پسندیدگی سن کر وہ چونکی ضرور تھی جبکہ اس کا یہ چونک جانا فریجہ نے بطور خاص نوٹ کیا تھا۔

چیف میں شہرینہ کی دلچسپی ایک دم ختم ہو گئی تھی اس نے آگے کر فوراً چیف ہاؤس اور فیس بک بند کر کے موبائل ایک طرف رکھ دیا تھا۔

”تم نے موبائل کیوں بند کر دیا بات کرو تا میں تو دیسی بات کر رہی تھی۔“ فریجہ نے کہا تو شہرینہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

فریجہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی طالبہ تھی یونیورسٹی میں بھی وہ اکثر شہرینہ کے پاس آتی جاتی رہتی تھی اس کی دوستیں فریجہ کی چمک طبیعت کی وجہ سے اسے سخت پسند کرتی تھیں جبکہ شہرینہ اسے اکثر اکتور کر دیا کرتی تھی لیکن اس وقت وہ پھر چمکیں رہ رہ مسلط ہو چکی تھی۔

”فرجہ کہاں ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے کہتے اس کے سوال کو قطعی نظر انداز کر دیا تھا۔

”ہائیں۔“ فریجہ نے کندھے اچانکائے۔
شہرینہ نے موبائل ایک طرف رکھا اور خود بستر سے اتر گئی تھی فریجہ فوراً سیدھی ہوئی۔

”کہاں چلیں۔“
”فرجہ کو دیکھوں۔“ وہ اپنے لیٹرکٹ بالوں کو تھیس سے کچر میں جکڑتے دوپٹا کندھے پر ڈالتے باہر کی طرف لپکی تھی۔ فریجہ نے اسے خاموشی سے جاتے دیکھا تھا۔

اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے شہرینہ کا موبائل اٹھا لیا تھا۔ اس نے موبائل کھان کیا لیکن ناکامی ہوئی تھی شہرینہ کے موبائل پر حسب توقع پاس ورڈ لگا ہوا تھا فریجہ نے دوبارہ موبائل بستر پر رکھ دیا اور کچھ سوچے خود بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

وہ باہر آئی تو شایان اور اسد سر جوڑے لاؤنچ میں کسی خفیہ میننگ میں مصروف نظر آئے اسد اسے دیکھ کر سیدھا ہوا جبکہ شایان نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”یہ جو اسد بتا رہا ہے یہ کیا واقعہ ہے؟“ شہرینہ فریجہ کی تو شایان نے فوراً پوچھا۔ جس پر شہرینہ کا حراج بگڑا۔ یہ سب لوگ ایک چھوٹے سے واسطے کو اتنی اہمیت دے رہے تھے۔

”کون سا واقعہ؟“ اس کے تھکے چتون تھے۔
”وہ جو شایانک کے دوران ہوا۔“

”کیوں اسد نے تفصیل نہیں بتائی؟“ اس نے دونوں کو گھور کر دیکھا۔

”ہاں دی ہے لیکن شہری یہ کوئی مناسب بات نہیں ہے جس میں محتاط رہنا چاہیے تھا تمہارے ہاتھ اٹھانے پر اگر جواب وہ لڑکا بھی ہاتھ اٹھا لیتا تو۔“ شایان نے اس کے بگڑے تیروں سے الجھ کر کچھ نکلی سے کہا۔

”تو میں بھی ایسے لوگوں کو اچھے سے ڈیل کرنا جانتی ہوں۔“ وہ مزید تھا ہوئی۔

بات ابھی بیوں تک نہیں پہنچی تھی اگر پہنچ جاتی تو یقیناً اس سے زیادہ باز پرس کا سامنا کرنا پڑتا جبکہ شہرینہ ان باتوں سے انہماں صرف اپنی من مانی کرنے کی عادی تھی۔
”یہ تمہارا اہلی ایلیٹ کلاس والا اسلام آباد نہیں ہے جہاں جو

ہی کرتی پھر کوئی پچھنے والا نہ ہو یہاں بہت کچھ کچھ کر لور پھر
۲۔ ”کچھ کر کرنا ہوتا ہے۔“

”مائی فٹ، یاد کیا پر اہم ہے تم لوگوں کے ساتھ تم سب
لوگوں نے مجھے یہ سب جتنا کرکس فٹ بتا دیا ہے ایک چھوٹا
ساتھ ہے تم لوگوں نے اس کو ہوتا ہوا ہے مائی ڈونٹ کیئر۔“ وہ
مدد سے زیادہ بدظن ہوئی مائی شایان کی باز پرس پر فوراً چپ کر کہہ
گئی مائی شایان نے غصے سے دیکھا۔

”تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے جو جی میں آئے کر
بہری بلا سے لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو اگر کوئی نگین مسئلہ
ہو تو پھر تم خود ہی سمجھنا ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔“ وہ بھی غصے
سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

اسد نے فحاشی سے شہرینہ کو دیکھا..... شہرینہ اسے کھا جانے
والی نظروں سے گھڑے ہوئے تن فن کرتی لان کی طرف بڑھ
گئی تھی جبکہ اسد نے سنجیدگی سے اپنا سر تھا تھا۔ شہرینہ جیسی
لڑکی کو کچھ بھی سمجھا لینا آجیل مجھے مارو لی صورت حال کی اس
نے ناامیدی سے نفی میں گردن ہلائی جیسے وہ کوئی لاعلاج
مریض ہو۔



آج شام پھوپھو کی طرف جانا تھا لور ہاؤس کی رسم تھی وہ
سب تیار ہو رہی تھیں جب امی بی اور بابا صاحب کٹانے کا
شور بلند ہوا امی بی اور بابا صاحب سے تو شہرینہ کو بھی خاص
انصاف تھی۔ ماما نے ہاؤس کی رسم کے لیے اس کے لیے بطور
خاص شرابہ اور شرٹ والا سوٹ ڈیزائن کر لیا تھا سوٹ کے اوپر
لیمر انڈی کا بڑا ہلکا پھلکا ٹیس سا کام تھا گلے پر بین پٹی کی
صورت کام تھا جبکہ ٹیس کے دامن پر فرزٹ کی دو ٹوں سائیز پر
ہلکا پھلکا کام تھا۔ دو پٹا سادہ تھا البتہ دو پٹے کے کناروں پر
نیچنگ لیس مہرین تھی ساتھ میچنگ کمر اور جیلری تھی۔

ماما فنکشنز کے حوالے سے اس کی ڈریسنگ کا بطور خاص
ذیال رکھتی تھی انہیں علم تھا کہ اگر شہرینہ بی بی کی ذیلی پسند کو ٹوٹ
خاطر رکھیں گی تو شہرینہ بی بی نے سوائے شلواری ٹیس، جینو یا
نائٹ کے کسی اور ڈھنگ کے لباس کا انتخاب نہیں کرنا تھا۔ سو
ایسے مواقع پر وہ خصوصاً شہرینہ کی رائے لیے بغیر اپنی مرضی
سے اس کے لیے ڈریسنگ کا انتخاب کرتی تھیں اور شہرینہ ہمیشہ
ان کی منتخب کردہ ڈریسنگ بلا جوں چاہیے زیب تن کرتی تھی۔
اس وقت بھی وہ شرعی انداز میں ملبوس کافی اچھی لگ رہی تھی۔

بڑی ماما نے فنکشن کے لیے بطور خاص دو تین بیوٹیشنز کو
گھر پر بلوا رکھا تھا امی بی اور بابا صاحب کی آمد کا سن کر شہرینہ
ابھی دالہ دم سے لباس بدل کر نکلی تھی جب اطلاع ملی مائی وہ
فورا بیوٹیشن سے دوپٹہ کچھ کر کندھے پر ڈالتی جیسے تیسے کھسے میں
پاؤں اڑس کر باہر بھاگتی تھی۔ امی بی ہال میں ہی بیٹھی تھیں وہ
تیزی سے بھاگتی ان تک پہنچی تھی۔
”اسلام علیکم“ وہ بھی اسے دیکھ کر فوراً بے قرار ہو کر اپنی
جگہ سے اٹھیں اور محبت سے ساتھ لگا گیا۔

”جیتی رہو۔“ بیٹھانی چوم کر بغور اسے دیکھتے انہوں نے
دعا دی۔ رخشدہ خالہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ امی بی جیسے ہی گھر
میں داخل ہوئی تھیں سب سے پہلے وہی ملنے والی تھیں اور پھر
ان کے ساتھ ہی جڑ کر بیٹھتی تھیں۔

محبت لگاؤ کے خاص مظاہرے ہو رہے تھے ایسے میں
شہرینہ کی آمد لانے امی بی کی ساری توجہ اپنی طرف مچتی تھی۔
رخشدہ نے بہت سنجیدگی سے میک اپ سے مبرا جھلک
جھلک کر شہرینہ کا چہرہ دیکھا وہ تو ہزار واث کے بلب سے
بھی زیادہ روشن تھی۔ رخشدہ کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

بلاشبہ شہرینہ لڑکھو خوب صورت لڑکی تھی اور انہیں اس کی یہ
خوب صورتی تکلیف دیتی تھی ان کی بیٹیوں بیٹیوں سے کئی گناہ
زیادہ اثر کیخوب صورت اور چھانچانے والی شخصیت کی مالک
تھی۔ شہرینہ اپنی ماں کی طرح خوب صورت تھی فائدہ خاندان
کی خوب صورت ترین لڑکی تھی، فائدہ کی خوب صورتی، خفاست
پسند طبیعت اور خوش قسمتی کے چہار عالم ڈنگے بیجھے تھے ایسے
میں فائدہ سے جیسی ٹیل ہونا ایک فطری امر تھا۔ فائدہ سے ان
کی ہمیشہ سے مقابلے بازی چلتی رہی تھی۔ فائدہ سے حسد کی
کیفیت رفتہ رفتہ نفرت میں بدلتی چلی گئی تھی اور یہ نفرت فائدہ
کے بعد اب اس کی بیٹی شہرینہ کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔

فائدہ تو ان کو زندگی کے ہر میدان میں برتری آ رہی تھی لیکن
اب زندگی کے میدان میں وہ اپنی بیٹیوں کے مقابل شہرینہ کو
جیتنے نہیں دیکھ سکتی تھیں اس لیے شہرینہ کے خلاف انہوں نے
نہایت خاموشی سے ایک محاذ بنالیا تھا۔ وہ ہر آئے گئے کے
سامنے کچھ اس انداز میں فائدہ کی آڑ لوشیالی کو لے کر شہرینہ کی
ذات کو دف بٹاتی تھیں کہ کسی کو اعزاز ہی نہیں ہوتا تھا کہ
رخشدہ کوئی پروپیگنڈہ کر رہی ہے۔ ہلکا ہستہ بہت سے
لوگ رخشدہ کے سوچے سمجھے تیار کیے ہوئے پروپیگنڈے کے

بھی ہے نہ کسی کا ذرہ خوف یونورٹی کے قسے کہانیاں تو مشہور تھے ہی اس کے اس کے علاوہ بھی کہیں آجائے تو نئے نئے کارنامے سرانجام دیتی رکتی ہے۔" اماں بی کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت کھری ہوتی تھی۔

بڑی اماں کو تو سو کام تھے اماں بی سے مل کر وہ اصرار رکھتی تھیں اماں بی مہمانوں میں آج بھی تھیں رخشندہ بھی ساتھ تھی فرح چائے دے کر چلی گئی تھی اس وقت مہمان خواتین کے سامنے اماں بی کا دل ہولانے کا رخشندہ کو اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں مل سکتا تھا انہوں نے فوراً نفاذ اٹھایا۔

"اللہ خیر کرے کیا کیا ہے بچی نے۔" جو اہل رخشندہ نے آج مارکیٹ میں ہونے والی تمام صورت حال خود سے بڑھا چڑھا کر کچھ اس انداز میں بیان کی تھی کہ وہاں موجود خواتین بھی شہرینہ کی آرزو خیالی پر اپنی اپنی رائے دینے لگی تھیں۔

"ہماری بچی بچیاں ہیں خالہ بی ایسی بے خوف نہیں ہونیں کر لڑکوں کو پیچھے لگا کر پھر ان سے الجھنے تک جائیں اسد ہر لڑکا تھا جو ان خون ہے بھائی کہاں برواشت کرتے ہیں ایسی صورت حال اللہ معاف کرے میری فری تو خوف سے نکلی چلی پڑ گئی تھی کھڑا کر بھی کا بچی رہی تھی اسد تو مرنے مارنے پر اتر ا ہوا تھا بڑی مشکل سے لوگ اس لڑکے کو لے کر نکل گئے تھے ورنہ اسد تو مار دیتا اس لڑکے کو ج تو یہ ہے کہ یہ سارا خرابہ شہرینہ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" اماں بی تو حیرت سے سب سن رہی تھیں۔

اور رخشندہ وہ شہرینہ کی حرکتوں اور کارناموں کی ایک طویل فہرست کھول کر بیٹھ گئی تھی اور وہاں موجود خواتین بڑی دلچسپی سے رخشندہ کی زبانی دوتا فوٹا کئی اور مواقع پر سرانجام دیے شہرینہ بی بی کے کارنامے سن کر توبہ پر کرنے لگ گئی تھیں۔

فائدہ کا فون آیا تھا وہ عثمان اور نیچے تینوں شادی والے دن ہی پہنچ سکتے تھے عثمان پاکستان آگئے تھے لیکن حکومتی سطح پر ضروری امور تھے جس کی وجہ سے وہ وری نہیں آسکتے تھے ان کی وجہ سے فائدہ کو بھی وہاں رکنا پڑا تھا۔ انہوں نے شہرینہ کو خاصے محتاط انداز میں رہنے کی خاص تاکید کی تھی ساری بے پروائیاں چھوڑ کر کبھی ہونی لڑکیوں کی طرح بی بیو کرنے کی بار بار تلقین کرتی رہی تھیں شہرینہ ان کی باتوں پر بس سر ہلاتی رہی۔ وہ سب جانے کے لیے تیار تھیں۔

تحت رفتہ رفتہ فائدہ اور شہرینہ کی آرزو خیالی کو لے کر کافی کاشنسی بھی ہو گئے تھے اور شہرینہ رفتہ رفتہ اس پروپیگنڈے کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ ہر کوئی شہرینہ کو سمجھانے سمجھانے میں لگا رہتا تھا جس کے سبب وہ اور زیادہ منہ زور ہوتی جا رہی تھی۔ اماں بی نے اسے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ وہ اس سے اماں بی اور بھائیوں کا حال احوال دریافت کرنے لگی تھیں وہ تہذیب و شائستگی اور تفصیل سے جواب دے رہی تھی۔

"بابا صاحب کہاں ہیں؟" شہرینہ نے کچھ توقف کے بعد دریافت کیا۔

"وہ مردوں کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔"

"شہرینہ آج تیار ہو جاؤ پارلر والی بلاری ہے۔" فرح اسے دھوڑتی اس طرف آتی تھی جو اماں بی کے ساتھ بے تکلفی سے گاؤں والوں کی تفصیل سن کر ہنس رہی تھی۔

اسے گاؤں ہمیشہ سے ہی اٹریکٹ کرتا تھا وہاں کے لوگ ان کا رہن سہن انداز زندگی گاؤں کی فضا، فصلیں، کھیت، درخت، نیو بیل اور جانور۔

اپنی اسٹڈی کی وجہ سے بہت زیادہ گاؤں جا کر رہنے کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن جب بھی موقع ملتا تھا وہ گاؤں جا کر رہنے کو اہمیت دیتی تھی۔ وہ فرح کے بار بار بلانے پر اٹھ کر تیاری ہونے چل دی تھی جبکہ رخشندہ نے اسے ناگواری سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"قسم سے خالہ بی آپ کی یہ پوتی بڑی پناہ قسم کی چیز ہے۔" ان کے لہجے کی ناگواری اماں بی نے بغور خاص نوٹ کی تھی۔ ارد گرد اور خواتین بھی تھیں۔

"اللہ سلامت رکھے، بس کچھ بچی ہے تھوڑی شوخ سی ہے لیکن بدگناظ نہیں۔" اماں بی کے لہجے میں پوتی کے لیے از حد محبت اور مہربانی تھا۔ رخشندہ کا دل مل کر دکھا ہوا۔

"خالہ بی برا مت منائے گا ہر وقت ایک دھماکہ کیے دکتی ہے۔ آج بھی دوپہر میں یہ فرح، فریحہ اور اسد کے ساتھ مارکیٹ تک گئی تھی یوں سمجھیں وہاں خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔" انہوں نے بات کو بڑھا چڑھا کر اماں بی کا دل ایک دم ہولا دیا تھا۔

"کیسا خون خرابہ۔"

"میں تو سبکی کہوں گی فائدہ نے اولاد کی تربیت کرنے میں بڑی خود غرضی دکھائی ہے جیسی خود آرزو خیالی تھی ویسی ہی اولاد

میرا اس کے ساتھ رویہ بہت اچھا ہوتا۔“
 ”لیکن گھر آئے مہمان کی تذلیل کرتا بھی ہمارا شیوہ نہیں ہے۔“ انہوں نے از حد سنجیدگی سے کہا۔ فائزہ نے سنجیدگی سے باپ بے کو دیکھا۔

”شکر کریں کہ میں نے محض زبانی کلامی یہ سب کہا تھا جس طرح اس کی حرکتیں ہیں اس کی جگہ فرح ہوتی تو میں اب تک شوٹ کر چکا ہوتا۔“ اس کا انداز غلطی تھا فائزہ نے دلی کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ اتنا غصہ اشفاق صاحب نے حیرت سے بیٹے کے اس قدر انتہائی سرد انداز کو ٹھٹھا کیا۔

”شہرینہ بے پرواہیہند مزاج ضرور ہے لیکن بگڑی ہوئی بچی نہیں ہے عثمان کی تربیت اہل بی اور بابا صاحب کے ہاتھوں ہوئی ہے اور عثمان کی اولاد میں بھی اس کی ذات کا کچھ نہ کچھ عکس تو ہوگا عثمان اولاد کی تربیت پر کپر دما کر نہ کرے والا انسان نہیں۔ تم اپنے رویے پر غور کرو وہ غلط نہیں ہے۔ تیز مزاج ضرور ہے۔“ اشفاق صاحب کا انداز نامحاذ تھا۔ اٹھن طنزیہ مسکرایا۔

”تند مزاج؟“ اس کے انداز پر اشفاق صاحب اور فائزہ نے ایک اور دوسرے کو دیکھا تھا اٹھن کا جی چاہا کہ وہ سب کہہ دے جو رشتہ خاندان نے اہل بی سے کچھ عرصہ پہلے کہا تھا لیکن وہ لب بھجی گیا کیونکہ شہرینہ اس کا مسئلہ نہیں سمجھ سوتھ اسے درد سر بھی نہیں بنانا چاہتا تھا۔

”بہر حال جو بھی بات ہے جب تک شہرینہ ہمارے گھر مہمان کی حیثیت سے موجود ہے تم اس سے کچھ بھی نہیں کہو گے وہ نازوں میں پلٹی بچی ہے تمہارے تند رویے اسے ہرٹ کرتے ہیں آئندہ محتاط رہنا۔“ آخر میں اشفاق صاحب کا مزاج غلطی ہو گیا تھا۔ اٹھن نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر لبہ انتوں تلے دبا لیے فائزہ نے اس کی حرکت نوٹ کی تھی۔ انہوں نے پریشان نگاہوں سے شوہر کے سنجیدہ اور پھر درودیدہ نگاہوں سے اٹھن کے بگڑے تیروں والے چہرے کو باری باری دیکھا ان کے دل میں کئی سوالوں نے سر اٹھایا تھا۔ کئی جذبات ابھرے تھے لیکن شوہر کی سنجیدگی اور بیٹے کی قطعیت کے سامنے چہرے پر پریشانی لیے ہاتھوں کو سلنے لگی تھیں۔

زوبہ کے ہاں ان کا بڑے بڑے جوش انداز میں خیر مقدم کیا گیا تھا لان کے بڑے سے حصے کو وہ حصوں میں بانٹ کر مردانہ

اشفاق صاحب نے سب کو گاڑیوں میں بیٹھنے کو کہا تھا بڑے بھی گاڑیوں میں جا چکے تھے اب بس نو جوان پارٹی ہی رہ گئی تھی جیسے تھے کر کے اشفاق صاحب کی جھاڑ پر سب گاڑیوں میں جا گئے تھے اب گھر میں فائزہ بیگم کے علاوہ چند ایک ملازم اور اشفاق صاحب تھے فائزہ تو کافی مصروف تھیں اسد نے ان کو لینے آنا تھا۔ وہ سب کمرہ کو دھمکتی اٹھن کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں اور اٹھن کو وہاں موجود پاکر حیران ہوئی تھیں۔

”تم ابھی گئے نہیں؟“ انہوں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر سفید لباس پہنے بال بناتے دیکھ کر پوچھا۔
 ”بابا صاحب کے کام سے نکل گیا تھا۔ ابھی لوٹا ہوں سب چلے گئے۔“

”ہوں۔ آپ ابھی تک ادھر ہی ہیں۔“ وہ بستر پر بیٹھ کر لیدر کا اسٹامپس سا جوتا پہنے لگا۔
 ”ہاں تمہارے ابو بھی ابھی ادھر ہی ہیں اسد لڑکیوں کو چھوڑنے گیا تھا واپسی پر ہمیں لینے آنا ہے۔“ جو تے بہن کر وہ پھر آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔

”اسد کو فون کر دیتا ہوں آپ دونوں میرے ساتھ چلیں۔“ خود پر پر فہم اسپرے کر کے اپنا موبائل اور والٹ جب میں رکھ کر وہ کمرے سے مال کو لے کر نکل آیا تھا۔ اسد کو فون کر دیا تھا۔

گھر سارا دیکھ کر طرازمین کو ہدایت دیتے فائزہ اور اشفاق اٹھن کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ اشفاق صاحب نے بیٹے کو دیکھا۔ صحت مند تر و تازہ خوب صورت خند و خال سے مزین چہرہ لیے یہ مکمل توجہ سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا فائزہ کوئی نہ کوئی بات پوچھ لیتی تو وہ گالے بگا ہے اس کا جواب دے دیتا تھا۔ انہیں آج صبح کا واقعہ یاد تھا۔ شہرینہ اٹھن کی وجہ سے واپس جا رہی تھی۔ اٹھن نے شہرینہ کے ساتھ ایسا رویہ کیوں اپنایا تھا وہ ابھی بھی اچھے ہوئے تھے، وہ اٹھن کی طرف سے اسے روکنے کی کئی امیدیں کر سکتے تھے۔

”صبح تم نے شہرینہ کو کیوں ڈانٹا؟“ انہوں نے پوچھا اس پر اٹھن نے باپ کو دیکھا۔

”کل جب میں اسے لینے پولیس اسٹیشن گیا تھا وہاں سے جو کچھ سننے کو ملا اس کے بعد شہرینہ کا میرے ساتھ جو رویہ تھا اس کے بعد اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر آپ امید کرتے ہیں کہ

یان گئے تھے جبکہ رخشندہ خالہ کی تینوں بیٹیاں بھی وہیں رک گئی تھیں۔ چند ایک ذلتی سوار یوں کے مالک لڑکوں کے علاوہ باقی سب چلے گئے تھے وہ بھی اس لیے رکے تھے کہ اشفاق صاحب نے لڑکیوں کو وہاں لانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی۔ اسل فخل تو اب لگا تھا عورتوں والی نشست گاہ میں اب صرف خواتین ہی تھیں زویہ کی تمام کزنز دوستوں اور تمام خواتین نے پھیری والے اسٹائل میں وہ دیرپائی رقص پیش کیا تھا کزنز کیوں کے ہنس کھنکھائی میں مل پڑ گئے تھے۔

شہرینہ کے لیے یہ سب بہت حسے کا تھا زویہ کے ساتھ جم کر بیٹھی وہ تالیاں پیٹ پیٹ کر ہتھیلیاں سرخ کر رہی تھی۔ خواتین کی روایتی پھیری رقص کے بعد زویہ کی چچی کی بہنوں اور چھوٹی چھوٹی بیٹیوں نے مل کر بڑے روایتی انداز میں سرسرا گیندا پھول پر رقص شروع کیا تو فخل ایک عروج پر پہنچی تھی۔ ڈیک پر گیت سلیکٹ ہوا تو بھی ایک دم اکیئو ہوئی تھی۔

سیاں چھیڑ دیوے نندہ چنگی یوے سرسرا گیندا پھول
ساس گالی دیوے دیوے پور سمجھا لیوے
سرسرا گیندا پھول

شہرینہ بہت بڑے جوش تھی۔ چاروں لڑکیاں گیت کے بولوں کے ساتھ اسٹپ لے رہی تھیں خوب صورت زرق برق لباس میں جھک جھک کرتی یہ لڑکیاں بڑا خوش کن تاثر دے رہی تھیں۔ شہرینہ کے لیے گاؤں میں شادی کوئی الوکھا تجربہ نہ تھی۔

گاؤں آتے جاتے مختلف رشتہ داروں کے ہاں چند ایک بار اس نے بھی خالص گاؤں کے ماحول والی شادیاں ضرور اینڈ کی تھیں لیکن چھوٹے گھر میں شہر میں رہنے کے پلا جوہر گاؤں والی ثقافت اس وقت مکمل طور پر دکھائی دے رہی تھی اس کی شاید وجہ یہ تھی کہ چھوٹے سرسرا لیوں میں سے سیکھری گاؤں سے بی لالک کرتی تھی۔ خواتین گیت کی لے پر تالیاں بجا رہی تھیں۔ بڑا خوب صورت ماسٹر تھا۔

بشرٹ بیٹھ کھائی کے بیڑا بان
نور سے پورے سے مالک ہے پیاجی کی شان
ساس گالی دیوے دیوے پور سمجھا لیوے
سرسرا گیندا پھول

گیت کا اختتام بڑے بڑے جوش انداز میں دوسمیٹ کر ہوا

اور زمانہ نشست کا اہتمام کیا گیا تھا اگرچہ مردانہ اور زنانہ الگ الگ تھے لیکن دونوں طرف کے مہمان انتہائی قریبی لوگوں پر مشتمل تھے سو یک پارٹی آرام و سکون سے اصر سے ابھر گھومتی پھر رہی تھی۔ بڑی چھوٹے کی سرسرا خاصا وسیع تھی چھوٹا صاحب کے چھ بھائی اور چار بیٹیاں تھیں پھر ان کے بیچ۔ ان لوگوں کی طرف خوب روشنی تھی۔ زویہ چار بھائیوں کی اگلی بہن بھی گھر بھر کی لاڈلی سو ہزاروں ارمان پورے کیے جا رہے تھے۔ مایوں کی رسم رات دس بجے کے بعد جا کر شروع ہوئی تھی، اس سے پہلے سب لوگ کھانے پینے اور دیگر تمام لوازمات سے فارغ ہو چکے تھے۔

زمانہ حصے کی طرف جانے لیاں بچھا کر گاؤں کیلے لگا کر بڑے خوب صورت، صوفے رکھ کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ رسم کا آغاز خاندان کے بڑوں نے کیا تھا مختلف طور پر ہی طے پایا تھا کہ بڑے رسم کر کے ایک طرف آرام و سکون سے بیٹھ جائیں گے اور اس کے بعد چنگ پارٹی تہذیب و تمدن کے دائرے میں رہتے ہوئے ہلہ گلہ کرے گی۔ بابا صاحب کو اعتراض ہوا تھا لیکن بڑی چھوٹے کی طرف کا انتہائی سلجھا ہوا انداز فکر اور رکن بہن کے سبب اشفاق صاحب نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ سو بابا صاحب کو بھی راضی ہونا پڑا تھا جبکہ فخل کو بے گلی کی فرمائش کچھ خاص نہ بھائی تھی لیکن باپ کے سامنے خاموش رہا تھا۔

بزرگ رسم کر کے ایک طرف جا کر بیٹھ گئے تھے اشفاق صاحب کی طرف سے آنے والے مہمانوں میں سے جو تھک چکے تھے اور جلد لوٹنا چاہتے تھے ان کا گھر جانے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ کافی مہمان بارہ بجے کے بعد وہاں چلے گئے اب بس قریبی احباب اور بزرگ موجود تھے یا گھر کے لوگ تھے فائزہ مہمانوں کی وجہ سے گھر جا چکی تھیں مذویہ کی تمام کزنز اجازت نامے ملنے کے بعد ایک دم متحرک ہوئی تھیں، انہوں نے ڈھولک دھکی تھی۔

پہلے دونوں طرف شادی کے گیتوں کا مقابلہ ہوا اور خوب روشنی لگی تھی لڑکے بھی بیٹھ کر شرافت سے انجوائے کرتے رہے تھے مدت کافی گہری ہو رہی تھی اشفاق صاحب وہاں ہی کے لیے کھد رہے تھے زویہ کے اصرار پر شہرینہ اور فرح کے علاوہ چند اور کزنز لڑکیوں کو رات دکنے کا کہا تھا۔

چھوٹی چھوٹی اور بڑی چھوٹے کے اصرار پر اشفاق صاحب

اسٹیپ لیے تھے سبھی لڑکیوں کی ہوا کا شور و رنگ پھیلا تھا۔

برقی میگر مٹی، کام می کر مٹی
آگ لسی لگا لی حرہ گھیا

فائزہ کی کال بھی ان کو اپنے کمرے کی الماری کی چابیاں
نہیں مل رہی تھیں انہوں نے فرخ کو کال کی تھی لیکن اس قدر
شور میں فرخ کو موہا بل کا ہوش ہی نہ تھا انہوں نے آٹن کو کال کی
تھی آٹن زوبیہ کے بھائیوں کے ساتھ ان کے کمرے میں تھا

وہ ماں کو ہولڈ کرنے اور فرخ سے بات کروانے کا کہہ کر کمرے
سے نکلا تھا باہر خواتین کے لیے مخصوص کیے گئے حصے کی طرف
ڈیکہ آن تھا کیت چل رہا تھا۔ لڑکیوں کی تالیوں کی آوازیں،
پڑجوش چکاریں گونج رہی تھیں، وہ اشفاق صاحب کے کہنے پر
رک گیا تھا صبح لڑکیوں کو وہاں لے جانے کی ذمہ داری اشفاق
صاحب اس کے اور ایک دو لڑکوں کے سپرد کر گئے تھے، وہ
خواتین والے حصے کی طرف آیا تھا۔ اس نے پردہ اٹھا ہوا ٹھٹک
گیا تھا۔ شہرینہ جو قصہ بھی بالی بھی لڑکیاں باقاعدہ تالیاں پیٹ
رہی تھیں، کیت کے بولوں کی آواز باہر تکہ رہی تھی۔ آٹن چند
مل تو سکتا ہوا تھا۔ خوب صورت لباس، متناسب سراپا سرد قد
اور لوہر سے قاتلانہ انداز وہ کیا کوئی بھی ہوتا شہرینہ جیسا قاتل
حسن دیکھ کر بہت ہی ہوا جاتا وہ بھی اپنی جگہ جامد ہو گیا تھا۔

لڑکیاں اپنی سرگرمیوں میں اس قدر مگن تھیں کہ کسی نے
بھی اس جانب دھیان نہ دیا تھا۔

بے جا بانڈو ہانسنے گئے
اور جوبلی جوانی سے ٹکرائی
اور جوبلی جوانی سے ٹکرائی

آنکھان کی لڑی ہوں میری آنکھ سے
دیکھ کر لڑکی حرہ گھیا

میرے رشک قمر تو نے پہلی نظر جب نظر سے ملائی حرہ
آگیا

شہرینہ اپنے دھیان میں مست تھی جب رخ پٹنے پر
اسٹیپ لیے تو اس کی نگاہ سننے کی طرف اٹھی تھی۔

اتھا ہوا پردہ اور ہاں کمرہ جو درودہ ساکت ہوئی تھی۔

”کیا ہوا رک کیوں نہیں۔“ کئی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔

چونکا تو آٹن بھی تھا۔ وہ پہلے سنبھلا تھا پھر اس کے چہرے
پر ناگواریت کی کیفیت چھائی تھی جبکہ ڈیکہ پر ابھی بھی کیت
چل رہا تھا۔

تھا۔

”جی او کے تم لوگ تو چھا گئی ہو۔“ شہرینہ نے چھوٹی پھوپھو
کی بیٹیوں کو خوب دلا دی۔

”کچھ کم تو آپ بھی نہیں ہیں سنا ہے آفاق کی لاسٹ ایئر
سالگرہ کے موقع پر اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر آپ نے بہت
خوب صورت ڈانس کیا تھا۔“ چھوٹی پھوپھو کی بیٹی نے کہا تو وہ
ہلکی۔

بالکل شہری کو تو ضرور ڈانس کرنا چاہیے۔“ دو تین اور لڑکیاں
بھی سر ہونٹیں تھیں۔

”مہرے تو یہ کہہ مجھے کچھ نہیں آتا۔“ شہرینہ نے لاکھ پہلو
جی کرنا چاہی تھی لیکن ان سب کے اصرار کے سامنے اس کی
ایک نہ بولی۔

”ماما کو کلم ہو گیا تو وہ بہت خفا ہوں گی انہیں یہ سب کام قطعی
پسند نہیں۔“ شہرینہ نے جانا چاہا تھا لیکن کوئی بھی سننے کو تیار ہی
نہ تھی۔

”چلو شہری غرے مت کرو آج جمہیں کچھ نہ کچھ پر فارم تو
کرتا ہی ہوگا۔“ زوبیہ نے بھی اصرار کیا تو اسے ناچار اٹھنا ہی پڑا
تھا۔

بہت گھریلو اور ذاتی قسم کی صرف دوستوں یا کزنز کی حد
تک کی تقریب میں پر فارم کر لیتا اور بات بھی لیکن اس طرح
اتنی گید رنگ میں ہوں پر فارم کرتا شہرینہ کا دل نہیں مان رہا تھا وہ
کھڑی تو ہو گئی تھی لیکن کچھ کچھ نہیں پاری تھی کہ کیا کرے۔

”اچھا زیادہ غرہ مت کرو ہم نے بھی تو ڈانس کیا ہے نا۔“
زوبیہ کی ایک کزن نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اگر یہ نہیں کرنا چاہتی تو فورس مت کرو ہو سکتا ہے بڑی
ہو۔“ فریجہ نے طنزیہ انداز میں کہا تو شہرینہ کو اس کا لہجہ قطعی نہ

بھایا۔

”تم کا نا سلکٹ کرو۔“ اس نے ڈیکہ کے پاس بیٹھی
لڑکی کو کہا تو سب ایک دم پڑجوش ہو گئی تھیں دو تین گانوں میں
سے شہرینہ کو ایک گانا پسند آیا تھا۔

میرے رشک قمر تو نے پہلی نظر جب نظر سے ملائی حرہ
آگیا

میرے رشک قمر تو نے پہلی نظر جب نظر سے ملائی حرہ
آگیا

کیت کے بول فضا میں گونجنے لگے شہرینہ نے باقاعدہ

آنکھ میں بھی حیا ہر ملاقات پر
سرخ عارض ہوئے وصل کی بات پر
اس نے شرم کے میرے سوالات پر
ایسے گردن جھکا کی حیرت مگیا

پھر سے شکستہ قمر.....
آئین کی آنکھوں کی چمک شعلوں میں بدلی تھی۔
ناگواریت نے شدید نفرت کی رد اوری تو شہرینہ ایک دم زمین
پر بیٹھ گئی تھی۔ لڑکیوں نے پلٹ کر دیکھا آئین واپس پلٹ گیا
تھا۔

”کون تھا؟“
لڑکیاں سوال کر رہی تھیں جبکہ وہ خاموش تھی۔ وہ لاکھ بے
باک سہمی لیکن وہ اس طرح بے حجابانہ گھر کے مردوں کے
سامنے نہیں آتی تھی۔ آئین کی آنکھوں کی لپک اور پھر شعلوں کی
حدت اسے وہ صاف محسوس کر سکتی تھی۔

”آئین بھائی.....!“ فریج نے کہا تو شہرینہ نے دیکھا
فریج مسکرائی تھی۔
”اے کو شہرینہ کا ڈانس کرنا شاید پسند نہیں آیا بہت غصے
سے واپس گئے ہیں۔“ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔
شہرینہ جیسے ہی رکی فریج نے فوراً دیکھا تھا اور پھر آئین کو
پاکر وہ پٹریہ مسکرائی تھی۔

”وہ ادھر کیا لینے آئے تھے میں نے سب کو سختی سے منع کر
رکھا تھا کہ اس جانب کوئی نہیں آئے گا۔“ زوبیہ کی چٹا زونے
کہا۔

”ہو سکتا ہے کوئی کام ہو۔“ کسی اور نے کہا۔
”اچھا چھوڑو، اب زینی بھنگڑا ڈالے گی پورا ہفتہ آتش
تیزی کی ہے اس نے چلو زینی شروع ہو جاؤ۔“ زینی زوبیہ کی
پوپو زولومی وہ فوراً کھڑی ہوئی۔ محفل ایک دم پھر مردوں
تھی۔ شہرینہ جو کچھ پہلے شہرینہ ہی جتنی تھی ہاں میں سب
کچھ بھول کر پھر پہلے جیسی بن گئی تھی۔ جوش سے تالیاں بجاتی و
سلنگ ہوا کرتی پھر جوش شہری۔

زوبیہ کی طرف گزری گئی رات بھر کی ٹھنک اگلے دن گھر پر
سب بستر پر گریں تو وہ پھر گئے تک سوئی رہی میں۔ فرج نے
اسے بھٹک اٹھا تھا۔ صبح کے بعد وہ آج رات کے فنکشن کی
تیاروں میں لگ گئی تھیں۔ فرج نے پارلر جانا تھا چہرے کی کچھ

ڈھنگ ڈھنگ کر رہی تھی۔ اس نے اسے بھی ساتھ ملنے کو کہا تو
دھڑا تیار ہوئی۔

وہاں جا کر فرج نے ٹنگ کر رہی اور اسکن پالش و فیرو کا
کام کر لیا تھا شہرینہ نے فرج کے کہنے پر صرف جی کپور اور
پڑی کی کپور کر لیا تھا۔ ٹنگ اس نے کچھ دن پہلے اسلام آباد سے
کر لی تھی۔ چہرہ اس کا ویسے بھی آل ٹائم بہت فریش اور چمکتا
دکھتا رہتا تھا وہ دونوں شام کے وقت واپس لوٹیں تو آئین نے
فوراً فرج کو بلوایا۔

”کل تم، شہرینہ اور فریج اسد کے ساتھ شاہک پر گئی
تھیں؟“ سامنا ہوتے ہی آئین نے سنجیدگی سے پوچھا۔
”جی کیوں نہ رہے؟“ وہ ابھمی۔

”وہاں کیا ہنگامہ ہوا تھا؟“ آئین نے پوچھا تو وہ چونگی۔
”ہنگامہ.....“ اسے کل شاہک کے دوران جوش آنے والا
ساروا واقعہ یاد آنے لگا۔ آئین تک خبر پہنچ چکی تھی۔ اسد نے منع
کیا تھا کہ گھر میں کسی کو بھی خبر نہ ہو۔ تو پھر آئین کو کیسے علم ہو گیا۔
”کوئی ہنگامہ نہیں ہوا تھا۔“ فرج نے ٹالنا چاہا۔

”میں سب جان چکا ہوں تم آرام و سکون سے تفصیل
بتاؤ۔“ آئین کا اندازہ دلوگ تھا۔ فرج نے گھر اسانس لینے سب
کہہ دیا آئین نے بہت غصے سے سنا۔

”یہ لڑکی؟“ اس نے غصے سے ہاتھ ٹھیل پر مارا۔
”اپنی انہی حرکتوں کی وجہ سے مجھے یہ انتہائی بری لگتی
ہے۔“

”بھائی اس میں شہرینہ کی کیا غلطی، غلطی اس لڑکے کی تھی
شہرینہ نے تو اپنا ڈینٹس کیا تھا بس.....!“ فرج کو بھائی کا انداز
ایک آنکھ نہ بھایا تھا اس نے شہرینہ کا دفاع کرنا چاہا لیکن آئین
کے انداز کو ایک دم شدید پیش نے سر اٹھایا تھا۔
”شٹ اپ۔“

”اب تم مجھے مت سمجھاؤ کہ کون غلط ہے اور کون درست
لڑکیوں کو ہر معاملے میں محتاط رہی ہی اختیار کرنی چاہیے وہ لڑکا
کوئی غلط حرکت کر بیٹھتا تو پھر کون ذمہ دار ہوتا اس نقصان کا
شادی میں شرکت کی وجہ سے میں چپ ہوں ورنہ میں قطعی
پسند نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ گھلے گئے۔“

”لیکن بھائی وہ ہماری کرن.....!“ فرج نے احتجاج کرنا
چاہا۔

”جو کہا ہے وہ کرو اس سے ملنے میں ایک لمبے میں رہو،

میں نہیں چاہتا کہ وہ چہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ دے خود تو بڑی ہوئی ہے ساتھ چہیں بھی لے ڈوبے گی۔" اگلے دن انداز اور بوجہ سخت تھا فرح کی آنکھیں نم ہونے لگی تو وہ خاموشی سے رہاں سے چلی آئی تھی۔

پتا نہیں اگلے کو کس نے بتایا تھا؟ اگلے شہرینہ سے اس قدر بدظن کیوں تھا اور اگلے کی کاروائی اسے رہ رہ کر دکھ ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے شہرینہ سے ذکر کر کے بغیر اپنے کمرے میں آ بیٹھی تھی۔



اماں بی فائزہ کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں آج دونوں گھروں میں مہندی کا کمرہ بن چکا تھا جس کا انتظام اشفاق صاحب نے بطور خاص ہونٹ میں کیا ہوا تھا۔ سبھی تیار ہو رہے تھے جبکہ اماں سنجیدہ ہی تھیں۔ کل سے لے کر اب تک رخشندہ بیگم سائے کی طرح ان کے ساتھ تھیں۔ رخشندہ کا ہارٹ فیورٹ موضوع صرف اور صرف اپنی بیٹیوں کی تعریفیں کرنا اور فائدہ اور اس کی بیٹی کی مسلسل برائیاں کرنا تھا۔ رخشندہ کی باتیں سن کر اماں بی کے کان پک گئے تھے۔

اس وقت بھی وہ تیار ہونے کے بھانے بڑی مشکل سے رخشندہ سے دامن بچا کر فائزہ کے پاس آئی تھیں۔ فائزہ نے انہیں مسلسل چپ سادھے دیکھا تو ابھی تھیں اور پھر ان کے پاس آ بیٹھیں۔

"اماں کیا بات ہے؟ چپ چپ سی ہیں۔"

"میں تو شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی لیکن یہاں آ کر یہاں کے حالات دیکھ کر میں تو پریشان ہوئی ہوں۔"

انہوں نے جواباً ہی سے کہا تو فائزہ حیران ہوئیں۔

"کیا ہوا اماں جی کوئی غلطی ہو گئی ہے ہم سے کیا؟ یا کسی نے کچھ کہا ہے۔" انہوں نے مزید پوچھا۔ اماں بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"رخشندہ کی باتیں سن کر ابھرتی رہی ہوں۔" فائزہ ابھیں۔

"رخشندہ کی..... کیا ہوا؟" جواباً اماں بی نے کل سے لے کر اب تک کی ساری صورت حال کہہ سنائی، فائزہ حیران ہوئیں، خصوصاً شاپنگ والے واقعے پر۔

"رخشندہ کی تو ویسے بھی عادت ہے لگائی بھائی کی لہر سے سن کر اپنے پاس سے دس لاکھ کر اگلے کو سناٹا فائدہ سے تو

ویسے بھی اسے اللہ واسطے کا میر ہے۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"لیکن کل والا فائدہ بھی غلط نہیں ہے میں نے اسکو بلوا کر پوچھا تھا اس نے بھی بتا دیا تھا مجھے۔ کچھ نہیں آئی شہری کی وہ ایسے کیوں کرتی ہے؟ یہاں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع مل جاتا ہے کل زدبیک کی طرف لڑکیوں کے ساتھ مل کر کچھ لودھم مچا لیا ہو گا شہری نے بھی سنا ہے ناچ گانے میں حصہ لیا تھا اب وہاں سبھی لوگ تو غیر خواہ نہیں تھے سواہر کی لہر لگانے والے ہیں رخشندہ کی تو زبان کو ہی سکون نہیں لودھریہ لڑکیاں گھر واپس آئیں لودھریہ رخشندہ نئی تازی سرخی تیار کر کے میرے سامنے بھی میں تو سوچ سوچ کر ہول رہی ہوں کہ عثمان کو علم ہو گا تو کتنی تکلیف ہوگی۔" اماں بھی آزدہ تھی۔ فائزہ نے سنجیدگی سے سب سنا اور اندہ ہی اندہ یہ سب جان کر اڑ حد تکلیف بھی ہوئی تھی۔

"رخشندہ گھر آئی مہمان ہے بس یہی سوچ کر چپ ہو جاتی ہوں ورنہ شہرینہ کوئی غیر نہیں میرے عثمان کی بیٹی میری سکی پوتی ہے جیسی میرے لیے فرح ویسی ہی وہ۔" اماں بی نے مزید کہا۔

"آپ کو خاموشی اختیار کرنا ہی نہیں چاہیے تھی رخشندہ کو صاف جواب دیا ہوتا تو وہ اتنی آگے بڑھتی ہی نہ مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں کہ باتوں والے دن عثمان اور فائدہ نے بھی پہنچ جاتا ہے اگر ان کو یہ سب پتا چل گیا تو کتنی تکلیف ہوگی۔ ویسے اماں بی رخشندہ یہ سب کس خوش فہمی میں کر رہی ہیں ان کی اپنی اس سب میں کیا غرض ہے۔" فائزہ نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"جہاں تک میرا ذہن جاتا ہے مجھے لگتا ہے کہ رخشندہ اپنی بڑی بیٹی فریحہ کا رشتہ اگلے کے لیے دینا چاہتی ہے۔" فائزہ نے حیران ہو کر دیکھا۔

"اس نے خود بات کی تھی آپ سے۔"

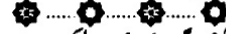
"میں نے پچھلے سال جب وہ گاؤں گئی تھی اشاروں کنایوں میں اس نے کہا تھا کہ وہ اور تم دونوں مل جاؤ تو کیا مضائقہ ہے میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی اس کے بعد اگلی دفعہ ملی تو میں نے بھی باتوں باتوں میں کہہ دیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ فائزہ بہن سے رشتہ داری کر لے ایک طرح سے میں نے اس کی امید ختم کرنا چاہی تھی لیکن وہ تو ایک نیا ہی محاذ کھول کر بیٹھ گئی ہے جب بھی ملتی ہے فائدہ اور اس کی بیٹی کے وہ بیٹے اور بیٹری ہے

کہ اللہ ان والحقیت۔ کہاں بی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”اگر آپ کہتی ہیں تو میں خود خشنود سے بات کروں۔“

”میں میں خود ہی بات کروں گی بس یہ موقع کچھ مناسب نہیں اس کی زبان بے لگام ہے میں جاہتی ہوں یہ خشیوں کی گھڑیاں ہیں آرام و سکون سے گزر جائیں پھر سلی سے دماغ سیدھا کروں گی اس کا۔“ فائزہ نے سر ہلایا۔

وہ اور بھی باتیں کر رہی تھیں جب فریح آگئی تھی اشفاق صاحب انہیں بلارہے تھے وہ اٹھ کر چلی گئی تھیں۔



مہندی کا فنکشن اگرچہ کہاں تھا لیکن بہت ہی خوشگوار انداز میں اختتام پزیر ہوا تھا۔ دنوں طرف کے انتظامات بہت ہی اچھے تھے مہندی کے فنکشن میں کافی گید رنگ موجود تھی شہرینہ نے آج شلواری میس پہن رکھی تھی۔ ہلکا ہلکا میک اپ کیسہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی وہ سارا وقت فرح کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ فائزہ بیٹیکہ کی طرف سے فرح کو حاضریہ بدایت تھی کدوہ سارا وقت شہری کے ساتھ رہے گی اور کوئی بھی غیر معقول بات نہ ہونے پائے۔ شایان اور زویہ کو مہندی لگاتے وقت اس نے کچھ شرارت کرتا چاہی تھی۔ تھوڑا بہت حراج کیا تھا۔

سلجھے ہوئے انداز میں ہلکا ہلکا سا حراج مٹائی کھلاتے وقت اس نے شایان کے منہ کی طرف مٹائی لے جاتے گی بار ہاتھ کھینچا تھا۔ وہاں موجود حاضرین میں سے تقریباً سبھی اس حرکت سے محفوظ ہوئے تھے تیل لگاتے ہوئے بھی اس سے قبل شایان کے بالوں کے ساتھ اس کے چہرے پر بھی خوب ملا تھا۔

یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تھیں جسے سبھی نے انجوائے کیا تھا لیکن اس پر موجود گلن کے چہرے کے زوے بگڑتے چلے گئے تھے۔ سبھی سب اس نے زویہ کے ساتھ بھی کیا تھا حاضرین میں سے لڑکیاں شہرینہ کو سپورٹ کر رہی تھیں بھی گلن کا منہ جواب دے گیا تھا۔ وہ تنگ نظر نہیں تھا لیکن نجانے کیوں شہرینہ کے مقابلے میں وہ اپنے دل و دماغ کو وسیع نہیں کر پا رہا تھا۔

”زیادہ تماشا کرنے کی ضرورت نہیں ہے آرام سے رسم کرو اور چلتی بنزانی لوگوں نے بھی رسم کرتی ہے۔“ وہ عادت سے مجبور تھا۔ شہرینہ نے ناگواری سے اس کی تہ حراج کو دیکھا۔

”تماشا کرنا کسے کہتے ہیں اگر میں تماشے پر اتر آئی تو یہاں تھوڑی بہت جفا آپ کی عزت ہے وہ کوڑی کی گرسے رکھ سکتی ہوں آپ اپنی شادی میں نہ بلایے گا ہمیں تو یہی طوطہ طریقے آتے ہیں ہم تو ایسے ہی رسم کر رہے ہیں کوہترض ہے وہ اسٹیج سے نیچا اتر جائیں۔“ وہ بڑا اعجاز تو تھی۔ گلن کے توکلوں سے لگی اور سر پر تھمی تھی۔

”شٹ اپ ناں نکلس..... ایڈٹ لڑکی۔“ وہ غصے سے واقعی اسٹیج سے اتر گیا تھا۔ وہاں اسٹیج پر موجود لوگوں نے حیران سے گلن کا یہ عمل دیکھا تھا۔

”خس کم جہاں پاک۔“ شہرینہ نے نظر یہ مسکرائی۔

”بڑی بات شہری وہ ہمارے بڑے ہیں۔“ شایان نے ٹوکا۔

”تمہارے بڑے ہوں گے جیسا ان کا کردار کر لے جیسا حراج ہے اور میرے ساتھ بی ہو ہے میں تو ان کو بڑوں میں تو ایک طرف چھوٹوں میں بھی شمار نہیں کرتی۔“ وہ جی سے کہہ کر اسٹیج سے اتر گئی تھی۔ اچھا بھلا موڈ عارت کر کے رکھ دیا تھا۔ باقی سارا وقت وہ ایک طرف بیٹھی اپنے موبائل کے ساتھ لگی رہی تھی۔ اگر ماما باجی کی رشتہ داری کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ بڑے پایا اور فائزہ کی محبت کے باوجود وہ اتنی ذلت آمیز اسٹیلٹ کے بعد ایک منٹ بھی یہاں نہ دیتی۔ وہ جوں جوں گلن کے رویوں کو سوچتی جا رہی تھی اس کے اندر غم و غصے کا شدید غبار بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جاہتی تو ان باتوں اور گلن کی حرکتوں کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ لیکن نظر انداز کرنا اس کی عادت نہ تھی وہ اپنے حاسد کو تو معاف کر سکتی تھی لیکن اپنے مخالف کو نہیں! اس کی فطرت خاندان کی باقی لڑکیوں سے بہت مختلف تھی اور یہ لوگ گاؤں کے ماحول سے نکل کر آئے تھے۔ گلن لوگوں کی سوچ و نظریات پر ابھی بھی گاؤں کی چھاپ تھی۔ خصوصاً گلن۔

اس نے اپنے موبائل سے نظریں ہٹا کر زویہ کے ہاتھوں کے ساتھ بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے گلن کو دیکھا تھا۔

”مجھ سے دشمنی تمہیں بہت بھیجی چکاتی ہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں گی کہ شہرینہ جیسا اصل ہے کیا۔“ گلن کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔ کچھ سوچ کر وہ ری نکلس ہوئی تھی۔



اسد کے ساتھ وہ گھر آئی تھی باقی لوگوں سے وہ جلدی مگر

انہی تھی ابھی وہاں بھی مہمان موجود تھے لیکن اس کی ضد پر امداد سے گھر چھوڑنے آیا تھا۔ گھر میں ملازمین موجود تھے اسد اپنے چھوڑ کر واپس ہال چلا گیا تھا وہ فرح کے کمرے میں آگئی تھی۔ اس نے لباس بدلا تھا۔ بال کچھ میں سمیٹ کر سر پر بنائے منہ ہاتھ دھو کر ٹاول سے چہرہ صاف کر کے وہ کمرے سے نکلی تھی۔ کچن میں آ کر فریج میں جھانکا۔ وہاں اورنج جوس کا پیک تھا اس نے نکال کر ویسے لڈ (Lid) کھول کر پیک منہ سے لگا لیا تھا۔ پیک خالی کر کے ڈسٹ بن میں ڈالتے وہ فریج بند کرتے لوہ والے حصے کی طرف آگئی تھی۔

مختلف کمروں کے سامنے سے گزرتے وہ آٹھن کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھٹکا چلا گیا۔ وہ اندر داخل ہوگئی اس نے اطراف میں دیکھا۔ کمرہ سلیپے سے بچا صاف ستھرا تھا اس نے سنجیدگی نگاہ ڈالی تھی۔ وہ ہینڈل کی طرف بڑھی تھی اس نے بیڈ شیٹ اٹھا کر نیچے جھینگلی تھی، آٹھن نے اس کمرے میں فرح کے سامنے اس کو بری طرح ڈیل کیا تھا اس نے تمام کپڑے اٹھا کر کوٹنے کھدروں میں پھینکے تھے۔ دو تین مہینے نہیں شو تھیں اس نے توڑ دے تھے کمرے کی حالت لاتر کر دی تھی ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔ الماری میں موجود کپڑے تک اس نے دیکھ کر اس سے نکال کر رول بنا کر پھینک دیے تھے۔ سارے کمرے کی حالت خراب کرنے کے بعد وہ بڑے فائنڈا انداز میں کمرے کے درمیان میں کھڑی سب دیکھنے کے بعد مطمئن ہوگئی تھی۔ اس نے آٹھن کے کمرے کی اسٹڈی ٹیبل کی طرف رخ کیا تھا ساری کتابیں اور اہم کاغذات نکال کر پھینک دیے تھے۔

وہ نمبر امینٹ کے لحاظ سے کوئی سیدھی سادی لڑکی نہ تھی۔ وہ اپنے مخالفین کے جتنے چھڑا کر کرتی تھی۔ وہ اپنے سامنے کسی بھی مخالفت اور کسی بھی انسان کی سرزنش کو اہمیت نہیں دیتی تھی۔ اس کے سامنے اگر اہمیت تھی تو صرف اور صرف اپنی ذات کی۔ وہ اگر دنیا میں کسی کی سستی تھی تو وہ جتن فائق تھے۔ باقی وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ کمرہ میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگا تھا۔

شہرینہ کے اعصاب اس تحریر کا رد واپس کے بعد بہت پُرسکون ہو گئے تھے کمرے پر ایک حتیٰ اور فاصل نگاہ ڈالنے کے بعد بہت مطمئن سے انداز میں وہ کمرے سے نکلی۔ وہ واپس فرح والے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے ہلکا ہلکا سا

میوزک لگا لیا تھا۔ وہ بڑے ریلیکس موڈ میں میسر پر لیٹ کر اپنے موبائل کو سائیڈ پر رکھ کر کتابیں بند کر کے پُرسکون ہوگئی تھی۔ آج اسے بڑی پُرسکون نیند آئی تھی۔ اپنی اس کارروائی کے بعد اس کے رگ و پے میں دور دور تک طمانیت کا ایک گہرا احساس جاگزیں ہو چکا تھا۔

رات گئے نقش کشی اختتام پزیر ہوا تھا سبھی گھر واپس جانا شروع ہو گئے تھے آٹھن کے ذمے ہوٹل کے معاملات دیکھنا تھے سب کے چلے جانے کے بعد اس نے ہوٹل کے تمام معاملات دیکھے اور پھر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا کچھ دیر بعد وہ گھر میں تھا اشتیاق صاحب کو اطلاع دے کر ان سے ضروری بات ڈسکس کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ ملازم کو چائے تیار کرنے کا کہا وہ فوراً فریش ہو کر نیچے تا جا رہا تھا، وہ اپنے کمرے کی طرف آیا۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا لائٹس آف تھیں، وہ آگے بڑھا لیکن اس کے پاؤں میں کوئی چیز آئی تھی، وہ گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ حیران ہوتا دیوار کی طرف آیا۔ اس نے ہاتھ مار کر سارے مٹن آن کر دیے تھے کمرہ ایک دم تیز روشنیوں میں نہا گیا تھا کمرے کی حالت دیکھ کر آٹھن بت بن گیا حیرت زدہ۔

انتہائی حیرت زدہ۔ وہ کمرے کو جب چھوڑ کر گیا تھا کمرہ انتہائی صاف ستھرا اور فائنٹ سے بچا ہوا تھا لیکن اب کمرہ ایسے لگدہا تھا کہ جیسے کسی جنگ کے بعد کا کوئی منظر ہو، آٹھن تو حیرت سے مگن تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کے دروازے کو کوئی ہاتھ بھی لگا لے ناممکن بات تھی۔ لیکن یہاں تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ایسے جیسے کسی نے بہت دل سے اپنے دل کے تمام ارمان پورے کیے ہوں۔ اس کے تمام قیمتی ملبوسات ڈیکوریشن، پوسر، بیڈ شیٹ، کپڑے، ڈریسنگ کا سامان قالین غرض ہر چیز کی حالت خراب تھی۔ آٹھن کا کمرے کی حالت دیکھ کر دماغ گھومنے لگا تھا۔ کھوں میں توجہ بخون اترا آیا تھا۔

"ای۔۔۔ فرح۔۔۔؟" وہ زور سے چیخا۔ لیکن گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ سوچتے وہ تنہا بن کر آئے کمرے سے نکلا تھا وہ امی کے کمرے کی طرف آیا۔ "ای۔۔۔ امی۔۔۔؟" وہ چیخا چلا تا اندر گھسا تھا فائدہ اے دیکھ کر پریشان ہوئی۔

”کیا ہوا فلن؟“ وہ کھڑی ہو گئیں۔
 ”میرے ساتھ چلیں۔“ فلن نے لب بھینچ رکھے تھے ماں
 کا ہاتھ پکڑ کر وہاں چلا۔
 ”ہوا کیا ہے سکون سے بتاؤ۔“ لیکن وہ ان کو جواب دے
 بغیر اس طرح چلتا رہا تھا فرح اپنے کمرے سے نکلی اور اس کا
 ارادہ چاہے پینے کا تھا لیکن ماں اور بھائی کو اس طوفانی انداز میں
 جاتے دیکھ کر وہ بھی پیچھے ہٹ گئی، فلن بیڑیاں چڑھتا اور آیا۔
 فائزہ کو بھی اس کے ساتھ تیز رفتاری سے بیڑیاں چڑھنا پڑی
 تھیں، فرح تو پیچھے بھاگ رہی تھی۔ فلن کے کمرے کا دروازہ
 کھلا ہوا تھا فلن نے ماں کا بازو کمرے کے درمیان میں جا کر
 چھوڑا تھا۔

”یہ دیکھیں۔“ فلن بولا نہیں تقریباً چٹنا تھا۔ فائزہ حیرت
 سے منگ دکھ رہی تھیں، بالکل فلن والی کیفیت تھی، فرح بھی
 اندر داخل ہوئی تو میدان کارزار کا نقشہ دیکھ کر ششدر رہ گئی
 تھی۔
 ”مائی گاؤ۔“ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔
 ”یہ..... کس نے کیا.....!“ فائزہ تو حواس باختہ
 تھیں وہ ملازمین کو گھر کا خیال رکھنے کا کہہ کر گئی تھی، ان کی غیر
 موجودگی میں گھر میں کوئی کھسکا تھا۔
 ”یہی تو میں جانتا چاہ رہا ہوں کہ یہ کس نے کیا ہے؟“ وہ
 ماں کے سامنے پہنچا تھا۔ فائزہ نے نفی میں سر ہلایا۔
 ”مجھے کیا پتا؟ میں تو خود ابھی گھر لوٹی ہوں۔“ فائزہ اور
 فرح کمرے میں محو کر دیکھ رہی تھیں۔ ہر چیز کی حالت لاتر
 تھی۔ لگتا تھا بڑے دل سے اور خوب دل کی بھڑاس نکال کر یہ
 حالت بنا گئی تھی۔

”میں ملازمہ کو بلاتی ہوں۔“ فائزہ نے کہا۔
 ”کچھ دیر میں بھی ملازمین فلن کے کمرے میں تھے کمرے
 کی حالت دیکھ کر سبھی حیرت زدہ تھے سبھی لاکم تھے۔
 ”تم لوگوں کی موجودگی میں یہ تخریب کاری ہوئی ہے اور تم
 لوگوں کو علم ہی نہیں میں تم سب کو فارغ کروں گا۔ تم سب ہڈ
 حرام ہوا لک کی غیر موجودگی میں کروں میں جا کر آرام کرتے
 رہے ہو بس۔“ اس نے ملازمین کی بھی ایسی ٹیسی کر دی تھی۔
 ملازمین سر جھکائے خاموش تھے۔ فلن ان سے مختلف سوال
 کرتا رہا تھا۔
 ”کون کون آیا کب کب آیا؟“ وغیرہ وغیرہ۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





جوان عشق تبارک
سمیرا شریف طبر

دک رہے ہیں میرے حرف لب پہ آئے بغیر
سمجھ رہا ہے وہ باتیں مری بتائے بغیر
یہ دو چراغ ہیں اور ایک لو سے روشن ہیں
دیا جلا نہیں کرتا لہو جلائے بغیر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہرینہ خاصے جارحانہ انداز میں اپنے پیچھے آتے لڑکے کی طرف بڑھتی ہے فرح اور فریحہ بھی فوراً اس کے پاس آتی ہے لڑکا شہرینہ سے بدتمیزی کرتا ہے جس کے جواب میں شہرینہ اس کو پھینک مار دیتی ہے وہ لڑکا اس صورت حال کے لیے تیار نہیں ہوتا اس لیے وہ غصہ سے شہرینہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے تب ہی ارد گرد موجود لوگوں اسے قابو کر لیتے ہیں جو اب وہ لڑکا مغالطات بکنا شروع کر دیتا ہے دوسری طرف فرح ساری صورت حال سے خوف زدہ ہو کر شہرینہ کا ہاتھ تھام کر وہاں سے نکل آتی ہے اسے اندازہ نہیں ہوتا کہ شہرینہ اس طرح کی مرد مارشم کی لڑکی ہے فرح کال کر کے اسد کو فوراً پہنچنے کا کہتی ہے کہ کچھ ہی دیر میں اسد گاڑی لے کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے اور ان تینوں کے گبڑے موڈ دیکھ کر وجہ دریافت کرتا ہے جس پر فرح اسے مال میں ہونے والے واقعہ کی بابت بتا کر حیران کر دیتی ہے فرح فریحہ کو گھر جا کر کچھ بھی بتانے سے منع کر دیتی ہے لیکن فریحہ گھر پہنچنے ہی سب کچھ اپنی ماں رخشندہ کو بتا دیتی ہے رخشندہ پہلے ہی اس موقع کی تلاش میں ہوتی ہے وہ مزید فریحہ کو شہرینہ کی جاسوسی پر افسانہ ہے ساتھ ہی اگلن کے ساتھ وقت گزاری کے بھی کہتی ہے۔ رخشندہ شروع سے ہی فائقہ کی خوب صورتی، نفاست پسند طبیعت اور خوش قسمتی سے جیلنس ہوتی ہے فائقہ سے ہمیشہ سے ان کے مقابلے بازی رہتی ہے اور اب یہ نفرت فائقہ کے بعد ان کی

بٹی شہرینہ کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے شہرینہ کو اپنی بیٹیوں سے جیتنے دیکھ کر رخشندہ اس کے خلاف محاذ بناتی ہے فائقہ کی آزاد خیالی کو لے کر رخشندہ نے شہرینہ کی ذات کو ہدف بنایا تھا۔ فائقہ شہرینہ کو فون پر اپنی آمد کا بتاتی ہے وہ شادی والے دن ہی پہنچ سکتے تھے عثمان پاکستان پہنچ جاتے ہیں لیکن حکومتی سطح پر ضرور کئی امور انجام دینے کے باعث وہ فوری نہیں آ سکتے تھے فائقہ شہرینہ کو خاصے محتاط انداز میں رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ فائزہ اور اشفاق اگلن کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھے ہیں شہرینہ اگلن کی وجہ سے واپس جا رہی ہوتی ہے یہ ہی بات اشفاق صاحب کی پریشانی کا باعث بنتی ہے تب ہی اشفاق صاحب اگلن کو سمجھاتے شہرینہ کی تربیت میں عثمان کے عکس کا بتاتے ہیں جس پر اگلن گبڑے تیروں کے ساتھ خاموش رہتا ہے، زویہ کے گھر سب کا پُر جوش استقبال کیا جاتا ہے، فنکشن اپنے عروج پر ہوتا ہے جب لڑکیاں شہرینہ سے بھی ڈانس کی فرمائش کرتی ہیں شہرینہ پہلے انکار کرتی ہے لیکن بہت اصرار پر راضی ہو جاتی ہے تب ہی اگلن کسی کام سے زمانہ حصہ کی طرف آتا ہے اور شہرینہ کو دیکھ کر مزید ناگواریت کا شکار ہوتا واپس پلٹ جاتا ہے، اگلن مارکیٹ میں ہونے والے واقعہ کی بابت فرح سے دریافت کرتا ہے تب وہ اسے ساری صورت حال بتا کر شہرینہ کا دفاع کرنا چاہتی ہے لیکن اگلن اسے غصہ سے سخت ست سنا تا شہرینہ سے محتاط رہنے کا کہتا ہے۔ شہرینہ اسد کے ساتھ مہندی کے فنکشن سے جلدی واپس آ جاتی ہے اور

آٹھن کے کمرے کا حشر نشر کر دیتی ہے اس نے ایک طرح سے آٹھن سے انتقام لیا ہوتا ہے دوسری طرف جب آٹھن واپس آتا ہے تو اپنے کمرے کی حالت دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے اور فرح کے ساتھ فائزہ سے بھی اس کے مطابق پوچھتا ہے اور دونوں کی لاعلمی کے باعث اس کا شک شہرینہ پر یقین کی مہر لگا دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆☆☆

فرح کمرے میں آئی تو شہرینہ سوچتی تھی شہرینہ تقریب سے جلدی لوٹ آئی تھی، مہندی کی رسم کے دوران شہرینہ کی شایان کے ساتھ ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ پر آٹھن کا ڈانٹا اور پھر شہرینہ کا گھڑا توڑ ثابت ہوتا۔ ایسی باتیں تھیں جو فرح کو اندر ہی اندر پریشان کر چکی تھیں، آٹھن شہرینہ کو سخت ناپسند کرتا تھا یہ حقیقت وہ اچھی طرح جانتی تھی لیکن وہ ناپسندیدگی کے ساتھ ساتھ شہرینہ سے سخت نفرت کرتا تھا یہ حقیقت اسے اب پتا چل رہی تھی۔

وہ آٹھن کے رویوں اور شہرینہ کے ری ایکشنز کو لے کر از حد پریشان تھی، آٹھن سارے خاندان میں سب سے زیادہ تند مزاج اور سخت دل انسان تھا۔ وہ جس بات پر اڑ جاتا تھا تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے اس بات سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

شہرینہ بگڑی ہوئی لڑکی تھی لیکن آٹھن کے رویوں پر وہ جس طرح ری ایکشنز دے رہی تھی وہ شہرینہ کی تند مزاجی بگڑی ہوئی طبیعت کے ساتھ ساتھ حد سے زیادہ منتقم مزاج فطرت کو بھی ظاہر کر رہی تھی۔

نجانے کیوں فرح کو لگ رہا تھا کہ آٹھن کے کمرے کی تمام تر تخریب کاری کے پیچھے شہرینہ کا ہاتھ ضرور ہے۔ وہ ملازمین سے اچھی طرح انویسٹی گیٹ کر چکی تھی سب سے پہلے گھر آنے والوں میں شہرینہ تھی آٹھن کا کمرہ اوپر والی منزل پر ہونے کی وجہ سے وہاں ہونے والی تمام تر توڑ پھوڑ کا شور نیچے تک تو نہیں آتا تھا لیکن کام کرنے والی ملازمہ نے شہرینہ کو اوپر کی سمت جاتے ضرور دیکھا تھا۔ اور یہی

بات ملازمہ نے آٹھن کے سامنے بھی کہی تھی۔ شہرینہ کا نام سن کر آٹھن کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ وہ آٹھن کی طبیعت اور مزاج کو خوب اچھی طرح جانتی تھی وہ اب شہرینہ کو بخشنے والا نہ تھا۔ اگر واقعی اس ساری تخریب کاری میں شہرینہ کا ہاتھ تھا تو وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ آنے والے دنوں میں دونوں کے درمیان شدید جنگ و جدل والا ماحول پیدا ہونے والا تھا، فرح نے والیوم بند کر دیا تھا۔ وہ خود سے بھی ملازمین سے اچھی طرح باز پرس کر کے آئی تھی۔ آٹھن تو غصے سے کمرے سے چلا گیا تھا لیکن شہرینہ کو اب سوتے پا کر اسے غصا رہا تھا۔ اس نے صبح اس سلسلے میں شہرینہ سے تفصیلی بات کرنے کا سوچ کر لائن آف گم ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح سو کر اٹھی تو بہت پُر سکون تھی، رات والا مزاج اور اس وقت کافی معتدل تھا فرح سورہی تھی وہ مارننگ واک کے لیے کمرے سے باہر نکل آئی، اسلام آباد میں تو وہ باقاعدہ ٹریک لباس میں پارک میں جا ٹنگ کے لیے جایا کرتی تھی۔ جہاں کا اپنا ایک ماحول تھا لیکن بڑے پاپا کے پاس بڑا لمبی ٹریک ماحول تھا ان کی خواتین بلاوجہ کہیں آئی جاتی نہ تھیں۔ بڑے سکس مین ہونے کے باوجود اشفاق صاحب اور ان کے بیٹوں کی سوچ خالص گاؤں والی تھی روایت پرست، رسم و رواج کے پابند یہ لوگ شہرینہ کے لائف اسٹائل سے بہت مختلف تھے۔ فائزہ بیگم ہر دوسرے دن کسی نہ کسی فنکشن میں مدعو ہوتی تھی مختلف پارٹیز میں شوہر اور بعض اوقات بچوں کے ساتھ آنا جانا رہتا تھا۔ سیاسی ماحول ہونے کی وجہ سے گھر پلو سطح پر بچوں پر کوئی پابندی نہ تھی ہاں یہ ضرور تھا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر دونوں مایاں بیوی نے خاص توجہ دی تھی۔

مختلف نیچرز، انسٹرکٹرز، انسٹی ٹیوٹ وغیرہ کا ہر وقت بندوبست رکھا ہوا تھا، ان کے بچے بیرون ملک رہنے کے باوجود اخلاقی گراؤٹ کا شکار نہیں ہوئے تھے شہرینہ کا مزاج اپنے بھائیوں سے کافی مختلف تھا۔ وہ جذباتی تھی قہرل پسند تھی۔ کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہر وقت پرپا کیے رکھنے والی ملکوں

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

مزاج لڑکی تھی ایسے میں یہاں کے لوگوں میں آ کر رہنا اور شہرینہ کے متوقع مزاج کو برداشت کرنا ان لوگوں کے لیے بھی کافی وقت طلب کام تھا۔

جواباً جوری ایکشن ہو رہا تھا وہ نہ شہرینہ سے برداشت ہو رہا تھا اور نہ ہی اگلن سے جبکہ باقی لوگ اکتور کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے۔ شہرینہ تو بھی ہی چیلنجنگ مزاج اگلن کا رویہ اس کے لیے ایک چیلنج ہی تو تھا۔ وہ منجی رویہ جس نے نہ صرف شہرینہ کی نسوانیت کو عین پس پہنچائی تھی بلکہ اس کے منقسمانہ مزاج کو بھی ایک انتقامی چیلنج دے دیا تھا۔

اس لیے وہ یہ پرکونی شرمندگی نہ تھی۔ اگلن کے کمرے کی توڑ پھوڑ کرنے کے بعد وہ بہت مطمئن بھی اسے ذرا بھی ندامت نہ تھی اسے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کمرے کی حالت دیکھنے کے بعد اگلن کی ذہنی حالت کیا ہوگی، وہ بس یہ سوچ کر ہی مطمئن تھی کہ وہ اگلن کی اینٹ کا جواب پتھر سے دے آئی ہے اب اگلن کا کیا ری ایکشن ہوگا اسے قطعی پروا نہ تھی۔ اس وقت بھی وہ بڑے مطمئن سے انداز میں لان میں واک کر رہی تھی جب اگلن کی گاڑی گیٹ کے سامنے آئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر اگلن کی گاڑی اور پھر اسے دیکھا تھا۔ وارجین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ اگلن نے پورچ میں گاڑی کھڑی کی اور وہ بھی شہرینہ کو دیکھ چکا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے کے زاویے تن گئے تھے عضلات میں سختی درآئی تھی شہرینہ بھی حیران ہونے کے بعد نارل ہو گئی تھی۔

”اوہ تو یہ رات بھر گھر نہیں تھا ورنہ اب تک تو ہاتھ میں کلا شکوف تھا۔ مجھے یقیناً اگلی دنیا میں سدھار چکا ہوتا۔“ وہ شہرینہ کو نظر انداز کرتا اندرونی حصے کی میزبانی کی طرف بڑھا تھا شہرینہ نے نہ تجسس نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ ”اگر اسے پتا بھی چل گیا تو ہو کیئر۔“ اس نے کندھے اچکا۔

وہ واک کرنے کے بعد اماں بی جس کمرے میں بٹھری ہوئی تھیں وہ ادھر ہی آ گئی تھی لیکن اماں بی کے ساتھ اگلن کو بیٹھ دیکھ کر رک گئی تھی۔ اماں بی بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں ایک ہاتھ میں تسبیح تھی دوسرا ہاتھ اگلن کے کندھے پر تھا دونوں نے اسے دروازے میں رکھ دیکھا تھا، ری ایکشن دونوں کا ہی مختلف تھا۔ اماں بی کے چہرے پر ایک دم بڑی نرمی مسکراہٹ درآئی تھی جبکہ اگلن کے چہرے پر ایک واضح اور نفرت انگیز ناگواری چھائی تھی۔

”آپ آرام کریں میں ذرا پیچ کر لوں۔“ وہ اماں بی کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبا کر کھڑا ہو گیا اور اماں بی کے پاس سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھا تو شہرینہ کے پاس سے گزرتے وہ ایک پل کور کا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجب سدمہری سی تھی۔ وہ شہرینہ کی اس حرکت کو اکتور کرنے والا نہ تھا لیکن خاموش تھا، وہ کمرے سے نکل گیا اور شہرینہ نے تسبیح بھری نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اماں بی نے دونوں کو بغور دیکھا تھا۔ اگلن کا شہرینہ سے متعلق رویہ انہیں صاف نظر آ رہا تھا لیکن شہرینہ بھی اگلن سے بدظن ہے وہ اب صاف محسوس کر رہی تھیں۔ ”آؤ شہری۔“ اماں بی نے نرمی سے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”تم تو اپنی اماں بی کو بھول ہی گئی ہو سوائے ایک دوبار کے تمہیں اپنی اماں بی کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔“ اماں بی نے نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ابھی بھی واک کر کے فوراً آپ کے پاس آئی ہوں۔“

”جیتی رہو، فائدہ کی تربیت کا اثر ہے جو تمہیں بہن بھائی صبح خیز ہو ورنہ ادھر آتی ہوں تو دیکھتی ہوں شایان اور اسد دن چڑھے ایک دو بجے تک سوتے رہتے ہیں چلو شایان کی شادی ہو رہی ہے ذمہ داری لینے لگا ہے اب تو جلدی اٹھ کر آفس چلا جاتا ہے ورنہ اسد کی تو وہی روشین ہے۔“ شہری کھل کر ہنس دی۔

”چھوڑیں اماں بی ہم بھی کوئی اتنے صبح خیز نہیں ہیں یہ تو فٹ رہنے کا جنون ہے جو جلدی اٹھ جاتی ہوں ماما کی طرح مجھے بھی اپنی فٹنس کا بہت خیال رہتا ہے ورنہ

مزاج لڑکی تھی ایسے میں یہاں کے لوگوں میں آ کر رہنا اور شہرینہ کے متوقع مزاج کو برداشت کرنا ان لوگوں کے لیے بھی کافی وقت طلب کام تھا۔

جواباً جوری ایکشن ہو رہا تھا وہ نہ شہرینہ سے برداشت ہو رہا تھا اور نہ ہی اگلن سے جبکہ باقی لوگ اکتور کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے۔ شہرینہ تو بھی ہی چیلنجنگ مزاج اگلن کا رویہ اس کے لیے ایک چیلنج ہی تو تھا۔ وہ منجی رویہ جس نے نہ صرف شہرینہ کی نسوانیت کو عین پس پہنچائی تھی بلکہ اس کے منقسمانہ مزاج کو بھی ایک انتقامی چیلنج دے دیا تھا۔ اس لیے وہ یہ پرکونی شرمندگی نہ تھی۔

اگلن کے کمرے کی توڑ پھوڑ کرنے کے بعد وہ بہت مطمئن بھی اسے ذرا بھی ندامت نہ تھی اسے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کمرے کی حالت دیکھنے کے بعد اگلن کی ذہنی حالت کیا ہوگی، وہ بس یہ سوچ کر ہی مطمئن تھی کہ وہ اگلن کی اینٹ کا جواب پتھر سے دے آئی ہے اب اگلن کا کیا ری ایکشن ہوگا اسے قطعی پروا نہ تھی۔ اس وقت بھی وہ بڑے مطمئن سے انداز میں لان میں واک کر رہی تھی جب اگلن کی گاڑی گیٹ کے سامنے آئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر اگلن کی گاڑی اور پھر اسے دیکھا تھا۔ وارجین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ اگلن نے پورچ میں گاڑی کھڑی کی اور وہ بھی شہرینہ کو دیکھ چکا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے کے زاویے تن گئے تھے عضلات میں سختی درآئی تھی شہرینہ بھی حیران ہونے کے بعد نارل ہو گئی تھی۔

”اوہ تو یہ رات بھر گھر نہیں تھا ورنہ اب تک تو ہاتھ میں کلا شکوف تھا۔ مجھے یقیناً اگلی دنیا میں سدھار چکا ہوتا۔“ وہ شہرینہ کو نظر انداز کرتا اندرونی حصے کی میزبانی کی طرف بڑھا تھا شہرینہ نے نہ تجسس نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ ”اگر اسے پتا بھی چل گیا تو ہو کیئر۔“ اس نے کندھے اچکا۔

وہ واک کرنے کے بعد اماں بی جس کمرے میں بٹھری ہوئی تھیں وہ ادھر ہی آ گئی تھی لیکن اماں بی کے ساتھ اگلن کو بیٹھ دیکھ کر رک گئی تھی۔ اماں بی بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں ایک ہاتھ میں تسبیح تھی دوسرا ہاتھ اگلن کے کندھے پر تھا دونوں نے اسے دروازے میں رکھ دیکھا تھا، ری ایکشن دونوں کا ہی مختلف تھا۔ اماں بی کے چہرے پر ایک دم بڑی نرمی مسکراہٹ درآئی تھی جبکہ اگلن کے چہرے پر ایک واضح اور نفرت انگیز ناگواری چھائی تھی۔

”آپ آرام کریں میں ذرا پیچ کر لوں۔“ وہ اماں بی کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبا کر کھڑا ہو گیا اور اماں بی کے پاس سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھا تو شہرینہ کے پاس سے گزرتے وہ ایک پل کور کا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجب سدمہری سی تھی۔ وہ شہرینہ کی اس حرکت کو اکتور کرنے والا نہ تھا لیکن خاموش تھا، وہ کمرے سے نکل گیا اور شہرینہ نے تسبیح بھری نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اماں بی نے دونوں کو بغور دیکھا تھا۔ اماں بی کا شہرینہ سے متعلق رویہ انہیں صاف نظر آ رہا تھا لیکن شہرینہ بھی اماں بی سے بدظن ہے وہ اب صاف محسوس کر رہی تھیں۔

”آؤ شہری۔“ اماں بی نے نرمی سے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”تم تو اپنی اماں بی کو بھول ہی گئی ہو سوائے ایک دوبار کے تمہیں اپنی اماں بی کے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔“ اماں بی نے نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ابھی بھی واک کر کے فوراً آپ کے پاس آئی ہوں۔“

سندھ والوں تو میں بھی سارا دن سوئی ہوں۔ اماں بی نے نرم سی مسکراہٹ سے اس کے مسکراتے جھلملاتے چہرے کو دیکھا۔

”خوش رہو۔“

”فائقہ کی رات کال آئی تھی فائقہ عثمان اور ٹیپو ج دن میں پہنچ جائیں گے۔“

”جی ماما نے کال کر کے بتایا تھا۔“

”اللہ خیر سے لائے۔“ انہوں نے دعا دی تھی تبھی فائزہ بیگم چلی آئی تھیں اماں بی ان سے آج بارات سے متعلق انتظامات کے بارے میں پوچھنے لگی تھیں شہرینہ بدھ ہونے لگی تو وہاں سے اٹھ کر واپس فرح کے کمرے میں چلی آئی۔

فرح اٹھ چکی تھی اور اب واش روم میں تھی وہ بستر پر بیٹھ گئی کچھ دیر بعد وہ واش روم سے نکلی تھی۔ فرح نے اسے بہت سنجیدگی سے دیکھا تھا۔ رات اٹھن کے کمرے والی حالت ابھی بھی اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔

”رات تم جلدی آگئی تھی۔“ فرح کا انداز ابھی بھی سنجیدہ تھا منہ اور ہاتھوں پر کسی کریم کا مساج کرتے وہ آئینے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ شہرینہ نے آئینے میں سے اسے دیکھا۔

”جس طرح اسٹیج پر تمہارے عزت مآب بھائی جان نے مجھے بدتمیزی سے ٹریٹ کیا تھا اس کے بعد میرا وہاں ٹھہرنا میری تو بہن تھا سو میں ہال سے چلی آئی تھی۔“

”بھائی کے جواب میں تم نے بھی تو بدتمیزی سے جواب دیا تھا تمہیں ان کے ساتھ اس طرح مس بی بی نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ شہرینہ نے حیران ہو کر دیکھا فرح کا انداز سنجیدہ تھا۔

”مس بی بیو؟ مس بی بیو میں نے نہیں انہوں نے ابتدا کی تھی۔“ فرح نے پلٹ کر شہرینہ کو دیکھا۔

”رات تم نے بھائی کے مس بی بیو کا بدلہ لینے کے لیے ان کے کمرے کی حالت بگاڑ کر رکھ دی تھی۔“ شہرینہ نے بہت سنجیدگی سے فرح کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے علاوہ بھائی کے کمرے کی حالت بگاڑنے کا دکھ بھی تھا۔

”کیسی حالت؟“ شہرینہ نے انجان بن کر فرح کو دیکھا۔

”چلو آؤ میرے ساتھ دکھاتی ہوں تمہیں پھر اچھی طرح بتا چل جائے گا کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔“ اب کے سنجیدگی کے علاوہ فرح کے لہجے میں کتنی بھی تھی اس نے آگے بڑھ کر شہرینہ کا ہاتھ پکڑا تو شہرینہ نے ہاتھ ہٹا لیا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا کس سلسلے کی بات کر رہی ہو تم؟“ وہ پھر انجان بنی۔

”کہنا چاہتا تھا کہ دیکھ لو خود ہی علم ہو جائے گا۔“ وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔ شہرینہ اب کے لاپرواہ نہ تھی۔

”اوکے، دکھاؤ کیا دکھانا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی فرح نے اسے ایک بل دیکھا۔

”بھائی کے کمرے کی حالت تم نے خراب کی ہے ناں؟“ وہ اسے بخور دیکھے پوچھ رہی تھی۔

”مجھے تمہاری باتوں کی سمجھ نہیں آ رہی کیا کہنا چاہ رہی ہوں تم؟“

”کل رات جب ہم مہندی سے واپس آئے تھے تو بھائی کے کمرے کی حالت ابتر تھی تمام قیمتی اشیاء توڑی جا چکی تھیں ہر چیز جس نہس کی ہوئی تھی بھائی تو دیکھ کر شاکہ تھے میں اور ماما بھی حیران پھر یہ حالت کس نے کی تھی۔“

”اوہ.....“ شہرینہ نے ری سکس ہونے کا تاثر دیا۔

”میں سمجھی پتا نہیں کیا قیامت آگئی ہے جو تم اس قدر سنجیدہ خاتون بن گئی ہو۔“ شہرینہ دوبارہ بستر کے کنارے ٹک گئی۔

”اس سارے میں میرا نام کیسے آگیا ہو سکتا ہے کسی ملازم نے کیا ہو یہ سب؟“

”میں، ماما اور بھائی ہم نے سب ملازمین سے اچھی طرح باز پرس کی ہے سبھی لاعلم ہیں۔“

”حیرت ہے گھر میں اتنا بڑا کام ہو جائے اور ملازمین بے خبر ہوں۔“

”بھائی کا روم ساؤنڈ پروف ہے جس نے بھی وہ

آنچل کی چاہپ سے ایک اور آنچل

حجاب کرچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف کلاں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک ناول پر مدد گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود تھا آپ کی آنچل کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی آنچل سے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں
اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

تخریب کاری کی ہے نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔
”ویری ویل۔“ اس نے کندھے اچکائے تو فرح نے
کئی ٹاپے تک اسے بغور دیکھا۔

”اور جانتی ہو ملازمین سے انویسٹی گیشن کے بعد سبھی
نے تمہارا نام لیا ہے۔“

”وہاٹ۔“ شہرینہ نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

”گھر میں سب سے پہلے نے والی صرف تم ہی تھی۔“

”ہاں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ سب میں نے کیا

ہو؟ کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔“ اس نے غی سے کہا۔

”اس لیے کہ رات جب بھائی غصے میں گھر سے چلے

گئے تھے تو میں نے ماما کے کہنے پر کمرے کی صفائی کرانی

تھی چیزیں سمیٹنے اور الماریوں میں دوبارہ سے پٹے سیٹ

کرتے ہوئے وہاں کارپٹ پر گر ا ہوا مجھے یہ ملا تھا۔“ فرح

نے نہایت ٹھنڈے شمار لہجے میں کہتے اپنا دایاں ہاتھ آگے

کیا اور ہاتھ پر سے آستین اٹھا کر جو چیز سامنے کی اسے

دیکھ کر شہرینہ ایک بل کو مٹھکی تھی۔ فرح کے کلائی میں

جگمگاتا بریسلیٹ کل رات مہندی کے فنکشن میں اس نے

ہی دائیں کلائی میں فرح سے بندھوا لیا تھا۔ فرح کو اس کا یہ

بریسلیٹ بہت پسند آیا تھا۔ وہ رات گھر آتے ہی سب

کچھ اتار کر لباس بدل چکی تھی صرف یہ بریسلیٹ ہی نہیں

اتار تھا اس کا بک اس سے نہیں کھل رہا تھا فرح نے ہی

بک لگایا تھا بک لوز تھا جو اس نے دانتوں میں دبا کر اچھی

طرح بند کر دیا تھا جبکہ لباس بدلنے اور چیزیں اتارتے وہ

عجلت میں تھی تو اس نے بک کھولنے بروقت ضائع کرنے

کی بجائے باہر کی راہ لی تھی۔ اسے علم نہیں ہوا تھا کہ کس

وقت عالم جنون میں آگن کے کمرے میں تباہی مچاتے یہ

بریسلیٹ اس کے کلائی سے گر گیا تھا۔

”یہ.....!“ وہ کچھ بل کو بالکل خاموش رہی اور پھر

اگلے ہی بل اپنے ازلی ہٹ دھرم اور بے حس انداز میں

لوٹ آئی تھی۔

”تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ میرا وہی بریسلیٹ ہے۔“

”اس لیے کہ اس کے بک کو میں نے خود جوڑا تھا اور یہ

دوبارہ سے کب سے نہیں کھلا بلکہ یہ چین ٹوٹنے سے گرا ہے یہ دیکھ لو۔“ فرح کی کلائی سے لپٹا بریسلیٹ چین والی جگہ دھاگے سے گرہ لگا کر بندھا ہوا تھا۔ شہرینہ کے چہرے پر غصے کی کیفیت چھانے لگی تھی۔

”اگر یہ میرا ہی بریسلیٹ ہو تو بھی تم اتنے ڈوق سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ سب میں نے ہی کیا ہے۔“

”اس لیے کہ تمہارے انتقامی مزاج اور رویے کو میں اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہوں تم بھائی سے ان کے رویوں کا بدلہ لینے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہو اور سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کچن میں کام کرنے والے ملازمین نے بتایا تھا کہ رات جب تم گھر آئی تھی لباس بدلنے کے بعد تم کچن میں آئی تھی تم نے وہاں سے فرنیچر سے جوس نکال کر پیا تھا اس کے بعد تم واپس اپنے کمرے میں جانے کے بجائے بائیں طرف مڑی تھی اور بائیں طرف اوپر جاتا زینہ ہی آتا ہے اور اوپر تم کیا کرنے لگی تھی وہ میں بتا چکی ہوں۔“ شہرینہ مسکرائی تھی۔ فرح کے پاس مکمل ثبوت تھے۔ وہ مکمل ہوم ورک کے بعد ہی شہرینہ کے سامنے آئی تھی۔

”تو اب کیا جانتی ہو تم۔“

”تم اچھا نہیں کردی شہری، جانتی ہونا اگلن بھائی کس قدر تالاں ہیں تم سے پہلے ہی اب وہ کیا کر سکتے ہیں تم اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔“

”ہو کیسے۔“

”شہرینہ پلیز۔“ فرح اس کے پاس ہی ٹپک گئی۔

”تمہیں اندازہ نہیں تم کیا کر رہی ہو، اگلن بھائی ہمارے گھر کے سب سے بڑے سپوت ہی نہیں ماما پاپا اور اماں بی بابا صاحب سب کے نزدیک ایک معتبر انسان ہیں ان کی پسند اور ناپسند کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ہمارے گھر میں خواتین کے حوالے سے بہت سے فیصلے اگلن بھائی کے مانے جاتے ہیں لیکن تم نے ان سے ایک محاذ جنگ کھول لیا ہے کل تک میں سمجھتی تھی کہ اگلن بھائی غلط ہیں وہ جان بوجھ کر تم سے مس بی ہو کر رہے ہیں لیکن رات کے

واقعے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ اتنے غلط نہیں ہیں جس قدر تم خود ان کے ساتھ مقابلہ بازی پر اتر آئی ہو۔“ شہرینہ خاموش رہی تھی بس وہ سنجیدہ اور ناراض نگاہوں سے فرح کو دیکھ رہی تھی۔ فرح نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

”وہ اپنی پسندیدہ چیزوں کا بہت خیال رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں ہماری عورتیں ہمارے گھر کی سب سے قیمتی دولت ہیں ان کا تحفظ ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے ان کا کہنا ہے کہ عورت کی اصل بٹا گھر کی چار دیواری میں ہی ہیں اس معاملے میں وہ نظریات کے اطلاق میں بہت دو ٹوک ہیں اکثر اوقات ان کے فیصلے ہمیں سخت محسوس ہوتے ہیں لیکن ان کے فیصلے دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی خواتین سے متعلق بہت سچی ہیں اور اس کو بد قسمتی کہوں یا کیا کہوں کہ تم سے ان کی جب بھی ملاقات ہوئی ہے اس انداز میں ہوئی ہے کہ تم ان کے طے کردہ نظریات و فیصلوں کے برعکس ملی ہو اور یہ فطری بات ہے جب کوئی انسان ہمارے طے کردہ نظریات و خیالات پر پورا نہیں اترتا وہ ہماری گڈ بک سے نکل جاتا ہے تمہارے اور بھائی کے معاملے میں بھی یہی ہوا ہے نہ تم غلط ہو اور نہ ہی وہ بس سوچ اور نظریات کے تفرقات نے یہ صورت حال پیدا کر دی ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنا بھی نقصان کیے جا رہے ہو۔“ شہرینہ نے بے دلی سے سب کچھ سنا تھا۔

”میرا اس میں کوئی نقصان نہیں ان کی سوچ، ان کے نظریات مائی فٹ میں ان کو بس یہ بتانا چاہتی ہوں کہ شہرینہ عثمان کوئی عام لڑکی نہیں وہ جانے کس بھول میں ہیں میں نے بھی ان کو زمین کی دھول نہ چٹائی تو شہرینہ عثمان میرا نام نہیں۔“ وہ غصے سے کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

”تم نقصان اٹھاؤ گی اگلن بھائی کے غصے اور ری ایکشن کا تمہیں اندازہ ہی نہیں۔“ اس نے بھی سچی سے کہا۔

”جب نقصان اٹھاؤ گی تو مدد کے لیے تمہارے پاس نہیں آؤں گی میں اپنے ہر فحش نقصان کی خود ذمہ دار

قرآن پر مہر آسان مجھاسب کے لیے آسان

معروف قلم کار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں



اسلامی کتب خانہ محمد عارف غزنوی روڈ اور بازار لاہور 0423-7416257

نئے آنے والے کتب خانہ محمد عارف غزنوی روڈ اور بازار لاہور 0243-562077/1-2

ہوں سوڈونٹ کیسے۔“ فرح نے بے بسی سے دیکھا۔
 ”فلن بھائی کو تم پر پہلے ہی شک تھا انہوں نے
 ملازمین کو بلا کر پھر کنفرم کر لیا تو اس کے بعد جودہ کریں گے
 وہ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔“ اس نے پھر سمجھانا چاہا۔
 ”میں اندازہ لگانا ہی نہیں چاہتی یہ محاذ آرائی انہوں
 نے شروع کی ہے اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں پروا نہیں لیکن
 میں بھی ان کو بتانا چاہتی ہوں شہرینہ عثمان کون ہے وہ بھی
 اچھی طرح جان لیں۔“ زعم و نخوت سے کہہ کر وہ کمرے
 سے نکل گئی، فرح نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔
 شہرینہ جیسی سر پھری لڑکی کو سمجھانا اس کے اختیار میں نہیں تھا
 اس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا اس نے بے بسی سے مٹھیاں
 بچھنی لی تھیں۔



اما، پاپا اور ٹیپا چکے تھے۔ بارات شام کو روانہ ہوئی تھی،
 اما، پاپا سے مل کر وہ بہت کافینڈنٹ فیل کر رہی تھی۔ پاپا
 مردوں میں بیٹھ گئے تھے اور اما مختلف رشتے داروں سے
 مل رہی تھیں۔ سو بر انداز و اطوار کی مالکہ فائقہ خاتون ہر
 ایک کے نزدیک قابل رشک تھیں ہر ایک ان سے ملنا اور
 بات کرنا باعث فخر سمجھ رہا تھا ایسے میں رخشندہ کا دل جل کر
 راکھ ہو رہا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتی بس فائقہ اور اس کی بیٹی
 کے فیشن، آزاد خیالی، غلط روی کی من گھڑت کہانیاں سننا
 کر لوگوں کے دل برگشتہ کرنے کی حتی الوسع کوشش میں تھی
 فائقہ کے کانوں میں کچھ عجیب سی باتیں پڑی تھیں۔
 کچھ رشتہ دار خواتین نے رخشندہ کا نام لیے بغیر سنی
 سنائی باتیں فائقہ تک پہنچائی تھیں۔ وہ از حد پریشان ہوئی
 تھیں وہ سیدھی اماں بی کے پاس چلی آئیں۔ وہ کچھ
 خواتین میں گھری بیٹھی تھیں۔ فائقہ نے بڑے حوصلے
 سے خواتین کے اٹھنے کا انتظار کیا اور پھر ان کے جانے کے
 بعد انہوں نے اماں بی سے بات شروع کی۔
 ”اماں بی میں تو شادی میں آئی تھی شرکت کے لیے
 لیکن یہاں آ کر چند ایک باتیں سن کر میں تو بے حد
 پریشان ہو گئی ہوں۔“

”کیسی باتیں؟“ انہوں نے دیکھا فائقہ الجھن کا
 شکار ہیں۔
 ”شہرینہ نے روبیہ کی مایوں والے دن ڈانس کیا تھا
 اس بات کو لے کر عجیب سی باتیں مشہور ہیں یہاں۔“
 اماں نے ایک گہرا سانس لیا یعنی باتیں فائقہ تک بھی
 پہنچ گئی تھیں۔
 ”جاہل لوگ ہیں بچپوں نے مل کر کچھ شور شرابہ کر لیا
 ہے تو اس میں کون سی برائی ہوگی اس نے اور لڑکیوں نے
 بھی ڈانس کیا تھا ان کو تو کوئی کچھ نہیں کہہ رہا۔“ فائقہ بے
 حد دلبرداشتہ نظر آ رہی تھیں۔
 ”پریشان نہیں ہوتے سب ٹھیک ہو جائے گا اصل
 میں یہ سب کیا دھرا رخشندہ کا ہے وہ اور اس کی لڑکیاں ہی
 غلط باتیں پھیلا رہی ہیں لوگوں میں۔“
 ”کیا..... لیکن کیوں؟“ فائقہ رخشندہ کا نام سن کر بے
 پناہ حیران ہوئیں۔
 ”بس وہ تم سے اور شہری بیٹی سے حسد کرتی ہے اور کچھ
 نہیں۔“ فائقہ کی حیرانی دو چند ہوئی۔
 ”حسد کرتی ہے..... لیکن حسد کرنے کی کوئی وجہ بھی
 تو ہو۔“
 ”بس سمجھ لو بعض لوگ ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ
 دنیا کی سب اچھی چیزیں سب اچھے لوگ سب کچھ ان
 کے پاس ہو رخشندہ تو اول روز سے تمہارے ساتھ
 مقابلے بازی کرتی آئی ہے تم نے تو ہمیشہ اسے نظر انداز
 کیا لیکن میں سمجھتی ہوں اس نے کہاں کہاں تمہیں ذلیل
 کرنے کی کوشش کی تھی اصل میں وہ برداشت نہیں کر پا
 رہی عثمان کی شہرت اس کی حیثیت و مرتبہ اور عثمان کی
 بدولت تمہیں ملنے والا پروٹوکول۔“ اماں بی نے بہت
 اچھی طرح وضاحت دی۔
 ”لیکن جو بھی ہے اس کا یہ پرگز مطلب نہیں کہ میری
 بیٹی سے متعلق کچھ بھی پھیلائی رہے اور میں خاموش
 رہوں۔“ فائقہ کا انداز دھوک تھا۔
 ”نظر انداز کر دو ہم بھی شایان کی شادی کی وجہ سے نظر

انداز کر رہے ہیں بعد میں موقع دیکھ کر دونوں بات کریں گے اس سے تم فخر مت کرو۔“

”وہ سب ٹھیک ہے اماں بی لیکن ایک اور بات نے بھی مجھے پریشان کر دیا ہے۔“ اماں بی نے سوالیہ نگاہوں سے فائقہ کو دیکھا۔

”رخشندہ اگلن کا رشتہ اپنی بیٹی فریحہ سے کرنا چاہتی ہے۔“ اماں بی مسکرائیں۔

”کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ہوگا وہی جو رب چاہے گا اگلن ہمارا بچہ ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہمیں یا اس کے والدین کو ہے باقی رخشندہ یا دیگر لوگ کیا چاہتے ہیں ہمیں اس کی پروا نہیں۔“

”میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اگلن فریحہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔“ اماں بی کے چہرے پر ناگواری چھائی۔

”استغفر اللہ رخشندہ اپنی ہی بیٹی کو بدنام کر رہی ہے ورنہ اگلن کس مزاج کا ہے ہم سے بہتر کون جان سکتا ہے؟“ فائقہ قدرے یلکس ہوئیں۔ اماں بی کچھ سوچ بچار کر رہی تھیں پھر انہوں نے فائقہ کو دیکھا فائقہ کے چہرے پر ہلکی سی الجھن ابھی بھی باقی تھی۔

”کیا ہوا؟“ فائقہ نے ٹٹنی سے سر ہلایا۔

”وہ سب ایک طرف لیکن میں آج اگلن سے ملی ہوں اس کے تیور مجھے کچھ اچھے نہیں لگے، بس سلام دعا کی چچا سے ایک دو بات کی پھر فریحہ نے بلالیا تو اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔“ اماں بی چونکیں کچھ دیر سوچا اور پھر فائقہ کو دیکھا۔

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو بہر حال ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔“ فائقہ نے ان کو دیکھا۔

”شایان کے ویسے پر میں دونوں کی منگنی کر دوں گی رخشندہ یا کسی کو بھی اگر کوئی غلط فہمی ہے تو وہ ختم ہو جائے گی۔“ ان کا انداز مطمئن اور دونوں کو تھا۔

”اگلن مان جائے گا کیا؟“

”یہ بڑوں کا فیصلہ ہے وہ بڑوں کے فیصلوں کو اہمیت و اولیت دینے والا بچہ ہے خصوصاً میرے فیصلے کو

وہ بھی رو نہیں کرے گا۔“ فائقہ نے سر ہلایا۔ پٹم دھا اور پھر کھڑی ہو گئیں۔

”بہر حال اماں بی خیال رکھیے گا بچوں کا معاملہ ہے کسی کے ساتھ کوئی زبردستی نہ ہو شہرینہ ہمیں بہت عزیز ہے یہ آپ کے دل کی آرزو بھی جو ہم نے بغیر کوئی اعتراض کیے مان لی تھی اگر شہرینہ کی رضا مندی تک نہ لی خیال رکھیے گا میری بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو جائے۔“ فائقہ کا انداز حتیٰ بھی۔ اماں بی نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلادیا۔

”بے فکر رہو مجھے یہ دونوں تم لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں میں ان کے بارے میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گی۔“ اماں بی کے انداز میں حد سے زیادہ مضبوطی تھی جس کو محسوس کرتے فائقہ ایک دم مطمئن ہو گئیں۔



شایان کی بارات کی روانگی کی تیاریاں تھیں۔ ہر کوئی بس اپنی اپنی تہیہ کی فکر میں تھا فرح تو بطور خاص پارلر سے تیار ہونے لگی تھی شہرینہ بھی ساتھ ہی تھی شہرینہ لائٹ پنک کلر کی میکس کے سرنگ ہلکی بھلکی جلیبری اور لائٹ سے میک اپ کے بعد بہت زیادہ انٹریکٹو ہو گئی تھی۔ دل موہ لینے والا حسن اور اوپر سے آرائش و زیبائش کا نکھار۔ فرح نے شہرینہ کے ساتھ اپنے سنجیدہ سے موڈ کے باوجود اس کی بہت تعریف کی تھی جواباً اس نے بھی فرح کی تعریف کی تھی۔ دونوں کے درمیان اگلن کے کمرے کی حالت خراب کرنے والی بات پر دو بارہ بات نہیں ہوئی تھی۔

فرح نے خود بھی اپنا موڈ ٹھیک کر لیا تھا جواباً شہرینہ نے بھی منہ بنانا مناسب نہ سمجھا تھا دونوں تیار ہو کر رانچور کے ہمراہ گھر پہنچیں تو وہاں افراتفری کا عالم تھا۔ بارات روانہ ہونے کوئی۔ کچھ لوگ گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے کچھ ابھی بیٹھ رہے تھے۔ وہ فرح کے ساتھ ساتھ ہی فرح خود بھی اسے ساتھ ساتھ رکھ رہی تھی کہ کہیں وہ پھر سے اگلن کے ساتھ نہ الجھے۔

”فرح کو کہو شایان کے کمرے کے لاکر میں جو رقم رکھی ہوئی ہے وہ لے کر جلدی آئے اس کے بابا کافی

ناراض ہو رہے ہیں پہلے ہی بارات کافی لیٹ ہو چکی ہے جلدی کرنا ڈرا۔“ فائزہ نے شہرینہ کو کہا اور خود کسی اور کام میں الجھ گئیں۔

فرح اپنے کمرے میں تھی وہ بارات کے ساتھ لے کر جانے والے تحائف اور بری کا سامان ملازمین کی مدد سے گاڑیوں میں رکھوا رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہو، میرج ہال میں ان چیزوں کا کیا کام؟“ اس نے حیران ہو کر بری کے بڑے بڑے سوٹ کیسز کو دیکھا۔

”تمہیں نہیں علم پھوپھو کی ساری سسرال گاؤں سے بی لائگ کرتی ہے ان لوگوں نے بطور خاص کہلوایا تھا کہ بری ساتھ لائی جائے گی اور دکھائی بھی جائے گی۔“

”مائی گاؤ ان بلیو سہیل اس قدر ایڈوائس ہو کر بھی تم لوگ ابھی تک وہی گاؤں والے ٹیچر کل رسم درواج سے چمٹے ہوئے ہو، امیزنگ۔“ فرح مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ شہرینہ ایسے ہی حیران ہوگی۔

”یہ ہمارا پھوپھو کا نہیں بلکہ ان کی سسرال کا مطالبہ ہے اب ان کی بات ماننا تو ہوگی ناں۔“ وہ پھر سے ملازمہ کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔

”بڑی ماما کہہ رہی تھیں کہ شایان کے کمرے میں ٹیگ دینے کے لیے جو رقم رکھی ہوئی ہے وہ لے کر آ جاؤ کافی لیٹ ہو رہے ہیں وہ لوگ۔“ اس نے فائزہ کا پیغام دیا۔

”اوہ، مائی گاؤ میں بھول ہی گئی۔“ فرح نے سر پر ہاتھ مارا۔

”میں یہ سامان رکھوا رہی ہوں پلیز تم ایسا کرو یہ کیڑو خود ہی شایان کے کمرے کے لاکر سے رقم لے کر ماما کو دے دو۔۔۔۔۔ پلیز۔“ اس نے اپنے پرس میں سے چابیاں نکال کر اس کو دیں۔

”یہ کمرے کی چابی ہے یہ الماری کی اور یہ لاکر کی۔“ وہ جگت میں ہٹا کر ملازمہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھی۔ شہرینہ گہرا سانس لیے باہر نکل آئی۔

تقریباً سبھی مہمان روانہ ہو چکے تھے اب صرف ایک

دو گاڑیوں کے علاوہ دلیہا کی گاڑی اور گھر کی دو تین خواتین ہی رہ گئی تھیں۔ وہ زینہ طے کرتے اوپت گئی تھی۔ اوپر گلشن کے کمرے کے بالکل سامنے ہی شایان کا کمرہ تھا۔ گلشن کے کمرے کو کینہ تو زنگاہوں سے گھورتے اس نے کی سے شایان کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ پھر اندر آ کر اس نے دوپار گیر الماری کا لاک کھولا وہاں تین چار دراز تھیں تقریباً سبھی اوپن تھیں صرف ایک دراز لاک بھی اس نے لاک کھولا اور پھر اندر موجود لاک کو کھول کر اس نے وہاں موجود براؤن انویلیپ کو اٹھا کر دیکھا۔ وہاں پانچ سو کے نوٹوں کی تین گڈیاں تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ ابھی انویلیپ دیکھ ہی رہی تھی جب اس آواز نے اسے ایک دم ڈرایا وہ ایک دم جج کر پٹی لیکن عقب میں گلشن کھڑا تھا۔ وہ اس سے ٹکڑا کر دوبارہ الماری کے دروازے سے نکل آئی تھی اس کے بازو پر بڑے زور سے چوٹ لگی تھی جبکہ گلشن حیرت زدہ نگاہوں سمیت اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ سے انویلیپ گر کر نوٹوں کی گڈیاں زمین پر بکھر چکی تھیں۔

”تم ہمارے گھر میں ڈاکہ ڈال رہی تھیں۔“ گلشن نے نوٹوں کو دیکھا اور پھر شہرینہ اس کی آواز ایسی تھی کہ گویا اینٹ بم۔ شہرینہ تو بھک ساڑی۔

”واٹ۔۔۔۔۔ واٹ ڈوبو مین آئی ایم رویر؟ پاؤ ڈیر یو۔“ وہ ایک دم چلائی بازو کی تکلیف تو ایک دم بھول گئی تھی انتہائی غصے اور طیش سے بولی۔

”چلاؤ مت۔“ گلشن نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

وہ تو اپنے کمرے سے تیار ہو کر نیچے جانے والا تھا جب شایان کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر حیران ہوا شایان کے کمرے کی آج دوپہر میں تازہ پھولوں سے آرائش کروا کر کمرہ لاک کر دیا گیا تھا۔ صاف، سلجھے اور خوب صورت انداز میں سجا ہوا یہ کمرہ دیکھنے والے کو مرعوب کر رہا تھا ایسے میں الماری کھولے اندر سے کچھ نکالے نسوانی وجود کو دیکھ کر پہلا خیال کسی چور ڈاکا ہی آیا تھا۔ اسی لیے وہ فوراً قریب آیا لیکن اپنی توقع کے برعکس وہ شہرینہ کو وہاں موجود پا کر نہ

صرف چونکا تھا بلکہ طیش میں بھی آیا تھا۔ اسے ایک دم کل رات والی کمرے کی حالت یاد آئی تھی۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ شہرینہ اب شایان کے کمرے کی حالت بھی برباد کرنے والی ہے لیکن اس کے ہاتھوں میں انویپ دیکھ کر اس کا دماغ ہی گھوم گیا تھا یعنی شہرینہ بی بی سرعام ان کے گھر پر ڈاکو ڈال رہی تھی۔

”تم اخلاقی طور پر جنرلی کا تو شکارتی لیکن اس قدر پستی میں گز چکی ہو کہ اپنے ہی گھر میں ڈاکو ڈال رہی ہو۔“ اس نے اس کے نرم بازوؤں کو اپنی سخت کھردی انگلیوں میں دبوی کر سرد سے لہجے میں کہا تو شہرینہ کے اندر گویا آگ سی دھک اٹھی۔

”شٹ اپ۔“ وہ پوری قوت سے چلائی۔
”یو اسوشٹ اپ۔“ جواباً وہ اس سے بھی زیادہ قوت سے چلایا۔

”تم ایک پڑھے لکھے جاہل اور بیمار ذہنیت کے حامل انسان ہو مجھے یہاں بڑی ماما اور فرح نے بھیجا تھا میں کوئی چوری دوری کرنے نہیں آئی۔“ وہ سختی سے اپنا بازو چھڑاتے اٹھ کر اٹھن کے منہ پر دے پاری تھیں۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس سے بھی زیادہ کرنی۔ اٹھن اسے چور ڈاکو سمجھ رہا تھا اخلاقی لحاظ سے گراوٹ کی بات کر رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے شوٹ کر دے۔

”تم خود کو سمجھتے کیا ہو، جب چاہے مجھے ذلیل کر کے رکھ دو مائی فٹ افس انف میں بڑی ماما سے اب بات کروں گی اور اماں بی سے بھی۔“ وہ سختی سے کہہ رہی تھی۔ اٹھن نے اس کی بدتمیزی پر ایک زوردار تھپڑ شہرینہ کے منہ پر مارا۔

”تمہاری بدتمیزی کا جواب میرے پاس بس یہی ہے جاؤ جس کو جو بھی چاہے بتاؤ آئی ڈونٹ کیئر۔“ وہ سختی سے کہتا وہاں سے چلا گیا اور شہرینہ وہ منہ پر ہاتھ رکھے حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

فرح سامان رکھوا کر واپس آئی تو فائزہ نے اسے لایا۔

”سامان رکھو ادا۔“

”جی۔“

”شکر ہے۔“

”ٹیک کے لیے رقم رکھ لی؟“

”وہ تو میں نے شہرینہ کو بھیجا تھا وہ نکال لائے۔“

”کہاں ہے شہرینہ۔“

”پتا نہیں میں دیکھتی ہوں شایان کے کمرے کی طرف ہی بھیجا تھا۔“ وہ کہہ کر زینے کی طرف لپکی تھی بھی اٹھن تیز رفتاری سے بیڑھیاں اتارتا فائزہ کی طرف چلا آیا۔
”اٹھن بھائی ابھی تک گئے نہیں۔“ وہ اٹھن کو رُسوی نظروں سے دیکھتی اوپر آگئی تھی۔ شایان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو چونکی تھی شہرینہ بستر کے کنارے بے حس و حرکت کھڑی تھی اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں تھے الماری اور کمرے کھلے ہوئے تھے جبکہ نوٹ زمین پر گرے ہوئے تھے۔

”کیا ہوا؟“ شہرینہ کا انداز اسے پریشان کر گیا تھا۔ شہرینہ کی آنکھوں میں سہرتی تھی۔ اس نے فرح کو دیکھا اس کی آنکھوں میں بڑا عجیب سا تاثر تھا۔ وہ چاہیاں فرح کے پاس بستر پر ڈال کر کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”شہری رو شہری کیا ہوا، شہری؟“ جبکہ وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ اور فرح کے دل و دماغ میں عجیب سے جھکڑ چلنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ واپس فرح کے کمرے میں آئی اور کمرہ لاک کر لیا تھا فرح اس کے پیچھے آئی تھی ان لوگوں کو دیر ہو رہی تھی ڈرائیور ان کا منتظر تھا ان تینوں نے ڈرائیور کے ساتھ جانا تھا فرح کے نیچے آنے سے پہلے ہی اٹھن باقی رہ جانے والے دو تین مہمانوں کو لے کر جا چکا تھا۔ ماما پریشان ہو رہی تھیں وہ فرح سے بار بار پوچھ رہی تھیں کہ کیا ہوا ہے لیکن فرح خود لاعلم تھی ان کو کیا بتائی؟ فرح کے بار بار دروازہ ٹاک کرنے

بر بھی شہرینہ نے دروازہ نہیں کھولا تو دونوں ماں بیٹی کو تشویش لاحق ہونے لگی تھی۔

پاپا کی کال پر کال آ رہی تھی مجبوراً فرح کو فائزہ بیگم کو وہاں سے بھیجنا پڑا یہ کہہ کر کہ وہ اسد کو بلواتی ہے اور پھر شہرینہ کو لے کر آ جاتی ہے۔ وہ چلی گئی تھیں لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود شہرینہ نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ شہرینہ نے جتنی لگا رکھی تھی ورنہ ڈیڑھ گھنٹہ کیٹ چابی سے دروازہ کھل سکتا تھا اس نے اسد کو کال کی بھی بارات وہاں جا چکی تھی۔

سب لوگ فرح اور شہرینہ کا پوچھ رہے تھے۔ آدھ گھنٹہ بعد اسد واپس آ گیا تھا وہ بھی اس صورت حال پر پریشان تھا کچھ دیر بعد شہرینہ کو ترس آ گیا تھا یا کیا تھا اس نے دروازہ کھول دیا تھا دونوں بہن بھائی بے تابی سے اندر داخل ہوئے تھے شہرینہ لباس بدل چکی تھی۔ وہ سادہ سے سلینٹک شلوار قمیص میں ملبوس تھی فرح اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

”کیا بات ہے شہری کیا ہوا؟“ جواباً شہرینہ نے اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا۔

”شہری مجھے بتاؤ؟“ اسد بھی اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

”کپڑے کیوں بدل لیے وہاں سب مہمان ہمارا انتظار کر رہے ہیں جانا نہیں۔“ فرح نے اسے دیکھا اس کا چہرہ سرخ تھا لیکن آنکھیں بالکل سرخ تھیں۔ چہرے کے دائیں طرف رخسار پر سرخ ابھرے ہوئے نشان تھے۔

”یہ نشان کیسے ہیں؟“ فرح نے رخسار پر ہاتھ رکھا تو اس کے چہرے پر تکلیف دہ کیفیت چھائی۔

وہ اتنی کمزور نہیں تھیں لیکن بچانے کیوں اس ایک تھپڑ کے بعد اسے اپنا آپ بہت کمزور لگ رہا تھا چھوٹی سے چھوٹی بات پر طوفان اٹھا دینے والی شہری کے اندر ایک قیامت برپا تھی لیکن لب خاموش تھے۔

”شہری یہ کیا بچپنا ہے بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟“ اسد اس کی لالچنی خاموشی سے چڑکریا۔

یہی بولی۔

”لیکن شہری بات کیا ہوئی ہے؟“

”میں شایان کے کمرے میں تمہارے کہنے پر رقم لینے گئی تھی لیکن وہاں اگلن آ گیا تھا اس نے خود ہی فرض کر لیا کہ میں چوری کر رہی ہوں میں یعنی شہرینہ عثمان جس کے اپنے اکاؤنٹ میں ہر وقت لاکھوں روپے موجود رہتے ہیں جو مسٹر عثمان فاروق کی بیٹی ہے وہ چند روپوں کے لیے کسی کے کمرے میں ڈاک ڈالے گی میرے بارے میں کیا بس یہی سوچ رہ جاتی ہے کہ کوئی مجھے اس طرح دیکھے اور سمجھ لے کہ میں چور ہوں اور وہ کوئی اور نہیں میرا سگاتا یا زاد ہو میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے رشتہ داروں پر اور ایسے لوگوں پر اس انسان نے واضح الفاظ میں مجھ پر چوری کرنے اور اخلاقی گراؤ کا شکار ہونے کا الزام لگایا ہے آئی ہیٹ بیم۔ میرا دل کر رہا ہے میں اس انسان کو شوٹ کر دوں ہر چیز کو جس نے اس انسان نے مجھے تھپڑ مارا مجھے یعنی شہرینہ عثمان کو تھپڑ مارا ہے۔“ وہ بولی نہیں بلکہ پھٹی تھی۔

دونوں بہن بھائی نے حیران ہو کر وہ سب سنا تھا۔

”مائی گاڈ، اگلن بھائی نے یہ سب کیا؟“ اسد حیرت زدہ جبکہ فرح پریشان ہوئی۔

”ان بلیو بہیل وہ کسی پر ہاتھ ہرگز نہیں اٹھا سکتے۔“ فرح بڑبڑائی۔ شہرینہ نے اسے سر دی نگاہوں سے دیکھا۔

شہرینہ کے دائیں رخسار پر انگلیوں کے واضح ابھرے ہوئے نشان تھے فرح کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے یہ نشان میں نے اپنے چہرے پر خود سجائے ہیں۔“ وہ تو غصے سے ایک دم آؤٹ ہی ہو گئی تھی۔

”میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔“ فرح کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دونوں کے دلوں میں حد سے زیادہ نفرتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں جبکہ ان دونوں کے بڑے چمکھ اور سوچے بیٹھے تھے فرح اگر دوپہر میں اماں بی اور ماما پاپا کے درمیان

دھمکیاں دے رہی تھی کہ وہ واپس چلی جائے گی خالہ اور چچا جان کو ساتھ لے کر۔
”عثمان اور فائقہ کو علم نہیں ہونا چاہیے بات بہت بڑھ جائے گی۔“ وہ کچھ سوچنے لگیں۔

”میں اماں کی کو بتا کرتی ہوں پھر شہری کو لے کر آتے ہیں تم میرے ساتھ چلو۔“ فرح نے سر ہلایا۔
وہ اماں کی کو ضروری کام سے گھر جانے کا کہہ کر اسد کے ساتھ وہاں سے نکلیں وہ تو شکر تھا کہ میرج ہال آدھ گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ اسد نے تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے دوڑوں کو چندرہ منٹ میں گھر پہنچا دیا تھا۔
”کمرہ شکر ہے لاک نہیں تھا شہری دوڑوں کو پھر سے دیکھ کر ابھی۔“

فائزہ نے اس سے خود بات کی تھی اگلن کے رویے کی معذرت کی اور اسے سمجھایا بجھایا شہرینہ سنجیدہ رہی تھی ان کے بار بار کے معذرتانہ رویے پر شہرینہ کا دل ان کے معاملے میں کچھ نرم ہوا لیکن وہ شادی میں جانے پر رضا مند نہ تھی۔

”دیکھو بیٹا میں مانتی ہوں اگلن نے بہت غلط کیا لیکن اس وقت ہمارے ساتھ چلو فائقہ کو علم ہوا تو وہ بہت دھکی ہوگی پلیز بیٹا میری خاطر پلیز۔“ شہرینہ اتنی پتھر دل نہ تھی کہ ان کے اس قدر معذرتانہ رویے پر بھی پتھر دل بنی بیٹھی رہتی وہ فائزہ کو اپنی ماما جیسی عزت دیتی تھی لیکن اس بار اس گھر میں اسے بار بار دی گریڈ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر ایک سے حد سے زیادہ بدظن ہو چکی تھی وہ بادل خواستہ وہاں جانے پر مائل تھی۔

فرح کے بار بار اصرار کے باوجود وہ دوبارہ وہی لباس نہ پہن سکی تھی۔ اس نے اپنے دل کی مانتے سادہ سی لیڈیز پیئٹ کے اوپر گھٹنوں تک آتا کرتا پہنا اور گلے میں اس نے ایک اسکارف ڈال لیا تھا۔ پاؤں میں اس نے اسٹاکش سا فلیٹ جوتا پہن لیا۔ اس کی سوچ کے مطابق اب وہ تیار تھی وہ تیاری جو وہ عام روٹین میں کرتی تھی اس نے ماما کے خریدے ہوئے ان کی نصیحتوں کے عین مطابق پچھلے تمام

ہونے والی گفتگو ذہن لیتی تو اسے اتنا فرق نہ پڑتا لیکن اب وہ دل سے چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح دونوں کے درمیان موجود اختلافات ختم ہو جائیں اور پھر سب کچھ نارمل ہو جائے لیکن اب جو صورت حال تھی اس میں اتنی جلدی سب کچھ نارمل ہونا نظر نہیں آ رہا تھا۔

”ہم ماما پاپا سے بات کریں گے پلیز تم اپنا موڈ خراب مت کرو ہمارے ساتھ چلو۔“ فرح نے اسے منانا چاہا لیکن وہ تو ہتھی سے ہی اکڑ گئی تھی۔

”ہرگز نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی میں ماما یا پاپا کا ویٹ کروں گی تم لوگ گھر میں آئے مہمانوں کو شاید اسی طرح ذلیل کرتے ہو لیکن میں یہ برداشت نہیں کرنے والی اور تم اپنے پیارے بھائی شیر اگلن کو بھی بتا دینا کہ شہرینہ کبھی کسی کو معاف نہیں کرتی اور یہ پتھر میں بھی بھولوں گی مجھے یوں ڈی گریڈ کرنا اسے بہت ہنگام پڑے گا۔“ وہ کہہ کر بستر پر لیٹ کر بازو آٹکھوں پر رکھ چکی تھی۔ اب صاف مطلب تھا کہ دونوں کچھ بھی کہہ لیں شہرینہ ٹس سے مس نہیں ہونے والی دونوں نے انتہائی بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔



فرح اور اسد میرج ہال پہنچے تو وہاں فائزہ بے تابی سے دونوں کی منتظر تھیں ان کو شہرینہ کے بغیر آتے دیکھ کر وہ الجھیں۔

”شہری کہاں ہے؟“ اسد تو کندھے اچکا کر مردانے کی طرف چل دیا جبکہ فرح کو سب بتانا پڑا تھا وہ تو سن کر ہی حیرت سے گنگ رہ گئی تھیں۔ یعنی شہری اور اگلن کے درمیان اتنا کچھ ہو رہا تھا اور وہ لاعلم تھیں۔

”میرے اللہ..... فائقہ کتنی بار شہری کا پوچھ چکی ہے اگر اسے علم ہو گیا تو بہت برا ہوگا اپنی اولاد تو سب کو عزیز ہوتی ہے شہری کو تو کسی نے پھولوں کی چٹری سے بھی نہیں چھوا اور اگلن نے اس پر ہاتھ اٹھایا فائزہ میرے اللہ۔“ انہوں نے صدمے سے سر تھا م لیا۔

”وہ کسی بھی طرح بات سننے پر آمادہ ہی نہیں، وہ تو

فنکشنز میں وہ سب لباس پہنے تھے جو شاہی بیاہ کے عین مطابق تھے لیکن اس وقت وہ اپنی سوچ اور اپنے اسٹائل کے مطابق تھی۔

وہ جانتی تھی اب اس کے اس لباس اور اس کی اس تیاری کو وہاں موجود بھی لوگوں نے موضوع گفتگو بنانا تھا اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اب کوئی کیا کہتا ہے وہ بس اب اپنے دل کی ضد کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔ فرح نے ایک دو بار کہا تھا لیکن اس نے اپنے دل کی ہی کی تھی۔

فائزہ مصلحت پسند تھیں فی الحال شہرینہ کا وہاں جانا اہم تھا لباس جو بھی تھا شہرینہ کا مان جانا ان کے لیے فی الحال یہی بہت تھا۔ وہ میرج ہال میں آگئی تھی۔ وہاں موجود بہت سے لوگوں نے اسے عام اور بہت ساروں نے بطور خاص دیکھا جبکہ وہ مطمئن تھی۔ وہ اب اپنے دل کی کر کے بہت بڑے سکون تھی۔ فائزہ نے اسے دیکھا تو حیران ہوئیں۔

”تم یہ کیا پہن کر آگئی ہو شہری، پارلر سے جب تیار ہو کر آئی تھی تو چیخ کیوں کیا؟“ وہ مسکرائی اور فرح کو دیکھا۔ فرح نے فوراً خالہ کے گلے میں بازو جامل کپے۔

”وہ شہری کے سوٹ پر مجھ سے تیل گر گیا سارا سوٹ خراب ہو گیا اسی لیے شہری نے چیخ کر لیا تھا۔“ فرح کے بہانے پر شہرینہ نے کندھے اچکائے۔

اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ فرح فائزہ کو کیا بتاتی ہے سارا راستہ فائزہ اسے فائزہ سے ان سب باتوں کا ذکر مت کرے ورنہ وہ بہت ہرٹ ہوں گی کا کہتی آرہی تھی اور شہرینہ سارے راستے سوچتی آئی تھی کہ وہ مانا کو سب ضرور بتائے گی۔ اس وقت تو وہ خاموش رہی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ اگلن کو لے کر خامی بدگمان ہو چکی تھی۔ فنکشن خیر و عافیت سے ختم ہوا تھا زویہ کو بیاہ کروہ لوگ گھر لے آئے تھے۔ فائزہ نے شہرینہ کو ہر رسم میں فرح کے ساتھ آگے آگے رکھا تھا۔ بہن کی طرح شایان سے اسے نیک دلوائے تھے۔ مجبوراً شہرینہ کو بھی اپنا موڈ ٹھیک کرنا پڑا تھا۔

یہ سب لوگ اس کے ساتھ بہت اچھے تھے وہ صرف ایک فرد کی وجہ سے سب سے مں بی ہو نہیں کر سکتی تھی سو

اس نے سوچا کہ وہ ابھی فائزہ سے ذکر نہیں کرے گی۔ کل ویسے کا فنکشن ہے وہ جیسے تیے ایک دن اور برداشت کر لے تو پھر گھر جا کر وہ مانا یا کو سب بتا دے گی۔ وہ جو ہر وقت اگلن کی تعریفوں کے پل باندھتے رہتے ہیں ان سب کو بھی تو پتا چلے کہ وہ کیسا جاہل، تنگ مزاج، کنٹرورینو اور گھٹیا سوچ کا حامل انسان ہے۔ یہ سب سوچ کر اس نے ایک بار پھر خود کو مطمئن کر لیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ ہر ایک کام اور ہر ایک رسم میں حصہ لے رہی تھی۔ اور اسے پھر سے نازل انداز میں ری ایکٹ کرتے دیکھ کر فائزہ نے قدرے سکون کا سانس لیا تھا ورنہ یہ سوچ سوچ کر ہی ان کا دل بیضا جا رہا تھا کہ اگر فائزہ کو شہرینہ نے بتا دیا تو وہ دونوں میاں بیوی کس قدر افسردہ ہوں گے۔



اگلن اپنے کمرے میں سوئے آیا تو کچھ دیر بعد فائزہ بھی پیچھے آگئی تھیں۔ انہوں نے اگلن سے وہ سب پوچھا تو کچھ پل کو وہ خاموش رہا۔

”تم ایک کھمدار انسان ہو تم سے مجھے ایسے بچکانہ رویے کی امید تھی کوئی اور لڑکی ہوتی تم اسے چور سمجھ لیتے چلو کوئی بات نہیں غلط ہو جاتی ہے لیکن شہرینہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا سوچو فائزہ کو علم ہوگا تو کس قدر دکھ ہوگا اور عثمان تک بات پہنچی تو وہ کیا سوچے اس کا بھی تمہیں اندازہ ہوگا۔“ ان کے لہجے میں دکھ بھی تھا سرزنش بھی اور ملامت بھی۔

”میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔“ اگلن نے ٹالنا چاہا انہوں نے بغور بیٹے کو دیکھا۔

”ٹھیک ہے غلطی ہوگئی تھی لیکن ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ تھی تمہارے پاس۔“ ان کا لب و لہجہ بہت بخیدہ تھا۔

”وہ بدتمیزی کر رہی تھی۔“

”عورت کی زبان کو ہاتھ سے روکنا یہ مردانگی تو نہیں ہے۔“ فائزہ نے اسے شرمندہ کیا۔ وہ کوفت کا شکار ہوا۔

”مانا پلیز۔“

”تمہیں اس سے کیا اختلافات ہیں۔“

السلام علیکم

ہمیں اپنے نئے بلاگ (ویب سائٹ) کے لئے رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ممبر ناول، افسانہ، ناولٹ لکھنا چاہے تو ہم سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتہ کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمیں ای۔ میل کریں یا ان بکس میں میسج کریں۔

شکریہ

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

”او کے۔“ اس نے سنجیدہ نگاہوں سے اُٹھن کو دیکھا۔
وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا اندازاً قابل فہم تھا شہرینہ کا
موبائل بجنے لگا جو اس کے ہاتھ میں تھا اس نے دیکھا اُٹھن
نے بھی اس کے موبائل کو دیکھا۔
”ایکسکو زی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی جبکہ اُٹھن
نے باہر نکلنے تک اسے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں عجیب
ساتا ہوا تھا۔



وہ سب تیار ہو رہے تھے آج زوبیہ اور شایان کے
ویسے کانفرنشن تھا شہرینہ جان بوجھ کر کل جیسے حلیے میں ہی
تیار ہوئی تھی فائقہ نے اسے کئی بار خود بھی کھا اس کا منتخب
کردہ ڈریس پہن لے لیکن وہ مان کے ہی نہیں دی۔
”شہری ضد مت کرو جانتی ہو کل تمہاری اس سڑ بھڑ
منہ پھاڑ والی ڈریس پر کتنے لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونا
پڑا تھا ہمارا سوسائٹی میں ایک نام ہے اتنے بڑے سیاست
دان کی بیٹی اس قدر رُف حلیے میں وہ بھی اپنے سگے تایا زاد
کی شادی میں۔“
”اوہ ماما آپ جانتی ہیں تاکہ میں ایسی ہی ڈریسنگ
میں کمر ٹھیل ٹیل کرتی ہوں۔“
”لیکن پھر بھی بیٹا۔“ فائقہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس
نے بات کاٹ دی۔
”آئی ڈونٹ نو ماما آپ کب سے اتنی اسٹیشن
کانشس ہو گئی ہیں۔“
”لیکن دنیا داری کے لیے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے ناں آپا
کی طرف سے ان کے سرکاری موٹیل گاؤں سے بی لاگ
کرتے ہیں وہ بہت نوٹ کرتے ہیں ان باتوں کو جو بی کیئر
فل بیٹا۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
”چلیں اگلی کسی شادی میں آپ کی خواہش کے مطابق
تیاری کر لوں گی لیکن اس بار مجھے اپنی من مانی کرنے
دیں۔“ وہ تو بروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔ صاف
جھنڈی دکھا کر تانخوں پر کیوکس لگانے لگی۔ وہ اس وقت
فائقہ کو تیار ہونے کے لیے دیے گئے کمرے میں ہی تھی،

بھیجا۔ کچھ دیر میں شہرینہ آگئی تھی فائزہ کو بھی انہوں نے بلوا
لیا تھا شہرینہ کے ساتھ فرح بھی تھی وہاں فائزہ اور اُٹھن کو
دیکھ کر وہ دونوں حیران ہوئیں۔

لیکن اس کے بعد اُٹھن نے جس طرح اپنے گزشتہ
تمام رویوں پر معذرت کی فرح کے ساتھ ساتھ شہرینہ بھی
حیران ہوئی۔ اُٹھن جیسا مرد شہرینہ سے معذرت کرے یہ
ناممکن ہی بات تھی شہرینہ تو عجب سے محضے میں پڑ گئی تھی۔
”یہ جو کچھ بھی ہوا غلط نہیں کی وجہ سے ہوا تمہارا دل دکھا
تم ہرٹ ہوئیں اس سب کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں
تم کھلے دل اور کھلے مزاج کی لڑکی ہو آئی ہو پ تم مجھے
معاف کر دو گی۔“ وہ تو حیرت سے گنگ اُٹھن کی اس کایا
پلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔

وہ واقعی بدل چکا ہے یا محض فارمیٹی پوری کر رہا تھا وہ
قطعی اندازہ نہ لگا سکی۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں شہرینہ بیٹی تو بہت ہی
پیاری اور دل کی اچھی ہے وہ تمہیں کیوں معاف نہیں
کرے گی، چھوٹے موٹے اختلافات تو ہر جگہ ہوتے
ہیں دلوں میں کدورتیں جمع کر لی جائیں تو دوریاں پیدا
ہونے لگتی ہیں بہتر یہی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے ان
کدورتوں کو صاف کر لیا جائے ورنہ دل کے آئینے دھندلا
جاتے ہیں اور پھر کچھ بھی صاف نظر نہیں آتا۔“ اماں بی
کے لہجے میں مضاس تھی شہرینہ کے لیے بے پناہ محبت
تھی۔ شہرینہ تو عجب سی ابھن بھن گئی تھی، اسے سمجھ نہیں
آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، وہ اُٹھن کے تاثرات سے
کچھ بھی اندازہ نہ لگا پا رہی تھی۔

”اس او کے اماں بی۔“ وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی۔

”میرے دل میں پہلے کوئی کدورت نہ تھی لیکن اب یہ
کدورت موجودگی میں غلط رویوں اور انداز فکر کو وہ بھی
خاص طور پر اپنے لیے برداشت نہیں کر سکتی چاہے وہ کوئی
بھی ہو اس کے بعد میرا عمل ایسا ہی ہوتا ہے جو پچھلے دنوں
سے تھا۔“ اماں بی نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

”جو بھی ہوا جانے دو۔“

فائقہ نے کچھ سوچا اور پھر کہا۔

”تم نے پھر انگن کے لیے کیا سوچا؟“ شہرینہ نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔

”مطلب؟“

”شادی سے متعلق۔“

”میں اماں بی کو صاف اور واضح الفاظ میں انکار کی صورت میں اپنا جواب دے چکی ہوں۔“ اس کا انداز ہنوز تھا۔

”لیکن اماں بی کہہ رہی تھی کہ تمہیں انگن سے کچھ اختلافات تھے اس کے بعد انہوں نے انگن کو بلوا کر معاملہ کلیئر کر دیا تھا انگن نے تم سے ایکسکیوژ کر لیا تھا جو اعتراضات تھے وہ تو ختم ہو گئے۔“

”آپ نے پوچھا کہ کیا اختلافات تھے۔“ اس نے کیونکس والی شیشی بند کر کے ایک طرف رکھی اور گیلے ناخنوں پر پھونکیں مارنے لگی۔

”ہاں بتایا تھا کہ تمہاری انگن سے اس دن بائے روڈ آنے اور ایکسیڈنٹ والے معاملے کو لے کر کوئی بحث ہو گئی تھی جس پر تم دونوں ہی ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے تھے اس کے بعد انہوں نے معاملہ کلیئر کر دیا تھا تو بات ختم ہو گئی ہے۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

فائزہ اور اماں بی کا اصرار تھا کہ وہ فائقہ کو کچھ نہ بتائے ورنہ وہ اب تک بہت کچھ بتا چکی ہوتی۔

”اور کچھ نہیں بتایا انہوں نے۔“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”بس اماں بی نے مجھے تمہارے پاپا بھائی صاحب اور فائزہ آپا کو بلا کر کچھ دیر پہلے ایک فیصلہ سنایا تھا بابا صاحب بھی وہیں موجود تھے تم لوگ جانتے ہو ناں کہ ان کے فیصلوں پر ہم سب کبھی کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔“ ان کا انداز تمہیدی تھا۔

”کیسا فیصلہ؟“

وہ کچھ الجھی ہوئی تھیں وہ شہرینہ کی طبیعت اور مزاج کو خوب اچھی طرح جانتی تھیں انہوں نے کچھ سوچا اور

پھر سر ہلادیا۔

”کچھ نہیں، چلو آؤ تقریباً سبھی تیار ہو گئے ہیں ڈریس تو تم نے چیخ نہیں کیا۔ اپنی ضد کے سامنے تم نے بھلا میری کب سنی ہے لیکن یہ دوپٹا لے لو تمہاری شرٹ کے ہمرنگ ہے خالی اسکارف لینا مناسب نہیں لگتا۔“ اس نے سر ہلایا اسکارف اتار کر دوپٹا لے لیا تھا دوپٹا بھی بچ رہا تھا بلکہ دوپٹا ٹائٹ اور لاگ شرٹ کے اوپر زیادہ پیارا لگ رہا تھا۔

”تم ہمارے ساتھ ہی میرج ہال چلو گی۔“ انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلادیا۔

☆☆☆.....

میرج ہال پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد شہرینہ کے کانوں تک جو خبر پہنچی تھی اس نے اس کے دماغ کو بالکل سن کر دیا تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔

”میں تمہیں گھر پر ہی بتانا چاہ رہی تھی لیکن تمہارے ری ایکشن کی وجہ سے چپ کر گئی تھی جب تم دونوں میں اب کوئی اختلاف ہی نہیں تو اماں بی اور بابا صاحب نے سوچا کہ رشتہ طے کرو دینا چاہیے۔“

”تو اماں..... نو.....“ وہ تو پھٹ پڑی۔ ”بس امپا بل۔“

”تم جانتی ہو ناں جب تمہارے پاپا کوئی فیصلہ کر لیں وہ پھر پیچھے نہیں ہٹتے۔“

”میں نہیں مانتی کسی فیصلے کو یہ میری زندگی کا سوال ہے انگن سے رشتہ ہونے سے بہتر ہے میں کسی کنوینس میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دوں۔“

”جذباتی باتیں مت کرو تمہیں ہم نے ہمیشہ ایک پریکٹیکل اپروچ دینے کی کوشش کی ہے۔“ انہوں نے اب کی بار زرا سختی سے کہا۔

”انگن ایک ہائیلی فائیزڈ لائر ہے اس کا مستقبل بہت روشن ہے اب گاؤں میں ہونے والے ایکشن میں وہ لڑے گا اور تم جانتی ہو اپنے علاقے میں یہ سیٹ ہمیشہ کو خوب اچھی طرح جانتی تھیں انہوں نے کچھ سوچا اور

پلٹیکھل لحاظ سے ہمیں انگن کی سیٹ کا بہت فائدہ ہوگا۔
 ”اما.....“ اس نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔
 ”آپ اس پلٹیکھل نفع و نقصان کے بارے میں
 کب سے سوچنے لگیں، مجھے ان چیزوں سے کوئی فرق
 نہیں پڑتا انگن سے کوئی اختلافات نہ ہوتے تب بھی مجھے
 کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں انگن سے کبھی بھی شادی نہیں
 کر سکتی ہم دونوں کسی بھی ٹائپ سے ایک دوسرے کو
 سوٹ نہیں کرتے تو مانا نو.....“ وہ قطعی انکاری تھی فائدہ
 نے بے بسی سے دیکھا۔
 ”وہ مجھ سے بچ نہیں کرتا، کسی بھی لحاظ سے نہیں آپ کو
 انکار کرتا ہوگا۔“ وہ بالکل منکر ہوئی۔
 ”میری جان اب انکار ممکن نہیں بابا صاحب اور
 تمہارے پایا اپنے حلقہ احباب اور رشتہ داروں میں سے کئی
 لوگوں کو بتا چکے ہیں کہ آج تم دونوں کے رشتہ طے پا جانے
 کی تقریب بھی ہوگی۔“
 ”مانی گاڈ.....!“ شہرینہ نے سر تھما لیا۔
 ”نو مانا نو..... پلیز ہیپ پی..... پایا کو بلوائیں میں
 ان سے بات کرتی ہوں۔“ بے بسی سے اس نے ماں کے
 ہاتھ تھامے۔
 وہ لوگوں کو بے بس کرنے والی لڑکی تھی، اس کی ہر
 خواہش ضد اور ہرجا نہ دنا جائز بات مانی گئی تھی اور اب جبکہ
 اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ تھا اس پر اسے سرے سے نظر
 انداز کر دیا گیا تھا۔ ایک دفعہ پوچھ کر انکار کے باوجود اتنی من
 مانی کی گئی تھی۔
 ”آپ کو علم ہی نہیں انگن میرے ساتھ کس طرح کابی
 ہو کر چکا ہے۔“
 ”اما بی بیٹا چکی ہیں مجھے تمہاری انگن سے غلط نہیں کی
 بنا پر جھڑپ ہوئی تھی، اسے نہیں علم تھا کہ شیمان کے کمرے
 میں تم ہو، وہ کوئی چودہ سچھ کر تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔“ مانا کو سارا
 کچھ ٹھیک بتایا گیا تھا لیکن غلط انداز میں۔
 ”انگن کو بعد میں علم ہوا تو وہ شرمندہ ہوا تھا اس نے تم
 سے ایک سکیوڑ کیا تھا نا۔“ وہ بے یقینی سے ماں کو دیکھ رہی
 تھی۔ کس قدر غلط انداز میں اس کی ماں کو بتایا گیا تھا۔
 ”اور آپ نے ان سب باتوں پر مجھ سے پوچھے بغیر
 بلیو کر لیا اور آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا مجھ پر کوئی بھی ہاتھ
 اٹھائے۔“ وہ حیرت زدہ ہوئی۔
 ”ایسی بات نہیں میری جان انگن سے وہ سب غلطی
 سے ہوا تھا اگر کوئی اور بات ہوتی تو تم مجھ سے ذکر کرتی کوئی
 بھی تم پر ہاتھ اٹھائے مجھے بہت فرق پڑے گا لیکن انگن
 سے وہ سب غلط جہی سے ہوا تھا۔“ وہ مکمل طور پر انگن کی
 طرف دار تھیں۔ یعنی اماں بی نے بہت اچھی طرح فائدہ
 بیگم کا سٹڈ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس نے بے بسی سے سر
 تھما۔ وہ فائدہ کو وہیں برائیڈل روم میں چھوڑ کر خود باہر نکلی
 اس کا ارادہ مردانے کی طرف جا کر پایا کو تلاش کرنے کا تھا
 وہ مردانے کی طرف آئی تھی۔
 اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی اسے اس طرف
 دیکھ کر کیا کہتا ہے وہ بس پایا کو تلاش کر رہی تھی۔ آج کے
 پاس اسے پایا کسی کے ساتھ کھڑے نظر آئے تو وہ تیزی
 سے اس جانب بھاگی۔
 ”تم ادھر کیا کر رہی ہو؟“ شیمان ایک دم اس کے رستے
 میں حائل ہوا۔
 ”مجھے پایا سے بات کرنی ہے۔“ نظریں اس کی اب
 بھی پایا پر ہی تھیں۔
 ”تم جاؤ یہاں سے تم دیکھ نہیں رہی یہاں ہر طرح کے
 لوگ ہیں پایا کے بابا صاحب کے بھائی کے اور چچا جان
 سبھی کے جاننے والے مدعو ہیں بہت آکورد لگ رہا ہے
 نکلو یہاں سے۔“ اس نے بری طرح ڈانٹا شہرینہ کا دل
 چا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ وہ بڑی بے بسی سے واپس
 لوٹی آئی تھی۔
 وہ کئی بار اماں بی کے پاس آئی تھی۔ ان کو بلایا تھا
 ضروری بات کرنی ہے کا کہہ کر بات سننے کا کہا تھا لیکن
 ان کی اپنی ہی ہم عمر خواتین کے ساتھ نجانے کون سی
 باتیں تھیں جو قسم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھیں جوں
 جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اسے اپنا بی بی شوٹ ہوتا محسوس

ہور ہاتھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آگن سے اماں بی نے خود بات کی تھی۔ وہ تو سنتے ہی مجھے سے اکڑ گیا تھا لیکن آگن کو مان لینا ان کے لیے لطیف مشکل نہ تھا اصل مسئلہ تو شہرینہ کو ہینڈل کرنا تھا جس کا معاملہ انہوں نے اس کی ماں کے سپرد کر دیا تھا۔

”ہم بھی مہمانوں کو بتا چکے ہیں بات تو تمہیں ہماری ماننا ہی ہوگی شہرینہ اچھی لڑکی ہے ابھی کچھ اختلافات ہیں وقت گزرنے سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”بالکل نہیں.....“ شہرینہ سے معافی مانگ لینا اور بات تھی اس کا یہ مطلب تو بڑی تھا کہ میں اسے اٹھا کر اپنے سر پر بٹھالوں۔“ وہ سخت بھٹایا۔

”تو ٹھیک ہے مت مانو ہمارا فیصلہ ہو جانے دو ہماری رسوائی، ہم نے تمہیں اپنے بیٹوں سے بڑھ کر چاہا تمہاری تربیت کی تمہارے ماں باپ سے زیادہ ہم تم پر حق رکھتے ہیں اور آج تم ہمارے فیصلوں پر ہمیں رو کر رہے ہو۔“ ایڈموشنل بلیک میانگ تھی۔ انہوں نے تو باقاعدہ آنسو تک رخساروں پر بہا لیے تھے۔ آگن نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا۔

”ہم نے ایک عمر گزاری ہے تم ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہو ہم بھلا تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ کر سکتے ہیں۔“ رندھی ہوئی آواز میں مزید کہا۔

”اوکے جو جی چاہتا ہے کریں لیکن پلیز روئیں مت۔“ اماں بی کے آنسو اس کی کمزوری تھے فوراً بے بس ہوا تھا۔ ایک دم تھکرا ڈال دیے تھے اماں بی کے آنسو ایک دم تھے تھے۔ انہوں نے نہال ہو کر اسے ساتھ لگایا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شہرینہ تو بری پھنسی تھی۔ اماں بی نے کام ہی ایسا کیا تھا اس لباس میں برا ہیڈل روم میں اسے ڈوینا جو اس کے گلے میں تھا سر پر ڈال کر بٹھا دیا گیا تھا اس کا خیال تھا کہ محض زبانی کلامی رشتہ طے ہونے کی کوئی بات ہوگی لیکن یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ کیا تھا اماں بی اپنے دل و دماغ میں مہمل

بروگرام طے کیے ہوئے تھیں جس طرح انہوں نے دونوں کو گھیرا تھا اور پھر ان کے والدین کو اس کے بعد تو شہرینہ تو بس بندھے ہوئے ہاتھ پیروں کے ساتھ صرف پھڑ پھڑا ہی سکتی تھی۔

”مولوی صاحب ادھر ہی آرہے ہیں دلہن کا چہرہ تو چھایا۔“ کسی لڑکی نے جلدی سے اندر آ کر تیزی سے کہا تھا۔ شہرینہ تو مولوی کا نام سن کر ہی بے اختیار ہونی مگی اماں بی ایک طرف فائقہ خاتون دوسری طرف دونوں پھوپیاں سامنے فائزہ خاتون کے علاوہ اور بھی نجانے کون کون سی رشتے دار خاتون تھیں۔ اماں بی نے جلدی سے دلہن کی ہی چادر جو صوفے پر رکھی ہوئی تھی اٹھا کر اس پر ڈال دی تھی۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے کوئی مجھے بھی تو بتائے۔“ وہ چیخی لیکن اس کی آواز اتنی ساری آوازوں میں دب گئی تھی۔

اس وقت کمرے میں بڑے پھوپا عثمان صاحب شایان اور ایک عدد کبھی ڈاڑھی والے مولوی صاحب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

”مولوی صاحب ادھر آجائیے۔“ عثمان صاحب بولے۔

شہرینہ کا جی چاہا کہ چادر ایک طرف پھینک کر فوراً کھڑی ہو جائے مولوی صاحب سامنے والے صوفے پر ٹیک گئے تھے۔ انہوں نے رجسٹر سامنے ٹیبل پر رکھا۔ فائقہ نے اٹھ کر عثمان کے لیے شہرینہ کے پہلو میں جگہ خالی کی۔

”آپ کا نکاح ہم اپنی مرضی سے بحیثیت ولی شیر آگن سے کر رہے ہیں آپ کی ماما نے بتایا تھا کہ آپ کو کچھ اعتراضات ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اعتراضات بچکانہ ہیں۔ یہ ہمارے بابا صاحب اور اماں بی کا فیصلہ ہے۔“

انہوں نے ماں کو دیکھا۔ ”اور یہ فیصلہ ہمارے لیے بہت مقدم ہے آگن سے رشتہ طے پا جانا یہ میری ہی نہیں ہم سب کی دلی آرزو تھی معذرت چاہتے ہیں کہ ہم پہلے سے آپ کو اعتماد میں نہیں لے سکے بس یہ بالکل ایک دم نا فانا فیصلہ ہوا اور ہمارا ارادہ محض رسم ادا کرنے کا تھا لیکن اماں بی

مغربی ادبی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

سے افق

لفظ لفظ رنگ سے سطر سطر سے بھر پور تحریریں
ایسی کہانیاں اس سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

شائع ہو گیا

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر انتخاب ناول
مختلف ممالک کے پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں نے قلم کے قلم سے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دس دس نئی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
موضوعات پر نثر اور ذوق آمیز کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

کی خواہش تھی کہ نکاح ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے اور آپ
جانتی ہیں کہ ہم نے کبھی بھی اماں بی کا کہا نہیں مالا ہم آپ
سے بہت محبت کرتے ہیں آپ کے حقوق کا تحفظ ہماری
اولین ذمہ داری ہے مجھے امید ہے آپ ہمارا مان پر قرار
رکھیں گی۔ انہوں نے دھیمے لہجے میں محبت سے اس کا
ہاتھ تھام کر پیار سے سہلاتے سویرے اپنے مخصوص پُر
وقار انداز میں وہ سب کہا تھا۔ اور ان کے الفاظ ان کی
زبان سے نکلتے شہرینہ کی سماعت کو فیض یاب کرنے لگے گویا
اس کی زبان پر تالا لگا گئے تھے۔

”مولوی صاحب بسم اللہ کیجیے۔“ شہری کی طرف
سے مکمل خاموشی پا کر انہوں نے مولوی صاحب سے کہا
اور مولوی صاحب نے نکاح بڑھانا شروع کر دیا اور
شہرینہ وہ ایسی تھی کہ جیسے کوئی پتھر کی مورت بالکل بے
حس و بے حرکت۔

☆ ☆ ☆

نکاح کے بعد شہرینہ کی خاموشی گھر واپس آ کر بھی نہ
ٹوٹی تھی۔ وہ نہ کسی کے گلے لگتی تھی اور نہ ہی کسی سے بات کی
تھی۔ نکاح کے بعد عثمان اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مولوی
صاحب اور دیگر لوگوں کے ہمراہ وہاں سے چلے گئے تھے۔
اماں اور اماں بی نے اسے ساتھ لگنا چاہا تھا لیکن وہ اسی طرح
بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔

نکاح کے کچھ دیر بعد مہمان واپس جانا شروع ہو گئے
تھے۔ فرج نے اسی طرح چادر میں چھپی شہرینہ کی ایک دو
تصویر لی تھی اس کے بعد تو تصویر لینے کی کسی کی ہمت ہی نہ
تھی۔ مہمان جانا شروع ہوئے تو فائدہ کے ہمراہ ہی وہ بھی
گھر لوٹ آئے تھے۔

آدمی سے زیادہ رات بیت چکی تھی سبھی اپنے اپنے
کمروں میں جا چکے تھے عثمان باہر بابا صاحب اور دیگر
لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے تھے کل صبح ان لوگوں نے
رخصت ہونا تھا وہ کچھ وقت فیملی کے ساتھ گزارنا چاہتے
تھے۔ شہرینہ کمرے میں آتے ہی لائٹ آف کیے پیشانی
پر ہاتھ رکھ لیت گئی تھی۔ فائدہ نے اسے مخاطب کرنا



سیدہ شریف

ٹوٹ جائے نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائش میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو غزل بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگیں چاہتیں میری

کر جاتی ہے تب آگن اسے پھر بار کر خاموش کر دیتا ہے شہرینہ
شادی میں جانے کا ارادہ ترک کرتی کمرے میں بند ہو جاتی
ہے۔ فائزہ آگن سے ان معاملات کی باز پرس کرتی اسے اماں
بی کے ارادوں سے آگاہ کرتی حیران کر دیتی ہے۔ وہ شہرینہ
سے شادی کا خواہش مند نہیں ہوتا اس لیے فائزہ کو انکار کر دیتا
ہے دوسری طرف اماں بی فائقہ سے شہرینہ کی رضا مندی
جاننے کی بات کرتی فائزہ آگن کا انکار اماں بی تک پہنچا دیتی
ہے۔ شہرینہ بھی اس رشتے سے اماں بی کے سامنے انکاری
ہو جاتی ہے اور ساری باتیں ان کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ آگن
شہرینہ کی باتیں سن لیتا ہے اسے اپنا رد ہونا قبول نہیں ہوتا تب
وہ معافی مانگ کر رشہ جوڑنے کی بات کرتا ہے۔

اب آگے بڑھیے

گھر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ عثمان اس
کاروبار دیکھ رہے تھے لیکن وہ مصلحتاً خاموش تھے دیے بھی وہ بے
انتہا مصروف تھے واپس آتے ہی کئی مسائل تھے جو ان کے
فقط تھے۔ وہ کچھ وقت گھر گزار کر فائقہ سے چند ایک امور پر
بات کرتے ہی گھر سے رخصت ہو گئے تھے۔ پتہ تھا کہ ہوا تھا وہ
آتے ہی کمرے میں گھس گیا تھا۔

فائقہ نے بھی گیارہ بجے کے قریب لیڈر کلب کی ایک
میٹنگ میں جانا تھا جہاں وہ بلور گیسٹ مدعو تھیں۔ وہ تیار ہو کر
شہرینہ کے کمرے کی طرف آئیں۔ انہوں نے اب رات کا نا
تھا ان کا خیال تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار شہرینہ سے
بات کریں گی تاکہ اس کا موڈ فریش ہو جائے۔ انہوں نے
شہرینہ کے کمرے کے دروازے پر ٹاک کیا لیکن جواب نہ مارا
تھا۔ شہرینہ گھر آ کر کمرے میں داخل ہونے کے بعد دو بارہا بار

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آگن شہرینہ کو سخت ناپسند کرتا ہے آگن خاندان میں سب
سے زیادہ تند مزاج اور سخت دل انسان ہوتا ہے۔ شہرینہ بگڑی
ہوئی لڑکی نہیں تھی لیکن آگن کے رویوں پر وہ جس طرح کا رد عمل
ظاہر کرتی ہے وہ تند مزاجی اور بگڑی ہوئی طبیعت کے ساتھ
ساتھ حد سے زیادہ متعصب مزاج فطرت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔
آگن کے کمرے کی توڑ پھوڑ کرنے کے بعد شہرینہ مطمئن ہوئی
ہے شہرینہ لان میں داک کر رہی ہوتی ہے تب اس کی نظر آگن
پر جاتی ہے وہ پورج میں گاڑی کھڑی کرتا شہرینہ کو دیکھ چکا ہوتا
ہے۔ رات بھر گھر میں نہ ہونے کے باعث شہرینہ اس کے
غائب کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف اماں
بی پر شہرینہ اور آگن کے رویے واضح ہو جاتے ہیں تب ہی وہ
آگن اور شہرینہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں۔ فرح شہرینہ سے
آگن کے کمرے کی حالت کے مطابق پوچھتی ہے جس پر وہ
صاف انکاری ہو کر اسے حیران کر دیتی ہے تب فرح آگن کے
کمرے سے ملنے والا برسرِ میلٹ اس کے سامنے کرتی ہے جس
پر شہرینہ غصہ میں آ جاتی ہے۔ بارات والے دن فائقہ عثمان اور
بیچا آ جاتے ہیں فائقہ خاتون کو ہر کوئی اہمیت دے رہا ہوتا ہے۔
رخشندہ سے یہ برداشت نہیں ہوتا رخشندہ وہاں موجود خواتین کو
شہرینہ کے ڈانس کے بارے میں بتاتی سب حیران کر دیتی
ہے۔ یہ بات فائقہ تک بھی پہنچ جاتی ہے تب وہ اس بات کی
اماں بی سے تصدیق کرتی ہے اماں بی رخشندہ کی سازش سمجھ کر
فائقہ کو بھائی لیتی ہیں۔ فائزہ (فرح کی والدہ) شہرینہ کو شبان
کے کمرے سے رقم لانے کے لیے بھیجتی ہے تب آگن شبان
کے کمرے میں موجود شہرینہ پر چوڑی کا اثر اس کا دیتا ہے۔ جس
پر شہرینہ تھلا جاتی ہے اور اسے غصہ سے باتیں سناتی حد پار

نہیں آئی تھی انہوں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا اندر کمرے کی حالت دیکھ کر تو وہ مجھوٹا ہنسی رہ گئی تھیں۔ کمرہ تو جیسے کسی جہانی عظیم کا نقشہ پیش کر رہا تھا ہر چیز تھیں نہیں ہو چکی تھی۔ تمام شے نیچے پھینکے ہوئے تھے شوٹنگ قالین پر بھری حالت میں اپنی حالت پر ماتم کتناں تھے ہر چیز اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی اور لاوارثوں کی طرح ادھر ادھر لڑھکی پڑی تھی۔

فائقہ نے بے پناہی سے کمرے میں دیکھا اور پھر سکون ہوئیں شہرینہ کمرے کے ایک کونے میں رکھے دن بھر صوفے پر گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔

”شہرینہ..... وہ ذرا اس کی طرف بڑھیں۔

”مائی سویٹ ہارٹ مائی ڈائرینگ سودا از دوز؟“ بکھرے کانچ سے بچتے بجاتے وہ اس کے پاس جا کر کھڑی ہوئیں شہرینہ نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا اور فائقہ کو لگا کہ جیسے کسی نے ان کا دل ٹھکی میں لے کر بھیج دیا ہو وہ فوراً اس کے پاس بیٹھیں۔ شہرینہ کا چہرہ یہ صرف سوچا ہوا تھا بلکہ اس کی آنکھیں بھی سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

”یہ سب کیا ہے میری جان؟“ انہوں نے محبت سے شہرینہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔ فائقہ کے لیے یہ ایک اور بڑا جھٹکا تھا۔

”شہری میری جان.....“ انہوں نے پھر اس کا بازو پکڑنا چاہا تو وہ ایک دم باہر ہو کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ڈونٹ کیچ اپ! ریسپو پیل فار دس آل۔“ وہ چلائی۔

”شہرینہ کیا بد نصیبی ہے یہ کیسے بات کر رہی ہو تم؟“ انہوں نے اب کی بار کسی سے کہا تو وہ تو پھٹ پڑی۔

”جلی جائیں آپ یہاں سے آپ دونوں نے میرے ورنس ہو کر مجھے چیٹ کیا ہے اور آپ.....“ وہ کچھ دیر کی۔

”آپ نے مجھے سب کے سامنے ڈی کر رکھا کیا میں نے صاف اور واضح انکار کیا تھا لیکن آپ سب نے بابا کو س گائیڈ کیا اپنی خواہشوں کے لیے آپ نے میری ہیمنٹ دے دی۔“

”ڈونٹ مس بی یہ شہری تم آرام و سکون سے بیٹھ کر مجھ سے بات کرو۔“ انہوں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا لیکن وہ اور پیچھے ہوئی تھی۔

موبائل کو دیکھا اور پھر شہرینہ کو۔

”میں تم سے وابستہ رہا ہوں اب اس وقت مجھے کسی اہم میٹنگ میں جانا ہے۔“ شہرینہ نے نظریہ نظروں سے اٹھیں دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

”میں ملازمہ کو کہتی ہوں وہ یہ سب سمیٹ دے گی۔ تم اپنے آپ کو نازل کرو میں ناشتے کا کھد دیتی ہوں ناشتا کر لینا اس وقت جلدی میں ہوں آپ پر اس میں جلدی آنے کی کوشش کرنی ہوں پھر اس موضوع پر ڈسکس کریں گے۔“

انہوں نے حتی الوسع اپنے لہجے کو نرم رکھتے مسکرا کر کہتے شہرینہ کے گال پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ وہ لب بچ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

وہ دو تین منٹ مزید اس کے پاس کی لیکن شہرینہ کا ہنوز وہی انداز دیکھ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انہیں ٹیل ہو رہا تھا کہ وہ بڑوں کی خواہشات کی تکمیل کی خاطر شہرینہ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر چکی تھیں۔

شہرینہ کا رد عمل اس کے کمرے کی حالت اس کی روتی سوچھی سرخ آنکھیں۔ ان کا دل کوئی اندر ہی اندر مسل رہا تھا ان کا دل نہیں چاہا تھا میٹنگ میں جانے کے لیے لیکن یہ میٹنگ بھی ضروری تھی۔ عثمان فاروق کی پولیٹیکل سائیکس کا سوال تھا۔ اگلے سال الیکشن ہونے والے تھے ان کی اس طرح کی ایکٹیوٹیو عثمان کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتی تھیں۔

ان کے بچے ہمیشہ ملازمین کے جھوم میں گورنر کے ساتھ چلے بڑھے تھے لیکن وہ پھر بھی بچوں پر خصوصی توجہ دیا کرتی تھیں لیکن اب کچھ عرصے سے جب سے وہ ان سرگرمیوں میں کچھ زیادہ ہی انوالو ہوئی تھیں ان کا وقت گھر پر کم ہی کرتا تھا۔ وہ ہر روز کمپن نہ کہیں مدعو ہوتی تھیں ایسے میں وہ گھر پر توجہ نہیں دے پاتی تھیں۔ آفاق اور نیو شروع سے ہی بورڈنگ میں رہے تھے اس لیے ان پر فائقہ کی ان سرگرمیوں کا کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ جبکہ شہرینہ اسکول اتن تک بورڈنگ میں رہی تھی اس کے بعد کالج کوٹنگ اتن میں وہ فائقہ کی گھرائی میں رہی تھی۔ وہ اس پر خصوصی توجہ دیا کرتی تھیں اس کی ٹیلنگز پسند نہ پسند ہر چیز کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں انہوں نے اس سے بڑا دوستانہ سلوک روا رکھا تھا لیکن جب سے ان کی یہ سوشل سرگرمیاں بڑھی تھیں تو شہرینہ کی طرف توجہ کم ہو گئی تھی اور آج ان کو شدت سے ٹیل ہو رہا تھا کہ شہرینہ حد سے زیادہ انگریز

ہونگی ہے۔ وہ اس کی بہت سی منفی حادثوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں لیکن شہرینہ کے متعلق نظر انداز کیے جانے والی یہ پالیسی ان کو لگ رہا تھا کہ اب بہت خطرناک ثابت ہونے والی تھی۔ انہوں نے ملازمہ کو شہرینہ کے کمرے کی صفائی کرنے اور ناشتا اس کے کمرے میں پہنچانے کا کہا اور خود اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئیں جہاں ڈرائیور ان کی آمد کا منتظر تھا۔ انہوں نے موبائل پر عثمان کے پرسنل نمبر پر کال کی تھی، کال ان کے بیکٹری نے ریسیو کی۔

”میم..... سرتو میٹنگ میں بڑی ہیں میں ان کو یہ غلام دے دوں گا جیسے ہی وہ فری ہوئے کال بیک کر لیں گے“ سیکرٹری کا انداز مودب سا تھا۔

”اُس اوکے“ انہوں نے کال بند کر کے اپنے بیک سے اپنے سیاہ گاڑو نکال کر اپنی آنکھوں پر لگا لیے تھے۔ ان کا چہرہ بظاہر پرسکون تھا لیکن اندر ہی اندر ان کے دل و دماغ میں شہرینہ کو لے کر ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔



فائدہ کے جانے کے بعد اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے وجود سمیت اس کمرے کو آگ ہی لگا دے اس کے پیرش کو اس کی قطعی پروا نہ تھی۔ وہ کس حال میں تھی کسی کو کوئی خبر نہ تھی اس سے بے پناہ محبت کرنے والے اس وقت مکمل طور پر بے حس بنے اس کے احساسات و جذبات سے قطعی ناایدا تھیں بند کیے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے یا تو اس کمرے کو آگ لگا دے یا پھر اپنے وجود کو ملیا میٹ کر دے۔ ملازمہ اس کے کمرے کی صفائی کرنے آئی تھی اس نے ڈانٹ کر بھگادیا تھا اس کے بعد دوسری ملازمہ ناشتہ لے کر آئی تو اس نے اسے بھی ڈانٹ کر بھگادیا تھا۔ بیڈ پر پڑا اس کا موبائل بہت دیر سے نہ رہا تھا اب کی بار بجا تو وہ بہت غصے سے بستر کی طرف آئی تھی جہاں موبائل پڑا ہوا تھا لیکن رستے میں گھرے کا گچ پر اس کا پاؤں پڑا تھا۔

”کیسی.....“ وہ لڑکھڑکھ کر قالین پر وہیں تک گئی تھی۔ اس کے پاؤں سے خون کی ایک تیز دھار بہنا شروع ہو گئی اس نے لب و انتوں تلے دیا کہ پاؤں میں چھب چھب جانے والے شے کو نکالنا خون کی تیز دھار اسکن گھر کے قالین کو ایک دم نگین کرنے لگی تھی شہرینہ نے ضبط سے لب سمجھنے لیے تھے اس نے سائید ٹیبل کی دراز کھولی اور پھر اس میں سے شوکا رنگ کا کال کر اس میں سے

کافی بڑا شو بھاڑ کر اپنے پاؤں کے زخم پر رکھ کر اسے بدلایا تھا۔ تکلیف کی لہر اس اچھی تھیں لیکن وہ ضبط کر گئی تھی اس وقت جو بھانپتا تھا اس کے اندر جل رہے تھے ان کے سامنے یہ تکلیف تو کچھ بھی نہ تھی۔ وہ کچھ دیر پونبی شو سرخ رنگ سے رنگین کرتی رہی لیکن خون تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا اس کا موبائل بج بج کر خاموش ہو گیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر بستر پر دھرے اپنے موبائل کو اٹھایا۔ اسکرین پر زین شاہ کا نام دکھ کر اس کے اندر جلنے والے بھانپتا میں کچھ مزید شدت در آئی تھی۔ اس نے لب سمجھ کر موبائل بیڈ پر واپس اچھالا اور خود کھڑی ہو گئی تھی۔ اب کی بار وہ ٹوٹی ہوئی چیزوں اور کاغذ سے بچتے بچاتے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔

”زبیدہ..... زبیدہ.....“ وہ حلق پھاڑ کر چیختی تھی وہ لڑکھڑا کر چلتے چکن کی طرف آئی تھی۔

”جی جی..... چھوٹی بی بی جی.....“ اس کی اس قدر خوف ناک آواز پر زبیدہ فوراً بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی تھی۔

”فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ“ وہ لڑکھڑائی چکن میں داخل ہوئی تھی۔ زبیدہ اس کی لڑکھڑاہٹ اور بھرپور فری پر بننے والے سرخ نشان دیکھ کر ایک دم ہولکھڑائی گئی۔

”ہائے بی بی جی..... ایسا کیا ہو گیا؟“

”شٹ اپ“ وہ زبیدہ کو ڈانٹ کر چکن میں موجود ڈائنگ چیر سمجھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ”جو کہا ہے وہ کر ڈا بکس لے کر آؤ“ اس نے کافی سرد پن سے کہا تو زبیدہ کو ایک دم پیسے لگ گئے تھے غالباً شہرینہ نے اپنا دایاں پاؤں ڈائنگ ٹیبل کی دوسری کرسی پر رکھ دیا تھا۔ اس نے زخم دیکھا زخم بہت زیادہ گہرا نہیں تھا لیکن لمبا ضرور تھا شاید کاغذ نے کسی نرس کو چھوا تھا جو خون رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

زبیدہ باکس لے آئی تھی اس نے باکس ٹیبل پر رکھ کر فوراً کھولا شہرینہ کافی تھمڑا نہ تھی لیکن آج تو اس کا غصے سوا نئے سے پر تھا اس نے ڈرتے ڈرتے روٹی نکال کر شہرینہ کو دی اور پھر تیزی سے پاؤں میں پانی بھر کر لے آئی تھی۔ شہرینہ نے روٹی لے کر زخم صاف کیا اب زخم واضح تھا زخم کافی لمبا تھا اگر ٹانگے نہ بھی لگتے تو بھی چند دن لگ جاتے رکھ دینے میں۔ اس نے پانی ڈین کے کچھ قطرے پانی میں ملائے اور پھر پاؤں پاؤں میں ڈال دیا۔

”بی بی جی..... اگر زیادہ زخم ہے تو جیم صاحبہ کو کہیں“

ڈاکٹر کو بلا لیتی ہیں۔“ زبیدہ نے اسے مشورہ دیا جبکہ شہرینہ نے اسے گھور کے دیکھا تو وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

”سوری بی بی جی۔“ اس سے پہلے کہ شہرینہ کچھ برا بھلا کہتی اس نے غفلت میں فوراً کان پکڑ لیے تھے۔ شہرینہ نے سر جھپٹتے اپنے پاؤں کی طرف توجہ دی۔ اس نے کچھ دیر بعد پانی سے پاؤں نکال کر دوبارہ دیکھا پاؤں سے خون رشتا بند ہو چکا تھا جبکہ زبیدہ نے پریشان نظروں سے کچھ خون اور کچھ پاؤں دین لے پانی کی سرخی کو دیکھا تھا۔ شہرینہ نے پاؤں خشک کر کے اس پر آئینٹ لگا کر پٹی باندھ لی تھی۔ وہ سامان ویسے ہی کھرا چھوڑ کر کھڑی ہوئی تو زبیدہ نے فوراً ہاتھ تھاما۔

”میں کمرے میں چھوڑ آئی ہوں۔“ اس نے کہا لیکن شہرینہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔

”میں سہاروں سے چلنے کی عادی نہیں۔“ لہجے میں ایک زخم تھا زبیدہ اپنا سامان لے کر رہ گئی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر چلتے دروازے سے نکلے گئی تھی جب زبیدہ کی زبان پھر چلی۔

”آپ نے ناشیا بھی نہیں کیا پیگم صاحبہ دوبار کال کر کے پوچھ چکی ہیں۔ میں کچھ کھانے کو لے آؤں۔“ شہرینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی تھی۔ ملازمین کے ساتھ اس کا رویہ بھی ایسی قدر برا نہیں ہوتا تھا لیکن آج چونکہ وہ بہت غصے میں تھی تو وہ حد سے زیادہ بد مزہ بھی ہو رہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تھی، بستر پر بڑا موہاں پھرزور دشور سے بچ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا زین شاہ کا نمبر تھا اس نے موہاں اٹھا لیا۔

”بیٹو۔“ اس نے کال پک کر لی تھی۔

”کہاں ہو تم؟ جانتی ہو میں کب سے کال ملا رہا ہوں۔“

کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولا شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ وہ کسی بھی بات پر جھوٹ نہ بولنے والی اس وقت جھوٹ سے کام لے رہی تھی۔

ویسے بھی اس جھوٹ میں کافی حد تک سچائی تھی۔ اس وقت اس کے دل و دماغ کا جو موسم تھا اس نے سب کچھ خراب کر رکھا تھا ورنہ اس وقت کمرے کی جو حالت تھی وہ کسی عقل مند انسان کے سبب نہ تھی۔

”کہا ہوا؟“ دوسری طرف وہ مشکور سا پوچھ رہا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ افسردہ سی بولی۔

”پریشان لگ رہی ہو؟“ اس نے مزید پوچھا وہ ایسا ہی تھا

فوراً اس کی پریشانی بھانپ جاتا تھا۔

”تم سناؤ کیا کر رہے ہو؟“ اس نے بات بتائی۔

”کالج آیا ہوا تھا۔“ اس کی یہ ابھی بات تھی کہ وہ بات کے پیچھے نہیں پڑتا تھا مخالف اگر نہیں بتانا چاہتا تھا تو وہ بھی بات پلٹ دیتا تھا۔

”تم کب واپس آ رہی ہو اپنے کزن کی شادی سے۔“ اس نے مزید پوچھا۔

”ہم آج صبح ہی اسلام آباد آ گئے تھے۔“ اس نے بتایا۔

”آمیزنگ تو پھر کالج کیوں نہیں آئیں؟“

”کہاناں طبیعت ٹھیک نہیں۔“

”اودہ..... شادی کی مصروفیات میں انسان ویسے بھی تھک ہی جاتا ہے خیر فیک یور ریٹ۔ کل پھر کالج میں ملے ہیں کیا خیال ہے؟“

”ہمم.....“ اس نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔

”اوکے ہائے۔“ اس نے کال کاٹ دی تھی۔ شہرینہ نے بھی ایک گہرا سانس لیتے موہاں بستر پر پھینک دیا تھا وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ پاؤں کے درمیان اضافہ ہو رہا تھا لیکن اسے قطعی پروا نہ تھی وہ واپس کمرے سے باہر آئی تھی۔

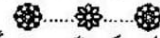
زبیدہ اسے کہیں دکھائی نہ دی تھی وہ شاید اپنے کوارٹر کی طرف جا چکی تھی۔ وہ لاؤنج میں آئی تھی اور ای سی ڈی آن کیا مختلف چینلوں اسپیڈ سے بدلے بھی اس کے اندر کی کڑواہٹ نہیں ختم ہو رہی تھی۔ غصے میں آکر اس نے ریورٹ کنٹرول قائلین پر پھینک دیا۔ وہ واپس کمرے میں آئی الماری سے اپنا شوئرز بیگ نکال کر اسٹیڈ سے گاڑی کی چابی چینی اور جوتوں والے ریک سے اس نے فلیٹ جوتوں میں سے ایک آرام دہ جوتا نکال لیا کیونکہ یہ جوتا اس کے پاؤں کے زخم کو زیادہ تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی تو لان میں زبیدہ دکھائی دی تھی وہ لان میں جھاڑو لگا رہی تھی اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اسے نظر انداز کرتے اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ انجین میں چابی تھاتے اس نے زبیدہ کو دیکھا تھا وہ شیش و شیش میں گھری اسے دیکھ رہی تھی اس نے انگلی سے اشارہ کیا تو وہ قریب آ گئی۔

”کیا بات ہے ایسے کیوں کھور رہی ہو؟“ اس کا انداز حکم آمیز تھا۔

”وہ کچھ نہیں بی بی ویسے ہی.....“ وہ گھبرا گئی۔ ویسے بھی وہ

شہرینہ سے ہمیشہ خائف ہی رہتی تھی شہرینہ کے تیروں کا کچھ
پتا نہیں چلا تھا بل میں تولہ میں ماس۔
”تو ہمارے سے“ شہرینہ کا انداز ابھی بھی ڈانٹنے والا
تھا۔ وہ فوراً بک کر راستے سے ہٹی گئی۔ وہ گاڑی گیٹ کے پاس
لے آئی تھی چوکیدار نے اس کے اشارے پر گیٹ کھول دیا تھا وہ
زن سے گاڑی گیٹ سے نکال کر لے آئی تھی۔



فاقہ اس لہڑی کلب کی میٹنگ میں آ تو گئی تھیں لیکن ان
کا ذہن ابھی بھی گھر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ شہرینہ کی ناراضی کی
وجہ ایسی تھی کہ وہ اس معاملہ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔
انہوں نے دوبار گھر کال کی تھی زبیدہ نے بتایا تھا کہ نہ ہی اس
نے کمرہ صاف کرنے دیا اور نہ ہی ناشتا کیا تھا۔ ان کی پریشانی
مزید بڑھی تھی انہوں نے ارد گرد موجود خوش باش چمکتے دیکتے ہر
فکرمینشن سے فارغ الحال چہروں والی ان خواتین کو دیکھا۔ یہ
ابلیٹ کلاس کی خواتین تھیں جن سے اپنے گھروں کے مسائل تو
حل نہیں ہوتے تھے لیکن خواتین کے حقوق کے تحفظ کا ایجنڈا
لیے اس کلب میں جمع تھیں۔

فاقہ کی بیزاریت بڑھنے لگی تھی اس کلب میں عثمان
فاروق کے کہنے پر وہ آج رکی تھیں۔ عثمان فاروق اور مسز فاروق
کو ابز آگسٹ انویٹیشن ملا تھا عثمان تو اپنے ٹیٹ اور بڑی
شیزڈل کے سبب نہیں جاسکتے تھے لیکن انہوں نے فاقہ کو
جانے کا کہہ دیا تھا انہوں نے اسے موبائل پر انتہائی بیزاریت
سے ٹائم دیکھا یہاں آئے انہیں ٹین گھسنے ہو چکے تھے انہوں
نے انتہائی کوفت زدہ نگاہوں سے کلب کی کرتا دھرتا کو دیکھا تھا
وہ بڑی روانی سے اپنے کلب کے اغراض و مقاصد بیان کر رہی
تھیں۔ ان کا دل ایک دم اوب گیا تھا انہوں نے موبائل پر
شہرینہ کا نمبر ڈائل کیا لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی ناٹ
رسانڈ ٹیک تھا انہوں نے گھر کے نمبر پر کال کی زبیدہ نے کال
رہنہ سب کو کی تھی۔

”سب ٹھیک ہے؟“ وہ چاہ کر بھی مکمل طور پر ایک
سیاستدان شوہر کی سیاسی بیوی نہ بن پارہی تھیں۔ ایسی محافل
اور تقریبات میں آ کر بھی ان کا دھیان اپنے گھر اور اپنے بچوں
میں ہی اٹکا رہتا تھا ان کے اندر کی گھریلو عورت ابھی زندہ تھی۔
”جی بیگم صاحبہ۔“
”شہری نے ناشتا کر لیا ہے کیا؟“ ساتھ والی عورت نے

انہیں دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
”نہیں بیگم صاحبہ۔“

”اوہ۔“ فاقہ کے دل میں ہوک اٹھی تھی۔ شہرینہ جب بھی
ناراض ہوتی تھی ان کے ضبط کو اسی طرح آزمائی گئی۔
”کہاں ہے وہ؟ بات کرو اور مجھ سے کال پک نہیں کر رہی
وہ میری۔“ ان کی آواز دھیمی تھی۔
”لیکن وہ تو جا چکی ہیں۔“ زبیدہ نے کہا۔

”کہاں؟“

”پتا نہیں۔“

”کیوں تم نے پوچھا نہیں۔“ ان کے لہجے میں ترشی شامل
ہوئی تھی۔

”وہ جی ہماری کب سنی ہیں۔“ وہ بے چارگی سے بولی۔
”اوہ۔۔۔۔۔“ فاقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اپنی ناراضی اور
ضدی پن میں وہ اپنے حقیقی رشتوں تک کی نہیں سنی تھی یہ تو پھر
ملازم تھے۔

”بیگم صاحبہ شہری بی بی کا پاؤں زخمی ہو گیا تھا اتنا خون
بہا تھا اتنا بڑا کٹ لگا تھا۔“ وہ بتا رہی تھی اور فاقہ ایک دم
پریشان ہو گئیں۔

”مائی گاڈ کیسے زخم لگا؟“ ان کی آواز قدرے بلند ہوئی۔
”پتا نہیں مجھے تو انہوں نے ڈانٹ دیا تھا پھر خود ہی مرہم
پٹی کر لی تھی میں نے کہا بھی تھا کپ کپ کو کال کروں یا ڈاکٹر کو
بلا لیں تو بھی ڈانٹ دیا تھا۔“
”آف۔۔۔۔۔ ایک تو یہ لڑکی بھی ناں۔“ ان کے دل پر
بو جھ بڑھا۔

”کب آئے گی کچھ بتایا اس نے؟“ انہوں نے دھیمے
سے پوچھا۔
”نہیں بی بی جی۔“

”ٹھیک ہے اس کی کرے کی اچھی طرح صفائی کرو اور
احتیاط سے اور خیال رکھنا کرے میں قائلین پر کوئی کاغذ بھی
باقی نہ رہے نئے پوتے نکال کر لگا دینا اور بیڈ پیس بھی بدل
دینا۔“ ان کے اندر کی ٹھیک ٹھیک گھریلو عورت پھر ایک دم بیدار
ہوئی تھی۔

”جی بی بی جی۔“ انہوں نے زبیدہ کو چند ایک اور ہدایات
دیں اور پھر کال بند کر دی۔ ساتھ براجمان خاتون نے انہیں بھر
دیکھا تھا۔

معروف صحابی اصحاب اللہ مشرق احمد قریشی ایک اور مرکز الانا تالیف

امام احمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ، سرواہل سنت اور فقہ حنفی کے بانی ہیں
حنفی فقہ کے بانی امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی سیرت حیات اور ان کی فقہی زندگی اور کام کے بارے میں ایک مختصر جائزہ

امام احمدؒ

حیات فقہی کا نام

تألیف و تالیف: مشرق احمد قریشی ♦ ہدیہ ایک سو پچاس روپے

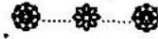
منہجہ کتب

پتہ: افق روپ آف کتب، 7 فروری، برآمدہ، لاہور، پاکستان، فون: 74400/2-35620771-021

اسلامی کتب خانہ احمد مارکیٹ، غزنوی روڈ، لاہور، فون: 37116257-042

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں، بس میری بیٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں تو گھر کال کی تھی۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور اپنا رخ دوسری خواتین کی طرف کر لیا، ان کا ارادہ اب کچھ منٹ بعد یہاں سے روانہ ہونے کا تھا۔



وہ راکٹ آئی اور اس نے وہاں سے کافی سارا سامان خریدا تھا، کچھ کھانے پینے کی چیزیں، کچھ کپڑے اور کچھ کھلونے لیے تھے۔ وہ یہ سارا سامان لے کر گاڑی میں آ بیٹھی پھر گاڑی ڈرائیو کرتے ایک خاص سمت کی طرف آ گئی۔ کافی رقبے پر پھیلی ہوئی اور جدید طرز کی بنی دو منزلہ بلڈنگ کے سامنے اس نے گاڑی روک لی تھی۔

”دارالاطفال“ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں آ کر وہ ہمیشہ بہت سکون محسوس کیا کرتی تھی۔ یہاں کے بچے اس سے بہت مانوس تھے چونکہ دار نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر سلوٹ کیا اور گیت کھول دیا شہرینہ اندر چلی آئی۔ وہ مہینے میں ایک دو بار یہاں ضرور آتی تھی یہاں کی انتظامیہ اس کے آنے جانے سے بہت خوش ہوتی تھی۔ بچے لان میں کھیل رہے تھے۔

”شہری آئی آگئی..... شہری آئی آگئی.....“ وہاں ہر طرف شور بلند ہوا، بچے بھاگ بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ وہ محبت و شفقت سے سب بچوں سے شیک ہینڈ کر رہی تھی۔ لاسٹ سمسٹر میں اسے سوشل ورک کے حوالے سے ایک پراجیکٹ ملا تھا وہ کل پانچ مہینے تھے جن میں ایک زین شاہ بھی تھا۔ انہوں نے چیرائی شو کا انعقاد کیا تھا اور کافی ساری رقم جمع کی تھی بہت سے لوگوں نے تعاون کیا تھا، کچھ خیر حضرات نے چاہلی کے لیے کافی رقم دی تھی کچھ نے واقعی اللہ کے خوف سے رقم دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ تمام رقم کان کونسل کے تحت مختلف اداروں کو دے دی تھی، جن میں سے ایک دارالاطفال بھی تھا۔

جب وہ رقم دینے کے لیے اپنے گروپ کے ساتھ یہاں آئی تھی، مختلف تحائف اور بیکیٹس لے کر تو یہاں کی انتظامیہ نے ان سب کا کافی بڑا جوش انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔ باقی ادارے ان کا سوشل ورک شہرینہ کو ملحق متاثر نہ کر سکا تھا لیکن اس ادارے میں موجود بچوں اور ان کے لیے کیا جانے والے کام نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ یہ ادارہ دو بڑے میاں بیوی

کا تھا ان کے پاس کافی رقم تھی اور کچھ زمین بھی لیکن بڑھاپے کا سہارا اولاد نہ تھی۔ انہوں نے ایک یتیم خانے سے دو بچوں کو اڈاپٹ کیا تھا لیکن بڑا ہونے کے ساتھ اپنی زندگیوں میں سیٹل ہونے کے بعد وہ دونوں ان بڑے میاں بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے ان دونوں کے رد عمل نے ان کے دل کو توڑ توڑ ضرور دیا تھا لیکن ان کے عزم کو نہ توڑ سکے تھے۔ انہوں نے اپنی دولت و جائیداد کسی نیک کام میں لگانے کے لیے اس ادارے کی ابتدا کی تھی شروع میں انہوں نے صرف چند یتیم بچوں سے آغاز کیا تھا اس کے بعد ایک چھین سی بیٹی کی اور بھی خیر حضرات نے تعاون کرنا شروع کیا تو بہت سے مستحق بچے اس ادارے میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ لوگ صرف خدمت خلق سمجھ کر ثواب کی نیت سے یہ خدمت سرانجام دے رہے تھے اور شہرینہ کو ان کی یہی بات سب سے زیادہ اچھی لگتی تھی۔ شروع شروع میں وہ محض مدد کے خیال سے آتی تھی وہ پاپا کی سیلپ سے ان لوگوں کو کافی کچھ ڈونٹ کر چکی تھی پھر جیسے یہاں آنا اس کے لیے ذہنی سکون کی وجہ بننا چلا گیا تو وہ اکثر جب بہت زیادہ پریسڈ ہوتی تو یہاں آ جایا کرتی تھی۔

اس وقت بھی وہ بچوں سے مل کر کچھ بیکیٹس ہوتی تھی اس نے بچوں کو چیزیں بانٹنا شروع کر دی تھیں کھلونے، کپڑے، کھانے پینے کی چیزیں بچے بہت خوش تھے۔ وہ کچھ دیر انتظامیہ کے پاس رہی پھر بچوں کے ساتھ بلڈنگ کے احاطے میں ہی بنے لیے گراؤنڈ میں آ گئی تھی۔ بچوں کے ساتھ مل کر چھوٹی موٹی سرگرمیاں سرانجام دیتے اس نے اپنے ذہن کو مصروف رکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں وہ عصر تک رہی تھی اس کا موبائل بند حالت میں اس کے بیگ میں بڑا ہوا تھا۔

وہ گزرے واقعات کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن لاہور میں گزرے دن، فتن کے ساتھ ہونے والی جھڑپیں اور خصوصاً نکاح کا واقعہ بار بار ذہن کی سطح پر جھلگانے لگا تو اس کے لیے اپنے احساسات و جذبات پر قابو رکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

عثمان فاروق تو اس کے آئیڈیل انسان تھے اس کی جڑ چھوٹی بڑی بات کو اہمیت دینے والے چھوٹی بڑی بات کو خیر مقدم کرنے والے اس وقت مکمل طور پر بے حس انسان بن گئے تھے جن کے نزدیک صرف اور صرف اپنے بڑوں کی خواہشات اور فیصلے اہم تھے۔ وہ عثمان فاروق کے اس دونوں کا انداز کو لے کر ابھی تک بے یقین تھی۔ وہ ابھی طرح جانتی تھی کہ عثمان

فاروق اس کی ناراضی سے بہت اچھی طرح باخبر تھے۔ اس کے اندر کی توڑ پھوڑ انہیں صاف دکھائی دے رہی تھی اس کے باوجود انہوں نے دوبارہ اس سے اس معاملے پر کچھ کہنا تو دور کی بات اس سے ہم کلام ہونا بھی گوارہ نہ کیا تھا۔

وہ بہت تکلف میں تھی اس کی مرضی و خواہش کے برعکس اسے ایک ایسے شخص سے منسلک کر دیا گیا تھا جیسے پسند کرنا تو دور کی بات وہ اسے اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا کو کھسکھس کر دے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز کو گنگا لگا دے۔

عصر کے بعد بچوں کو اللہ حافظ کہتی وہ دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ گھر واپس جانے کا اس کا دل نہیں کر رہا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکال کر آن کیا تو فائفٹھ کے لائٹ ہاؤس پر تھی۔

”دیر آ رہی ہے؟“ آئی ایم سوری پلیز شہری پک مائی کال۔۔۔۔۔ آ رہی ہوں؟۔۔۔۔۔ پلیز آن یور نمبر۔ اس نے غصے سے سب میسجیز ڈیلیٹ کر دیئے۔ وہ اس وقت کسی سے بھی رابطے میں نہیں رہنا چاہتی تھی اس نے انکیشن میں چابی تھما لی اور ایک انجانی سٹ کی طرف گاڑی موڑ دی تھی۔



فائفٹھ از حد پریشان تھیں، ٹیپاچی روٹین کے مطابق اٹھا اور وہ دوستوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ فائفٹھ شدت سے شہرینہ کی منتظر تھیں۔ انہوں نے نئی بار اس کے نمبر پر فرائی کی لیکن اس کا نمبر ہی بند تھا۔ انہوں نے میسج سینڈ کیے اور پھر شہرینہ کے آنے کی منتظر رہیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کی آمد کے کوئی آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔ انہوں نے چند بار عثمان سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ بہت بڑی تھے اور کال ان کے سیکرٹری نے ریسید کی تھی۔ ان کی طرف سے ٹا امید ہو کر انہوں نے لاہور کال کی۔ فائفٹھ سے بات کی اور پھر راناں سے اماں بی ابھی بھی وہیں تھیں انہوں نے پچھون مزید وہاں رکنا تھا۔

”شہری جی کیسی ہے؟“ انہوں نے پوچھا تو فائفٹھ نے تمام بات انہیں بتا دی۔ شہرینہ کے تمام رکی انکیشن اور رد عمل سمیت۔

”اچھا۔۔۔۔۔!“ وہ دوسری طرف افسردہ ہوئی تھیں۔ انہوں نے تو یہ سب فلن اور شہرینہ کی بہتری کے لیے کیا تھا۔

”تم کہو تو میں بات کروں شہری جی سے۔“

”وہ ہم سب سے بے حد بدگمان ہو چکی ہے اسے کچھ بھی کہنا سننا بے کار ہے وہ جذباتیت کی جس سطح پر ہے وہاں وہ ہمیشہ اپنا نقصان کرتی ہے کسی کی ایک بھی نہیں سنی۔“ لیکن میں نے تو یہ سب دونوں کی بہتری کی خاطر ہی کیا تھا۔

”مجھے نہیں علم فلن اور اس کے درمیان ایسا کیا ایسا ہوا ہے جو وہ اس قدر ہاتھ پور رہی ہے اماں بی عثمان سے تو وہ ویسے بھی کچھ نہیں کہے گی لیکن اس کی ناراضی کا سارا نزلہ مجھ پر ہی گرے گا۔“

”میں آ جاؤں کچھ دن کے لیے مجھ سے تو وہ ویسے بھی بڑی محبت کرتی ہے پس اس رہ کر پیار و محبت سے بات کروں گی تو شاید سمجھ ہی جائے۔“

”آپ پلیز آ جائیں ان حالات میں وہ مجھ سے تنہا پینڈل نہیں ہونے والی۔ عثمان کا اتنا تلف شید دل ہے وہ گھر پر ہی اتنا کم رہتے ہیں اس سے بات کرتے وقت بھی دو نوک انداز ہوگا جو اب شہری کی بجائے مزید بگڑے گی۔“

”میں رکھو شایان اور زویہ کے سکھاؤں کی رسم مکمل ہوگی وہ ہو جائے تو میں ایک دو دن میں آ جاؤں گی۔“ فائفٹھ نے ایک سکون بھر سانس لیا۔

انہوں نے پچھون پر اور بات کی پھر کال بند کی تو وقت دیکھا مغرب کا وقت ہو رہا تھا مغرب کے بعد گیٹ پر گاڑی کا پارکن گونچا تو اسے کمرے میں موجود فائفٹھ کو لگا کہ جیسے ان کی سانس میں سانس آئی ہو۔ وہ غلط میں کمرے سے نکل اور فوراً باہر آئی تھیں۔ شہرینہ گاڑی کھڑی کر کے اندر آ رہی تھی اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔

”کہاں تھیں تم؟“ فائفٹھ نے اسے رستے میں ہی روک لیا۔ اس نے ابھی نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور پھر جواب دینے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

”شہری واٹ از اس؟“ انہیں اس کا رویہ بہت کھل رہا تھا، شہرینہ کے بغیر لڑکھڑا کر چلتے اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی اس نے دروازہ کھولا تو سامنے صاف سترہا سنا سنا یا کمرہ منتظر تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی فائفٹھ بھی پیچھے ہی تھیں۔

”پاؤں کو کیا ہوا ہے؟“ اس نے کی چین اور بیک بستر پر اچھالا اور خود بھی بستر کے کنارے گزرنے والے انداز میں بیٹھی تو

السلام علیکم

FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور چیچ پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

”مجھے آپ سے“

”مجھے آپ سے بات نہیں کرنی سو پلیز ڈونٹ ویسٹ یور
ٹائم۔“ اس نے جواباً غصے سے کہا۔

”آپ سب لوگ دھوکے باز اور جھڑپیں ہیں میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا اور پایا مجھے ان سے یہ امید نہ تھی اس قدر بے یقین ہو کر خواتین کے حقوق و فرائض کی بات کرنے والے پہلے ہی گھر میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں ان بلیو ویل۔ پایا ڈیویجک ہیں آپ کے پینشنسٹ اپروچ کئے گئے والے سیاسی انسان لیکن انہوں نے تو رشتوں میں بھی سیاست شروع کر دی۔ میں ان کو انڈیل مانتی تھی اور انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا میری رضامندی جانتا تو دور کی بات لیکن مجھے بتانا تک گوارا نہ کیا۔ میں گاڈ کی پٹی بڑھی ایک جاہل سا ایک گڑباز رکھنے والی، بھیڑ بکری نہ تھی جسے مرضی سے کھوٹنے سے باندھ دیا اور پورا حوالہ میں میں تک نہ کرے ان بلیو ویل۔“

دہلی نہیں چھوٹی تھی ایک فتنہ سے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اس کے اس بستر کے کنارے ٹپک گئی تھی۔

وہ بھتیجی تھی کہ جو لوگ دوسروں کے سامنے روتے ہیں وہ بے فکری کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں اور وہ کبھی کمزور نہیں پڑتا جانتی تھی اس وقت بھی لب بھتیجی کہ اپنے ضبط پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی۔

”ایم سوری بیٹا.....“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ لگا کر کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے اماں بی سے بھی شکوہ ہے وہ سب جان کر بھی

”اب جو ہوتا تھا ہو گیا اٹن اب اس لڑکا دنیا ہے
تہارے پایا کو وہ ویسے بھی بہت پسند ہے۔ اٹن بی تجلت کا
مظاہر نہ کر سکتی تو بھی انہوں نے تمہاری شادی اٹن سے ہی
کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔“ قافلہ نہ کیا تو شہر نہ دے دم وغصے
سے انہیں دیکھا۔

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہر مصیبت و تکلیف کو نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر کے بالکل مایوس ہو کر ہاتھ رہا ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ باپا اور اماں بی کو اپنا بیہ فیصلہ واپس لیتا ہو گا ورنہ.....“ اس ”ورنہ“ کے بعد بشر بیہ کے انداز میں ایک فیصلہ کن کیفیت اور سفاکی بھی ظاہر اس کے چہرے کا کال پین دیکھ کر اندر ہی اندر خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

”تم ٹیچمن نہ لوئیں تمہارے پیپا سے بات کروں گی۔“ انہیں شہر نہ کو اس وقت سمجھا نے سے زیادہ نارمل کرنا زیادہ بہتر لگا تھا۔ جو فیصلہ بڑے کر چکے تھے اس کو اب بدلانا ناممکن ہی تو تھا لیکن شہر نہ کو سمجھا لینا اس سے بھی زیادہ ناممکن تھا، فی الحال وہ اسے ذہنی طور پر سہہ سکون رکھنا چاہتی تھیں۔ نکاح ہو چکا تھا اور اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا سو انہوں نے شہری کو ہی ذہنی طور پر ہنڈل کرنے کی کوشش کی تھی۔

شہرینہ نے خاموشی سے آنکس دیکھا اور پھر اٹھ کر اس روم میں چلی گئی۔ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہرینہ کو سمجھانا جان جو کھوں کا کام تھا اپنے باپ کی طرح وہ بھی حد سے زیادہ احتیاط پسند طبیعت کی مالک تھی۔

”نجانے یہ اونٹ اب کس کروٹ بیٹھنے والا ہے۔“
انہوں نے واش روم کے دروازے کو گھورتے بڑی اذیت
سے سوچا تھا۔

عثمان رات گئے کھڑے تھے انہوں نے شہرینہ کا سرسری سا بوجھا تھا۔ شہرینہ اپنے کمرے میں بیٹھتی، صدف شکر کا اس نے کھانا کھا لیا تھا۔ ملازمہ اس کا کھانا اس کے کہنے کے مطابق کمرے میں ہی دے آئی تھی۔ عثمان لیٹ آئے تھے، ذرہ

کر کے آئے تھے۔ وہ سخت تھکے ہوئے تھے وہ سیدھا کرے
کی طرف آگئے تھے کچھ دیر بعد وہ بستر پر لیٹے تو فائقہ بھی
شب خوابی کا لباس پہن کر ان کے پاس آئی تھی۔
”میں نے آج سارا دن کئی پائپ کو کال کی تھی۔“ انہوں
نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”پائپ بیکٹری نے بتایا تھا۔“
”کم از کم کال بیک ہی کر لیتے۔“ انہوں نے سنجیدگی سے
کہا تو عثمان نے سرسری نگاہ سے اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی خوب
صورت کی بیوی کو دیکھا۔ اس قدر خوب صورت بیوی ہونے
کے باوجود نہ بھی ان کے چہرے کا رنگ بدلتا تھا اور نہ ہی ان
کے جذبات میں تلاطم برپا ہوا تھا۔ وہ فائقہ کے معاملے میں
خود کو بہت سرد مہموس کرتے تھے اس وقت بھی انہوں نے
ایک ہل دیکھنے کے بعد انھیں موندی میں اور فائقہ نے بے
بسی سے شوہر کو دیکھا۔

دنیا ان کو ایک آئیڈیل کہل چکی تھی اس میں کوئی شک بھی
نہ تھا نہ ہی ان کی وجاہت میں کوئی کمی تھی اور نہ ہی فائقہ کی
خوب صورتی و سوبرین میں۔ وہ دنیا کے سامنے ایک محبت
کرنے والے کہل کے طور پر آئے تھے لیکن اندر سے دونوں
کیا تھے یہ بھی کوئی بھی نہیں جان سکا تھا۔ نہ بہت زیادہ محبت
کرنے والے والدین اور نہ ہی فائقہ سے بروقت رابطے
میں رہنے والے۔

”میں بڑی تھا میرے پاس وقت نہیں تھا۔“ کچھ توقف
کے بعد جواب دیا۔
”کوئی اہم کال بھی ہو سکتی تھی۔“ فائقہ نے پھر پتھر
سے سر پھوڑا۔

”اس وقت میں بہت تھک چکا ہوں تم اپنی ان
شکایت کا پنڈورا باکس پھر بھی کھول لیتا۔“ وہ کروٹ بدل
گئے انداز لگتی تھی۔

”میں شکایت لے کر نہیں آئی اپنی ذات سے متعلق کچھ
کہتا تو میں نے سیکھا ہی نہیں۔“ ان کے اندر بھی ایک ابال اٹھا
تھا۔ کروٹ بدل کر لیٹے عثمان فاروق کی آنکھیں کھل گئی تھیں
تاہم کروٹ ابھی بھی برقرار تھی۔
”تو پھر؟“

”آپ کی اولاد سے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔“ فائقہ کا
منہ کمال کا تھا عثمان فاروق نے پلٹ کر دیکھا فائقہ از حد

سنجیدہ تھیں۔

”کیا کہنا چاہتی ہیں؟“

”شہری کے بارے میں کہنا ہے۔“

”کیا ہوا ہے شہری کو۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اعزاز اب بھی
سنجیدہ ہی تھا۔

”وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے اس نے صاف کہہ دیا
ہے مجھ سے اور نہ ہی اس رشتے کو قبول کرتی ہے بلکہ وہ اس
رشتے کو ختم کرنے کا کہہ رہی تھی۔“

”تو آپ نے اسے سمجھایا نہیں؟“ ان کا انداز طنزیہ تھا۔
فائقہ کے اندر ان کے طنز نے جیسے ایک بھانپنا سا جلا دیا تھا۔

”وہ اس عمر سے نکل چکی ہے جب میرے بھائی باپ دیے
سے بہل جاتا کرتی تھی۔“ انہوں نے چند لمحوں کے فاصلے کو دیکھا۔

”کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟“ فائقہ نے ایک گہرا
سانس لیا۔ لیکن جیسے ہر لحاظ سے مکمل انسان کے رشتے سے
انکار وہ کیا کوئی بھی یہ سوچ سکتا تھا۔

”میری شہریت سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔“
”تو کریں فائل بات کریں اس سے۔“ خواجہ کوئی بھی

ایسے اچھے رشتے سے انکار نہیں کر سکتا جب سامنے کوئی وجہ نہ
ہو۔ ”عثمان کے الفاظ میں پھر کوئی طنز تھا فائقہ کے اندر چلنے
والے بھانپنا میں ایک دم شدت آتی تھی۔

”میں اس سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکتی۔“
”کیوں؟“ وہ خاموش رہیں عثمان طنزیہ مسکرائے۔

”شاید آپ کو اپنی تربیت پر شک ہے جو اس سے اس سلسلے
میں بات کرنے سے گھبراہٹ رہی ہیں۔“

”پلیز عثمان۔“ عثمان کے اس طنز پر ان کے اندر کی عورت
ایک دم شدت سے چھٹی تھی وہ ایک دم بے سکون ہوئے تھے۔
فائقہ کو اس طرح اذیت پہنچانے میں شاید ان کی کسی اندرونی
حس کو تسکین ملتی تھی۔

”یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں شہری سے آپ
سے بھی زیادہ محبت کرتی ہوں اتنی محبت تو میں نے بھی آفاق
اور نیچو سے بھی نہیں کی۔ آپ شہری سے میری محبت پر شک نہیں
کر سکتے۔“ انہوں نے مطمئن نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

”تو پھر شہریت سے اس سلسلے میں بات کریں اس سے
لیکن کو رو کرنے کی وجہ پوچھیں اور ہاں یہ اچھی طرح سمجھا دیں
کہ لیکن اب اس کا شوہر ہے۔ ہم نے دونوں کا رشتہ ساری عمر

محبت تو بڑے بڑوں کو رام کر لیتی ہے وہ تو پھر نرم و نازک احساسات و جذبات والی ایک حامی کی بنی ہے۔“ فائقہ نے ان کے اس طنز پر انداز پر لب لہجے سے لہجے سے کہہ کر مٹ بدل کر آنکھیں بھی بند کر چکے تھے اب ان سے کچھ بھی کہنا سننا بے فائدہ تھا۔ وہ سوچ نظروں سے ان کو بس دیکھ گئی تھیں۔

”مجھے خینا رہی ہے پلیز لائٹ آف کرویں۔“ انہوں نے کہا تو فائقہ ایک گہرا سانس لیتے لائٹ آف کرتے بستر سے اتر گئی تھیں۔

شہرینہ دس بجے تک کمرے سے نکلی تو فائقہ اس کے کمرے کی طرف آگئی تھیں کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا کڑکیوں پر بڑے بڑے اس طرح برقرار تھے انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر کمرے کے کھٹے کھٹے سے ماحول کو محسوس کیا تو آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی تھیں۔ کڑکیوں سے پردے ہٹائے تو جیسے سورج کی تیز روشنی سے کمرے کی چار دیواری ایک دم ختم ہوئی تھی۔ فائقہ شہرینہ کی طرف آئیں وہ آنکھوں پر بازور کھے لیٹی ہوئی تھیں انہوں نے جبک کراستے نکارا تو وہ نہ بولی۔ انہوں نے بہت آوازیں دیں تو اس نے آنکھیں کھول کر ان کو دیکھا۔

”کیا بات ہے ابھی تک اٹھی نہیں؟“ انہوں نے پوچھا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی اس کی آنکھیں ابھی بھی سوچتی ہوئی تھیں یقیناً وہ رات بھر روتی رہی تھی۔ فائقہ کے اندر شدید قسم کا غم پیدا ہوا تھا انہوں نے شفقت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے ان کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

”اُسی درجیک تم بھی نہیں سوئیں تیں اور آج سناڑے بھی نہیں تو سوچا دیکھ لوں۔“ شہرینہ اٹھ کر بیڈ کے کراڈن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

”بایا گھر پر ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں وہ تو آج صبح ہی نکل گئے تھے۔“

”رات کو کب آئے تھے؟“

”کوئی گیارہ بجے کے قریب آئے تھے۔“

”آپ نے ان سے بات کی؟“ اس نے بغور دیکھتے پوچھا

تو فائقہ نے ناگاہی چہرے پر

”وہ کافی تھکے ہوئے تھے ذرا بھی باہر سے ہی کر کے آئے تھے“

”موقع ہی نہیں مل سکا بات کرنے کا۔“ شہرینہ نے بغور

کے لیے جوڑا ہے یہ ہمارے کسی ایک لمحے کی بھول نہیں ہے اور نہ ہی ہم نے جذبات میں آ کر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ لہذا بی اور فائزہ بھائی دونوں نے ہمیں کسی پردے میں نہیں رکھا۔ لیکن اور شہری کے درمیان ہونے والی تمام جھڑپوں کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا اور یہ بھی کہ رشتہ خانوں کا بغور جائزہ لیا تھا اور فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اور شہرینہ کا رشتہ طے کرنا ہم سب کا آج یا کل کا نہیں بلکہ کافی سال پہلے کا فیصلہ تھا۔ اماں جی نے مجھے اعتماد میں لیا تھا ان کا خیال تھا کہ اس سے پہلے کہ دونوں کے درمیان بدگمانیاں یا اختلافات مزید بڑھیں ہمیں دونوں کا نکاح کر دینا چاہیے۔“ عثمان صاحب نے تفصیلاً بتایا۔ وہ اپنے فیصلے اپنے دل کی باتیں یا اپنے طے کردہ فیصلے کسی سے ڈسکس نہیں کیا کرتے تھے حتیٰ کہ فائقہ سے بھی نہیں لیکن وہ ابھی انہیں بتا رہے تھے۔ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا بھی وہ شہرینہ کے رویوں پر اس قدر خاموش تھے ورنہ بی کی چھوٹی سے چھوٹی بات اور حرکت کو وہ ضرور نوٹ کیا کرتے تھے۔

”آپ یہ سب مجھے بھی بتا سکتے تھے؟“ فائقہ کے دل میں عجیب سی غلطی پیدا ہوئی۔

دونوں بظاہر بہت خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے لیکن دونوں کی زندگی نئی کے دوپاٹ تھے جو کبھی مل نہیں سکتے تھے۔

”تو آپ کیا کر لیتیں؟ نکاح کی جگہ ان کی رخصتی کروا دیتیں۔“ ان کا انداز اب پھر طنز پر ہوا۔

فائقہ نے شکوہ کنناں نظروں سے عثمان فاروق صاحب کو دیکھا لیکن شاید وہ ان نظروں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے یا سمجھ کر انجان بن جاتے تھے۔

”بہر حال اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ شہری کو اس رشتے کے لیے قائل کریں ہم نے یہ رشتہ توڑنے کے لیے نہیں جوڑ کے لیے بنایا ہے اور یہ بات شہری کو بھی اچھی طرح سمجھا دیں میں بار بار وضاحتیں پیش کرنے کا عادی نہیں ہوں یہ خری اور فاضل گفتگو کی اب شہرینہ آپ کا ہیڈک ہے اس سلسلے میں کوئی ایکسکس نہ نہیں سنوں گا۔“ وہ فطری انداز میں کہہ کر بستر پر دراز ہو گئے تھے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اب اس ٹاپک پر قطعی بات نہیں کریں گے۔

”اگر شہرینہ نہ مانی تو.....“ وہ خائف تھیں۔ شہری کے رویوں سے اس کے ضدی اور دو ٹوک انداز سے۔

”حیرت ہے آپ تو اس سے بے پناہ محبت کی دعویدار ہیں“

دیکھا اس کے اندر شدید تھلاہٹ سی پیدا ہوئی تھی۔

”وہ واقعی اتنے بے حس ہیں یا بن گئے ہیں میں ابھر شدید ٹینشن میں تڑپ رہی ہوں اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ آ کر مجھے پوچھ ہی لیں۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے ان کے لیے اپنی سیٹ اپنی میٹنگز اپنے غیر ملکی دورے اور نجانے کیا کیا اہم ہے سوائے اپنی اولاد کے۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں صد سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ کرتی ہوں وہ بڑی انسان ہیں ہمیں بریکنگ کل ہو کر سوچنا چاہیے اس طرح کے ایجوکیشنز اس کی طرح فیکٹو ایک قابل سیاستدان کی اولاد کو سوٹ نہیں کرتے۔ آج سے پہلے تک میں ان کے آئینس کو اپنے لیے باعث فخر استعمال کرتی تھی لیکن اب نہیں کروں گی۔ انہوں نے ان کے لیے میرا رشتہ بھی اپنے انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے کیا ہے ناں لیکن میں ان کے کسی بھی خواب کی تائید نہیں بخوں گی۔“ وہ اگر جذباتی ہونے میں دیر نہیں لگاتی تھی تو بدگمان ہونے میں بھی دیر نہیں لگاتی تھی۔ فائنل سے لڑنے میں سر ہلایا۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں انہیں تمہاری بہت پروا ہے۔ سچ جانتے وقت مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے تم سوئی ہوئی تھی سو تم سے مل نہیں سکے۔“ انہوں نے کہا تو شہرینہ نے سر جھٹک لیا۔ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما لیکن اسے گلے ہی مل ٹھٹک گئی تھیں۔

”شہری تمہارا ہاتھ تو بہت گرم ہو رہا ہے۔“ شہرینہ کا ہاتھ بہت تیز ہاتھ اور محسوس کرتی تھیں۔

”تھیں نہیں بخار ہے کیا؟“ انہوں نے مزید کہا شہرینہ نے ایک گہرا سانس لینے فائنل سے ہاتھ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ اس نے ٹالا۔

”میں ناشتا بنوائی ہوں تم فریش ہو جاؤ نیچو تو کالج چلا گیا ہے ہم دونوں بیٹھ کر مزے سے ناشتا کرتے ہیں۔“

”آپ کے پاس بھی بھلا کہاں ٹائم ہو گا کسی کی پاس بیٹھ کر ناشتا کرنے کے لیے۔ ابھی آپ کو کہیں سے کال آ جائے گی اور آپ چلی جائیں گی۔“ وہ ماں سے بھی بدگمان تھی۔

”نہیں آج میں کہیں نہیں جاؤں گی ابھو فریش ہو جاؤ پھر ناشتا کرتے ہیں۔“ انہوں نے کہہ کر پھر اسے اٹھایا۔

جتنا نہیں شہرینہ کا کیا موڈ تھا تاہم اس نے ناشتے سے انکار نہیں کیا تھا فائنل سے فریش ہونے کا کہہ کر خود کچن میں آ گئی تھیں۔ زوہیدہ کو ٹافٹ اچھا سا ناشتا بنانے کا کہا۔ کچھ

دیر میں ناشتا تیار تھا تب تک شہرینہ بھی آ گئی تھی دونوں نے مل کر ناشتا کیا۔

”تمہارے پاؤں کا زخم اب کیسا ہے؟“ انہوں نے ناشتے کے بعد پوچھا۔

”اچھا ہے۔“

”ڈاکٹر کو بلوائی ہوں ایک بار اسے دکھالیتے ہیں۔“

”اس اوس کے۔“ آج اس کا مزاج قدرے بہتر تھا۔ خود ہی گھر میں موجود ٹیبلٹس میں سے بخار درد اور زخم کیور کرنے کی ٹیبلٹس نکال لائی تھیں۔ شہرینہ کے انکار کے باوجود انہوں نے

زبردستی اسے میڈیسن دی تھی۔ وہ کچھ دیر شہرینہ کے ساتھ بڑی رہیں پھر ایک دوست کی کال آ گئی تو سننے چلی گئی تھی شہرینہ لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اس نے فی دی آن کر لیا تھا فی دی کے

ساتھ ساتھ وہ تیزی سے موبائل کے ساتھ بھی بڑی تھی کچھ دیر بعد فائنل بھی اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھیں۔

فائنل نے نوٹ کیا کہ شہرینہ کی ساری توجہ موبائل کی طرف تھی فی دی تو وہ بس برائے نام دیکھ رہی تھی انہوں نے

یونہی سر سر سی سا اس کے موبائل کی طرف دیکھا۔ وہ میسج پر کسی سے بات کر رہی تھی میسج کے ذریعے۔ انہوں نے تھوڑا سا

دھیان دیا اسکرین پر بیگناہ نام زین شاہ انہوں نے شہرینہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر خوب صورت سے مسکراہٹ تھی

ایک ایسی مسکراہٹ جو انہوں نے کم ہی شہرینہ کے چہرے پر بھی دیکھی ہوگی۔

”کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟“ عثمان کا سوال ایک دم ان کے ذہن کی سطح پر جگمگا گیا تھا۔

وہ زین شاہ سے کئی بار مل چکی تھیں ایک اچھے بیک گروئن والا سلجھ اوالز کا تھا وہ کئی بار شہرینہ کے ساتھ گھر بھی آیا تھا۔ آج

سے پہلے بھی ان کے اندر نے انہیں نہیں اچھا یا تھا اور نہ ہی انہوں نے کسی سوچا تھا کہ یہ لڑکا کلاس فیلو سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔

”زین شاہ تمہارا کلاس فیلو ہے ناں؟“ انہوں نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو تیزی سے میسج ٹاپ کرتی شہرینہ کی انگلیاں

ایک سیکنڈ کو جمی گئیں۔

”ہوں۔۔۔۔۔ کیوں کیا ہوا؟“ اس نے ماں کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنا چاہا۔

”ہی از ٹائٹس گائے ٹیلی بیک گراؤنڈ بھی بہت اچھا ہے۔“

مغربی ادبی ادب کی منتخب کہانوں کا مجموعہ

مغربی ادب کی منتخب کہانوں کا مجموعہ

مغربی ادب کی منتخب کہانوں کا مجموعہ
اسی کہانیاں اس مجموعہ میں شامل ہیں

شائع ہو گیا

مغربی ادب سے انتخاب
جزم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
ثقافت و ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں کی کہانوں کے قلم سے نکل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم و تفسیر کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور مقدمات پر مبنی
نثر و شاعری کے متنوع آگے کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”تو چلی جائیں ہمد کو ساتھ لے جائیں فرح بھی قادر غ
ہے اسے بھی ساتھ لے لیں اسلام آباد کا موسم ویسے بھی آج
کل کافی اچھا ہے یہ لوگ انجوائے کریں گے۔“ اس نے فوراً
کہا اماں بی مسکرائیں۔

”اشفاق سے میں نے بات کی ہے شایان اور زویہ
نے گھونٹے پھرے تو کہیں جانا ہی ہے تو میں نے سوچا یہ
لوگ بھی ہمارے ساتھ چلیں اس کے بعد جہاں بھی جانا ہو
نکل جائیں۔“

”اچھا خیال ہے میرا تو خیال ہے شایان کو مری سوات کی
طرف ضرور چکر لگانا چاہیے۔“ اُن کا موڈ اس وقت بالکل
فریش تھا سواں نے مسکرا کر مشورہ دینے

”وہ تو ہم لوگوں نے ڈیپائیڈ کر لیا ہے ہم اماں بی کے
ساتھ اسلام آباد جائیں گے۔“ شایان نے بھی بتایا۔

”تم تیار رہنا تم نے بھی ہمارے ساتھ ہی چلنا ہے۔“
اماں بی کا ایک اور حکم نافذ ہوا تو اُن چڑکا۔

”میں.....!“ اس نے اپنی طرف اُٹھائی۔ ”ایم
سوری۔“ وہ فوراً معذرت خواہ ہوا۔ ”میرے پاس اس قدر ایکسٹرا
وقت نہیں ہے دو تین کیسز ہیں ان کو ہینڈل کرنا ہے آپ لوگ
جائیں انجوائے کریں میں پھر بھی سہی۔“

”میں بھی اُٹھتی آئیے مزہ نہیں آئے گا آپ بھی چلے گا بہت
مزہ آئے گا۔“ فرح تو فوراً اصرار کرنے لگی۔

”لیکن میں نہیں جاسکتا۔“

”کچھ نہیں ہوتا اُن بھائی، ہم سب جا رہے ہیں ناں چند
دن کے لیے چلے پھر آ کر کام بھی دیکھ لیجے گا۔“ زویہ نے بھی
کہا تو اس کے بعد بھی اس کے سر ہو گئے تھے اماں بی بھی اصرار
کر رہی تھیں سب کے اصرار کے سامنے اُن کی ایک نہ چلی
تھی مجبوراً اسے حاضری پڑی اُس کے مان جانے پر سبھی
بہت خوش ہوئے تھے۔

اُن کا خیال تھا کہ بائے پلیمن جایا جائے لیکن زویہ اور
فرح کا خیال تھا کہ بائے روڈ چلنا چاہیے اُن کو ان کی بات ماننا
پڑی تھی۔ وہ لوگ بائے روڈ آئے تھے لیکن تو بہت ہوئی تھی۔
کئی جگہ رک کر کھایا پیا جا رہا تھا جگہ جگہ رک کر تصاویر بنوائی
تھیں وہ لوگ تو خوب انجوائے کر رہے تھے بہت ہی مزے کا
سفر تھا جو اُن بھی انجوائے کر رہا تھا۔ اماں بھی کبھی سوچاتی تھیں

اور کبھی جاگ جاتیں فرح اور زوبیہ ایک دوسرے کو بھر پور کھٹی دے دیتی تھیں۔
شایان اور گلن تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈرامہ کو ریٹیف دینے کے لیے خود بھی گاڑی ڈرامہ کر رہے تھے۔ گلن کا ارادہ اگلے دن واپس جانے کا تھا سوا سے نو کوئی ٹکڑی اور نہ ہی ٹینشن وہ لوگ بخیریت گھر پہنچ گئے تھے۔
فرح کا خیال تھا کہ وہاں کسی کو بھی اطلاع نہ دی جائے وہ لوگ جا کر سر پرانزدوس تو زیادہ بہتر ہے گلن نے بات مان لی تھی سو وہاں اطلاع نہ کی گئی تھی تاہم فائقہ لمان کی آمد کی منتظر تھیں ان کا خیال تھا کہ آج کل میں وہ کسی بھی وقت آسکتی ہیں لیکن جب یہ سب لوگ وہاں پہنچے تو فائقہ سب کو دیکھ کر ایک دم حیران رہ گئی تھیں۔

ان کے لیے ان سب کی آمد انتہائی خوشگوار بات تھی شہرینہ کا گنج ہونی تھی اور نہ ہی جبکہ بائے جانس آج وہ گھر پر ہی تھیں۔ وہ تو فوراً سب کی آؤ بھگت میں لگ گئی زوبیہ بہت کم اسلام آباد آئی تھی۔ اسے اسلام آباد یہاں کا موسم اس شہر کی قدرتی خوب صورتی اور پہاڑ بہت اٹریکٹ کر رہے تھے اس نے سارا رستہ خوب انجوائے کیا تھا اور بہت ساری تصاویر بھی بنائی تھیں۔ زوبیہ بہت ہی فریضہ لی طبیعت کی مالک لڑکی تھی وہ بہت جلد سب میں مکمل مل گئی تھی۔ خصوصاً فرح سے اس کی بہت فنی تھی گلن بھی اسے کزن اور بھائی کی حیثیت سے بہت عزت دے رہا تھا۔ نیچو کو شایان نے کال کی تو وہ فوراً گھر آ گیا لیکن شہرینہ کو فرح نے ایک دو بار کال کی لیکن اس نے ریسیو نہ کی تھی فرح ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی تھی یعنی وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔ لمان بی بی نے گھر آ کر بہو سے مل کر خوش تھیں۔

سبھی تھکے ہوئے تھے فائقہ نے کمرے کھلوائے اور سبھی نہا دھو کر کپڑے بدل کر فریش ہو گئے تھے۔ فائقہ نے ملازمین کے ساتھ مل کر بہت جلد مزے دار سے کھانے کا انتظام کر لیا تھا وہ لوگ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام چاہتے تھے زوبیہ اور شایان کے لیے گیٹ روٹ کھول دیا تھا۔ گلن کے لیے آفاق کے کمرہ میں انتظام کیا گیا اور شہرینہ کے کمرے میں فرح نے رکنا پسند کیا تھا لمان بی کو بھی انہوں نے ایک کمرہ دے دیا تھا وہ بھی دو ٹمن ٹھننے سوئے تھے جبکہ لمان بی فائقہ کے ساتھ گلن اور شہرینہ کے رویوں کو ہی ڈسکس کر رہی تھیں۔

عصر کا وقت قریب آ رہا تھا شہرینہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی فائقہ نے اسے کال کی تھی۔ اول تو اس نے کال ہی ریسیو نہ کی لیکن دوسری بار کال کرنے پر اس نے کال ریسیو کی تو فائقہ نے اس کے گھر آنے کے بارے میں پوچھا جس پر اس نے بتا دیا تھا کہ وہ کالج سے نکل چکی ہے اور کچھ دیر میں آ جائے گی۔ فائقہ نے اسے لمان بی اور باقی لوگوں کی آمد سے متعلق اطلاع نہ دی تھی کہ خواجہ اس کا موڈ خراب نہ ہو جائے۔ وہ گھر آئی تو لمان میں ایک اور گاڑی کھڑی ہو چکی تھی۔

”تیرے کسی گاڑی ہے؟“ گاڑی تو اسے تایا کے گھر کی لگ رہی تھی لیکن وہ پھر بھی تصدیق کرتا چاہتی تھی اس نے ڈرامہ سے پوچھا۔

”لاہور سے مہمان آئے ہیں۔“

”کون کون ہے؟“
”یہ تو مجھے پتا نہیں لیکن چار پانچ لوگ ہیں۔“ شہرینہ نے سر ہلایا۔ وہ اندر آئی وہاں تو کوئی بھی نہ تھا زوبیہ کا ریڈو سے گزری تو اس نے اسے روک لیا۔

”کون کون آیا ہے لاہور سے؟“

”ایک تو وہ بھائی صاحب ہیں جن کی شادی ہوئی ہے ان کی بیگم تو بڑی پیاری ہیں بی بی جی۔“ وہ برا خوش ہو کر بتا رہی تھی۔

”اودھ اچھا شایان اور زوبیہ بھی آئے ہوئے ہیں۔“

”ایک آپ کی دادی ہیں ایک اور بھائی صاحب ہیں ایک فرح بی بی ہیں۔“ اس نے تفصیلاً بتایا۔

وہ بھی کہ لمان بی کے ہمراہ شایان زوبیہ فرح اور اسد آئے ہوں گے۔ گلن کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاسکا تھا وہ ایسے بھی گلن آئے روز اسلام آباد آتا رہتا تھا۔ یہی لاہور بھی اسلام آباد اس کے چکر لگدے ہوتے تھے بھی بکھار وہ فائقہ سے ملنے گھر بھی آ جایا کرتا تھا لیکن پچھلے دو تین سالوں سے وہ گھر آنے کی بجائے کسی نہ کسی ہول میں ٹھہر جاتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیگ اور بکس رکھ کر واپس باہر آ گئی تھی فرح کمرے میں نہ تھی اس کا موڈ کسی سے بھی ملنے کا نہیں تھا سوا سے زوبیہ اور شایان کے۔ زوبیہ نے بتایا تھا کہ وہ دونوں گیٹ روٹ والے دو کمروں میں سے کسی ایک میں تھے دوسرے میں شاید اسد تھا۔ وہ ان کی تلاش میں ان کے کمرے تک آئی تھی پینڈل گھمایا تو دروازہ کھلا چلا گیا اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا بستر تو

خالی تھا بلکہ کمرے میں تو کوئی موجود ہی نہ تھا۔ وہ چلتے ہوئے کمرے کے بالکل درمیان میں آ کر ٹکی۔

”شایان.....“ اس نے آواز دی بھی بھی و اس روم کا دروازہ کھلا اور وہاں سے برآمد ہونے والے شخص کو دیکھ کر شہرینہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی شہرینہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی وہ اس کمرے میں تو کیا اس گھر میں بھی اس شخص کو قبول نہیں کر رہی تھی لیکن وہ مجسم حقیقت بنا کھڑا تھا وہ ایک دم چٹکی اٹھن اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا نہ سلام نہ دعا وہ فوراً کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

”مائی گاؤ.....“ یہ شخص یہاں کیا کر رہا ہے۔“ اس کے اندر اہال سے اٹھنے لگے تھے عین اسی لمحے ساتھ والے کمرے سے فرح بھی نکلی۔

”اگر شہری..... تم کالج سے آ گئیں۔“ وہ والہانہ انداز میں کہتی ہوئی اس سے لگتی تھی۔ شہرینہ اسی طرح ساکت وہ جامد ہی رہی تھی اٹھن کو دیکھ کر اب اس کا کسی سے بھی ملنے کو جی نہیں کر رہا تھا۔

”کیسی ہو؟“ اس نے محبت سے پوچھا۔
”تمہاری توقع سے بھی زیادہ بہت بری۔“ وہ تکی سے کہہ کر وہاں شایان اور زویہ سے ملے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی فرح بھی ہمراہ ہو گئی تھی۔

”بڑا اچانک چھاپ مارا ہے تم لوگوں نے۔“
”بس انماں بی کا اچانک پروگرام بنا تو سب نے بھی فوراً

رخت سفر باندھ لیا۔ زویہ بھابی اور شایان نے ہنسی مولنے کے لیے جانا تھا ان کا خیال تھا کہ ایک دو دن میں یہاں سے ہی وہ مری اور پھر کاغان ناران کی طرف چلے جائیں گے۔“ وہ اس کے ساتھ چلتی اس کے کمرے میں آ گئی مئی انماں بی سے تو وہ ویسے بھی ملنے والی نہ تھی انہوں نے جس طرح دھوکہ دی اور عجلت میں اس کا نکاح کروایا تھا اس کے بعد اس کا دل ان کی طرف سے بالکل اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ جھٹکتی تھی کہ اس سب کی ذمہ دار انماں بی ہیں بلکہ وہ تو سب سے زیادہ پیش پیش تھیں بلکہ سب کچھ انہی کے کہنے کے مطابق ہوا تھا۔ وہ ان سے حد سے زیادہ بدگمان ہو چکی تھی۔

”انماں بی بھی آئی ہیں زویہ بھابی اور شایان بھی آئے ہوئے ہیں اور پتا ہے کون آیا ہے؟“ وہ خاموشی سے بستر پر جا کر دوسری طرف فرح بھی بیٹھ گئی تھی۔

”پتا ہے میرا اتنا دل کر رہا تھا تم سے ملنے کو انماں بی کا آنے کو دل کر رہا تھا اٹھن بھابی تو آنے پر راضی ہی نہ تھے زبردستی ہم نے منایا اگر اٹھن بھابی آنے پر راضی نہ ہوتے تو ہم نے ایک سو دن بعد خود ہی آ جانا تھا میرا شایان بھابی اور زویہ کا پروگرام ملے تھا۔“

”بڑے پاپا اور بڑی ماما کیسے ہیں؟“ فرح مسلسل بول رہی تھی جو انماں سے پوچھنا پڑا۔

”بالکل اے دن فرسٹ کلاس اپنی بڑی بہو کے لیے انہوں نے ڈھیر سارا پیار بھیجا ہے قبول کر لو۔“ وہ ہنس کر بولی تو شہرینہ نے گھور کر دیکھا تو وہ تھی۔

”کتنی ہوتو ان کے حصے کا پیار بھی کر دیتی ہوں ویسے اٹھن بھابی بھی یہ کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔“ فرح کا انداز شرارتی ہوا۔

”شٹ اپ“ تم جانتی ہو مجھے اس طرح کے بے ہودہ مذاق قطعی پسند نہیں۔“ فرح کھلکھلا کر ہنسی دی۔

”میں مذاق نہیں کر رہی سیریس ہوں یار۔“ جبکہ اس کی نگاہوں میں بھرپور شرارت تھی۔ شہرینہ نے اسے خاموشی سے دیکھا اور ستر پر دروازہ ہوئی فرح خاموشی سے اسے دیکھنے لگی یعنی وہ ابھی تک اسی مقام پر تھی۔

”میں ہونے لگی ہوں پلیز مجھے اب ڈسٹرب مت کرنا۔“
اس کا انداز قطعی تھا فرح اپنا سامان لے کر گئی تھی۔

عثمان صاحب گھر جلدی آ گئے تھے وہ داماد بیچتے ماں اور بچیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے شہرینہ کو بھی بادل ناخواستہ سب سے ملنا پڑا تھا عثمان نے کمرے سے پیغام بھیج کر بلوایا تھا لاہور سے واپس آنے کے بعد عثمان فاروق سے اس کا یہ پہلا سامنا تھا۔ اس کا رویہ سب کے ساتھ بڑا افسوس تھا۔ انہوں نے بطور خاص اسے اپنے پاس بلوایا وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔

”ہم نے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ آپ کو اہمیت و فوقیت دی ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم نے آپ کو کچھ بھی کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے آپ ایک پریمی لکھی لڑکی ہیں یہ لوگ میرے قریبی اور خونی رشتہ دار ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ انماں بی بتا رہی تھیں کہ آپ ان سے ملتی تھیں جا میں ان سے سلام دعا کریں سب

سن لیتا اس نے لاکر عثمان صاحب کے سامنے کھڑا کر دیا۔
 ”ہم سب آؤ ننگ کے لیے جا رہے ہیں لیکن یہ ماں
 ہی نہیں رہی۔“ انہوں نے بغور شہرینہ کے بڑے
 تیوروں کو دیکھا۔
 ”جائیں شہرینہ تیار ہو جائیں۔ اس وقت اٹھن بھی وہیں
 موجود تھا دونوں کوئی ٹاپک ڈسکس کر رہے تھے۔
 ”لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔“ اٹھن نے اسے ایک سنجیدہ
 نگاہ سے دیکھا۔

”خدمت کریں جائیں۔“ قطعی انداز تھا۔ وہ خون کے
 گھونٹ چیتی چلتی تھی وہ لباس تو بدل آئی تھی لیکن لباس بالکل
 ویسا ہی تھا جیسا وہ مندر میں پہنتی تھی فاٹک نے اسے بغور دیکھا۔
 ”شہری کوئی اور لباس نہیں تھا کیا؟“ اٹھن کی نگاہ میں اس کو
 دیکھتے ہی ایک دم ناگواری چھائی تھی اور دونوں کو دیکھتی فاٹک
 نے فوراً لوٹ کیا تھا۔
 ”نہیں ہے اگر آپ کسی نے مجھے کچھ کہا تو میں اس سے بھی
 برا لباس پہن کر آؤں گی۔“ وہ دھیمی آواز میں پھنکاری تھی۔ وہ
 بابا کے سامنے آ کر گھونٹ نہیں کرتی تھی لیکن ماما کے سامنے اس
 کے بڑے نکل آتے تھے۔

فرح زویہ شایان شہو اور فاٹک کے علاوہ عثمان اور اٹھن بھی
 ساتھ تھے وہ سب لوگ دو گاڑیوں میں روانہ ہوئے تھے۔ اٹھن
 بی نے تھکاوٹ کا کہہ کر گھر پر پہنچ کر توجہ دی تھی۔ وہ لوگ پہلے
 ”لوگ ورثہ“ گئے تھے اس کے بعد موتا منٹ اور دان کوہ اور
 داسن کوہ میں ایک طرف لوہنا ایریا میں موجود کینے سے انہوں
 نے کھانا کھالیا تھا۔ وہ اس شہر میں عثمان کے مہمان تھے وہ ایک
 دن تو ان کو بطور خاص دے ہی سکتے تھے وہ ان کو لے کر اسٹیلی
 ہال آئے تھے اس کے علاوہ بھی چھوٹے موٹے مقامات ان کو
 دکھائے تھے کبھی بہت انجوائے کر رہے تھے سوائے شہرینہ
 کے۔ وہ سب سے لائق خاموشی سے سر جھکائے بس اپنے
 آپ میں گن ہر جگہ ساتھ موجود تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)



کے ساتھ ملیں کب شب لگائیں آپ کو اپنے کمرے میں
 مقید نہ پاؤں اب لوگے۔“ شہرینہ نے بہت شکایتی نظروں
 سے باپ کو دیکھا تھا وہ کچھ بھی کہہ بغیر ان کے پاس سے ہٹ
 گئی تھی۔ لاؤنج میں بھی موجود تھے بابا بھی ان کے پاس چلے
 گئے تھے وہ اندر ہی اندر چلتی کڑھتی باہر لاؤنج کی طرف آ گئی
 تھی۔ کتنی عجیب سی بات تھی وہ اپنے ہی کمرے میں مس فٹ سی بن
 کر رہ گئی تھی۔ وہ وہاں ٹہل رہی تھی جب فرح اور زویہ بھی وہیں
 آ گئی تھیں۔

”واک ہو رہی ہے وہ بھی اکیلے اکیلے“ زویہ نے کہا۔
 ”یار ہم تمہارے کمرے آئے ہیں کچھ تو خاص الخاص پروٹوکول
 دو میں۔“ فرح نے کہا تو اس نے گہرا سانس لیا تھا۔
 ”ماما بابا پروٹوکول دے تو رہے ہیں ناں۔“

”اس میں شک نہیں چھوٹے ماموں اڑوا بیٹ وہ کہہ
 رہے تھے وہ میری خاطر ساری میننگز وغیرہ چھوڑ کر آئے ہیں۔“
 ”ان کے پاس تو اپنی اولاد کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا
 اس بات کے لیے کہیں واقعی ان کا ممنون ہونا چاہیے۔“ اس
 نے طنز آکھا جبکہ فرح ہنسی دی۔

”بھئی اب ہم اپنی شکل مہمان ہیں خصوصاً تمہارے لیے
 تمہارے حوالے سے پروٹوکول تو خاص الخاص تو ہو گا ہی ناں۔“
 ”تم تو میرے دو حمال والوں کی طرح سسرالی رشتے کو
 لے کر اس طرح اترا رہی ہو کوئی حال ہی نہیں تمہارا تو۔“ زویہ
 نے دھب لگائی۔ وہ کلکلا کر ہنسی دی وہ لوگ ادھر ادھر کی
 باتوں میں لگی ہوئی تھیں جب شایان آ گیا۔

”ہمارا آؤ ننگ پر جانے کا پروگرام بن رہا ہے جلدی کرو
 تیار ہو جاؤ تم لوگ۔“

”کمرے واک“ فرح اور زویہ تو فوراً یکساں غڑ ہوئیں جبکہ
 شہرینہ ٹارٹل ہی رہی تھی۔

”ہری اب۔“ وہ فوراً اندر کی طرف بڑھیں جبکہ وہ اسی طرح
 اپنی جگہ پر قائم تھی شایان نے اسے دیکھا۔

”چلو یار جہیں نہیں جانا کیا؟“
 ”نہیں میرا موڈ نہیں۔“ وہ اب قطعی انداز لے ہوئے تھی۔

”موڈ بنانے سے ہی موڈ بنتا ہے چلو جلدی کرو۔“
 تمہاری ایک نہیں سنتی اب۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس
 اندر کی طرف بڑھا۔

”شایان پلیز زبردستی مت کرو۔“ لیکن وہ شایان ہی کیا جو



جنون سے عشق تک
سمیرا شریف طر

مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
لپٹا ہوا گھر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

گزشتہ قسط کا خلاصہ
شہرینہ گھر آتی ہی اپنے کمرے میں بند ہو جاتی ہے وہ اپنے کمرے کی ہر چیز بس نہیں کر دیتی ہے۔ اسے اگلن کے ساتھ اپنا نکاح ہو جانے پر غصہ ہوتا ہے فائدہ شہرینہ کے کمرے میں آتی ہے تو کمرے کی حالت دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے اور وہ شہرینہ سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن شہرینہ ان کو کمرے سے جانے کا کہتی بدتمیزی سے پیش آتی ہے جس پر وہ شہرینہ کو واپس آ کر بات کرنے کا کہتی ہے فائدہ کو لیز بڑکب کی میٹنگ میں جانا ہوتا ہے۔ فائدہ کے جانے کے بعد شہرینہ کا دل چاہتا ہے کہ وہ کمرے کے ساتھ خود کو بھی آگ لگائے اسے اپنے والدین پر بھی غصہ ہوتا ہے اس کے انکار پر بھی انہوں نے اس کا نکاح اگلن سے کر دیا تھا مسلسل بچے موبائل کو اٹھانے کی غرض سے وہ بند کی طرف جانے لگتی ہے تب کا کچھ اس کے پاؤں میں چبھ جاتا ہے تکلیف کی لہر جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ شہرینہ کچن میں آتی ہے اور زبیدہ (ملازمہ) اسے ڈاکٹر کو بلانے کا کہتی تو وہ اس کے غصہ کا نشاہ بن جاتی ہے۔ میٹنگ میں آ کر بھی فائدہ کا ذہن مسلسل شہرینہ کی طرف ہوتا ہے اس میٹنگ میں وہ عثمان فاروق (شوہر) کے کہنے پر آتی تھیں۔ عثمان فاروق اور فائدہ کو ایز آ چیف گیسٹ انویٹیشن ملا تھا عثمان اپنے لفٹ اور بڑی شیلڈ کے سبب نہیں آتے تب فائدہ مجبوراً گھر کے نمبر پر کال کرتی زبیدہ سے

شہرینہ کے بارے میں پوچھتی ہے زبیدہ سے تمام صورت حال جان کر فائدہ کو مزید پریشانی ہو جاتی ہے۔ شہرینہ گھر سے نکل کر مارکیٹ سے ضرورت مند بچوں کے لیے چیزیں لیتی دار لاطفال آ جاتی ہے بچے شہرینہ کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں لاسٹ سسٹر شہرینہ کو سول ورک کے حوالے سے پروجیکٹ ملا تھا تب وہ اپنی ٹیم کے ساتھ یہاں آئی تھی شہرینہ کو یہاں آ کر کچھ سکون محسوس ہوتا ہے۔ فائدہ گھر آ کر اماں بی کو فون کرتی شہرینہ کے بارے میں بات کرتی ہے جس پر اماں بی بھی پریشان ہو جاتی ہے اور اسلام آباد آنے کا کہتی ہیں دوسری طرف اماں بی اگلن شایان اور زبیدہ فرح کو لے کر اسلام آباد پہنچ جاتی ہیں۔ شہرینہ کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتی ہے لیکن عثمان صاحب کے کہنے پر وہ اماں بی سے ملنے آتی ہے جبکہ شہرینہ فرح کو بھی نظر انداز کر دیتی ہے۔ فائدہ عثمان صاحب اسے بھی شہرینہ کی بدتمیزی کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب انہیں ہی قصودار ٹھہراتے ہیں تب فائدہ شہرینہ اور اگلن کے درمیان ہونے والے معاملات کا پوچھتی ہے جس پر عثمان صاحب وقتی جذبات کا کہتے شہرینہ کو اس نکاح کو تسلیم کرنے کا کہتے ہیں۔ لاہور سے آئے مہمان اگلن شایان زبیدہ اور فرح آؤ ٹنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

اب آگے پڑے

”تو ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں وہاں جا کر اور پاس لے لینا۔“ وہ فوراً جانے کو تیار ہوئی۔ اٹلن نے ناگواری سے دیکھا جبکہ فرح زویہ اور شایان اس وقت خاموش تھے۔ فرح وجہ جانتی تھی جبکہ زویہ کے لیے شہرینہ کا ایسی نیوڈ بالکل نئی بات تھی۔ نیوڈ اگرچہ شہرینہ کی ناراضی اور نکاح سے متعلق انکار کے بارے میں آگاہ نہیں تھا پھر بھی اس وقت وہ شہرینہ کا رویہ اور اٹلن کی ناگواری نوٹ کر گیا تھا۔

”اٹلن اس کے اگر اٹلن بھائی منع کر رہے ہیں تو نہیں جاتے پھر کبھی سہی۔“

”یہ کون ہوتے ہیں ہمارے کہیں آنے جانے کے بارے میں فیصلہ کرنے والے؟ تم جانتے ہو میں ایسی تمام ایکٹیویٹیز میں ضرور حصہ لیتی ہوں میں ضرور جاؤں گی۔“ اس نے تو واضح اٹلن کی نفی کرتے اپنے جانے پر اصرار کیا تو وہاں موجود خاموش تماشاکی بنے باقی تینوں نفوس فوراً متحرک ہوئے تھے۔ جبکہ اتنے واضح الفاظ پر اٹلن کے چہرے کے عضلات میں واضح کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

”چھوڑو جی یہ غزل کنسرت بھی کوئی دیکھنے والی چیز ہے بورنگ کام۔ میں نے تو خواہنا ہی نیپو کے پوچھنے پر حامی بھری تھی میرا ارادہ کہیں اور جانے کا ہے کیوں یار اور کون سی جگہیں ہیں یہاں جو تفریح کے لیے اچھی ہیں۔“ شایان نے فوراً بات بدل دی۔

”بالکل بلکہ میں سوچ رہی ہوں ہم جو ایک دودن ادھر ہیں انہی دنوں میں اسلام آباد اچھی طرح مہم لیں۔“ زویہ نے بھی کہا تو ماحول میں چھائی کشیدگی میں قدرے کمی آئی تھی۔ اٹلن نے بے پروائی سے دوسری طرف منہ کر کے باہر کی طرف دیکھتی شہرینہ کو دیکھا اور پھر بائیں کلائی میں بندھی رسٹ واضح کو۔

”رات بہت گہری ہو رہی ہے میرا خیال ہے فی الحال تو گھر چلنا چاہیے ویسے بھی سفر کی تھکان کے سبب نیند بھی آ رہی ہے۔“ اٹلن کا انداز اب بھی دو ٹوک تھا

شہرینہ بالکل خاموش تھی۔ اٹلن گاہے بگاہے لاشعوری طور پر شہرینہ کی خاموشی نوٹ کرتا رہتا تھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا چاہتا تھا لیکن شہرینہ کا سرد انداز اتنا قافی ظاہر کرتے تھے تو خود حال اور لباس اٹلن کو شہرینہ کو دیکھنے پر مجبور کر رہے تھے عثمان صاحب کو ایک کال آئی تھی۔ وہ فائنل کو لے کر ڈرائیور کے ہمراہ واپس چلے گئے تھے جبکہ بیک پارٹی ابھی بھی وہیں موجود تھی۔ نیپو کے کچھ دوست غزل کنسرت میں گئے ہوئے تھے وہ اسے بھی بلا رہے تھے۔ نیپو نے شایان سے ذکر کیا تو وہ فوراً جانے پر آمادہ ہو گیا تھا جبکہ اٹلن انکار کر دیتا ہے۔

”تم نے جانا ہے تو نیپو کے ساتھ چلے جاؤ لیڈیز ہمارے ساتھ ہیں میں ان کو ساتھ لے جانے کے حق میں نہیں ہوں۔“ اٹلن کا قطعی انداز تھا شہرینہ نے ناگواری نگاہوں سے اٹلن کو دیکھا۔ ایسے شوڑا ایسے کنسرت پر جانا دوستوں کے ہمراہ انجوائے کرنا ان کے گھر عام سی بات تھی۔

”اٹلن بھائی یہ بہت اچھا کلاسیکل ٹائپ غزل کنسرت ہے، ماما کا جانے کا موڈ نہیں تھا سو میں نے دوستوں کو پاس دے دیئے تھے ورنہ میں شہری اور ماما تو اکثر ایسے شوڑ میں انوائنڈ ہوتے ہیں۔“ نیپو نے بتایا۔

”تب تم لوگ ایز آ گیٹ جاتے تھے لیکن مجھے یہ سب پسند نہیں۔“ انداز اب بھی دو ٹوک تھا۔ شہری نے بہت تیز نگاہ ڈالی اس پر اور پھر نیپو کو دیکھا۔

”باس کہاں ہے؟“ شہری نے پوچھا۔

”تین پاس تھے جو ہفتہ پہلے آئے تھے ماما نے جانے سے انکار کر دیا تھا تو میں نے دو دوستوں کو دے دیئے تھے اور ایک خود رکھ لیا تھا۔ دوستوں کے ساتھ جانے کا پروگرام تھا لیکن پھر شایان بھائی آ گئے تو پھر ان کے ساتھ آؤنگ کا پروگرام بن گیا تھا۔“ وہ وضاحت دے رہا تھا۔ ”سوچا تھا کہ اگر جلدی فارغ ہو گیا تو وہیں سے دوستوں کے ساتھ نکل جاؤں گا۔“ اس نے بتایا۔

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

شایان نے بھی اپنے موبائل پر وقت دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے وقت واقعی کافی ہو چکا تھا جبکہ شہرینہ ایک بار سب سے لاطعلی ہو کر پھر باہر دیکھنے میں بخو ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی میں گاڑی صاف شفاف رستوں پر تیزی سے رواں دواں تھی۔

”ہاں تھکن تو واقعی ہو رہی ہے میرا خیال ہے گھر واپس چلنا چاہیے۔“ شایان نے بھی کہا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شایان ڈرائیونگ کر رہا تھا فرنٹ سیٹ پر اگلن شایان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر زویہ کے ساتھ فرح بیٹھی ہوئی تھی فرح کے ساتھ شہرینہ تھی اور شہرینہ کے ساتھ اسارٹ سائپو بیٹھ ہوا تھا۔

اسی دوران شہرینہ کا موبائل بجنے لگا فرح اور زویہ مختلف مقامات سے کی جانے والی شاپنگ کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ شایان نیپو سے اسلام آباد میں موجود کچھ اور ٹینک پوائنٹس کے بارے میں معلومات لے رہا تھا جبکہ اگلن خاموش تھا شہرینہ نے کال یک کی۔

”ہاں زین بولو۔“ اگلن نے پلٹ کر دیکھا سبھی اپنی اپنی باتوں میں بڑی تھے حتیٰ کہ نیپو بھی۔ اس نے قطعی دھیان نہیں دیا تھا کہ شہرینہ کے نمبر پر کس کی کال آئی ہے اور وہ کس سے بات کر رہی ہے اگلن کی بھنوس تن گئی تھیں۔ اس نے بیک ویو مرر سے دیکھا اتنی دیر سے سب سے لاطعلی کا اظہار کرتے خاموش بیٹھی شہرینہ نہ صرف مسکرا رہی تھی بلکہ اس وقت اس کے چہرے کے عضلات میں ایک دم سختی کی جگہ زری پیدا ہوئی تھی۔

”نہیں یار..... ایسی بات نہیں۔“
”ارے.....“ وہ ہنسی تھی کھلکھلاتی خوب صورت ہنسی۔ اگلن کے چہرے کی سختی میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیک ویو مرر سے شہرینہ کو مسلسل دیکھنے پر مجبور تھا اندر سے کوئی چیز بھی چڑا سے دیکھنے پر اُکسار رہی تھی شہرینہ کی آواز دھیمی تھی۔

”اوکے“ نہیں..... کچھ گیسٹ آئے تھے لاہور سے۔“

”ہاں انہی کے ساتھ بڑی قہمی..... بس آف کورس“
اوکے..... کل کالج میں ملتے ہیں۔“ وہ ہنسی کھلکھلاتی ہنسی اگلن کے کان پھر متوجہ ہوئے۔

”شہرینہ جیسے آپ بڑی نیک پرورین سمجھتے ہیں وہ اصل میں کیا ہے کبھی اس کے کالج میں آکر دیکھئے گا ہر دوسرے لڑکے سے تو اس کی دوستی ہوتی ہے اور اس کا کلاس فیلو ان کے گروپ کا لڑکا زین شاہ وہ تو مرتا ہے اس پر۔“ کسی کے کہنے کے الفاظ ایک دم اگلن کی سماعتوں میں گونجنے لگے اگلن نے لب بچھینچ لیے تھے۔

”کہا ناں کل ضرور آؤں گی“ اوکے سی یو بائے۔“
اقتضائی جملے کہہ کر موبائل کان سے ہٹا کر اس نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا تو چونکی۔ بیک ویو مرر سے اسے مسلسل دیکھتا اگلن..... اگلن کی آنکھوں میں بڑا عجیب سا تاثر تھا۔

شہرینہ کے چہرے پر بھی ایک دم ناگواری کی لہر چھائی تھی باقی لوگ ابھی بھی اپنی اپنی باتوں میں الجھے ہوئے تھے اس نے پھر مرر کی طرف دیکھا اگلن اب نہیں دیکھ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص اب باہر کی طرف دیکھ رہا تھا شہرینہ نے ناگواری سے اس کے سر کو دیکھ کر خود بھی گردن باہر کی طرف کھمائی۔ جانے پچانے رستے دکھائی دینے لگے تو اس نے ایک گہرا سانس لیا کچھ دیر بعد ایک ناپسندیدہ اعصاب شکن سفر سے نجات ملنے والی تھی۔

شہرینہ روٹین کے تحت اگلی تھی فائنتج خیز تھیں۔
اماں بی بھی جلدی اٹھ گئی تھیں نماز کے بعد وہ تلاوت میں مصروف تھیں۔ وہ صبح کے وقت خالصتاً دیہاتی انداز کا ناشتا کرتی تھیں فائنتج نے ملازموں کو ناشتے کا شیڈول بتا دیا تھا جبکہ اماں بی کے لیے ناشتا تیار کرنے وہ خود کچن میں آئی تھیں۔ ملازمہ نے اماں بی کے لیے لسی بنادی تھی ساتھ میں کھی اور کھن گئی روٹی، قہیے کا تازہ سالن۔ اماں بی کے لیے انہوں نے ٹرے خود

سجائی باقی لوگوں کا ناشتا انہوں نے نیبل پر لگوا دیا تھا۔
زوبیہ اور شایان نے لیٹ اٹھنا تھا۔

فرح نیپو شہرینہ اور فائقہ کے ساتھ ڈانٹنگ نیبل پر
اماں لی اور فرح بھی موجود تھیں۔ شہرینہ بہت سنجیدگی سے
بریڈ کا پیس لے کر اس پر جام لگا کر دانتوں سے کتر رہی
تھی ڈانٹیں ہاتھ میں جائے گاگ تھا جبکہ ڈانٹنگ نیبل پر
تازہ تیار کیا ہوا کئی قسم کا کھانا موجود تھا۔ قیہ انڈے کا
سائن، حلوہ پوری، چنوں کا سائن کے علاوہ کئی طرح کی اور
اشیا بھی تھیں لیکن شہرینہ نے کسی بھی چیز کی طرف دیکھا
نک بھی نہ تھا۔

یہ سب یقیناً فائقہ نے اپنے مہمانوں کی خدمت
کے لیے کروایا تھا، شہرینہ نے سرسری سا اس سارے
سیٹ اپ کو دیکھا، بریڈ ختم کر کے وہ جائے کی چسکیاں
لے رہی تھی جبکہ آٹن بھی تیار سوئڈ بوئڈ وہیں چلا آیا تھا
اسے دیکھ کر شہرینہ کے عضلات ایک بار پھر تناؤ کی
کیفیت پیدا ہوئی تھی جبکہ آٹن نے اس کی طرف دیکھا
بھی نہ تھا۔ آٹن بڑا فریٹ تھا اماں لی نے بہت محبت سے
اسے دیکھا تھا۔

”کہاں کی تیاری ہے۔“ اماں لی نے اپنا رواجی سا
ناشتا کرتے پوتے کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔
”پاپا صاحب نے ایک کام کہا تھا سوچا وہ کرلوں۔“
”کب تک واپس آؤ گے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔“ اس نے
اپنی رسد واضح دیکھتے ہوئے کہا۔ شہرینہ نے اپنا خالی
ٹمک نیبل پر رکھا۔ آٹن نے اسے دیکھا اس کے چہرے
پر شدید تناؤ کی کیفیت رقم تھی۔ لائٹ ٹی پنک اور آف
وائٹ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی کندھے پر حسب
عادت مظہر ٹائپ لائٹ سا سوٹ سے بیچ کرتا اس کا رخ
تھا۔ چہرہ میک اپ سے مبرا تھا تاہم آنکھوں پر سجالات
اس کی آنکھوں کے کیلے پن کو دوا تھہ کر رہا تھا۔

آٹن دیگر ٹائپ کی عورت سے مل چکا تھا وہ اس کے
ظاہری حلیے سے ہی اس کے معیار کا اندازہ لگالیتا تھا لیکن

اس وقت شہرینہ کے ظاہری حلیے اور چہرے کے خدو خال
سے وہ کچھ بھی جان نہ پایا تھا۔ تاگواری کی شدید لہر نے
چہرے کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ آنکھوں کے تاثر میں بھی
واضح فرق آیا تھا۔

”شہری بیٹا..... ٹھیک سے ناشتا تو کر لیتی۔“ فائقہ
خاموش تھیں اماں لی نے ہی ٹوکا تھا۔ انہوں نے نوٹ کیا
تھا کہ شہرینہ نے صف ایک بریڈ کا پیس اور چائے کا گگ
لیا تھا۔

”میں کر چکی ہوں میں اتنا ہی ناشتا کرتی ہوں۔“ وہ
سنجیدگی سے کہتے جانے کو چلی۔
”پاؤں کا زخم کیسا ہے اب؟“ وہ مسلسل پاؤں دبا کر
آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

کل آؤٹنگ پر بھی وہ سارا وقت ایسے ہی چلتی رہی
تھی بلکہ زیادہ تر تو وہ ہر جگہ جا کر کسی ایک مخصوص جگہ پر ہی
بیٹھی رہی تھی، کم ہی گھومی پھرتی تھی۔ اس نے بار بار اٹھنے
اور اپنی جگہ چھوڑنے کی یا گھومنے پھرنے کی کوشش نہ کی
تھی۔ اسے یہ زخم کیسے لگا تھا؟ کسی نے بھی پوچھنے کی
کوشش نہیں کی تھی۔

”ہاں اب زخم کیسا ہے؟“ زخم اگرچہ پہلے سے کافی
بہتر تھا مگر جلنے میں ابھی بھی وقت ہو رہی تھی۔
”ٹھیک ہے۔“ اس نے سرسری سا کہا اور پھر وہاں
سے جانے لگی۔

”شہری۔“ اب کی بار ماما نے پکارا۔
”آج ذرا جلدی آجانا، آج زوبیہ اور فرح کا
شاپنگ کا پروگرام ہے۔ مجھے تمہارے پاپا کے ساتھ
کسی انویٹیشن میں جانا ہے، میں ان کو ٹائم نہیں دے
سکوں گی۔“

”ایم سوری میرے پاس خود ٹائم نہیں ہوگا۔ آج
ہمارے گروپ کا سوشلنگ پریمش کا شیڈول ہے، کالج کی
طرف سے مجھے وہاں جانا ہوگا۔“ آٹن نے الجھ کر دیکھا۔

”تم اپنا یہ شیڈول کسی اور دن کے لیے رکھ چھوڑو ان
کو کہنی دینا بھی ضروری ہے۔“ ماما نے پھر کہا تو اس نے

ایک گہرا سانس لیا۔
 ”ایم سوئی آپ جانتی ہیں میں کسی کے لیے اپنا
 شیڈول تبدیل نہیں کرتی۔ میری پریکٹس بہت ضروری
 ہے، پہلے ہی اپنے پاؤں کے زخم کی وجہ سے کافی حرج
 کر چکی ہوں۔“
 ”تم اس سوئنگ انٹ سے ایکسکیوٹ کیوں نہیں
 کر لیتی۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا۔
 ”کیوں؟“
 ”تمہارے پاپا تمہارے لاسٹ سوئنگ گیم کی وجہ
 سے مجھ سے ناراض ہوئے تھے، ان کا خیال ہے کہ تمہیں
 اب ایسی گیمز میں حصہ نہیں لینا چاہیے، وہ منع کر رہے
 تھے۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اتنے لوگوں کی
 موجودگی میں اس بات نے شہرینہ کا چہرہ تپا دیا تھا۔
 ”کیوں، ان کو کیا آگرومنٹ ہے؟“ اس کے
 لہجے میں کئی بھی جبکہ باقی لوگ خاموش تماشا بنے
 ہوئے تھے۔
 ”انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا، تم اب ٹین
 ایج بنی تو ہو نہیں کہ ہر بات سمجھاتی پھروں۔“ مہمانوں
 کی موجودگی میں شہرینہ کا اپنی ٹیوڈ ان کو پسند نہیں آیا تو
 انہوں نے بھی کچھ سختی سے کہا۔
 ”کاش ٹین ایج میں آپ نے ہر بات سمجھائی ہوتی
 تو اب آپ کو مجھ پر اتنا وقت برباد نہ کرنا پڑتا۔ آپ جانتی
 نہیں میں اب ان گیمز سے پیچھے نہیں ہٹنے والی، اس آ
 یارٹ آف مائی لائف۔“ وہ کئی سے کہہ کر وہاں سے چلی
 گئی، فائف نے ایک گہرا سانس لیا، اگلے دن خالہ کو دیکھا
 اس کا انداز نہ سوچ تھا۔
 ”شہرینہ جسٹ فار ایک سرساز کے لیے سوئمنگ کرتی
 ہے پاپا قاعدہ گیمز میں حصہ لیتی ہے؟“ فرح نے پوچھا۔
 ”شروع میں تو جسٹ فار ایک سرساز کے لیے ہی
 کرتی تھی پھر اسکول لائف میں آکر وہ باقاعدہ گیمز میں
 حصہ لینے لگی تھی، بہت اچھی سویمر ہے لیکن لاسٹ ٹائم
 اس نے انٹر کالج دویمین یونین کی طرف سے حصہ لیا تو

اس کے پاپا نے مجھے منع کیا تھا کہ آئندہ شہرینہ کسی بھی
 گیم میں حصہ نہیں لے گی۔“ انہوں نے تفصیلاً بتایا، اگلے
 خاموشی سے ناشتا کر رہا تھا۔
 ”کہتی ہو تو میں بات کروں؟“ اماں بی نے پوچھا تو
 فائف نے نفی میں سر ہلایا۔
 ”وہ کسی کی نہیں سنتی، عثمان کو کہوں گی وہ خود ہی اس
 سے بات کر لیں گے ان کے سامنے ہی بس چپ ہوتی
 ہے ورنہ مجھے تو صاف انکار کر دیتی ہے۔“ فائف تنگ اٹھا
 کر چائے پینے لگ گئیں۔
 ”ہم شاپنگ کے لیے کیسے جائیں گے پھر؟“ فرح
 نے پوچھا۔
 ”کرتی ہوں بیچ کچھ۔“ انہوں نے کہا لیکن اسی پل
 غصے سے تپتی شہرینہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔
 ”میری گاڑی کہاں ہے؟“ اس نے آتے ہی پوچھا
 یقیناً وہ لاؤنج سے ہو کر آئی تھی، کندھے پر بیگ اور ہاتھ
 میں فائل تھی۔
 ”تمہارے پاپا کی گاڑی پر ایلیم کر رہی تھی رات کو وہ
 تمہاری گاڑی لے گئے۔“
 ”تو میں کیسے جاؤں گی اب کالج۔ ڈرائیور کہاں ہے
 اسے کہیں گھر والی گاڑی نکالے۔“
 ”ڈرائیور گاڑی لے کر گیا ہے تمہارے پاپا کے کچھ
 گیسٹ آئے تھے ان کو ریسیو کرنا تھا۔“
 ”تو پاپا کا اپنا ڈرائیور کہاں ہے؟“ اسے ایک دم غصہ
 آنے لگا تھا۔
 ”کیا ہو گیا ہے شہر ہی تمہارے پاپا کو لے کر گیا ہوا
 ہے رات مجھے گھر ڈراپ کرنے کے بعد وہ تمہاری گاڑی
 لے کر ڈرائیور کے ساتھ چلے گئے تھے۔“
 ”آف..... کیا مصیبت ہے یہ۔“ اس کا جی چا رہا تھا
 کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ ایک اسپانٹ کے سلسلے
 میں اس کی آج کلاس میں پریزینٹیشن تھی اس کا خیال تھا
 کہ وہ آج ڈرا جلدی جا کر زین کے ساتھ مل کر کچھ
 پوائنٹس ڈسکس کرے گی۔

”لیکن یہ گاڑی۔“
”تم اپنے کسی کا اس فلو کو کہو وہ جمہیں پک کر لیں گے“
گاڑی ایک دو گھنٹے بعد سروس سے واپس آئے گی۔“
”اتنے بڑے سیاستدان کی بیٹی ہو کر میں دوستوں کی
منتیں کرتی پھر وہ حد ہوتی ہے کسی چیز کی دوستوں کی
نظروں میں کیا اسٹینس رہ جائے گا میرا۔“ وہ بہت
ہور ہی تھی۔
”بھی اپنے ہائی فائی اسٹینس سے بھی نکل کر دیکھ لیا
کرؤ انسان کو اپنا بیک گراؤ نہ نہیں بھولنا چاہیے۔“ فائقہ
نے مسکرا کر کہتے اس کا غصہ کم کرنا چاہا لیکن شہرینہ کے
اندر کا غبار مزید بوائٹنگ پوائنٹ پر پہنچ رہا تھا۔ لیکن ناشتا
کر چکا تھا اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور کھڑا
ہو گیا۔ اسی وقت شہرینہ کا موبائل بجا تھا۔
”ہیلو۔“ وہ انتہائی بے زار سے بولی۔
”گاڑی خراب ہے۔“ وہ کسی کو بتا رہی تھی۔
”وہ بھی گھر پر نہیں۔“ لہجہ میں تھی تھی۔
”اللہ کے لیے زمین میں پہلے ہی بہت غصے میں
ہوں مجھے اور طیش مت دلاؤ۔“
”ہاں بڑی پروا ہے تمہیں میری۔“
”چلو دیکھ لیتی ہوں اتنی پروا ہے ہاں تو پندرہ منٹ
میں گاڑی لے کر آ جاؤ میں مان لوں گی۔“ لیکن نے بہت
خفی سے اسے دیکھا تھا۔
”اوکے..... اوکے ہائے..... آئی ایم وینٹ۔“
لیکن نے اسے دیکھا۔ وہ کال بند کر کے پلٹ کر وہاں
سے جانے لگی تھی۔ اس نے پُر سوچ نگاہوں سے اسے
دیکھا اور پھر فائقہ کو۔
”اگر آپ اجازت دیں تو میں شہرینہ کو ڈراپ
کر دوں۔“ لیکن کی آواز کالی بلندی میں وہاں سے پلٹ کر
جاتی شہرینہ ایک دم رکی تھی۔ اس نے حیران ہو کر لیکن کو
دیکھا جبکہ لیکن اماں بی اور فائقہ کی طرف متوجہ تھا اماں
بی کی ہانچیں کھل اٹھی تھیں۔
”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خواندہ
کے اسے صاف ہستی سے مٹا دے۔“

پریشان ہو رہی ہے مجھے تو خیال ہی نہیں آیا کہ تم بھی
ڈراپ کر سکتے ہو اور تم لوگوں کی گاڑی گھر پر ہی ہے۔“
فائقہ ایک دم خوش ہوئیں۔
”لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی میں نے
زمین کو کال کی ہے وہ مجھے کچھ دیر میں پک کر لے گا۔“
”زمین کو منع کر دو لیکن چھوڑ دے گا۔“ فائقہ نے کہا تو
شہرینہ کو ایک دم ہٹاؤ آیا۔
”ان کے ساتھ جانے سے بہتر ہے کہ میں جھٹی
کر لوں میں نے کہا تھا کہ مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا سو
بار بار غلط باتوں کے لیے مجھے فورس مت کیا کریں۔“
انداز قطعی تھا۔
”آپ ہر بات پر ماما سے کیوں آرگومنٹ کرتی
ہیں زمین ہمارا کوئی ٹیلی ممبر نہیں ہے جس پر آپ
فرسٹ کر رہی ہیں میرا خیال ہے آپ لیکن بھائی کے
ساتھ چلی جائیں۔“ نیپو جواتی دیر سے خاموش تھا اس
نے اکتا کر کہا۔
”بھائی میں جاؤں تم سب۔“ وہ غصے سے کہہ کر وہاں
سے اندر کی طرف چل دی۔ لیکن نے فائقہ کو دیکھا
انہوں نے بے بسی سے کندھے اچکائے تھے۔ لیکن اپنے
کمرے میں آیا اور اپنی چیزیں لے کر وہ کمرے سے نکلا تو
راہداری کے درمیان میں شہرینہ کھڑی کیڑ توڑ لگا ہوں
سے اسے دیکھ رہی تھی۔
”کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ خبردار آئندہ میرے کسی بھی
معاملے میں ٹائٹ اڑانے کی کوشش کی تو وہ اور لڑکیاں
ہوتی ہوں گی جہاں آپ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کو چل
رہی ہوں گی آئندہ میرے سامنے بھی آئے تو مجھ سے برا
کوئی نہیں ہوگا۔“ لیکن نے بہت خجل سے اسے دیکھا اور
سینا۔ شہرینہ تو اسے دیکھ کر پہلے ہی آگ میں جل رہی
تھی۔ اب اسے گھر میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دیکھ کر
اس کے اندر تو گویا ایک قیامت برپا تھی اور ایسے میں
اسے کالج ڈراپ کرنے کی آفر اس کا بس نہیں چل رہا تھا
کہ اسے صاف ہستی سے مٹا دے۔

”لو آگیا ہوں میں تمہارے سامنے کیا کر لو گی۔“ انداز بہت طنزیہ اور چیلنجنگ تھا شہرینہ کا جی چاہا کہ واقعی اس کا منہ نوچ لے۔

”تم.....“ وہ پھنکاری تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی آئین نے وارن کرنی انگلی کو نیچے کرتے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا۔ اس وقت وہ بیک کندھے پر اور فائل بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔

”تم جیسی لڑکی کو سیدھا کرنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں بچا جان اور خالہ نے تمہیں زیادہ ہی سرچڑھا رکھا ہے پہلے تم جو بھی تھی وہ سب ایک طرف اب یہ بھی مت بھولنا اب کہ تم میری منکوحہ ہو۔“ آئین کا انداز بہت سنجیدہ اور سرد تھا۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا“ وہ بہت غصے سے بولی ساتھ ہی ساتھ ہاتھ چھڑانے کی مزاحمت بھی کر رہی تھی لیکن آئین کی مضبوط گرفت کے سامنے اس کی ساری مزاحمت بے کار جا رہی تھی۔

”کوئی مجھے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو جس کا ہاتھ ایک بار تھام لیا بھی رستے میں نہیں چھوڑا۔ یہ اور بات ہے کہ تم سے یہ شہ نہ نفرت کی بنا پر بھانا پڑے گا۔“

”لیوی۔“ جو اب وہ چنچنی۔

”چینو گی تو اپنے ہی گھر میں اپنا تماشا بنواؤ گی اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے مقابلے میں کبھی مجھے ہی سپورٹ کریں گے۔“ آئین کا انداز بالکل سرد تھا۔ شہرینہ نے نہایت بے بسی سے اسے دیکھا۔

”میرا خیال ہے تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے میں تمہیں ڈراپ کروں گا۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے چلنا شروع کر دیا تھا۔ شہرینہ چیخ رہی تھی لیکن اس کی مزاحمت پر بھی آئین نے ہاتھ نہیں چھوڑا تھا دونوں کا شور سن کر فائتہ اور فرح سامنے آئی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ فائتہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”میں محترمہ کو ان کے کالج چھوڑنے جا رہا ہوں چونکہ یہ سیدھے انداز میں ساتھ نہیں چل رہی تو زبردستی

لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔“ وہ بہت سنجیدہ تھا لیکن آنکھوں میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ فائتہ اور فرح دونوں مسکرائی تھیں۔ شہرینہ جیسی آفت کی برکالاز کی کو آئین ہی ہینڈل کر سکتا تھا فرح نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی وہ اسے اسی طرح پکڑے باہر کی طرف آیا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے شہرینہ کا ہاتھ تھامے دوسرے ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا شہرینہ کو فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر دروازہ لاک کرتے وہ خود دوسری طرف آ کر بیٹھا تھا۔ شہرینہ نے سیدھے ہوتے ایک دم ٹپش میں آتے سارا اسٹیرنگ کھما ڈالا تھا۔ آئین نے بمشکل اس کے دونوں ہاتھ بائیں ہاتھ میں مقید کرتے اسے قابو کیا تھا۔

”تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ میں تمہاری زرخیز نہیں ہوں تم نے میرے ساتھ یہ سب کرنے کی جرأت بھی کیسے کی؟ تمہیں اندازہ ہی نہیں میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں۔“ وہ ڈنچی شیرینی کی طرح پھنک کر رہی تھی۔ آئین نے بڑے ریٹیکس موڈ میں اسے دیکھا۔

اس کا سر خیاں جھلکنا چہرہ غصے کی زیادتی و شدت سے انکارہ بنا ہوا تھا مارے ٹپش کے شہرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یا تو آئین کو ہی مار ڈالے یا پھر اپنا حشر نشر کر لے۔

”میری جرأت کی تو بات ہی نہ کرو بحیثیت منکوحہ تم پر وہ سب اختیار رکھتا ہوں جن کا تم کبھی مجھے پہنچ نہ ہی کرو تو بہتر ہے اور رہ گئی میری جرأت کی بات تو تمہیں تمہارے ہی گھر میں تمہاری ماما اور کزن کی موجودگی میں یوں پکڑ کر لایا ہوں کہ سکتی ہو اس چیز کو پہنچنے۔“ آئین نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس کی طرف منہ کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو ایک ہل کو شہرینہ لاجواب ہوئی لیکن اگلے ہی ہل شدید بے بسی کے احساسات طوفانی جذبات کے ریلے میں بہتے ایک دم بھراٹھے تھے۔ اس نے بہت غصے سے اپنا ہاتھ آئین کے اسٹیرنگ پر رکھے ہاتھوں پر مارا تھا۔

”تم مجھے جاننے نہیں تم میرے ساتھ جو بھی

”تم بہت غلط کر رہے ہو میرے ساتھ اپنے ساتھ اور ان سب لوگوں کے ساتھ جن سے میرا نام جڑا ہوا ہے۔ تم مجھے زبردستی اپنے ساتھ باندھ سکتے ہو میرے والدین کو فریب کر سکتے ہو لیکن میری نفرت میں کی نہیں لاسکتے“ اوکے ایسے تو ایسے ہی سہی میں بھی دھکتی ہوں تم میرے ساتھ کہاں تک سفر کر سکتے ہو۔“ اگلن کے تیوروں اور چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا تھا۔

اگلن حد سے زیادہ سنجیدہ تھا لیکن اس کی آنکھوں کا تاثر از حد سرد مہری لیے ہوئے تھا۔ یعنی وہ اسے یہ سب کچھ جان بوجھ کر اذیت سے دو چار کرنے کے لیے کر رہا تھا اور وہ اپنے چیخنے چلانے سے اسے سکون مہیا کر رہی تھی۔ وہ ایک دم ساکت ہوئی اور پھر ایک دم پُر سکون ہو گئی تھی وہ چیخ چلا کر اسے فتح کا احساس کیوں دلاتی۔ اگلن نے اسے دیکھا وہ جو چند بل پہلے چلا رہی تھی غصے سے سرخ انکارہ ہو رہی تھی اب ایک دم پُر سکون ہو گئی تھی اس نے گود میں فائل کھول کر اس کے صفحات پلٹنے شروع کر دیئے تھے وہ ایک دم اتنی پُر سکون کیسے ہو سکتی تھی؟ اس کے اندر کھد بد شروع ہو گئی تھی اس کے سامنے ایک لمبی سڑک تھی اور مقابل ایک ہاتھ کے فاصلے پر ٹیٹھی یہ لڑکی تھی جو ایک معما سا بن گئی تھی۔ وہ جذباتی لحاظ سے کمزور لڑکی تھی لیکن وہ جذباتی لحاظ سے کوئی کمزور مرد نہ تھا اسے اپنے جذبات و احساسات ہر چیز پر قابو تھا اس کا اور اس لڑکی کا کوئی مقابلہ نہ تھا تو پھر وہ اس سے ضد کیوں باندھ رہا تھا۔

اس نے اسے دیکھا وہ ایسے بن گئی تھی گویا اسے اگلن کی موجودگی یا ناموجودگی سے اب کوئی غرض نہ تھی۔ کچھ بل پہلے جس کے لیے اس ناپسندیدہ شخص کے ساتھ سفر کرنا زندگی و موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا اب وہ ندی کی طرح پُر سکون تھی۔ اگلن کو اپنے سب ارادے مٹی کے ڈھیر بننے محسوس ہو رہے تھے کچھ بل بعد شہرینہ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے ٹیک سے موبائل نکال کر دیکھا زین کی کال تھی اس نے اگلن کو دیکھا اور پھر کال پک کر لی۔

”ہاں زین.....“

”کرو گے میرے دل میں تمہارے خلاف نفرت ہی بڑھے گی۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اپنی ہر زیادتی کا بدلہ لوں گی۔“ وہ جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی۔ اسے نفع و نقصان سے بے خبر اگلن کی نفرت میں بچتے اسے جس ڈبو دینے کو تڑپ رہی تھی اگلن نے اسے ایک بل کو بغور دیکھا شہرینہ عثمان بلا کی حسین لڑکی تھی۔

وہ حسن پرست ہوتا تو ایک بل میں گھائل ہو جاتا لیکن شہرینہ کے تیور اس کے انداز و اطوار اس کا لب و لہجہ یہ سب ایسے عناصر تھے کہ وہ اسے چاہ کر بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے اول روز کی طرح ہی ناپسند تھی لیکن جس طرح وہ واضح و بر ملا انداز و الفاظ میں اس کی ذات کی نفی کر رہی تھی اس کے اندر کا اتنا پرست مرد اس قدر تو جین آمیز سلوک پر اسے بھی جواباً بری طرح رد کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے رات جس طرح اس کی نفی کی تھی اگلن نے سوچ لیا تھا وہ اسے رد کرے گا بالکل اسی انداز میں جس طرح وہ اسے رد کر رہی ہے لیکن وہ اس طرح رد کرنا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی ٹوٹ کر اس کے قدموں میں گرے لیکن اسے توڑنے کے لیے اگلن کو اندر سے اب مضبوط بننا تھا۔ اس قدر کہ وہ جب چاہے اس لڑکی کی اتا اور اس کے پندار کے کل کو چکنا چور کر سکے۔

”تم اپنے ہنر آزمائش میں بھی دیکھتا ہوں تم کہاں تک جاتی ہو اپنی اس نفرت میں۔“ شہرینہ نے لب و لہجہ سے تلخ دبا لیے تھے اگلن پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اگلن نے ایک دو بل اسے دیکھا اور پھر اس نے انکیشن میں چابی گھمائی تھی۔

”لاک کھولو مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاتا۔“ وہ

پھر پھینکاری۔

”کھول سکتی ہو تو کھول لو۔“ اس نے مسکرا کر کہا

تھا۔ ڈرائیور نے گیٹ اوپن کر دیا تھا۔ اس نے گاڑی

ہاتھ دے پر ڈال دی تھی شہرینہ نے کچھ لمے اگلن کو

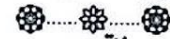
بغور دیکھا۔

”نہیں۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے، اوکے۔“

”اوتے اللہ حافظ۔“ اگلن کی نگاہ سامنے سرک پر تھی لیکن ذہن شہرینہ عثمان کی طرف تھا، کچھ دیر بعد کالج آ گیا تھا، اگلن نے خود اتر کر دوسری طرف آ کر لاک کھولا تھا۔ شہرینہ خاموشی سے اپنا بیگ اور فائل لے کر باہر نکل گئی تھی۔ اگلن کے اپنی نیوڈ سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگلن کے ساتھ بیچ چلا کر مقابلہ کرنے کی بجائے بالکل خاموش رہ کر اسے زچ کرنا زیادہ آسان تھا۔ شہر اگلن نے اسے جاتے دیکھا تھا، وہ کالج میں داخل ہوئی تو اگلن نے بہت سنجیدگی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔



”کس کے ساتھ آئی تھی؟“ زین سے ہیلو ہائے کے بعد اس نے پوچھا۔

”بتایا تھا ناں کہ لاہور سے مہمان آئے ہوئے ہیں

انہی میں سے ایک نے ڈراپ کر دیا تھا۔“

”تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟“

”پاپا لے گئے تھے۔“

”پریزنٹیشن دیکھ لیتے ہیں، تھوڑی دیر بعد کلاس

شروع ہو جائے گی۔ کل مہمانوں کی وجہ سے کچھ نہیں

کر پائی ورنہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس میں کافی

ساری چیزیں اور ایڈ کروں گی۔“ اس نے کہا تو زین

نے سر ہلا دیا۔

وہ دونوں گروپ کے پاس آگئے تھے، حوریہ عباس

دونوں کی منتظر تھی ان کے گروپ میں ایک اور لڑکا جو اور

لڑکی صبا بھی شامل تھے۔ پانچ افراد پر مشتمل اس گروپ

میں سبھی افراد کافی لائق تھے سوائے صبا کے باقی چاروں

کافی ہائی فیلمز سے لی لائیک کرتے تھے۔ صبا ایک مڈل

کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، شروع میں کسی بھی

گروپ کا حصہ نہ تھی۔

حوریہ کو وہ بہت پسند تھی اس نے اسے اپنے گروپ

میں شامل ہونے کا کہا تھا لیکن اس نے زین اور جواد کی

وجہ سے انکار کر دیا تھا لیکن بعد میں حوریہ کی کوششوں سے

ایک اسائنمنٹ کے ذریعے ان کے گروپ کا حصہ بنی تھی

کہ اس اسائنمنٹ میں اس کے نمبرز سب سے زیادہ تھے

باقی لوگوں کو اسائنمنٹ کے لیے اس سے مدد لینا پڑی تھی

اس کے بعد ان لوگوں کے گروپ میں وہ اکثر دکھائی

دینے لگی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان کے گروپ کا حصہ بن

گئی تھی۔ صبا کا پلس پوائنٹ اس کا عیال اور حجاب استعمال

کرنا تھا۔

وہ ایک مڈل کلاس مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی،

شروع شروع میں اس کے عیال پر کالج میں کافی چوٹ کی

جاتی تھی لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ عیال اس کی

بیچان بننا چلا گیا تھا وہ عیال کے بغیر بھی دکھائی نہ دی گئی۔

شہرینہ اور حوریہ اس کے گھر بھی جا چکی تھیں وہ لوگ کافی با

اخلاق تھے جبکہ وہ زین اور جواد سے اب بھی کچھ حد تک

ریزروئی ہو کر ملتی تھی جبکہ شہرینہ اور حوریہ سے بہت

فریک تھی وہ ان دونوں کے بارہا اصرار کے باوجود کبھی

ان دونوں کے گھر نہیں آئی تھی۔ ایک دفعہ صبا کی بہن کے

میڈیکل ایڈمیشن میں کچھ گھپلا ہو رہا تھا نیسٹ کھینچا

نمبر زبھی اچھے تھے لیکن داخلہ چار جزی کی وجہ سے یہ لوگ

کافی پریشان تھے۔ تب پہلی بار اس نے شہرینہ سے بات

کی تھی اور شہرینہ نے عثمان صاحب سے کہہ کر اس کا کام

منشوں میں کرا دیا تھا تب سے وہ شہرینہ کی کافی مشکور

تھی۔ اس وقت بھی وہ پانچوں مل کر پریزنٹیشن پر

ڈسکس کر رہے تھے یہ گروپ پریزنٹیشن تھی جسے گروپ

کی طرف سے شہرینہ پر پرنٹ کر رہی تھی لیکن اہم

پوائنٹس بھی نوٹ کر رہے تھے۔

”اچھا چھوڑو کتنا بورنگ کام ہے۔“ حوریہ کچھ دیر

بعد ہی اکتا گئی تھی اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا تو سبھی

نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ ان سب میں سے اسٹڈی

سے جی چرانے والی لڑکی تھی لیکن نمبر اس کے بھی بہت

اچھے آتے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اوڑا آل ساری پریشانیوں تقریباً
کھل ہی ہے اور شہرینہ بہت اچھے سے بچ کر لے گی۔“
”بالکل۔“ جواد کے کہنے پر اس نے فوراً سر ہلایا۔

”مجھے بہت بھوک لگی ہے ناشتا نہیں کر کے آئی چلو
کینٹین چلتے ہیں۔“ حور نے کہا تو شہرینہ نے اپنا
موبائل دیکھا۔ ابھی کلاس شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ
باقی تھا وہ حوریہ اور صاحبہ کینٹین کی طرف آ گئیں۔

وہ گھر سے ناشتا کر کے آئی تھی اس نے صرف چائے
پینے کو ترجیح دی تھی جبکہ حوریہ نے اپنے لیے برگر اور کوئلہ
ڈرنک منگوائی تھی صابن نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا
وہ گھر سے اچھی طرح ناشتا کر کے آئی تھی۔ وہ لوگ بیٹھ کر
ابھی کھا رہی تھیں جب اچانک فریج نے پیچھے سے
شہرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”کیسی ہو شہرینہ؟“ شہرینہ نے پلٹ کر دیکھا اور
فریج کو دیکھ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

”فائن۔“ اس کا انداز لیا دیا سا تھا۔ وہ اس وقت
فریج کے ساتھ ٹائم ویسٹ کرنے کے موڈ میں تھی۔

”کتنی بے وفالڑی ہو تم شایان کی شادی کے بعد تو
تم نظر ہی نہیں آئیں حتیٰ کہ میں نے کئی بار تمہارے
ڈیپارٹمنٹ کے چکر بھی لگائے۔“ وہ بہت اپنائیت کا
اظہار کرتے کہہ رہی تھی شہرینہ سنجیدہ جبکہ حوریہ کا موڈ
اسے دیکھ کر بگڑنے لگا تھا۔

”لو آگئی چیکو۔“ وہ بڑبڑائی تو صابن نے بمشکل اپنی
مسکراہٹ روکی تھی۔

”سننا ہے زوبیہ وغیرہ تمہاری طرف آئے ہوئے ہیں
آؤ تنک کے لیے۔“ وہ مزید بولی۔

”ہاں۔“ وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی۔ شادی میں جو کچھ
ہو چکا تھا اس کے بعد اس کا ان میں سے کسی کو بھی منہ
لگانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

”چلو اچھی بات ہے ماما کہہ رہی تھیں کہ وہ آج کل
میں ان لوگوں کو دعوت پر بلائیں گی۔“

”ہم.....“ اس نے بس ہنکار بھرا۔

”شادی کی تصاویر بہت اچھی آئی ہیں میرے
موبائل میں، ہم لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا
تمہاری کافی تصاویر ہیں میرے پاس ایکٹو گلی وہ
ڈانس کرتے ہوئے اور پھر بعد میں وہ تمہارے نکاح
والی۔“ وہ اس قدر روانی سے بول رہی تھی شہرینہ جو
سنجیدہ سی بیٹھی ہوئی تھی فریج کی آخری بات پر ایک دم
سیدھی ہوئی صابا اور حوریہ بھی ہنسی مچ گئی۔ شہرینہ کے
چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔

”نکاح..... کس کا نکاح؟“ وہ اس سے پہلے کہ کچھ
کہتی حوریہ فوراً بولی فریج نے اس کی ہلکی بڑی خطا اٹھائی
ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر میں ہی بھانپ گئی تھی کہ شہرینہ نے
اپنی دوستوں کو اپنے نکاح کے بارے میں ابھی تک کچھ
نہیں بتایا۔

”شہرینہ کا نکاح۔“ وہ ہنس کر بولی۔

”شہرینہ کا نکاح.....؟“ دونوں نے بے یقینی سے
شہرینہ کو دیکھا اور شہرینہ نے فوراً موبائل پر وقت دیکھا۔

”شہرینہ تم نے بتایا نہیں دوستوں کو شہرینہ کا کچھ دن
پہلے اسے تایا زاد سے نکاح ہوا ہے۔“ وہ شہرینہ کو دیکھ رہی
تھی اور مسکرا کر دوستوں کو بتا رہی تھی وہ حیران تھیں۔

شہرینہ اچانک آگن جیسے آسان شکار کو اس کے پنجوں سے
نکال کر لے آئی تھی فریج تو اندر ہی اندر جل رہی تھی۔

”آگن جیسا ہر لحاظ سے مکمل اور شاندار مرد کا اس طرح
ہاتھوں سے نکل جانا وہ بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔

رخشنده اور فریج کا تو حسد کے مارے برا حال تھا اور اب
اگر شہرینہ سے سامنا ہوا تھا تو بھی وہ اسے معاف کرنے
والی نہ تھی۔

”فریج پلیز..... ہماری کلاس ہونے والی ہے پھر
بات کریں گے۔“ وہ فوراً کھڑی ہوئی جبکہ فریج مسکرا کر

اسے دیکھنے لگی۔

”شہرینہ بتاؤ تو سہی یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ حوریہ بھی
آدھی کوئلہ ڈرنک وہیں چھوڑ کر فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

انہوں نے کاؤنٹر پر پے منٹ کی اور تیزی سے وہاں سے

چلی آئی تھیں۔
 ”میں تم لوگوں کو سب بتا دوں گی لیکن ابھی کلاس
 ہونے والی ہے زین یا جواد سے ذکر کرنے کی ضرورت
 نہیں بس اتنا کہو گی کہ اس نکاح کی میرے نزدیک کوئی
 حیثیت نہیں سو میں نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔“ وہ
 سنجیدگی سے کہہ رہی تھی، حور یہ اور صبا نے خاموشی سے
 اسے دیکھا۔
 ”اوکے لیکن کلاس کے بعد تم ہمیں سب کچھ بتاؤ گی“
 ایک ایک لفظ بچ بچ۔ ”شہرینہ نے سر ہلا دیا۔ وہ ذہنی طور
 پر ڈسٹرب ہوئی لیکن اس نے خود کو جلد ہی بحال کر لیا
 تھا، کچھ دیر بعد ان کی کلاس شروع ہو گئی تھی۔ اس کی
 پریزینٹیشن کافی اچھی رہی تھی۔
 سر نے اور کلاس فیلوز نے اسے بہت اچھے انداز میں
 اپریٹیشن کیا تھا اس کی اگلی کلاس فری تھی زین کو اردو
 ڈیپارٹمنٹ کی طرف کچھ کام تھا وہ جواد کے ساتھ اسی
 طرف چلا گیا تھا وہ تینوں لان میں آ بیٹھی تھیں اور پھر اس
 نے ان کو سب تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اٹلن کے ساتھ
 ہونے والی تمام جھڑپیں دل میں موجود بدگمانیاں و نفرتیں
 ہر چیز دونوں نے از حد خاموشی سے سبب بنا تھا۔ آخر میں
 اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس وقت اٹلن اپنی وادی بہن
 بھائی اور بھائی کے ساتھ ان کے گھر میں موجود ہے۔
 ”بڑی فکری سی کہانی ہو گئی ہے یہ تو۔“ صبا نے کہا تو
 شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ دوستوں میں موضوع
 گفتگو بننے سے خوف زدہ تھی لیکن اب فریجہ کی حماقت کی
 وجہ سے سب کچھ بتانے پر مجبور تھی۔
 ”تصور کوئی نہیں تمہارے پاس نکاح کی۔“ شہرینہ
 نے گھورا تو صبا نے حور یہ کا کندھا ہلایا۔
 ”جس چوتھن میں بے چاری کا نکاح ہوا ہے ایسے
 میں کس کو تصور بنانے کی سوجھتی ہے۔“
 ”ہے تو ایسا ہی لیکن شادی وادی کی تصاویر تو ہوں گی
 تمہارے پاس۔“
 ”ہوئی تو بھی میں تمہیں نہ دکھاتی۔“

”چلو کوئی بات نہیں میں فریجہ سے کہہ دوں گی اس
 کے موبائل میں تو ہیں وہ دکھا دے گی۔“ شہرینہ نے گھورا
 تو وہ ہنس دی۔
 ”اپنا موبائل دو۔“ اس نے اس کے ہاتھ سے
 موبائل لیا۔
 ”پاسورڈ بتاؤ۔“ جیسے ہی اس نے آن کیا تو موبائل
 پاسورڈ مانگنے لگا۔ شہرینہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل
 لے کر پاسورڈ لگا کر پینٹرن کھول کر اسے موبائل دے دیا
 تھا۔ حور یہ نے گیلری کھول لی تھی تصاویر اس کے سامنے
 تھیں پھر صبا بھی دیکھنے لگی۔
 ”بتاؤ یہ کون کون ہیں؟“ زو بیہ اور فرح کی کل
 کی لی گئی تصاویر تھیں جو فرح نے اس کے موبائل
 سے لیں تھیں۔
 ”یہ زو بیہ ہے اور یہ فرح۔“
 ”اب شرافت سے باقی کے بارے میں بتاتی چلو تم
 جانتی ہو تم نے ہمیں نہ بتا کر جو خطا کی ہے اس کی سزا کیا
 ہو سکتی ہے۔ ہم تم سے ناراض نہیں ہو رہے ہیں تو یہ ہماری
 شرافت ہے ایسا نہ ہو تمہیں ہماری سنگین قسم کی ناراضگی
 سہتا پڑ جائے۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا ایک
 ایک کر کے وہ ان کو سب تصاویر دکھا رہی تھی۔
 ”پار ساری دنیا کی تصاویر اس میں موجود ہیں جس کو
 دیکھنا مقصود ہے وہ تو کہیں نہیں۔“ حور یہ نے کہا تو اس
 نے حیرت سے سر جھٹکا۔
 ”وہ شخص اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی تصاویر میں
 اپنے موبائل میں رکھتی پھر دوں۔“ حور یہ اور صبا نے بغور
 اسے دیکھا۔
 ”پر سنائی کیسی ہے؟“ حور یہ نے اس کی نفرت کا
 اندازہ لگایا۔
 ”پاپا سے کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔“
 ”واؤ اس کا مطلب ہے کافی ڈشنگ پر سنائی ہے
 پھر تو۔“ شہرینہ نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
 ”قسم سے تمہارے پاپا کی پر سنائی آج بھی اس قدر

شامدار ہے کہ کئی کنواری لڑکیاں دل ہاتھ میں لیے ان کے رستے میں بیٹھنے کو ترجیح دیں گی۔

”بکومت۔“ اس نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

”ارے دیکھئے تو دو ہو سکتا ہے آگے جا کر اس کی تصویر نکل آئے۔“ شہرینہ نے ان سنی کرتے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

”اس کا مطلب ہے کافی زبردست انسان ہے بہر حال شہرینہ کی باتوں سے مجھے وہ کوئی بہت زیادہ ناقابل برداشت انسان نہیں لگتا۔ جس طرح کے واقعات شہرینہ بتا رہی ہے ہمارے گھر کے مردوں کی بھی یہی سوچ ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی عورتوں کے بارے میں اس طرح پوزیو ہیں جس طرح مسٹر آٹن کا بتایا ہے اس میں نفرت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔“ صبا نے حقیقت پسندی سے سچائی پر جی بات کی۔

”تم میری دوست ہو یا اس کی بہن۔“

”تمہارے تاپے تو اب سالی کا رشتہ بنتا ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا شہرینہ نے لب بھینچ لیے تھے۔

”بہر حال کوئی حتمی رائے دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک بار تمہارے ان مسٹر آٹن صاحب سے مل لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیا خیال ہے بقول اس کے کہ آج کل اسلام آباد میں ہی ہے اور ان کے گھر ہی رہائش پذیر ہے۔“ حور نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

”ہرگز نہیں تم لوگ اسے دیکھئے ہرگز نہیں جاؤ گی۔“

”ہم یونیورسٹی سے واپسی پر تمہاری طرف چل رہی ہیں تمہاری گاڑی بھی نہیں ہے تمہیں اور صبا کو ڈراپ کرنا میری ذمہ داری ہے۔“ حور نے فوراً پروگرام بنایا۔

”میں نے گھر نہیں بنایا۔“ صبا نے ٹالنا چاہا۔

”کوئی بات نہیں گھر کال کر کے آنٹی سے اجازت لے لیتا آج جانا پکا ہے۔“ ان کا پروگرام پکا تھا صبا نے

سر ہلایا جبکہ شہرینہ اس لمحے پر افسوس کر رہی تھی جب فریج کی حفاظت کے سبب اس نے ان کو سب کچھ بتایا تھا۔

شہرینہ کی سوئمنگ پیکس تھی لیکن حور یہ اور صبا کی وجہ سے اس نے انسٹرکٹر کو کال کر کے اپنے نئے کاکہر دیا تھا وہ سوئمنگ پول جانے کی بجائے حور یہ کی گاڑی میں آ بیٹھی تھی صبا نے بھی اپنے گھبرات کر لی تھی وہ بھی ساتھ تھی۔ سارا رستہ حور یہ اور صبا آٹن کا نام لے لے کر اس کا دماغ چاٹتی رہی تھیں اللہ اللہ کر کے گھرا یا تو ان کی زبان رک گئی تھی۔

فائنل پیگم حسب پروگرام عثمان کے ڈرائیور کے ساتھ کسی انوی نیشن پر جا چکی تھیں۔ شہرینہ کی گاڑی گھر آ چکی تھی گھر والی گاڑی بھی موجود نہ تھی شامیان اور زویہ گھر والی گاڑی لے کر باہر کھوٹے گئے تھے فرح گھر پر ہی تھی اماں بی کے پاس۔ وہ زبیدہ کو خاطر مدارت کا سامان اچھے انداز میں تیار کرنے کا کہہ کر ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

صبا چند ایک بار ہی ان کے ہاں آئی تھی لیکن ہر بار ان کے گھر آ کر وہ اس کے گھر کی امارت دیکھ کر کچھ بل کے لیے خاموش ضرور ہوتی تھی۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ اس کی شہرینہ کی نجانے کیسے دوستی ہو گئی وہ تو خود کسی بھی طرح شہرینہ کے قابل نہ سمجھتی تھی لیکن وقت گزرنے پر اس نے ہمیشہ اس کو بہت زیادہ محبت کرنے والی ہر اچھے برے میں ساتھ رہنے والی دوست پایا تھا۔ وہ دل سے اس کی قدر کرتی تھی وہ گزرے وقت میں اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ شہرینہ مزاج اور زبان کی تیز تھی لیکن دل کی بہت اچھی تھی جن لوگوں سے اس کا مزاج مل جاتا تھا وہ ان کے ساتھ دل بھی ملائی تھی۔ فرح کو علم ہوا کہ گھر میں شہرینہ کی فریڈیز آئی ہوئی ہیں تو وہ خود ہی شہرینہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

”مجھے فرح کہتے ہیں۔“ سلام دعا کے بعد فرح نے اپنا تعارف کروایا تھا تو دونوں مسکرائیں۔

”ہم جانتے ہیں۔“

”کیسے ہم تو چکی باہل رہی ہیں۔“

”شہری آپ کا کافی ذکر کرتی ہے ناں۔“ حور نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھ کر کہا تو فرح نے خوشگوار حیرانی سے شہرینہ کو دیکھا۔

”حیرت ہے اللہ کرے یہ ذکر خیر ہی ہو۔“ فرح نے بھی کہا تو شہرینہ نے غصے سے دیکھا وہ ہنس دی۔

”اصل میں ہماری یہ کزن آل ٹائم غصے میں رہتی ہے تو میں سوچ رہی تھی میرا ذکر کچھ اچھے الفاظ میں نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ ان کے پاس ہی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

”میں زبیدہ کو دیکھتی ہوں اس کو چائے کا کہا تھا۔“ وہ ان لوگوں کو وہ ہیں چھوڑ کر باہر آ گئی تھی، گھر میں اسنے ملازمین تھے مالکان کچھ کھائیں یا نہ کھائیں ملازمین کے لیے ضرور پکاتا تھا، زبیدہ نے کچھ بیکری کا سامان لڑکے کو بھیج کر منگوا لیا تھا اور کچھ چیزیں فوراً گھر سے نکالیں تھیں۔

”پہلے چائے اور ساتھ میں ریفریجمنٹ بھجواؤ پھر کچھ دیر بعد کھانے پینے کا سامان لے آنا۔“ وہ کہہ کر واپس کمرے میں آئی تو حیران ہوئی۔

فرح اماں بی کو بھی وہیں لے آئی تھی اب یہ چاروں کافی خوشگوار موڈ میں بات چیت کر رہی تھیں۔ فرح تو مکمل طور پر ان دونوں سے مکمل مل چکی تھی یوں جیسے یہ شہرینہ کی نہیں فرح کی ہی دوست تھیں جبکہ شہرینہ تو دوستوں سے بھی فریٹ ہوئے میں سالوں لگاتی تھی۔

”یار تم دونوں تو اچھی خاصی ہوٹیلی لحاظ سے بھی ٹھیک ٹھاک ہو پھر تم دونوں نے شہرینہ سے دوستی کیسے کر لی؟“ فرح نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھتے کہا تو حور نے بے اختیار ہنسی۔

”بس دماغ خراب ہو گیا تھا۔“

”بکواس نہیں کرو۔“ اس نے غصے سے حور پر کندھے پر ہاتھ مارا۔

”ویسے ایمان داری سے بتاؤں شہرینہ جیسے لوگ دل کے بہت سچے ہوتے ہیں، اندر باہر سے ایک جیسے غصے اور مزاج کی تیزی ان کے دل کی سچائی تو دھندلا نہیں سکتی

ایسے لوگ جس سے بھی رشتہ بناتے ہیں بہت فیر ہو کر بناتے ہیں۔“

”یہ تو ہے۔“ فرح نے بھی سر تسلیم خم کیا۔ زبیدہ چائے لے آئی تھی ساتھ لکا پھلکا ریفریجمنٹ تھا ان لوگوں نے چائے بہت خوشگوار موڈ میں پنی تھی۔ چائے کے بعد اماں بی لاؤنج میں جا بیٹھی تھیں جبکہ وہ ان تینوں کو لے کر گھر دکھانے لگی تھی، پچھلے دنوں سارے گھر کی کلر اسکیم اور سینٹ چینیج کی تھی۔ ماما نے شہر کے ہائی فائی ہوم انٹیریئر کمپنی کی خدمات لی تھیں سارا گھر جگہ بہت ہی شاندار لگ رہا تھا۔ صبا گھر دیکھ کر متاثر ہو رہی تھی جبکہ حور یہ سہرا رہی تھی وہ اوپر والے پورشن میں تھیں جب اگلن گھر لوٹا تھا وہ اماں بی کے پاس آ گیا تھا انہوں نے چائے پانی کا پوچھا تو اس نے پہلے فریش ہونے کا کہا ایک دو منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ لباس لے کر واش روم میں گھس گیا تھا کچھ دیر بعد وہ پینج کر کے فریش ہو کر کمرے سے نکلا تو اسے بھوک لگ رہی تھی وہ آج سارا وقت بڑی رہا تھا۔ وہ کبھی بھی اسلام آباد آنے پر راضی نہ ہوتا اگر یہاں کے کچھ کافی عرصے سے پینڈنگ کام اسے انریکٹ نہ کرتے۔ اس نے بظاہر اماں بی کے لیے رضا مندی دی تھی لیکن حقیقتاً وہ اپنے کام نبھانے کے لیے آیا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تھا اماں بی سے پتا چل گیا تھا کہ خالہ گھر پر نہیں تھیں زوبیہ اور شایان باہر نکلے ہوئے تھے جبکہ فرح گھر پر تھی۔

”فرح کہاں ہے؟“ وہ واپس اماں بی کے پاس چلا آیا۔

”شہری کے ساتھ ہے شاید اوپر گئی ہے۔“ اگلن نے سر ہلایا اس کا خیال تھا کہ وہ فرح کو کھانے پینے کے لیے کچھ لانے کو کہے گا اس نے کچھ دیر فرح کا ویٹ کیا لیکن فرح نہ آئی تو وہ خود ہی کچن میں آ گیا۔ کچن سے بڑی اشتہا مائل نظر کھانوں کی خوشبو میں اٹھ رہی تھیں۔

”کچھ چاہیے صاحب۔“ زبیدہ اسے دیکھ کر فوراً متوجہ ہوئی۔

”السلام علیکم!“ دونوں نے کہا، اُٹھنے سے محض سر ہلایا تھا۔

”کھانا کھاؤ۔“ اماں بی نے کہا تو حور یہ مسکرائی۔
”آپ کھائیں ہم ابھی کھا کر آئے ہیں، ہم نکل رہے تھے جانے کے لیے تو سوچا کہ آپ سے مل لیں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔“ حور یہ نے مہذبانہ انداز میں کہا۔

”اُٹھن بھائی یہ دونوں شہرینہ کی فریڈز ہیں۔“ فرح نے تعارف کروایا تو اُٹھن نے ایک گہرا سانس لیا۔ حور یہ کی ڈریسنگ نے تو انہیں البتہ صبا کے عبا یا اور اسٹائلز سے ضرور حیرت زدہ کیا تھا، شہرینہ کے حلقہ احباب میں ایسی ڈھکی چھپی لڑکی بھی ہو سکتی ہے وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ اُٹھن کو دونوں نے بطور خاص دیکھا تھا، صبا کو اس کا کھڑے ہو کر احترام دینے کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

اس نے بلاوجہ دونوں کی طرف نہیں دیکھا، وہ ایک سرسری نظر ڈال کر اماں بی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
”اوکے اماں بی اگر آپ پھر آئیں تو ضرور بتائیے گا میری گریڈ مدر بھی بالکل آپ کے جیسی ہیں، آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میں آپ سے پھر بھی ملنے آؤں گی۔“ حور یہ نے کہا، اس کے لہجے میں خلوص اور محبت تھی۔ اماں بی کو بھی یہ دونوں بچیاں بہت بھائی تھیں انہوں نے ہاتھ اٹھایا تو دونوں نے جبک کر ان سے پیار لیا۔

”ضرورتاً میں شیری کو کہوں گی وہ تم دونوں کو دوبارہ لے کر آئے۔“ انہوں نے کہا وہ سر ہلایا تھی۔ ایک دو اور باتوں کے بعد وہ اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی تھیں اُٹھن دوبارہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔

”ماشاء اللہ بڑی نیک بچیاں ہیں۔“ اماں بی نے کہا تو اُٹھن نے سنسکا کر دیکھا۔

”بس ایک ہی نیک لگتی ہے دوسری تو آپ کی پوتی کا ہی ہر تو لگی۔“

”لباس پر نہ جاؤ اخلاق دیکھو کیسا سلجھا ہوا ہے۔“

”ہاں کھانا چاہیے، فرح کو کہیں میں لاؤنج میں اماں بی کے پاس ہوں ادھر ہی کھانا بھجوا دیں۔“ کمرے میں انواع و اقسام کی کھانے کی اشیاء سجا رکھی تھیں۔ ایک سرسری ہی نگاہ ڈال کر وہ واپس باہر نکل گیا تھا، زبیدہ نے فوراً باہر کی راہ لی تھی ڈائننگ ہال میں کھانا لگا کر وہ اوپر والے پورشن میں چلی آئی، وہ چاروں وہاں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

”کھانا لگا دیا ہے شیری بی بی۔“ اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔ وہ تینوں ابھی تھیں اس نے فرح کو دیکھا۔
”فرح بی بی شیری اُٹھن صاحب آپ چکے ہیں آپ کو بلا رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ کھانا لے کر ادھر ہی آ جائیں وہ اماں بی کے پاس ہیں۔“

”کچھ دیر پہلے۔“ وہ چاروں نیچے آگئی تھیں۔ حور یہ اور صبا اُٹھن کو ہی دیکھنے آئی تھیں لیکن یہاں آنے پر علم ہوا تھا کہ وہ گھر نہیں لوٹا ابھی تک تو وہ ناامیدی ہوئی تھیں مگر اب اُٹھن کا نام سن کر وہ پھر بے شوق ہوئی تھیں۔ شہرینہ انہیں ڈائننگ ہال میں لے آئی تھی۔ فرح بھی اُٹھن کو کھانا دے کر ان کے ساتھ ہی آگئی تھی۔ کھانے کے بعد صبا اور حور یہ اُٹھن سے ملنے کے لیے شہرینہ کو اشارے کر رہی تھیں جبکہ وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔
”فرح آپ کی اماں بی سے ملنا ہے کیا کر رہی ہیں وہ۔“ حور یہ نے خود ہی فرح سے کہا۔

”وہ تو بھائی کے ساتھ کھانا کھا رہی ہیں۔“
”ہمیں دیر ہو رہی ہے ایسا کرتے ہیں ان سے مل لیتے ہیں اور پھر نکلتے ہیں۔“ صبا نے بھی کہا تو شہرینہ کے لاکھ آنکھیں دکھانے پر وہ اماں بی سے ملنے (لیکن درحقیقت اُٹھن کو دیکھنے) لاؤنج میں چلی آئیں جبکہ شہرینہ کارڈیڈور میں ہی ٹھہرنے لگی تھی۔ اُٹھن فرح کے ساتھ اجنبی لڑکیوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔ ایک کی ڈریسنگ تو سیم شہرینہ جیسی ہی تھی لیکن دوسری کو دیکھ کر وہ احتراماً لا شعوری طور پر کھڑا ہوا تھا۔

”آج کے دور میں انسان کی پرکھ دنیا اس کے لباس سے ہی کرتی ہے، ظاہری حلیے ہی انسان کے کردار کی پہچان کرواتے ہیں ورنہ اندر جھانک کر کس نے دیکھا ہوتا ہے کہ وہاں کس قدر اخلاقیات موجود ہیں۔“ اگلن کا انداز سنجیدہ تھا اور کچھ حد تک طنزیہ بھی۔

”شیری جذباتی ضرور ہے کم عقل نہیں کہتے ہیں انسان کے دوست اس کے کردار کے آئینہ دار ہوتے ہیں اس کی محبت ہی اس کے کردار کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کی دوستوں کو دکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ بہت اچھی پہچان لگی تھی۔“ اگلن محض مسکرایا تھا۔

بری تو اسے بھی نہیں لگی تھیں لیکن وہ محض ظاہری حلیہ دیکھ کر فیصلہ کر لینے والا انسان نہ تھا، دونوں بظاہر بااخلاق مہذب اور سلیبی ہوئی ہی نظر آئی تھیں وہ سر جھٹک کر کھانے میں بڑی ہو گیا تھا۔ فرح ان سے مل کر اگلن کے پاس آگئی تھی کہ پوچھ لے کہ کھانا وغیرہ میں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ شہرینہ کے کمرے سے اپنے بیگز اور بکس لے کر وہ لان میں آگئی تھیں۔

”اگلن صاحب بظاہر تو بہت ہی ڈینٹ اور چارمنگ لگے، دیے شیری تو ہے ہی لگی اتنا اچھا بیک گراؤ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا شاندار ہزبینڈ مل رہا ہے۔“

”تم لوگ جانتی ہو کہ مجھے ان چیزوں کی طلب نہیں اس شخص کا نام میرے سامنے بار بار مت لؤ میرا اور اس کا یہ رشتہ جو بڑوں کی خواہش اور ضد کا نتیجہ ہے اب بہت دیر تک نہیں چلنے والا ایک نہ ایک دن یہ ختم ہو کر ہی رہے گا۔“ صبا نے اسے بغور دیکھا۔

”اس قدر حسنی رائے؟ ابھی آغاز ہے اخلاقی لحاظ سے وہ مجھے اچھے انسان لگے ہیں۔ تم بھی اپنے رویوں میں لچک پیدا کرو ہو سکتا ہے سب ٹھیک ہو جائے۔“ صبا نے کہا۔

”میں اس شخص سے نفرت کرتی ہوں وہ مجھے اچھی لڑکی نہیں سمجھتا جو مجھے ڈی گریڈ کرے گا تم دونوں جانتی

ہو کہ پھر میں جو کرتی ہوں۔“

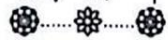
”ٹھیک ہے جو بھی ہوا وہ ماضی تھا وہ سب یہ رشتہ بننے سے پہلے تھا اب تم ان کی وائف ہو یقیناً ان کے دل میں بھی گنجائش پیدا ہوئی ہوگی۔ تم بھی گنجائش پیدا کرو خود کو بڑے سکون رکھنے کی کوشش کرو سب ایک جیسا نہیں رہتا ہمیشہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز بدلتی ہے۔ میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ لگالیا ہے کہ وہ عورت کو عزت دینے والے مرد ہیں۔ تم اگر خود کو ان کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو گی تو وہ بھی یقیناً بدلیں گے اگر دونوں ہی اکڑے رہے تو بہت نقصان ہو سکتا ہے۔“ صبا نے محل سے سب کچھ وضاحت سے سمجھایا۔ شہرینہ نے خاموشی سے سنا۔

”میں ان کو پسند نہیں کرتی۔“

”کوئی اور سے کیا؟“ حور یہ نے بہت آسانی سے پوچھا۔ شہرینہ تو کئی لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”وہ زین ہے کیا؟“ یہ صبا تھی شہرینہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا اس نے لب بچھ لے تھے چہرے کے عضلات کھینچ گئے تھے حور یہ نے صبا کو دیکھا۔ صبا نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن حور یہ کے آنکھ کے اشارے سے منع کرنے پر وہ خاموش ہو گئی۔

”او کے چلتے ہیں آج کا دن تمہارے ساتھ تمہاری کزن اور اماں بی سے مل کر بہت اچھا گزرا۔“ حور یہ نے کہا تو شہرینہ نے محض سر ہلایا وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں، واضح مین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑی رہی تھی حور یہ ہاتھ ہلاتی گاڑی گیٹ سے نکال کر لے گئی تھی شہرینہ نے ان کو جاتے دیکھا تھا۔ اس کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اندر جانے کا اس کا دل نہیں کر رہا تھا وہ لان کی گھاس پر چلنے لگی دل میں عجیب سا موسم تھا اور چہرے پر گہری سوچ کا سایہ۔



فرح آئی تھی اس کے پاس شاپنگ کے لیے جانا تھا

زویہ اور شایان تو گھوم پھر آئے تھے وہ کافی تھکے ہوئے تھے دونوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا جبکہ فائقہ ابھی بھی نہیں لوٹی تھیں انہوں نے رات میں عثمان کے ساتھ ہی آتا تھا۔ نیو گھر پر ہی تھا درمیان میں کچھ دیر وہ گھر سے نکلا تھا دو تین دن کی چھٹی باقی تھی اس کی اس کے بعد اس نے پھر مری ہاسٹل میں چلے جانا تھا وہ وہاں سے اولیول کر رہا تھا آج کل اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔

”سوری یار میں تو نہیں جاسکتی کل اگر ٹائم ملا تو دیکھیں گے۔“ اس نے انکار کر دیا۔

”اف۔۔۔۔۔ کتنے بورنگ ہو تم لوگ خالہ کی اپنی ایکٹوئیز ہیں چچا جان وہ بھی انتہائی بڑی ہیں آفاق بھائی موجود نہیں ہیں اور ایک تم ہو جو جیسے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو یار میں ادھر گھومنے پھرنے آئی ہوں گھر میں بند ہونے نہیں۔ عجیب لوگ ہو گھر آئے مہمان کی ایسے مہمان نوازی کرتے ہیں کیا؟“

”تو مجھے کیا کہہ رہی ہو جا کر اپنی خالہ اور چچا کو کہو ناں۔“ اس نے ناراضی سے کہا تو فرح نے گھورا۔

”یہ سارے دکھڑے تمہاری ناراضی کے لیے نہیں رو رہی آرام سے اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھنچا۔

”پلیز فرح میں تھک گئی ہوں پاؤں کے زخم کی وجہ سے بہت زیادہ چل پھر نہیں سکوں گی۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔

”اور اگر تم آج اپنے صبح بتائے گئے شیڈول کے مطابق سونے کی پریکٹس کے لیے چلی جاتی تو تب تھکن نہیں ہوتی تھی اور پاؤں میں بھی درد نہیں تھا۔“

”کیا مسئلہ ہے یار تمہارا بھائی گھر پر موجود ہے اسے ساتھ لے جاؤ اور میری جان چھوڑ دو۔“

”بہت بری ہوتی ہو تم ہم تمہاری خاطر اتنی دور سے آئے تھے۔“

”فار یو کا سنڈ انفارمیشن میری خاطر نہیں اپنے بھائی

اور بھادج کی خاطر آئی ہو اور تفریح کے مقصد سے آئی ہو مجھ پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔“ وہ حد سے زیادہ صاف گوئی۔

”بڑی بے حس ہو۔“

”لیکن تمہاری فیملی کے بہت سے لوگوں سے کم ہوں۔“ وہ ترکی ترکی بولی۔

”اٹلن بھائی کے طعنے مت دو ان سے نکاح سے پہلے بھی تمہارا اور میرا ایک رشتہ تھا اسے فراموش مت کرو۔“

”تم نے اگر اپنے اس بے حس بھائی کا نام بھی لیا تو بس تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی میرے پاس بیٹھنا ہے تو شرافت سے بیٹھو۔“ وہ فوراً بے مروت بن گئی تھی فرح نے اسے بغور دیکھا۔ اس کی اس پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ تھا اٹلن کے نام پر تو وہ ایک دم چراغ پا ہو جاتی تھی۔

”اٹلن بھائی سے تمہارا جو رشتہ ہے اس کو تم کیسے فراموش کر سکتی ہو۔“

”میں ایسے کسی بھی رشتے کو نہیں مانتی جو بھی ہوا تمہارے بڑوں کی سازش سے ہوا ہے ورنہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس سے کس قدر نفرت کرتی ہوں۔“

”وہ بھی کھاروٹ دیتے تھے چلو مان لیتی ہوں کہ وہ کافی زیادہ روڈ ہو جاتے ہیں لیکن تم بھلا ان کو کیسے رنجکت کر سکتی ہو؟“

”بالکل ایسے ہی جیسے وہ میری ذات کی نفی کرتے ہیں مجھے ڈی گریڈ کرتے رہے ہیں۔“ وہ بہت مطمئن انداز میں بولی۔

”وہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوتا رہا ہے تم بھول نہیں سکتی وہ سب۔“ فرح نے محل سے کہا۔

”میری زندگی کو سب کے سامنے مذاق بنادیا گیا ہر موقع ہر لمحے میری تضحیک کی گئی۔ میری ذات پر کچڑ اچھالا گیا میں وہ سب بھلا کیسے بھول سکتی ہوں ماما پاپا دونوں کو فریب کیا گیا اسپیشلی پاپا کو تو میں بھلا اس کرب اور دکھ کو بھول سکتی ہوں۔“ وہ تو جیسے ڈٹ گئی تھی فرح نے

ایک گہرا سانس لیا۔
 ”بات اپنی ذات کے دفاع کے ساتھ ساتھ میری
 اگلو اور سیلف ریسپیکٹ کو برٹ کرنے کی بھی ہے میں
 کوئی غیر نہ تھی کہ جس کے اخلاق و کردار پر انہیں کوئی
 شک و شبہ ہوتا۔ میں ان کی سگی بچا زاد تھی وہ بھلا میرے
 ساتھ وہ سب کیسے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے تو کوئی لحاظ
 و مروت باقی نہ رہنے دیا تھا۔“
 ”وہ سب غلط بھی ہو سکتا ہے۔“
 ”کچھ بھی ہو لیکن میں اب اپنے موقف سے نہیں
 ہٹنے والی اور پلیز فرج اگر تم چاہتی ہو کہ بحیثیت مہمان
 میں تمہیں پر دو کول دوں اور تم سے مس بل ہی نہیں کروں تو
 پلیز آئندہ مجھ سے اس ٹاپک پر بات مت کرنا“ اینڈ
 ڈیس آل۔ ”فرج نے ایک گہرا سانس لیا شہرینہ کا انداز
 از حد نے چلک تھا۔ وہ واقعی اپنے دل و دماغ میں اب کوئی
 گنجائش نکالنے والی نہ تھی۔ شہرینہ کے لینے کے ساتھ
 آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ فرج نے اسے دیکھا اور
 آہستگی سے آنکھ کر کرے سے نکل گئی۔

اماں بی نے بلایا تھا وہ شکوہ کر رہی تھیں کہ وہ ان کے
 پاس نہیں آ رہی اور نہ ہی بیٹھ رہی ہے۔ اس نے بہت شکوہ
 کتناں نظروں سے ان کو دیکھا۔
 ”جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد آپ کو لگتا ہے کہ
 ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے کوئی
 گنجائش نکلتی ہے۔“
 ”کوئی بھی رشتہ انسان کو بندگی تک نہیں لے کر جاتا“
 دل میں گنجائش ہو تو بندگیوں میں بھی رستے نکل آتے
 ہیں۔ اپنے دل کو وسیع کرنا پڑتا ہے اپنے طرف کا پناہ دانا
 تنگ مت کرو کہ اس میں تمہاری اپنی ذات اپنے دل کی
 خواہشیں بھی نہ سما سکیں۔“ اماں بی نے سمجھایا۔ اس نے
 خاموشی سے ان کو دیکھا۔
 ”ظرف بڑا کرنے سے دل میں گنجائش نکلتی ہے“
 معاف کرنے سے رشتے بچتے ہیں اور بدلہ لینے یا مقابلہ
 کرنے سے رشتے ٹوٹتے ہیں باظرف اور عقل والے
 لوگ رشتوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں اور بے وقوف
 لوگ رشتوں کو ختم کرنے کا۔“
 ”چلیں سمجھ لیں کہ میں بے وقوف ہی سہی۔“ اس
 نے تلخی سے کہا۔
 ”خدا نہیں کرتے“ خدا رشتوں کا تقدس ہی نہیں ان کا
 حسن بھی گہنا دیتی ہے۔“
 ”میں یہ رشتہ رکھنا ہی نہیں چاہتی آپ بار بار مجھے
 فورس مت کریں۔“ اماں بی نے انتہائی بے بسی سے
 اسے دیکھا۔
 ”یہ رشتہ ہمارے دل کی اولین خواہش تھا۔“
 ”میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہر ایک کے دل کی
 خواہشوں کی تکمیل کا آپ کی خواہشوں کے لیے میں اپنی
 بھینٹ نہیں دے سکتی وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جو
 انتہائی بے حس اور سیلف فیش ہے جس سے میں بے انتہا
 نفرت کرتی ہوں۔“ وہ ابھی بھی ڈٹی ہوئی تھی۔
 ”آپ سے میں بے پناہ محبت کرتی تھی آپ کی ہر
 خواہش سر آنکھوں پر لیکن آپ نے جو کہا ہے وہ میری
 بساط میرے ضبط سے بہت بڑھ کر ہے، ام سوری۔“ وہ
 کہہ کر کھڑی ہوئی، اماں بی کی آنکھیں ڈبڈبائے گئی تھیں
 جبکہ شہرینہ نے دیکھنے کے باوجود انور کر دیا تھا۔
 اس کا اس قدر نقصان ہو چکا تھا اس کے بعد تو اب
 اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ
 رکے بغیر وہاں سے چلی گئی اور اماں بی نے بہت کچھ
 سوچنے کے بعد ایک گہرا سانس لیا تھا۔

عثمان آئے تو اماں بی نے ان سے بات کی۔
 ”میں چاہتی ہوں کہ انگن اور شہرینہ کی رخصتی کروا
 دوں۔“ انہوں نے چونک کر اماں بی کو دیکھا۔
 اس وقت سبھی اپنے کمروں میں جا چکے تھے جبکہ عثمان
 اور فائقہ دونوں ادھر ہی تھے اماں بی خود چل کر ان کے
 پاس آئی تھیں۔

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

”نہیں اماں بی..... یہ نہیں ہو سکتا ابھی آپ کی خواہش کا احترام تھا جو میں نے قبول کر لی وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔ ذہنی طور پر اخلاقی اور جذباتی ہر لحاظ سے وہ ابھی شادی کے قابل نہیں۔ آپ ٹینشن نہ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا شہرینہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی وقت کی خلیج سب کھیاں پوری کر دیتی ہے۔“ عثمان کا انداز دو ٹوک تھا اماں بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے شہرینہ کی ضد سے ڈر لگنے لگا ہے اس کا وہ یہ ہم سب کے ساتھ اور خاص طور پر آکلن کے ساتھ بہت خراب ہے۔“

”وقت کے ساتھ سنبھل جائے گی ڈنٹ وری۔“

”اور اگر نہ مانی شادی کے لیے تو.....“ وہ پریشان تھیں۔

”وہ مان جائے گی ابھی کچھ وقت دیں اسے سنبھلنے کے لیے۔“ اماں بی نے محض سر ہلایا فائقہ تنہا ہی دوڑوں کو دیکھ رہی تھیں وہ ساری گفتگو میں ایک لفظ بھی نہ بولی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ دن اور رک جاؤں عرصے بعد چکر لگتا ہے فائقہ بھی مصروف رہی ہے۔ ایسے میں شیریں بیٹی کو کچھ ناٹم دوں گی نجانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ تم دونوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے ڈسٹرب رہتی ہے اس ساری جذباتوں کے پیچھے اس چیز کا بہت ہاتھ ہے کہ تم دونوں اسے وقت نہیں دے رہے۔“

”طلسمان مان لیتا ہوں لیکن میں اب ہر وقت گھر پر نہیں رہ سکتا۔ فائقہ ہر وقت بڑی نہیں ہوتیں اور نہ ہی یہ ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ شیریں کو اچھا خاصا وقت دیتی ہیں شیریں بابت سچر ہی ایسی ہے جذباتی ضدی اور موڈی۔“ اماں بی خاموش رہی تھیں وہ کچھ وقت اور بیٹھیں اور پھر اٹھ کر آئیں۔

نجانے کیوں انہوں نے دونوں میاں بیوی کے درمیان عجیب سی سرد مہری محسوس کی تھی۔ اس لیے تو وہ رکنا چاہتی تھیں رک کر اس گھر کے حالات و واقعات کا

جائزہ لینا چاہتی تھیں تاکہ اصل صورت حال کا جائزہ لے کر کسی بہتری کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔

اماں بی نے اگلے دن شیریں کے کالج جانے کے بعد آکلن کو بلایا اور اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

”وہ جذباتی ضدی اور کم عمر بھی ہے حالات واقعات کو سمجھ نہیں سکتی لیکن تم ایک قابل ذمہ دار سمجھ دار مرد ہو پیچھے جو ہوا اسے بھول کر آگے بڑھو لڑکیاں موسم کی طرح ہوتی ہیں جذبات کی ذرا سی آغ بچ پر پھٹل جاتی ہیں میں نہیں چاہتی ماں باپ کی طرف سے ملنے والی کسی کی وجہ سے وہ کچھ انسا سیدھا قدم اٹھالے۔“ آکلن نے اماں بی کو بغور دیکھا۔

”کیسی کمی؟“ اماں بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

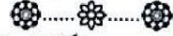
”عثمان اپنی سیاست میں لگا رہتا ہے فائقہ کو بھی ساتھ دینا پڑتا ہے ان حالات میں بچے نظر انداز ہوئے ہیں۔ لڑکے تو باہر وقت گزار کر ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن لڑکیاں بہت جلد متاثر ہوتی ہیں۔ اب تمہیں ہی خیال رکھنا ہوگا شہرینہ تو کسی بھی قسم کی لپک دکھانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی۔ اس کے نزدیک یہ رشتہ محض ایک مجبوری کا سودا ہے جسے وہ جب ضد میں آئی تو توڑنے میں دیر نہیں لگائے گی لیکن یہ رشتہ میری خواہش ہے اور امید ہے تم محل مزاحی کا مظاہرہ کرو گے ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دو گے۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ یہ رشتہ تو آکلن کی اپنی ضد اور انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔

ایک عالم کی موجودگی میں یہ رشتہ طے ہوا تھا اس کی رضامندی شامل تھی لیکن اماں بی کی محبت کے لیے اس نے یہ رشتہ باندھا تھا لیکن اس رشتے میں اس کی انا عزت اور اس کا وقار بھی شامل ہو گیا تھا۔ اب جو بھی تھا جیسا بھی تھا مجبوری کا سودا ہی تھا یہ سچ تھا کہ شہرینہ عثمان

اب اس کی بیوی تھی۔ اس کے نام سے منسوب اس کی ذات کا حصہ تھی۔ اس کی انا کا ہی مسئلہ نہ تھا بلکہ اس کی

عزت نفس اور وقار کا بھی مسئلہ بن گئی تھی وہ اب اسے کسی بھی قیمت چھوڑنے والا نہ تھا۔ شہرینہ جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہ تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے اب ہینڈل کرنے کے لیے اس کے دل و دماغ میں جگہ بنانا تھی۔ یہ نہ صرف اب دل کی ضد تھی اس نے بہت زیادہ سوچا تھا ہر پہلو پر اور پھر اماں لی کو ڈھیر ساری تسلیاں دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔



اس نے فرح سے بات کی فرح شیریں کے کالج آتے ہی اس کے سر ہو گئی تھی مجبوراً شہرینہ کو ماننا ہی پڑا تھا۔ فرح شہرینہ زوبیہ اور شایان پھر چاروں شاپنگ کے لیے جا رہے تھے شایان گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا زوبیہ فرنٹ سیٹ پر تھی۔ پہلے کی نسبت شہرینہ کا موڈ اب بہتر تھا وہ ان کو مختلف ڈلٹ پر لے کر آئی فرح اور زوبیہ نے کافی کچھ خریدا تھا شہرینہ نے بس ایک دو چیزیں ہی لی تھیں شایان اور زوبیہ کی کافی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی دونوں بہت خوش تھے۔ ہر لمحے کو دل سے انجوائے کر رہے تھے ان کو خوش و خرم دیکھ کر شہرینہ کو اچھا لگا تھا لیکن دل میں ایک ہوک سی بھی اٹھی تھی۔ شاپنگ کے بعد فرح نے بھوک بھوک کا شور مچایا جبکہ زوبیہ کا ابھی کچھ اور چیزیں خریدنے کا موڈ تھا وہ لوگ ابھی وہاں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ ارد گرد دیکھتے شہرینہ چونگی چند لمحوں کے فاصلے پر اٹلن بھی دو مردوں کے ساتھ موجود تھا۔

اٹلن نے ان لوگوں کو دیکھا تھا یا نہیں لیکن وہ اسے یہاں دیکھ کر حیران ضرور ہوئی تھی شایان بھی اٹلن کو دیکھ چکا تھا وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے اٹلن کے پاس جا کر بتایا تھا اور پھر نیپل کی طرف اشارہ کیا اٹلن نے دیکھا تو پہلی نگاہ اس پر بڑی بھی وہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی نگاہ ملنے پر وہ نظر پھیر گئی تھی۔ اٹلن نے شایان کو اپنے ساتھیوں سے ملوایا تھا۔ یہ اس کے کچھ کلائنٹ تھے جن سے وہ کچھ ضروری معاملات ڈسکس کر رہا تھا پندرہ منٹ بعد وہ ان کو اللہ حافظ کہہ کر ان کی طرف آ گیا تھا۔

”یہاں کیسے آ گئے؟“ وہ کرسی کھینٹ کر بالکل شہرینہ کے ساتھ والی چیر پر بیٹھا۔
 ”شاپنگ کے بعد کھانے کا پروگرام بن گیا تھا۔“ فرح نے کہا۔
 ”آرڈر لکھوایا ابھی آرڈر نہیں۔“ اس نے مینو اٹھا کر دیکھتے پوچھا۔
 ”ابھی لکھواتا ہے۔“ ان لوگوں نے ویٹر کو آرڈر لکھوایا۔

یہ ایک بڑا شاندار ہوٹل تھا ہوٹل کے لان میں بڑا فیسنول قسم کا علاقائی ارینج منٹ کیا گیا تھا ٹریڈیشنل قسم کا یہ ہوٹل تھا۔ زوبیہ بار بار باہر جا کر وہاں موجود آرائش کی اشیاء دیکھنے کی ضد کر رہی تھی فرح اور زوبیہ دیکھنے انھیں تو شہرینہ اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ وہ بار بار فرینڈز کے ساتھ اس ہوٹل میں آ چکی تھی اس کے لیے یہاں کچھ بھی نیا نہ تھا۔ وہ اپنے موبائل میں اس قدر مجھ گئی کہ اسے علم ہی نہ ہوسکا کہ اٹلن کے ساتھ باتوں میں مصروف شایان کب اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ چونکی تو اس وقت جب اٹلن کہہ رہا تھا۔

”موبائل سے زیادہ ضروری کچھ اور بھی ہوتا ہے تم کچھ دیر کے لیے اسے موبائل کو ایک طرف نہیں رکھ سکتی۔“ شہرینہ نے اٹھ کر دیکھا اٹلن کا لہجہ نہ طنزیہ تھا اور نہ ہی تعجب کا۔ وہ بالکل نارمل لہجے میں بول رہا تھا اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر باقی خالی چیرز کو جبکہ اٹلن بغور اسے دیکھ رہا تھا اس کی نگاہوں میں عجیب سا تاثر تھا شہرینہ کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)





جس زبان سے عشق تک
شمیرا شریف طور

الفاظ سے مالا مال ہے
کچھ لہجوں کا بھی کمال ہے
یہ تنہائی کا موسم یونہی نہیں دانش
یہ میرے اپنوں کے خلوص کی مثال ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ
لاہور سے آئے سہان، گلشن، شیلان، نزویہ اور فرح
آؤنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی اپنے
ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے لائق ایک جگہ
جا کھڑی ہوتی ہے گلشن اس کی حرکت کا بغور جائزہ لیتا
ہے جب ہی ٹیپ (شہرینہ کا بھائی) شیلان سے کنسرٹ میں
چلنے کی بات کرتا ہے لیکن گلشن وہاں جانے سے منع کرتا
شہرینہ کو نصیحت دلاتا جاتا ہے اور وہ اس کنسرٹ میں جانے پر
بغور ہو جاتی ہے جب ہی شیلان واپس گھر چلنے کی بات کرتا
ہے راستے میں شہرینہ کے سواگل برائے کے کلاس لیلو
زین کی کال آتی ہے جس سے وہ بے چارے ہاتھ
کرتی گلشن کو تا گارڈی سے دو چار کر جاتی ہے۔ دوسرے
دن شہرینہ دکان پر گروپ کے ساتھ سوئٹنگ پر پٹکس پر جاتا
ہوتا ہے تب وہ طے سے چھٹائی زین سے پک کرنے کا
کتنی ہے تب گلشن فائدہ ٹیم سے شہرینہ کو کال ڈراپ
کرنے کی اجازت دیتا اسے حریدہ نصیحت دلاتا جاتا ہے وہ کما
بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی تب وہ
گلشن پر طے کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار
کرتی ہے جس پر گلشن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے
سے لے جاتا ہے شہرینہ تھلا کر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے
کارڈ میں ابھی تک کسی کو اپنے تار کے حوالے سے نہیں
تایا ہوتا جب کارڈ میں فریح اس سے لاہور سے آئے
سہانوں کا پتہ پتہ اس کی دوستوں پر نکال دال بات بھی

لگا کر رہتی ہے جس پر صبا اور حور یہ (کارڈ فیلو) حیرت کا
اظہار کرتی اسے نکال کی تصویر دکھانے کا کتنی ہیں شہرینہ
گلشن کی تصویر نہیں دیکھتی دکانی صبا اور حور یہ اس کے ساتھ
گلشن سے ملنے گھر آ جاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے
سوئٹنگ پر پٹکس پر نہیں جا سکی تھی فائدہ ٹیم حسب
پروگرام گلشن صاحب کے ڈرائیو کے پاس کسی
اوپر چلے گئے پر جا چکی ہوئی ہیں جبکہ گلشن بھی گھر نہیں
ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں اماں بی سے طویل ہے فرح بھی
ان سے مل کر خوش ہوئی ہیں۔ گلشن گھر آتا ہے تو ملازم
سے فرح کو اماں بی کے کمرے میں بلا تا ہے صبا اور حور یہ
بھی گلشن سے ملنے کو بے تاب ہو جاتی ہیں تب شہرینہ
انہیں اماں بی کے کمرے میں لگاتی ہے۔ صبا اور حور یہ
اماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہو جاتی
ہے ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے
لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں ہوتی فرح اس سے
گلشن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب سے
اماں بی گلشن اور شہرینہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں جبکہ
عثمان صاحب اس کی پڑھائی کی وجہ سے انکار کر دیتے
ہیں اماں بی کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی خداسا رشتے
میں بگاڑ پیدا نہ کر دے لیکن عثمان صاحب اس بات کی
گوارنٹی لیتے ہیں۔ فرح شہرینہ، نزویہ اور شیلان چاندیاں
شاپنگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہیں مال میں
گلشن سان کی ملاقات ہوئی ہے۔

لب آگے بڑھیں

”باقی سب کہاں ہیں؟“ وہ گہرائی میں لیکن آگن کی آنکھوں کا تاثر ایسا تھا کہ وہ ایک دم پوچھ بیٹھی۔

”شلیان کے ساتھ دلوں باہر اڑنے پر کئی چیزیں دیکھنے لگی ہیں۔“ جہاں آگن نے بھی ہارل بچے میں جواب دیا تھا۔

”میرا خیال ہے میں بھی چلتی ہوں۔“ وہ اپنا سوا ہل اور چند برس کا بچہ کرکڑی ہوئی۔

”ایک منٹ۔“ آگن نے بے اختیار اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ شہرینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ آگن مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیوں؟“ شہرینہ نے سختی سے اپنا ہاتھ آگن کے مضبوط ہاتھ سے کھینچ لیا تھا۔ انداز ایک دم سرد اور کٹھن تھا۔

”نیم گھنٹہ تو بتاؤں گا ناں۔“ آگن کا انداز تو آج یکسر بدلا ہوا تھا۔ کہاں ہر وقت غصے سے کھا جانے والی لگاؤوں سے گھوڑے والا اس وقت ایک بالکل مختلف روپ و انداز میں اس کے سامنے تھا۔

”پلیز ہو یور سیٹ۔“ مسکراہٹ تو جیسے آگن کے ہونٹوں سے چپک گئی تھی۔

شہرینہ کے لیے آگن کا یہ انداز الفاظ و لہجہ بالکل حیران کر دینے والا تھا کہاں وہ اسے دیکھ کر بھڑکانے والی اس وقت قطعی مزاحمت نہ کر پائی اور حیران و پریشان ہو کر آگن کی اس کا پالٹ کو دیکھ رہی تھی۔

”پلیز بیٹھ جاؤ۔“ آگن نے دوبارہ دہرایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بیٹھ گئی۔

”فرمائیے۔“ اس کا انداز بے چلک تھا جیسے چتون لیے ہوئے براہ راست گویا ہوئی۔ آگن نے اسے بنوڑ دیکھا۔ خوب صورت تراشیدہ چہرے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ چند لمحوں کو ساکت ہوا تھا خفیدہ مٹتی مٹتی

پلکیں لمبی لمبی کڑی ہاک روز اشیدہ خنوں کے جھک کرتے حسن میں عجیب سی تابندہ کہاں تھیں۔ آگن جیسا مضبوط احصاب کا مالک بندہ بھی ایک لمی کو بالکل ساکت ہوا تھا۔ شہرینہ اس کی نگاہوں کی چھلکی ہائی جگہ جزئی ہوئی تھی۔ اس نے خود کو لاہر اٹھا کر کرنے کے لیے اپنا سوا ہل سامنے کر لیا۔ وہ آگن سے کسی بھی قسم کے اوجھڑے کی توقع نہیں رکھتی تھی لیکن اس وقت آگن کا نہ صرف حراج بدلا ہوا تھا بلکہ انداز و اطوار بھی یکسر بدلے ہوئے تھے اور شہرینہ چاہ کر بھی اسے انکوری نہیں کر پاری تھی۔ اس نے آگن کو نظر انداز کرنے کے لیے شلیان کا نمبر ملایا۔

”کہاں ہو تم لوگ۔“

”کیوں کیا ہوا؟“ وہ آگن کو یکسر نظر انداز کر رہی تھی۔

”مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر تم تینوں کہاں غائب ہو گئے ہو۔“

”آگن بھائی تو تمہارے ساتھ ہی ہیں ناں۔“ اس نے آگن کو دیکھا وہ ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہرینہ کا چہرہ جھٹکانے لگا۔ وہ دیو سی لڑکی تو تھی نہیں جو آگن کے گھوڑے پر بڑل سی ہو جاتی۔ اس کے اندر ناگواری سی پھیلنے لگی تھی۔ آگن کے لڑائی جھگڑے والے رویے کے بعد ایک دم یہ بدلا انداز شہرینہ کے لیے از حد حیرت کا باعث بن رہا تھا۔

”تم لوگ کہاں ہوں، میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہاں لچ کر آئے تھے اور پھر مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر تم تینوں رو چکر ہو گئے۔“ اس نے طنز یہ پوچھا تو دوسری طرف ڈیٹان بے اختیار ہوا۔

”نچ تو ہم باہر ہی کر رہے ہیں تم آگن بھائی کے ساتھ انجوائے کرو یہ ہم سب کا پروگرام تھا جمیں اور بھائی کو ہم نے پھنسا پھنسا سو ڈنٹ وری ایڈا انجوائے لٹ۔“

”واٹ.....!“ وہ ایک دم چہرے سے ملگ رہ گئی تھی یعنی ان تینوں نے مل کر اسے آگن کے لیے بے وقوف بنایا تھا۔ اس کے اندر ایک دم شدید ابال اٹھا۔

”فٹ اپ۔“ دوسری طرف سے شایان بھی اسی روپے کی توقع کر رہا تھا اس نے فوراً کال بند کر دی تھی۔
”آپ کو شہر ہائی چاہیے اس طرح کی حرکتیں کرتے ہوئے۔“ وہ سخت پیش میں آئی۔

”کیوں۔ کیا ہوا؟“ اگلن ایک لمبے لمبے ہونکا۔
”زیادہ سننے کی کوشش مت کریں شایان نے بتایا ہے یہ ان کا پروگرام تھا اور آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں آپ کو سب علم تھا کہ میں آپ کے ساتھ کبھی نہیں آؤں گی سو آپ نے ان لوگوں کو استعمال کر کے مجھے فریب کیا۔“ وہ تو فوراً آؤٹ ہوئی تھی۔ اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مگر یہی بات میں تمہارے حوالے سے کہوں کہ تم نے یہ سارا پروگرام ترتیب دیا تھا شایان فرخ نے در پردہ تمہارے کہنے پر مجھے یہاں بلایا ہے تو۔۔۔۔۔“ اگلن نے شہیدگی سے کہا تو شہرینہ چوگی ورنہ وہ شدت تو بین سے اٹھ کر جانے والی تھی۔

”کیا مطلب۔ بکواس ہے یہ میں کیوں بلاؤں گی آپ کو میرا داروغہ خراب نہیں ہوا ابھی تک۔“ وہ شدید پریشان مٹی تھی۔ اگلن ہنس دیا شہرینہ کو اس کی ہنسی سخت مگراں گزری۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے یہاں نہیں بلوایا۔“

”میں کیسے کر سکتی ہوں میں کیوں بلاؤں گی۔“
”تو پھر۔۔۔۔۔“ اگلن ایک دم سنجیدہ ہوا تھا اس سے پیشتر کہ وہ کچھ اور کہتے دیکھ کھانا لے لیا۔ شہرینہ نے بشکل خود کو کچھ کہنے سے روک رکھا تھا۔

ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر فوراً یہاں سے چلی جائے۔ اگلن نے چند لمبے ویٹر کے کھانا سرو کرنے اور پھر جانے کا انتظار کیا تھا۔

”میں نے تمہیں نہیں بلوایا میری اپنی کلائنٹس کے ساتھ میٹنگ تھی جب شایان کی کال آئی تو میں اسی ہوٹل میں تھا۔ اس نے کہا کہ ادھر ہی آجائیں مجھے معلوم نہیں

تھا کہ تم بھی ساتھ ہو، نخہ ان لوگوں نے کیا پروگرام بنایا اس کا مجھے علم نہیں لیکن میں تمہاری آمد سے بے خبر تھا۔“ اگلن نروٹھے پن سے وضاحت کر رہا تھا۔ شہرینہ بکواسے تیاروں سے اس کی وضاحت سن رہی تھی۔

”میرا خیال ہے میں چلتی ہوں۔“ شہرینہ نے اپنا پرس اٹھا ہاچا ہاچا تو بے اختیار اگلن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا یہ دوسری بار ہوا تھا۔ شہرینہ نے الجھ کر اور پھر اس کے بھاری ہاتھ کو دیکھا۔

”میرا خیال ہے کہ پہلے یہ لٹچ کر لیں پھر مل کر شایان وغیرہ کی خبر لیں گے۔“ اگلن سنجیدہ تھا شروع میں اس کے جوا انداز و اطوار تھے ان سے بالکل مختلف۔

”لیکن میں۔۔۔۔۔“ وہ بھرا بھری۔
”پلیز شہری بیٹھ جاؤ۔“ اگلن کے انداز میں آج ہر چیز سی پی لی ہوئی تھی ضد کی بجائے فورس کرتا انداز شدت سے اگلن کو روک کرنے کی خواہش کے باوجود بھانے کیا ہوا تھا کہ شہرینہ بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اگلن کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال لیا تھا۔ وہ لب دبانے کو میں ہاتھ رکھے بیٹھ گئی تھی۔

جس انسان سے ہانگ دہل ڈنکے کی چوٹ پر شدید ترین نفرت کا اظہار کرتی رہی تھی جس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی جس سے بات کرنا تو دور کی بات جس کی وہ شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی اس کے ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھا رہی تھی۔ وہ خود کو کوس رہی تھی اندر ہی اندر لڑ رہی تھی لیکن خود کو یہاں سے جانے کے لیے آمادہ نہ کر پاتی تھی۔

”پلیز ٹیک اٹ۔“ اگلن نے خود ہی ایک ڈش اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ مجبوراً شہرینہ کو اسے لینا پڑا تھا۔ اگلن سنجیدہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں یا چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

شہرینہ جو شدید ترین دشمنی کا اعلان کر رہی تھی اس نے لب سمجھنے لے لیے تھے اس نے اندر سے شدید ترین ہونٹ مزاحمت کے باوجود اگلن کے ہاتھ سے ڈش تمام لی گئی۔

مغربی ادبیات کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ

نئے افق

مغربی ادبیات کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ

شائع ہو گئے

مغربی ادب سے انتخاب
برصغیر کے مضمون پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں کے قلم سے نکلے ناول
برصغیر میں صورت فراموشی کے پس کی تابکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
نوشہ کے نثر اور ذوق انجمن کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آراء کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں
021-3562077/2
0300-8261242

وہ کھانا نہیں کھاتا، چاہتی تھی لیکن وہ کھانا کھا رہا تھا۔ دونوں
کے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ آگن نے ایک دو
بار پھر اسے مختلف چیزیں دی تھیں جسے اس نے خاموشی
سے لے لیا تھا شہرینہ نے کھانا منظر سا کھایا تھا جبکہ آگن
نے نہ سکون انداز میں ہر چیز سے انصاف کیا تھا۔ آگن
گاہے بگاہے اسے دیکھ بھی رہا تھا جبکہ وہ اپنی ہی سوچوں
میں مست سر جھکائے زیادہ تر کھانے سے بھلتی رہی تھی۔
آگن نے کھانا کھانے کے بعد نیپکن سے ہاتھ صاف کیے
تو شہرینہ نے بھی پیٹ کھسکا دی تھی۔

”آگن کریم یا کوئی سوٹ ڈس؟“ آگن نے مزید
پوچھا تو اتنی دیر سے خود پر چہرہ کرتی شہرینہ ایک دم بھٹائی۔
”میں یہاں آپ کے ساتھ کچھ کرنے نہیں آئی
تھی۔“ آگن ہنس دیا۔

”لیکن محترمہ آپ کو اب ماننا تو پڑے گا کہ آپ
یہاں میرے ساتھ کچھ تبادلہ فرما چکی ہیں۔“ بکلی بار
سارے وقت میں دل چلاتی ہنسی تھی۔ شہرینہ تو ایک دم
جل بھن گئی۔

”بے وقوفی ہے میری۔“ خود پر لعنت ملاست کرتی وہ
چہرہ کشیدہ غصے سے بولی۔

”لیکن یہ بے وقوفی ہمارے لیے خوش آمدت ثابت
ہو سکتی ہے۔“ آگن نے بہت دیر تک اس انداز میں کرسی کی
پشت سے کمر نکالی۔

”غلط فہمی ہے آپ کی دلوں میں گنجائش نہ ہو تو رشتے
بھی پانی کے بلبلے کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔“ وہ پھر اپنی
ضد اور انا کے حصار میں مست رہی تھی۔

”دلوں میں گنجائش ہو تو دلوں میں بھی گنجائش نکل
آتی ہے پھر رشتے پانی کے بلبلے نہیں رہتے۔“ آگن کے
انداز لب و لہجہ میں بہت گنجائش نظر آ رہی تھی۔

یہ گنجائش اماں بی سے بات کرنے کے بعد آگن کے
روئے میں پیدا ہوئی تھی یا بعد میں لیکن آگن اپنی تمام تر
ضد، ناپسندیدگی و غصیلے انداز و اطوار کو فراموش کیے اس
وقت رشتے بھانے کی بات کر رہا تھا۔ یہ یقیناً آگن کی

ذات میں ایک بہت بڑی تہذیبی ترقی تھی لیکن شہرینہ ابھی کسی بھی تہذیبی کا فکاڑا نہیں ہوئی تھی اس کے لیے اگلے کے یہ سارے دے بے معنی تھے۔

”جب بنیادیں ہی کمزور ہوں تو آپ ایک مضبوط عمارت بھلا کیوں کر استوار کر سکتے ہیں جن رشتوں کی جڑیں ہی کھوکھلی ہیں ان کا آپ بھلا ایک تناور درخت بننے کے خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔“ جواباً وہ پہلے سے زیادہ تکی سے بولی تھی۔

”ایم سوری میں اب اس سے زیادہ اس کا قابل برداشت ساتھ کو برداشت نہیں کر سکتی پلیز میں اب چلوں گی۔“ اگلے کا نرم رویہ اس کو کچھ لچک دکھانے پر مجبور کر گئے تھے اب ایک بار پھر وہ اپنے اسی ضدی اور انا پرست خول میں سٹھکتی تھی۔ وہ کمزوری ہو گئی تھی۔ اگلے نے اسے دیکھا۔ اس کا انداز بے لچک تھا لیکن اگلے کو اس کے موجودہ رویوں میں مستقبل کے لیے بہت ساری گنجائش دکھائی دے رہی تھی۔ اگلے نے دیر کو اشارہ اور بل لانے کو کہا تب تک شہرینہ بے لچک انداز میں کمزوری رہی تھی۔ اگلے نے شایان کا نمبر ملایا۔

”ہاں شایان کہاں ہو۔“
”ہم تو کھانا کھا کر نکل آئے تھے اس وقت گھر والے رستے پر ہیں۔“
”شہرینہ کیسے جائے گی۔“ شہرینہ نے اسے خاموشی سے بات کرتے دیکھا۔

”آپ ڈراپ کرو بیچے گا۔“
”میں.....؟“ اس نے شہرینہ کو دیکھا جو اسے دیکھ رہی تھی اس کے دیکھنے پر نظر بھرنے لگی تھی۔

”میں کیسے ڈراپ کروں مجھے تو.....“ اگلے نے پھر شہرینہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی ناگواری پھیلی تھی۔ یعنی وہ ان کی گفتگو سے بے خبر نہ تھی۔

”اوکے..... ڈونٹ وری۔“ اس نے کال منقطع کر دی۔ دیر بل لے آیا تھا اگلے نے بل پے کیا اور شہرینہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔

”شایان دغیرہ جانے ہیں میں اب اسے کروں گا۔“
”میں ادھر سے کوئی کیب لے لوں گی۔“ اس نے اپنے مخصوص بے لچک انداز میں کہا تو اگلے نے سمجھ گئی سنا سہ دیکھا۔

”میں اپنی عورتوں کو پرانے ڈراموں کی ذمہ داری پر چھوڑنے کا قائل نہیں ہوں۔“ وہ کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔ شہرینہ نے لب بھنج کر اسے جاتے دیکھا۔ دو منٹ بعد وہ گاڑی اس کے پاس لایا اور فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

”میں نے کہا میں چلی جاؤں گی۔“
”میں رستے میں ساتھ چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں، پلیز۔“ اگلے بہت سنجیدہ تھا۔

شہرینہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں میں اب کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اگلے نے چند بار گاہے بگاہے اسے دیکھا تھا۔ وہ باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے لاشعوری طور پر مسل رہی تھی۔ اگلے نے اس کا یہ ہاتھ آج دوبارہ تھا اور دونوں بار ٹوٹ کیا تھا کہ وہ سرٹشی کے بجائے نرمی برتنے پر مجبور ہوئی تھی۔ اسے اندازہ ہوا تھا کہ شہرینہ کو کیسے ہینڈل کیا جاسکتا ہے ضد، نفرت یا غصہ دیکھا کر اس کے اندر سرٹشی ہی پیدا کی جاسکتی تھی۔ اب اگلے کو غم و غصے کی بجائے صبر و تحمل سے کام لینا تھا۔ اور اماں بی کی خاطر اسے یہ سب کرنا ہی تھا کہ شہرینہ عثمان سے رشتہ نبھائے رکھنا اماں بی کی شدید خواہش تھی اور اماں بی کی خواہش کا ہر حال میں احترام کرنا اگلے اپنا فریضہ اول سمجھتا تھا۔ اس نے گاڑی میں موجود خاموشی کو محسوس کرتے ریڈیو آن کر دیا تھا۔ کوئی فرمائشی شو چل رہا تھا ڈی جے روانی سے بول رہا تھا اور پھر ڈی جے نے کار کی فرمائش پر غزل لگا دی تھی۔ گاڑی میں غزل کے بول گونجنے لگے تھے۔

حسرت ہے تجھے سامنے بیٹھے بھی دیکھوں
میں تجھ سے مخاطب ہوں ترا حال بھی پوچھوں
مہر سروں پر مکتبی آواز گاڑی میں گونجی تو سیر لا حلق

کا اظہار کرتی شہرینہ نے بھی پہلو دیا تھا۔ اس نے گردن پھیر کر انہماک سے ذرا توجہ کرتے لہن کو دیکھا ساتھ ہی۔ لہن نے بھی اسے دیکھا اس کے لب ساکت تھے لیکن جیسب سی کشش آنکھوں سے جھٹک رہی تھی۔ شہرینہ نے دوبارہ گردن پھیر لی۔ جبکہ گائیک کی آواز نے گاڑی کی خاموشی کو اپنی آواز سے پھر سے توڑ دیا تھا۔

دل میں بے ملاقات کی خواہش کی دہلی آگ مہندی لگے ہاتھوں کو چسپا کر کہاں رکھوں شہرینہ نے ہاتھ مسلتا ایک دم بند کر دیا اور لہن کی آنکھوں میں موجود سکراہٹ ایک دم گہری ہوئی تھی۔ یعنی غزل کے بول شہرینہ پر بھی اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

جس نام سے تو نے مجھے بچپن میں پکارا اک عمر گزرنے پر بھی وہ نام نہ بھولوں لہن پوری طرح غزل کی طرف متوجہ تھا شعر و شاعری اس پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی لیکن پہلی بار کچھ سننا اچھا لگ رہا تھا۔

تو اٹھک علی بن کر میری آنکھوں میں سا جا میں آئینہ دیکھوں تو ترا عکس بھی دیکھوں پوچھوں بھی غنچوں سے ستاروں سے ہوا سے مجھ سے بھی مگر آ کے تیرا نام نہ پوچھوں شہرینہ مکمل طور پر لاطعلق باہر کی طرف متوجہ تھی اس نے دوبارہ ایک بار بھی اندر کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

جو شخص کہ ہے خواب میں آنے سے بھی خائف آئینہ دل میں اسے موجود ہی دیکھوں ڈی جے نے آواز بدتم کر دی لیکن بیک گراؤنڈ میں میوزک چل رہا تھا لہن نے اسے دیکھا وہ اب بھی خاموش تھی۔ چہرہ بھی کھڑکی کی طرف ہی تھا۔ کچھ دیر بعد گھر آ گیا تھا۔ لہن کو ایک ضروری کام تھا اس نے اندر جانے کی بجائے باہر ہی گاڑی کھڑی کی اور ہارن دیا چونکہ بار نے گیت کھولنا چاہا تھا لیکن اس نے ہاتھ کے

اشارے سے منع کر دیا تھا۔ چمچے خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر لہن کی جگہ لہن نے اسے گیت سے اندر داخل ہوتے دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لینے دوبارہ گاڑی موڑ لی تھی۔

وہ اندر آئی تو شایان فرخ اور زویہ بیٹیوں اماں بی بی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹیوں نے بڑے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا تھا اور اس نے جواباً کھاجانے والی نظروں سے۔ اماں بی بی کی موجودگی کا احساس کر کے وہ ان پر ایک قہر پر سانی نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی تھی موبائل اور بیگ غصے سے بستر پر پٹا اور وہ فریش ہونے کے لیے ہاتھ دم میں گھس گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو زویہ اور فرخ وہاں موجود تھے۔

”کیسا ہا پھر آج کا دن؟“ زویہ نے فس کر پوچھا۔ ”شٹ اپ۔“ وہ غصے سے بولی تو وہ ٹھٹھلا کر فس دیں۔

”اپنے یہ شٹ اپ کے تیرا لہن بھائی پر ہی چلایا کرو وہ ہی گھائل ہو سکتے ہیں ہم پر تو کوئی اثر نہیں ہونے والا۔“

”تم لوگ انتہائی بدتمیز انسان ہو جان بوجھ کر یہ سب کیا تم سب نے۔“ اس نے بہت غصے سے دونوں کو دیکھا۔

”یہ فرخ کا آئینہ یا تھا۔“ زویہ نے فس کر فرخ کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھنجکی۔

”مجھے کیوں پھنسا رہی ہو یا آپ کا اور شایان بھائی کا پلان تھا مجھے خواہو لاہوت ٹھنسیں۔“ زویہ نے فس دیں۔

”ہاں تو ہم لوگوں نے کون سا غلط کام کیا ہے شہرینہ میری بھینسی ہے اب دو لوگوں کے درمیان صلاح کر لینی ہے بلکہ نیکی کا کام کیا ہے شہرینہ کو تو خوش ہونا چاہیے۔“ وہ بھی ڈھبٹ گئی۔

”بکومت انتہائی بری حرکت کی ہے تم سب نے اور تم سے تو مجھے ایسی امید ہی نہیں تھی۔“ وہ غصے سے ٹادل

صوفے پر چبک کر خود بستر پر گر گئی تھی۔
 ”ہائے جن پر بھی تھا وہی ہے ہوا دینے لگے۔“ جواباً
 زوبیہ نے تان بھر لی تو اس نے کھسے سے ایک زور کا ہاتھ
 اس کی گھر پر رکھا۔
 ”ہائے عالم کیا ہاتھ مارا ہے کہ حضور اکرم توڑ کے رکھ
 دی میری ہائے۔“ وہ بیخفا لوٹ پوٹ ہوتا شروع ہو گئی
 تھی۔ شہرینہ نے گھورنا شروع کر دیا۔ فرح خنس رہی تھی۔
 ”تم دونوں دفع ہو جاؤ میرے کمرے سے۔“
 ”کتنی بے مروت ہو تم اپنے سرسالی رشتہ داروں سے
 ایسا سلوک کرتے تمہیں شرم نہیں آتی، کوئی لحاظ ہوتا ہے
 کوئی مروت ہوتی ہے تم تو ہر وقت آنکھیں ماتھے پر
 رکھے پھرتی ہو۔“ زوبیہ نے ایسا مثل بلیک میلنگ کرنا
 چاہی تو شہرینہ نے اپنا سر تھا ملایا۔
 وہ جس قدر اس رشتے کو لے کر بدظن و بدگمان تھی
 زوبیہ اسی قدر لالٹ لے رہی تھی۔ گویا اس کے تپہ سرے
 سے نظری نہیں آ رہے تھے۔ اور فرح..... اس نے از حد
 شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ فوراً ہنسی روک کر اس
 کے پاس بیٹھ گئی۔
 ”سوری بھئی میں اس میں شامل نہ تھی یہ تو مجھے وہاں
 سے نکلنے کے بعد ان دونوں نے بتایا تھا۔“ شہرینہ فرح
 کی وضاحت پر خاموش رہی۔ فرح نے زوبیہ کو دیکھا وہ
 مسکرائی اور پھر اس نے شہرینہ کا ہاتھ تھام کر اسے بغور
 دیکھنا شروع کر دیا۔
 ”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟“ شہرینہ نے ٹوکا
 تو وہ ہنسی۔
 ”دیکھ رہی ہوں کہ ملاقات کس حد تک کامیاب رہی
 ہے۔“ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی شرارت تھی۔ شہرینہ
 کو ایک ہنساؤ آیا۔
 ”دفع ہو جاؤ آئی دل شوت ہو۔“ زوبیہ مسکرا کر کیا اٹھا
 کر اس پر اٹھایاں بجانے لگی تھیں۔
 ”تو لاکھ چلے دی گھدی تم تم تم کے.....“ شہرینہ نے
 بے بسی سے اسے دیکھا زوبیہ کے ہارے میں وہ جاتی تھی
 زیادہ شدت سے اس کے نظریات کو رد کر دیا تھا فرح
 نے مزید پوچھا۔
 ”ابن بھائی نے آئی لو پتو ضرور بولا ہوگا۔“
 ”شٹ اپ۔“ شہرینہ ایک بار پھر تاؤ میں آئی۔ وہ
 اس قسم کے مذاق کی عادی نہ تھی جبکہ فرح اور زوبیہ کے
 لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔
 ”اوکے..... اوکے.....!“ زوبیہ نے فوراً
 ہاتھ اٹھائے۔
 ”ویسے مجھے اس کی بات بتاؤں میں دل سے چاہتی
 ہوں کہ تم دونوں کی صلہ ہو جائے لیکن بھائی اتنے ہنس اور
 اسٹاپس سے انسان ہیں تمہارے ساتھ تو ان کی جوڑی
 چھتی بھی بہت ہے تم یہ گلے شکوے ختم کر کے ان سے صلہ
 کیوں نہیں کر لیتی۔“ وہ اب بخجندہ ہوئی تھی۔
 ”میری ان سے کوئی ذاتی مجاز آرائی نہیں ہے لیکن یہ
 رشتہ نہیں چل سکتا تم لا حاصل کوششیں مت کرو میں ان
 کے ساتھ کچھ رومان نہیں کر سکتی۔“
 ”کیا خانی بھائی میں؟“ زوبیہ نے پوچھا۔
 ”کیا یہ وجہ کافی نہیں کہ میرے اور ان کے نظریات و
 مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہم کبھی بھی ایک
 ساتھ نہیں چل سکتے۔“
 ”یہ اختلافات و نظریات تمہارے نزدیک نہ مل
 ہونے والے ہو سکتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ یہ سب ایسی
 باتیں ہیں جن کو بنیاد بنا کر تم اس طرح کا شدید ری
 ایکشن دے رہی ہو۔“ جواباً زوبیہ نے اس سے بھی
 زیادہ شدت سے اس کے نظریات کو رد کر دیا تھا فرح

”اگلن بات کر رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے جو نام
سننے کو تھا اس پر شہینہ کے لب سکر گئے تھے۔

”ابا صاحب کہہ رہی ہیں؟“ اس نے غوت سے کہا تو
دوسری طرف ایک گہرا سانس لیا گیا۔

”کیسی ہیں محترمہ آپ؟“ وہ شاید پہچان گیا تھا۔

”آپ کی توقع کے بالکل برعکس اماں بی نے ابا
صاحب سے بات کرنی ہے ان سے بات کر دیں تو
مہربانی ہوگی۔“

”ابا صاحب حویلی میں موجود نہیں ہیں۔“ جواب اگلن
نے کہا تو اس نے بغیر کچھ کہہ سہو کر لیٹی پر کھڑا۔

”کیا ہوا؟“ اماں بی اسے ہی دیکھ رہی تھیں اس نے
گہرا سانس لیا۔

”ابا صاحب حویلی میں موجود نہیں تھے۔“

”کس سے بات ہوئی؟“ انہوں نے مزید پوچھا۔

”ملازمہ تھی کوئی۔“ ابھی وہ بتا رہی تھی کہ فون بجتے

لگا۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا حویلی کے نمبر سے
کال بیک تھی۔

”کون ہے؟“ اماں بی پوچھ رہی تھیں۔ وہ کال اکتور
کرنا چاہتی تھی لیکن اماں بی بڑے امید بھرے انداز میں

اسے دیکھ رہی تھیں اس نے کال ریسیو کی۔

”ہیلو۔“ اس کے انداز میں حدود چیز اہمیت تھی۔

”محترمہ سلام دعا بھی کوئی چیز ہوتی ہے کیا آپ کے

ہاں اس چیز کا کوئی رواج نہیں۔“ دوسری طرف سے

جسٹانے والے انداز میں کہا گیا۔

”مجھے ہوئے لوگوں سے اپنی کیلپس کی توقع

رکھتے ہیں آپ لوگ حیرت ہے۔“ اس کا انداز کٹھنلا تھا۔

دوسری طرف اگلن مسکرایا۔

”توقع تو ہم اور بھی بہت رکھتے ہیں اب آپ کیا کیا

توقعات پوری کر دی۔“ شہینہ نے غمی سے سر جھٹکا۔

”اماں بی ابا صاحب سے بات کرنا چاہتی ہیں بہتر

ہے کہ آپ ان سے بات کر لیں۔“ اس نے ریسیو راماں

بی کو تھما دیا اور خود اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

ابھی وہ بستر پر آ کر لیٹی تھی کہ کچھ پر بعد اماں بی
بھی وہیں چلی آئیں۔ دھبک دے کر وہ کمرے میں

داخل ہوئیں تو شہینہ اٹھ کر بیٹھی گئی تھی۔ اماں بی نے
اسے دیکھا وہ اس کے پاس بستر پر بیٹھیں۔

”تمہارے ابا صاحب کو کچھلے دو دن سے بھلا

ہے دیکھو مجھے ایک بار بھی ان کا حال نہیں پوچھا وہ بھی

بہار ہوں اور میں ان کے پاس نہ ہوں، یہ بھی ہوا ہی

نہیں۔“ وہ افسردہ تھیں انہیں ایک دم ابا صاحب کی

یاد دہانے لگی تھی۔

اماں بی سے لاکھ بطن دہا راض کی لیکن ابا صاحب

کی طبیعت کا سن کر وہ بھی ایک ہل کو پریشان ہو گئی تھی۔

”زیادہ طبیعت خراب ہے کیا؟“

”ہاں، اگلن بتا رہا تھا کہ دو دن سے بستر سے

اٹھے ہی نہیں۔“

”لیکن مجھے تو کہہ رہے تھے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔“

”ملا تھا نہیں مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”تو اب کیوں بتا دیا آپ کو۔“

”میں بار بار پوچھ رہی تھی تو بتا دیا اس نے۔“

”تو اب کیا کریں گی۔“ اس نے پوچھا تو انہوں نے

نفی میں سر ہلایا۔

”اگلن کو کہہ رہی تھی کہ مجھے آ کر لے جائے۔“ وہ

خاموش رہی تھی۔

”فاقہ کو کال ملانا ذرا مٹان تو اب رات کو ہی آئے گا

فاقہ کو بتائی ہوں اگلن نے کہا تھا کہ شام تک پہنچنے کی

کوشش کرے گا رکے گا نہیں۔“ وہ اب بھی خاموش رہی۔

اس نے خاموشی سے فاقہ کا نمبر ملایا۔

وہ آج بھی کسی کے ہاں گئی ہوئی تھیں اماں بی کو فاقہ

کی یہ روئین ذرا بھی پسند نہ آتی تھیں لیکن وہ ابھی کچھ بھی

نہیں کہہ سکتی تھیں۔ شہینہ نے کال ملا کر اماں بی کو موبائل

دے دیا تھا۔ فاقہ نے خاموشی سے اماں بی سے ساری

بات کہی تھی۔

”میں کچھ دیر میں گھر پہنچتی ہوں عثمان کو بھی کال



سنگزول®

نزلہ، زکام اور کھانسی سے
تحفظ بھی علاج بھی

مکمل سکون
ایک سپون



☎ 041-8527891-2 Fax: 041-8847807
info@ashrafaba.com www.ashrafaba.com

اشرف لیبارٹریز، پرائیویٹ، لمیٹڈ



کر دیتی ہوں ان کو کہتی ہوں ہائم نکال کر گھر کا چکر لگائیں۔" فائدہ کے کہنے پر اماں بی مطمئن ہو گئیں تھیں۔

کچھ دنوں کے شہرینہ کے ساتھ رہی اور پھر شہرینہ کے پاس حور بیکی کال آگئی تو وہ اٹھ کر باہر نکل گئی تھیں۔

اماں بی نماز پڑھنے اور پھر اپنا سامان ملازمہ سے ایک کمرے میں لٹک گئی تھیں ان کا پروگرام ابھی حریہ رکھنے کا تھا لیکن بابا صاحب کی وجہ سے ان کو جانا پڑ رہا تھا سمجھنے بعد فائدہ گھر آگئی تھیں۔

"میں نے عثمان کو کال کی تھی وہ بتا رہے تھے کہ انہیں آج ہی کسی نور کے سلسلے میں باہر جانا ہے اور آپ جانتی ہیں کہ ہیرو کی طرح اس بار بھی میں ان کے ساتھ ہی ہوں گی۔" اماں بی نے فائدہ کی بات سنی تو ایک گھبراہٹ سے کہنے لگی۔

"کتنے دنوں کا پروگرام ہے؟"

"شاید ایک ہفتے کا۔" انہوں نے ری لکس موڈ میں بتایا۔

"شہرینہ ساتھ جائے گی کیا؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا تو فائدہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں اماں بی وہ گھر میں رہتی ہے مجھے عثمان کے ساتھ جانا پڑتا ہے اس کی اسٹڈی کا حرج ہوتا ہے۔"

"اچھا بڑے گھر میں وہ اکیلی رہتی ہے کیا؟" اماں بی کو تشویش نے آلیا۔

"اکیلی کہاں اماں بی اتنے ملازمین ہوتے ہیں ابھر۔" فائدہ ابھی بھی بے سکون تھیں جبکہ اماں بی کے اندر کوئی چیز جیسے لگی تھی۔

"عثمان بھی نہیں کہتا اسے ساتھ لے جانے کو؟"

"وہ خود ہی منع کرتے ہیں شروع شروع میں شہری ساتھ جانے کی خد کرتی تھی لیکن پھر عثمان کے سختی سے منع کرنے پر وہ مجبوراً راضی ہو گئی اور اب اس حوالے سے بات نہیں کرتی۔" اماں بی کے چہرے پر شدید اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"اور تم نے بھی عثمان پر زور نہیں دیا کہ اسے ساتھ حصہ لینا پسند نہیں۔"

لے کر جایا کریں۔"

"وہ ان سب باتوں کو قیامی خیال کرتے ہیں پھر شہری ہاسٹل میں رہتی رہی ہے اسے اکیلے رہنے کی پریکٹس ہے عثمان کے برامتانے کی وجہ سے پھر میں نے بھی فورس کرنا چھوڑ دیا تھا۔"

"اچھا بڑے گھر میں صرف ملازمین کے سہارے وہ کیسے رہ لیتی ہوگی۔" اماں بی کو بھی سوچ کر ہول اٹھنے لگے تھے۔

"اماں بی وہ اب اتنی بھی بچی نہیں ہے کہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا کریں وہ بچکر اور سمجھدار بچی ہے وہ اب سب حالات کو فہم کرنا جانتی ہے آپ ٹینشن نہ لیں آپ آرام کریں میں ذرا فریش ہوں پھر چیکنگ بھی کر لی ہے۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔

اماں بی کے دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے۔ عثمان اگر اولاد کو بھول چکا تھا تو فائدہ بھی اس ذکر پر چل رہی تھیں۔ ان کو شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا۔ دنوں میں اپنی اولاد کے ساتھ مسلسل زیادتی کر رہے تھے خصوصاً شہرینہ کے ساتھ۔

ان کا اضطراب بڑھا تو وہ اٹھ کر باہر لان میں نکل آئیں، شہرینہ بیگ اور کی چھین لیے گیم راج کی طرف بڑھی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو بیٹا۔" شہرینہ ان کے پاس رکی۔

"مجھے پریکٹس کے لیے جانا ہے اماں بی۔" وہ سوئنگ پریکٹس کے لیے جا رہی تھی۔

"وہ تو تم کل بھی گئی تھیں۔"

"جی گیمز کے دن نزدیک آرہے ہیں تو اب ڈیلی ہیزز (روزانہ کی بنیاد پر پریکٹس ہوا کریں گی)۔"

"تم اس کھیل میں حصہ کیوں لیتی ہو؟" وہ پہلے ہی مضطرب تھیں ان کی تشویش اور بڑھ گئی۔

"میں شروع سے ہی ان گیمز میں حصہ لیتی رہی ہوں اماں بی۔"

"اس دن فائدہ بتا رہی تھی کہ عثمان کو اس کھیل میں حصہ لینا پسند نہیں۔"

”ان کو شاید اب میرا جو بھی پسند نہیں ہے۔“ وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔
 مگر یہ مسکرائی۔
 ”اے نہیں کہتے وہ باپ ہے تمہارا۔“ جواباً وہ دیکھا ان کے دل سے ایک ہوک اٹھی تھی۔
 خاموش رہی۔

”شام ہونے والی ہے اس وقت جاؤ گی تو واپس کب آؤ گی۔“ ان کا ایک اور سوال تیار تھا وہ منتظر تھیں۔
 ”اماں بی یہ شہر ہے یہاں آنے جانے کا کوئی نام نہیں ہوتا یہاں ہر ایک کی اپنی ایک لائف اور مخصوص سرگرمیاں ہیں کوئی کسی میں انوائسٹ شو نہیں کرتا حتیٰ کہ سگے ماں باپ تک کو علم نہیں ہوتا کہ ان کی اولاد کہاں محکم پھر رہی ہے۔“ اس کا انداز طنز یہ ہوا۔

اماں بی کے دل میں ایک دم شدید پلہ سی اٹھی۔ اس کی باتیں اور اس کی آنکھوں کی کیفیت، ہر کوئی کہتا تھا وہ جذباتی ہے، حسدی ہے۔ علی ہے لیکن وہ اتنی سچ بھی ہے کوئی نہیں جانتا تھا۔

”تمہاری ماں اور باپ باہر جا رہے ہیں۔“ اماں بی نے بتایا تو وہ کھکی لیکن پھر کندھے اچکا دیے جیسے یہ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

”یہ کون سی نئی بات ہے وہ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔“

”رات میں جانا ہے انہوں نے تم گھر کر ان کے پاس وقت گزاریں۔“ جواباً شہرینہ استہزا برہمی۔

”اماں بی آپ بھی بڑے حسد کی باتیں کرتی ہیں ماما بابا کے سامنے یہ مت کہہ دیجیے گا وہ برا مان سکتے ہیں ان کے بچوں کا ماں باپ سے بس یہی تعلق ہے کہ وہ ان کی ہر بات پر بس پاپائیں ماما کہتے ہیں ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ ان کے بچے ان کے ساتھ وقت گزاریں۔“

اب وہ ہنس رہی تھی۔ الفاظ زہریلے تھے لیکن اس کا لہجہ گفتہ تھا۔

”مگر مگر بیٹا۔۔۔۔۔۔“

”اماں بی پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے پریکٹس شروع ہو گئی ہوگی میں کافی لیٹ ہو رہی ہوں۔“ وہ کہہ کر اپنی

دو لباس بدل کر سوئنگ ڈریس پہن کر بالکل تیار تھی۔
 آج اس کا پریکٹس کے دوران ہی اپنے ہی گروپ کی لڑکیوں سے مقابلہ تھا۔ وہ سب اپنے اپنے پوائنٹ پر اپنی میں جب لگنے کو بالکل تیار کھڑی تھیں۔ ان کے گروپ میں کل دس لڑکیاں تھیں۔ اور یہ سبھی بہت اچھی سوئزر تھیں جیسے ہی انشٹرکٹر کا اشارہ ملا تو ان سب نے جب کیا تھا۔ ان سب کی پریکٹس بہت اچھی تھی دیکھنے والوں کی کافی تعداد موجود تھی جن میں زیادہ تعداد پلیئر لڑکیاں تھیں ان کے ریٹیلوڑ تھے۔ شہرینہ کی برقرار منس اچھی تھی لیکن آج کی پریکٹس میں ذہنی طور پر کچھ اچھی ہوئی تھی شاید اماں بی سے ہونے والی گفتگو کا اثر تھا یا کیا تھا وہ آج کی پریکٹس کے رزلٹ کے بعد سیکنڈ نمبر پر آئی تھی۔ وہ اپنی ساتھی لڑکیوں سے آج کی پریکٹس پر ہی ڈسکس کر رہی تھی۔ جب اس کے انشٹرکٹر نے اسے بلوایا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ لباس بدل کر جائے گی لیکن انشٹرکٹر نے فوراً آنے کو کہا تھا وہ لڑکیوں کو وہیں آنے کا کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ انشٹرکٹر نے اسے دور سے ہی دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا تھا۔ انشٹرکٹر کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی کھڑا تھا۔ وہ جب ان کے قریب پہنچی تو انشٹرکٹر نے اسے اس لڑکے سے ملوایا۔

”شہرینہ ان سے ملو یہ فٹبلیں نور ہے انٹر کا نجیت مقابلوں میں بوائز کی جانب سے ہونے والے مقابلوں میں پچھلے سال یہ پہلے نمبر پر آیا تھا اور اس دفعہ بھی امید ہے بوائز کی جانب سے فٹبلیں ہی جیتے گا۔“

”ہیلو۔“ شہرینہ نے سر ہلایا جبکہ اس لڑکے نے ہاتھ بڑھ لیا تھا۔ شہرینہ نے اس کا ہاتھ صاف نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ لڑکا شرمندہ ہوا تھا تاہم اگلے ہی لمبے اس نے خود کو کیڑ کر لیا تھا۔

”کوہ قلعین شہرینہ کا صہیں بنا چکا ہوں یہ بہت لمبلا
گول ہے بیٹ سوکر ہیں امید ہے اپنے کان کی طرف
سے شہرینہ ہی جیتے گی۔“ انہوں نے کہا تو شہرینہ رسا
سکر رہی تھی۔
”بھیکم سر۔“

”آپ دونوں بات کرو میں باقی لوگوں کو دیکھ لوں۔“
انٹر کز قلعین کا کندھا چھتیا آگے بڑھ گیا تھا جبکہ وہ
وہیں کھڑی رہی تھی قلعین کی نگاہیں اس کے صاف
شفاف چہرے پر گویا جمی گئی تھیں۔ شہرینہ نے بہت
ناگواری سے اسے دیکھا۔

”سر بہت قریبیں کر رہے تھے آپ کی۔“ اس نے
بات شروع کی۔
”یہ سر کی اہلی طرفی ہے۔“ اس نے بے تلے انداز
میں کہا تو وہ سکر لیا۔ اس کی نظریں شہرینہ کو بہت ناگواری
لگ رہی تھیں جواب چہرے سے ہٹ کر اس کا بغور
جائزہ لینے لگی تھی۔

”آپ کو صرف سوئنگ ہی اچھی آتی ہے یا کسی اور
گیمز میں بھی انٹرسٹ ہے۔“
”میں بیڈمنٹن اور رائڈنگ بہت اچھی طرح کر لیتی
ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”واؤ..... سم مجھے بھی سوئنگ کے بعد بیڈمنٹن اور
رائڈنگ سے عشق ہے۔“ اس کا انداز شوخیانہ تھا۔ شہرینہ
نے ایک گہرا سانس لیا۔
”ہائس..... ایکسیوزی مجھے کسی سے ملتا ہے۔“ وہ
جان چھڑا کر جانے لگی۔

”پھر کب ملاقات ہوگی آپ سے۔“ وہ چیخے سے
بولتا تو شہرینہ حیران ہو کر رہی۔
”کیوں؟“

”میلنڈ لوگوں سے ملنے میں مجھے ہمیشہ خوشی محسوس
ہوتی ہے۔“ اس نے ہاتھیں پھیلا کر کہا تو شہرینہ کو وہ
انتہائی زہر لگا۔
”بت ایم سوری آپ سے مل کر مجھے بہت افسوس

ہو رہا ہے کہ سوئنگ کے میدان میں اب کیسے کیسے نھر باز
لوگ آنے لگے ہیں، اب تو کھو اس فیلڈ کا جادو غرق ی
ہو جائے گا۔“ وہ منہ پھٹ ہونے کی حد تک صاف گو
تھی۔ ہر کوئی اس کی صاف گوئی سے نااں تھا۔ ایسے میں
بالکل اچھی شخص کے سامنے اس کی برائی بیان کرنا صرف
اور صرف شہرینہ جیسی لڑکی کا ہی خاصہ تھا۔

”کیا.....!“ وہ لڑکا حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا جبکہ وہ
کہہ کر رہی نہیں تھی اس لڑکے نے بہت کئی سنجیدگی سے
اسے جاتے دیکھا تھا۔



آٹھن شام کے بعد پہنچا تھا۔ اماں بی کو لینے وہ ڈرائیور
کو بھی بھیج سکتا تھا لیکن اپنی خواتین کے معاملے میں وہ
قطعی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ اتنا فائنٹن فاروق بھی گھر
پہنچ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد ان پورٹ کی طرف روانہ ہونا
تھا۔ انہوں نے کچھ وقت آٹھن سے بات کی تھی فائنڈ نے
کہا ناگوار دیا تھا انہیں ساتھ ساتھ تشویش نے بھی آلیا تھا
اماں بی بار بار شہرینہ کا بوجھ رہی تھیں۔ شہرینہ بھی ابھی
تک گھر نہیں لوٹی تھی۔ تشویش تو اندر ہی اندر فائنڈ کو بھی
لاٹن تھی تاہم انہوں نے عثمان کے سامنے بات کرنے
سے منع کیا تھا۔ انہوں نے فائنڈ سے صاف الفاظ میں کہا
تھا کہ اب شہرینہ سوئنگ میں حصہ نہیں لے گی۔ انہوں
نے شہرینہ کو منع بھی کیا تھا لیکن شہرینہ کے سر پر تو ضد سوار
تھی وہ جاننا بوجھ کر محض دونوں کو پریشان کرنے کے لیے
ایسا کر رہی تھی اور فائنڈ اچھی طرح جانتی تھیں کہ عثمان کو
جب بھی علم ہوگا وہ ضرور برہم ہوں گے اس لیے وہ ابھی
تک عثمان کے علم میں آنے نہیں دے رہی تھیں۔ کھانا کھا
لیا گیا تھا اماں بی نے دیکھا فائنڈ اور عثمان تیار ہونے چلے
گئے تھے۔ انہوں نے آٹھن سے ذکر کیا۔

”اتنی دیر ہوگئی ہے شہری گھر نہیں آئی پہلے تو اتنی دیر
بھی نہیں کی اس نے۔“ آٹھن چونکا۔ اس کو یہی کہا تھا کہ
وہ اپنے کمرے میں بند ہوگی۔
”کہاں کی ہے وہ؟“

”سوئنگ کی پرنکس کے لیے جاتی ہے شام سے پہلے آ جاتی تھی لیکن آج ابھی تک نہیں آئی۔“ اگلن کے ماتھے پر سلونیں ابھری تھیں۔

”سوئنگ پرنکس میں نے تو سنا تھا کہ بچا جانے منع کر دیا تھا۔“

”وہ کب سنتی ہے ماں باپ کی۔“ اماں بی آزر رہ ہوئیں۔

”فاقہ سے اس کے بعد بھی ایک دو بار بڑی بحث کی تھی اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کے کاموں میں وہ لوگ انوالونہ ہوں وہ سوئنگ میں حصہ لے چکی ہے اب منع نہیں کر سکی۔“ اگلن نے عجیب کی سے سنا۔

”چچا کو علم ہے وہ پرنکس کے لیے جاتی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں۔“ فاقہ نے منع کیا تھا کہ عثمان کو علم نہ ہو ورنہ دونوں باپ بنی میں تلخ کلائی ہو جائے گی۔“ اگلن کی بہنوئی تان گئیں۔

”خالہ جان کیوں پروے ڈال دیتی ہیں شہرینہ کی سرگرمیوں پر چچا جان کو علم ہونا چاہیے کہ ان کی سر پھری بنی کیا کرنی پھر رہی ہے تاکہ وہ اس کے لیے بہتر انداز میں مدد باپ کر سکیں۔“

”کوئی فائدہ نہیں میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شہرینہ یہ سب کچھ ماں باپ کی ضد میں ہی کر رہی ہے۔“ اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا اور شہرینہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا لیکن جواب نہ آ رہا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی۔

”کال پک نہیں کر رہی۔“ اس نے اماں بی کو کہا تو انہوں نے ملازمہ کو بلوا کر اسے فاقہ کو بلوانے میں بجا تھا۔

”عجیب ماں باپ ہیں بنی گھر سے باہر ہے اور ان کو اپنے دوروں کی بڑی ہوتی ہے۔“ ان کو دونوں پر از حد غصہ آ رہا تھا۔ اگلن خاموش تھا۔ دو تین منٹ بعد فاقہ آ گئی تو انہوں نے شہرینہ کا پوچھا۔

”میں نے کال کی تھی کہہ رہی تھی کہ وہ دوستوں کے

ٹرک خپال

کو بھی جھنڈ میں لڑتے ہوں

اور ریت بھی کچھ مشکل ہو

کچھ درافق پر منزل ہو

ایک چھٹی گھنٹل ہو جائے

اور بچہ ہو کر گر جائے

تو

رہتے ناتے پیارے سب

کب اس کی خاطر رکنتے ہیں

اس دنیا کی بھی جدیت سہی

جو ساتھ رہو تو ساتھ بہت

جورک جاؤ

تو تنہا ہو

فریحہ شبیر..... شاہد گلڈز

ساتھ بڑی ہے فارغ ہوگی تو آ جائے گی۔“ اماں بی نے بہت عجیب کی سے بہو کو دیکھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شہرینہ کو نازوں میں پالا گیا تھا لیکن کیا فائدہ ایسے ناز و ادا کا کہ ماں باپ اولاد پر چپک ایڈیٹلس ہی نہیں رکھ رہے تھے۔

”اگلن تم جاؤ شہرینہ کو لے کر آؤ۔“ اماں بی نے قطعی انداز میں کہا تھا فاقہ جی جی۔

”اماں بی وہ منع کر چکی ہے تو صاف مطلب ہے کہ وہ اس بات پر رضی سے ہی آئے گی۔“

”نکتنے بے حس ہوتے دونوں ماں باپ۔“ جوان بنی گھر سے باہر ہے اور تم دونوں کو قطعی پروا ہی نہیں۔“

”انکی بات نہیں اماں بی آپ ابھی طرح جانتی ہیں کہ ہم اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔“

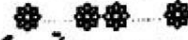
”کیا فائدہ انکی محبت کا جس میں اولاد ہی نظر انداز ہو جائے میں دیکھ رہی ہوں تم دونوں کی سرگرمیوں نے

ہی شہرینہ کو اس قدر بد مزاج، ضدی اور خود مبن بنا دیا ہے ورنہ کچھ سال پہلے تک تو وہ بہت فرماں بردار اور سب

سے محبت کرنے والی لڑکی تھی۔
 ”وہ کسی کی سخی کب ہے جو اسے سمجھاؤ۔“ فائقہ نے
 اندر دیکھ کر کہا تو اماں بی نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”نعلیاں تو تم دونوں سے ہی ہوئی ہیں تم دونوں نے
 اپنی اپنی جگہ میں اپنی اولاد کو نقصان پہنچایا ہے خصوصاً
 شہرینہ کو۔“ اماں بیجیدگی سے سب کو دہاتھا۔
 ”سارے خاندان میں تم دونوں کا بھرم رہتی پھر رہی
 ہوں اور تمہاری اولاد کی بٹاکے لیے لڑ رہی ہوں جب تم
 دونوں کو ہی پروا نہیں تو میں اکیلی کیا کر سکتی ہوں۔“ اماں
 بی بے زورہ ہوئیں۔
 ”اماں بی عثمان کے ساتھ جانا میری مجبوری ہے آپ
 اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ سب کچھ میں خوش ہو کر شوق
 سے نہیں کر رہی۔“
 ”لیکن اولاد کی تربیت تمہارا پہلا فریضہ تھا افسوس
 تم شہرینہ کی تربیت اچھے انداز میں نہیں کر سکیں۔“
 انہوں نے صاف گوئی اختیار کی تو فائقہ نے بے یقینی
 سے انہیں دیکھا۔
 ”اماں بی آپ بھی؟ آپ تو سب جانتی ہیں آپ تو
 ایسا کچھ نہ کہیں۔“ اماں بی خاصوٹی سے دونوں کو دیکھا اور
 سن رہا تھا۔ اماں بی کا لہجہ اور الفاظ پر وہ بھی چڑھ چکا تھا۔
 ”میں یہاں جتنے دن بھی رہی ہوں سب حالات کا
 اچھی طرح جائزہ لیا ہے عثمان کی اپنی سرگرمیاں ہیں اور
 تمہاری اپنی مصروفیات تم دونوں کو علم ہی نہیں کہ اولاد کہاں
 ہے ایک کو باہر بھیج دیا دوسرے کو ہاسٹل میں چھوڑ دیا ہے
 اور جی کا علم ہی نہیں۔“
 ”تو پھر کیا کروں؟ عثمان کے ساتھ ان کی سرگرمیوں
 میں شامل نہ ہوں تو وہ خفا ہوتے ہیں یہ جتنی بھی اچھے شیئرز
 ہیں وہ مجھ پر ڈال دیتے ہیں ان کی ساتھ دوران کی عزت
 برقرار رکھنے کے لیے مجھے یہ سب کرنا پڑتا ہے میں مجبور
 ہوں خوشی سے باہر نہیں نکلتی آپ جانتی ہیں مجھے یہ زندگی
 کبھی پسند نہیں رہی آپ لوگوں نے ہی مجھے اس زندگی
 میں شامل کیا تھا۔“ وہ بھی کئی اور غصے سے گویا ہوئی تھیں۔
 ”اماں بی آپ کا بوجھ اور پائیدار جان کے لیے ہاٹل بھی تھا۔
 اماں نے حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا۔
 ”شہرینہ اس وقت کہاں ہے اس سے پوچھ کر اماں کو
 بتاؤ وہ جا کر خود لے تا ہے۔“ اماں بی نے کہا تو فائقہ نے
 کال ملائی۔
 ”کہاں ہو، کب آ رہی ہو؟“
 ”ہوں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“
 ”تم جانتی تھی آج ہماری فلائٹ ہے، اماں بی بہت
 پریشان ہیں تم بس جلدی آؤ شہری ایسے مت کرو شٹ
 اپ شہری اوکے۔۔۔ اوکے۔ ٹھیک ہے۔“ انہوں نے
 کال بند کر کے اماں کو دیکھا۔
 ”وہ ابھی تک سوئٹنگ پر کیش کلب میں ہی ہے وہ
 کہہ رہی ہے کچھ فریڈ کے ساتھ گیت نوٹ گیر ہے وہ ایک
 دو گھنٹہ مزید لیٹ آئے گی۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا
 بھی عثمان چلتے۔
 ”فائقہ کہاں رہ گئی ہیں آپ ایک گھنٹے بعد ہماری
 فلائٹ ہے آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ مجھے لیٹ ہونا
 قطعی پسند نہیں پلیز جلدی کریں۔“ انہوں نے آکر
 بہت سنجیدگی سے بیوی کو ٹوکا تو اماں اور اماں بی کے
 سامنے عثمان کا ٹوکنا فائقہ کی آنکھیں کھل کر گئی تھیں۔
 خود اذیتی میں انہوں نے ہونٹ سمجھ لیے تھے اماں
 نے بہت دھیان سے سب کچھ دیکھا تھا فائقہ کچھ بھی
 کہے بغیر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اماں نے اماں بی کو
 دیکھا۔ وہ از خود سنجیدہ تھیں۔ اماں نے اپنا موبائل اور
 کی چین لی اور فائقہ کے کمرے کی طرف آیا تھا
 دروازہ کھلا ہوا تھا وہ ڈاک کے بغیر اندر داخل ہوا۔ لیکن
 اندر داخل ہو کر ٹھک گیا۔ فائقہ ڈریسنگ کے سامنے
 کھڑی رو رہی تھیں۔
 ”خالہ جان۔“ فائقہ نے جلدی سے چہرہ
 صاف کیا۔
 ”کیا بات ہے؟“ انہوں نے سرخ بدلے بغیر

پوچھا۔ خاکست نے اسے ایڈریس بتا دیا تھا۔ لیکن بغور ان کو دیکھ رہا تھا۔

”میں تیار ہو جاؤں تم شہری کے ساتھ جی نہیں کرنا وہ پہلے ہی سب سے بدعنوان ہے پیار سے منا کر لانا پلیز۔“ وہ کہہ کر اپنا لباس لے کر دوش روٹھ میں گھس گئی تھیں۔ لیکن ان کے ذہن میں کئی سوالات تھے لیکن یہ وقت ان سوالات کے لیے مناسب نہ تھا۔ وہ ایک طائرانہ نگاہ کمرے میں ڈال کر باہر نکل آیا تھا۔



شہرینہ اس وقت اسی لباس میں تھی جو وہ گھر سے پہن کر آئی تھی۔ وہ اس وقت اپنے گروپ کی لڑکیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ مگر جا کر بھلا کیا کرتی وہاں تھا کون جسے اس کی پردا ہوئی۔ یہ مختلف میز پر ٹیکس کے لیے کافی وسیع بنانے پر بنایا گیا کلب تھا۔ جس میں ہر گیم کے لیے الگ گراؤڈ تھا۔ یہاں مختلف میز پر ٹیکس کے لیے آئے والی لڑکیوں سے اس کی اچھی خاصی ملکہ ملکہ ہو چکی تھی۔ ماما پاپا نے چلے جانا تھا لاپ بی کو لینے لیکن آگیا ہوگا۔ وہ نہ لیکن کا سامنا کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی کسی اور کا۔

کچھ لڑکیاں وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے جا چکی تھیں اب ابھر تین چار لڑکیاں تھیں جن کو کسی نہ کسی نے لینے آنا تھا۔ شہرینہ اپنی گاڑی میں آئی تھی۔ وہ کلب کے ایک طرف بنے کینے میں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف کینٹین تھی جہاں کھانے پینے کا مستقل انتظام ہوتا تھا۔ وہ لڑکیوں کے ساتھ بڑی تھی جب فطین نور اچھا آگیا تھا۔

”ہائے کس شہرینہ“ وہ کچھ دیر پہلے والی بے عزتی بھلائے ایک بار پھر سامنے تھا۔

”میں کافی بنے آیا تھا میرے ساتھ کافی تھیں گی۔“ وہ آفر کر رہا تھا چھینکلی ہوئی تھیں۔ شہرینہ نے گھبراہٹ میں کہا۔

”ہم یہاں چار لڑکیاں ہیں کیا چاروں کو پلا رہے ہیں۔“ شہرینہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرایا۔

آج کل کے ہم

لگا گئے وہ ان جب لائٹ ہوئی کم

لوگر کی کی ہوائی بی بی

سورج کی ہوائی بی بی

ہر کوئی ہوائی زندگی میں

ہو رہا ہے ہم نہیں سب

درخت کے سائے میں جب بیٹھیں ہم

لگنے لگے گری کم سے کم

کھو جاتی ہیں جب کچل پڑنے میں ہم

بشری صابر

”چلیں آپ کی خاطر ان باتوں کو بھی پلا دوں گا۔“ وہ بھی ڈھٹ تھا۔ باقی تینوں ہنسنے لگیں۔

”یہ کون ہے؟“ ایک نے پوچھا۔

”بہتر ہے تم ان سے خود ہی پوچھ لو یہ کون ہیں میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔“ اس نے اچھی خاصی بے عزتی کر دی تھی۔ تینوں لڑکیاں کھٹکھٹا کر بیٹھیں فطین کو ایک دم انسٹ لیل ہوئی تھیں۔

”آپ اچھا نہیں کر رہی آپ میری انسٹ کر رہی ہیں۔“ اس نے کہا تو شہرینہ ہنس دی۔

”حیرت ہے بڑی دیر بعد آپ کو احساس ہوا ہے کہ میں آپ کی انسٹ کر رہی ہوں۔“ شہرینہ سنجیدگی سے لڑکیوں کی مسکراہٹ ایک دم بڑھی تھی۔ فطین کے چہرے پر سرخی پھیلی تھی۔

”آپ اچھا نہیں کر رہی، میں نے بس آپ کو کافی کی آفر کی تھی اگر نہیں مانتی تو آرام سے نکال کر دیتیں۔“ وہ غصے سے بولا۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں تم چھ لڑکیوں کے جھگڑنے سے پہلے کافی کی آفر، پھر نہ بھگتے گھٹنے کی ڈیماڑ اگر لڑکی کمزور گھبرا کر ہے تو کچھ دیر وقت تمہیں کیا پھر یہ جا وہ جا۔“ وہ بہت سنجیدگی سے کھڑی ہو کر اس کو بغور دیکھتے

کہہ رہی تھی۔
 "تم مسلسل میری انسلٹ کر رہی ہو، تم جانتی نہیں ہو
 میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔" وہ اب نصے سے
 دھمکیوں پر اتار آیا تھا۔

"ہاں۔ بس یہیں تک تمہارا سینہ تھا جہاں بات نہ
 کی تو لڑکیوں کو ڈرانے دھمکانے لگ جاتے ہو بہت اچھی
 طرح تم جیسے وارہ بد نظر لڑکوں کو جانتی ہوں تم کیا کرو گے
 میرے ساتھ تم مجھے جانتے نہیں ہو میں چاہوں تو تمہیں
 ایک منٹ میں جیل میں بند کرادوں۔" وہ اس کے سامنے
 آ کر انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔

وہاں اور بھی لوگ موجود تھے۔ سبھی اب ان لڑکیوں کو
 شہرینہ اور فکلین نور کو دیکھ رہے تھے۔ عین اس وقت فکلین
 وہاں آیا تھا۔ لیکن شہرینہ اس کی آمد سے قطعی بے خبر تھی۔
 "اتنی انسلٹ کافی ہے یا کچھ اور بھی کہوں تمہاری
 شان میں۔" اسے یہ لڑکا مکلی نظر میں ہی برا لگا تھا۔
 اس کا ماننا تھا کہ برائی کو فوراً ختم کر دینا چاہیے
 اگر اگور کر دے تو وہ آپ کے لیے وبال جان بھی
 بن سکتی ہے۔

"شٹ اپ۔" جواہر اس نے بہت نصے سے ہاتھ
 اٹھایا تھا لیکن شہرینہ غافل نہ تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ
 درمیان میں ہی روک لیا تھا۔

"نچو آ لسو شٹ اپ۔" اس نے اس کا ہاتھ
 جھٹک دیا تھا۔

"ایجنڈی کیئر فز ل اگر آئندہ میرے سامنے بھی آئے تو
 وہ حشر کروں گی کہ جو تم نے خواب میں بھی نہیں سوچا
 ہوگا۔" انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔ فکلین نے بہت
 تنجیدگی سے آخری سین دیکھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے۔" وہ فوراً پاس آیا تھا شہرینہ نے
 چونک کر اسے دیکھا جبکہ فکلین نے شہرینہ کو گھورا تھا۔
 وہ لوگوں سے شہرینہ کا بیک گراؤ نہ جان کر آیا تھا۔
 اسنے بڑے باپ کی بیٹی سے دوستی کرنا وہ تو ایک دم
 ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ اسے علم نہ تھا یہ لڑکی اندرونی

طور پر اتنی مضبوط ہے کہ اس کی ایک لگاہ کو اندر تک نہ جانے
 کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ تو اسے ایک کڑی لڑکی سمجھ
 کر اس تک آیا تھا لیکن اب تو اتنی آنتیں لگے پڑنے والا
 حساب ہوا تھا۔

"آپ یہاں؟" وہ فکلین کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ
 ہوئی تھی انداز میں حیرانی تھی۔

"اماں بی پریشان ہو رہی تھیں انہوں نے لینے
 بھیجا ہے۔"

"میں کوئی چھوٹی بیٹی نہیں جو وہ پریشان ہو رہی
 تھیں۔" اس نے ناگوار سی کہا۔

"وہ کس لیے پریشان ہو رہی تھیں یہاں؟" کرپین
 دیکھنے کے بعد اچھی طرح اندازہ ہو رہا ہے۔" جواہر فکلین
 نے بھی کئی سے کہا۔

"شٹ اپ۔" وہ نصے سے بولی۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں قاتلو وقت تمہیں ہے میرے
 پاس جلدی کرو۔" اس کے شٹ اپ کو فکلین نے ذرا بھی
 اہمیت نہ دی تھی۔

"ہرگز نہیں میں آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جانے
 والی۔" وہ ماحول اور ارد گرد موجود لوگوں کی قطعی پروا
 نہیں کر رہی تھی۔ فکلین نے حاضرین پر نگاہ ڈالی۔
 سب ہی صورت حال کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

پہلے فکلین نور سے ہونے والی جھڑپ اور اب ایک دم
 دوسرے لڑکے کی آمد سے بدل جانے والا منظر نامہ ان
 کو یقیناً تجسس کر رہا تھا۔

"فضول گوئی کی ضرورت نہیں اپنا سامان لو اور جلدی
 کرو۔" وہ آواز دبا کر بولا۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی جب میرا دل
 کرے گا میں خود ہی گھر آ جاؤں گی۔" فکلین نے موبائل
 دیکھا رات کے گیارہ سے بھی اوپر کا نام ہو چکا تھا لیکن
 اس لڑکی کو قطعی پروا نہ تھی۔

"جلدی باہر آؤ میں پانچ منٹ دینے کروں گا ورنہ
 میں اٹھا کر بھی لے جاؤں گا اور تم جانتی ہو کہ میں بھی

تہاڑی طرح ہی غصی ہوں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی
ہوں۔ ”وہ غصے سے کہہ کر پلٹا اور چھین نور کے پاس سے
گزرتے دکھا۔

”تم جو بھی ہو یہ بات ابھی طرح نوٹ کر لو کہ وہ تم
شہرینہ کے ارد گرد بھی دکھائی دے تو سیدھے جیل میں بند
کرا دیے جاؤ گے۔“ وہ اسے کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔
شہرینہ نے بہت غصے سے اسے جاتے دیکھا تھا اسے
الگن کی تادم کی قطعی امید تھی۔

وہ یہاں بیٹھ بیٹھ کر پور ہو چکی تھی دیے بھی اسے کچھ
دیر بعد واپس گھر چلے جانا تھا لیکن وہ جان بوجھ کر رہی
ہوئی تھی۔ وہ غصے سے اپنا بیک لیے باہر کی طرف آئی
تھی۔ کہنے کے باہر الگن سنجیدگی سے اس کا دھت کر رہا تھا
اسے دیکھ کر نہ سکون ہوا جبکہ شہرینہ کے تپور بگڑے ہوئے
تھے۔ شہرینہ نے اس سے کوئی بات نہ کی وہ نہایت
باریک بینی سے ارد گرد کا جائزہ لیتے اس کے ہمراہ چل رہا
تھا وہ پارکنگ سیکسٹے سے دو واٹنی گاڑی کی طرف جانے
لگی تو الگن فوراً اس کے دستے میں آیا۔

”تم میری گاڑی میں چل رہی ہو۔“ انداز دو ٹوک
تھا۔ شہرینہ نے نہایت ناگواری پیش سے دیکھا۔

”میں آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔“

”بحیثیت زوجہ محترمہ ہونے کے تم اب میرے ہر حکم
کی پابند ہو۔“ الگن کا انداز نہایت سنجیدہ اور اپنی حیثیت
منوانے والا تھا۔ شہرینہ کے اندر تو جیسے آگ لگ گئی تھی۔

”حیثیت دل سے بتائے گئے رشتوں کی قبول کی
جاتی ہے زور زبردستی سے بتائے گئے رشتوں کو جو فحش کا
نامہ ہیں تو بہتر ہے۔“

”میری حیثیت کو چیلنج مت کرو میرے پاس موہاں
ہے جس میں ہمارے نکاح نامے کے انچور سیو ہیں

ہمارے نکاح کی تصدیق بھی موجود ہیں شور شرابہ کرو گی تو
نقصان اٹھاؤ گی آرام و سکون سے میری گاڑی میں چل کر
بیٹھو تمہاری گاڑی صبح گھر پہنچ جائے گی۔“

”نہیں جاؤں گی کیا کر لیں گے آپ؟“ وہ اب بھی

شام ہونے سے ڈرا پہلے۔

کبھی اس کو بچے میں

کبھی اس کو بچے میں

گزرتا ہے دن اپنا

لیکن۔۔۔۔۔

شام ہونے سے ڈرا پہلے

میں لوٹتا ہوں

اس لیے۔۔۔۔۔

گھر کی دہلیز پر

نہ جانے کب سے

کوئی کھڑا ہوگا

میرے انتظار میں۔۔۔۔۔

خالد ایاز سائل۔۔۔۔۔ حافظ آباد

غصے میں تھی۔ الگن نے بہت سنجیدگی سے اسے اور پھر ارد
گرد کے ماحول کو دیکھا پارکنگ ایریا میں ایک دفعتی طور
پارکنگ گارڈ کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا الگن نے سختی سے
اس کا بازو دھکا۔

”تم کیوں چاہتی ہو کہ ہر بار میں تمہارے ساتھ
زور زبردستی ہی کروں آرام و سکون سے بات مان
بھی سکتی ہو۔“

”میرا بازو چھوڑیں۔“ الگن کے لہجے نے گویا آگ
کی دھماکا دی تھی۔ الگن نے قطعی پروا نہ کی۔ وہ اس کا بازو
تھامے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے اس کی
حزاحت یا چیخنے چلانے کی قطعی پروا نہ تھی۔ اس نے فرنٹ
ڈور کھول کر اسے وہاں بٹھایا اور خود دوسری طرف آ کر
بیٹھا تھا۔

”کیا بد تمیزی ہے آپ میں عزت نفس نام کی کوئی
چیز نہیں ہے کیا؟ نفرت کرنی ہوں میں آپ سے۔“ شکل
بھی نہیں دیکھتا چاہتی آپ کی میری زندگی میں آگ لگا
دی ہے آپ سب لوگوں نے لی کہ۔“ وہ تو پھٹ بڑی
تھی۔ چیخ چلا رہی تھی۔ الگن نے قطعی پروا نہ کی اور سنجیدگی

سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا گاڑی کلب کے احاطے سے نکل تو اگلے نے شہرینہ کو دیکھا تھا وہ کینز تو نظروں سے گھوری تھی۔

”کون تھا وہ ملا کا؟“

”آپ سے مطلب۔“

”کیوں جھگڑ رہی تھیں اس سے۔“ دوسرا سوال کیا۔

”آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں میں۔“

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔“ وہ تو اگلے کی زور و

زبردستی پر اندر ہی اندر مل کھڑی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اگلے سمیت اس کی گاڑی کو بھی آگ لگا دے۔

”جواب دو مجھے۔“ انداز ٹھکانا تھا۔

”جو کوئی بھی ہوتا آپ سے مطلب؟“ وہ غصے سے

مگو یا تھی۔

”چچا جان نے جب سوئنگ پریکٹس یا گیمز کا منع کر دیا تھا تو پھر یہاں کیوں آ رہی ہو۔“

”میں حصہ لے چکی ہوں اب پیچھے نہیں ہٹوں گی

میں نے غصیکہ لے رکھا ہے ہر ایک کی بات ماننے کا جب

کسی کو میرے جذبات و احساسات کی قطع پروا نہیں تو

میں کیوں کسی کی پروا کروں جو میرا دل چاہے گا وہ میں

کروں گی کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ مجھے منع کرے۔“

”وہ تمہارے والدین ہیں۔“

”مجھے اس رشتے پر افسوس ہے۔“ وہ ترکی بڑی بولی

تھی اگلے نے بہت دکھ تجوید کی سہا سے دیکھا۔

”تمہیں ہمارا رشتہ قبول نہیں تمہیں اپنے ماں باپ

کے ساتھ رشتہ ہونے پر افسوس ہے تمہیں تو شاید اپنی

ذات پر بھی افسوس ہے کہ اس دنیا میں کیوں آئی ہو۔“

اگلے کا انداز طنزیہ اور شرم دلانے والا تھا لیکن..... شہرینہ

کے اندر تو شدید طوفان اٹھنے ہوئے تھے۔

”ماں ہے افسوس اس بات کا نہیں کہ میری ذات اس

دنیا میں کیوں آئی اس بات کا ماتم کرتی ہوئی کہ ان بے

حسن اور ناقدر لوگوں کے درمیان کیوں آ گئی میں یہ

حیثیت مرے لیے اور وہ بے پیسے میں تول کر بجھتے ہیں کہ

انسانوں کے جذباتی خرابے لیے ہیں لیکن کب افسوس ملتی ہوں کہ میں کاش کسی بھکاری کے ہاں پیدا ہو جاتی کم از کم وہ مجھ پر توجہ و محبت کے چند لمحوں تو بھگوار کرتے۔“ وہ شدید اضطراب کا شکار ہو رہی تھی۔

وہ ایسے فٹل نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اگلے کی بات نے

اسے از حد جذباتی کر دیا تھا کہتے کہتے آخر میں اس کی

آواز رندہ گئی تھی۔ وہ تکلیف و اذیت سے کھڑکی سے باہر

منہ کر کے بیٹھ گئی تھی۔ اس کے اندر جذباتیت کا ایک منہ

زور رہا تھا جوں نے کو بے تاب تھا۔ وہ اگلے جیسے سفاک

و بے حس انسان کے سامنے روٹ نہیں چاہتی تھی سو مشکل

آنسوؤں کے منہ زور لیے کو اندر ہی اندر دھکیل رہی تھی۔

اس کے حلق میں کانٹے جیسے لگے تھے۔ کاش وہ لوگوں کو

بتاتی کہ وہ ایسی کیوں ہو گئی تھی، وہ اتنی خدی و سفاک اور

منہ پھٹ کیوں ہو گئی تھی، اگلے نے تجوید کی سے اس کو

دیکھا تھا اس کا چہرہ گاڑی کی ہلکی سی روشنی میں بھی دیکھا

جاسکتا تھا۔ سوچ بلا خیر جذبات کا گھس اس کے چہرے پر

صاف بڑھا جاسکتا تھا۔

”شہری۔“ اگلے نے کچھ توقف کے بعد پکارا۔ اس

کی پکار میں عجیب سی کیفیت تھی۔ شہرینہ کو لگا کہ گویا وہ کسی

شدید زلزلے کی زد میں آ گئی ہو۔ اس نے سختی سے ہونٹ

دانت تلے سمجھنے لیے تھے وہ تمام آوازوں پر تمام صداؤں کی

طرف سے کان بند کر کے بھری بن جانا چاہتی تھی۔

”شہری بات سنو۔“ اگلے کا انداز اب دھمکا تھا لیجے

میں تیری بھی الفاظ میں اپنائیت تھی۔ شہرینہ ساکت ہو گئی

تھی۔ وہ اگلے کی طرف سے ایسے لہجے تیری اور اپنائیت کی

امیدوار نہ تھی۔ اگلے نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی

تھی۔ بالکل ساکت و سناٹا سڑک کے کنارے بالکل

اندھیرے میں ان کی گاڑی کھڑی کی تھی۔

”شہرینہ۔“ اگلے نے ایک بار پھر پکارا لیکن شہرینہ

کے ساکت و جامد وجود میں جوش تک نہ ہوئی تھی۔ اگلے

نے اس کا ہاتھ تھاما۔

شہرینہ کو لگا کہ گویا اسے کسی کرنٹ نے چھو لیا ہوا اس

ابن صفی کا نیارخ

شائع ہو گئی ہے

کسی پریشانی اور رزمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کافی مجلس ادارہ سے بیک کرالیں۔

0300-8264242

معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام

ابن صفی

کا وہ رخ جس سے ان کے قارئین نا آشنا ہیں

مشتاق احمد قریشی



مشتاق احمد قریشی



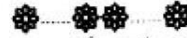
مشتاق احمد قریشی

1971ء میں پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ کراچی سے حاصل کی۔
پہلے اخبار نویس، بعد میں صحافی بن گئے۔ پاکستان کے مختلف اخبارات میں خدمات انجام دی ہیں۔
سن 1998ء میں قلمی زندگی سے ریٹائر ہو گئے۔ ان کے کئی ناول اور کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔
ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکے ہیں۔ ان کے کئی ناولوں کا
انگریزی میں تراجم ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکا ہے۔
ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ناولوں کا
انگریزی میں تراجم ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکا ہے۔
ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ناولوں کا
انگریزی میں تراجم ہو چکا ہے۔ ان کے کئی ناولوں کا اردو، انگریزی اور ہندی میں تراجم ہو چکا ہے۔

021-35620771

نے بے اختیار گردن ہٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ آنکھوں میں طوفانوں کی سی طغیانی تھی۔ جھٹل کرتی آنکھیں اور ان میں جکتے صاف و شفاف پانی کے موتی۔ لیکن کوکا کو اس نے کسی طوفان کا رخ اپنی طرف موڑ لیا ہوشیاری کی آنکھیں اور ان سے جھٹکے طوفان بود و حیرت سے دیکھا رہ گیا تھا۔

کشتیاں ہیں مگر ڈوب جاتی ہیں نا خدا کس لیے ڈراتے ہیں اک حسین آنکھ کے شعلے سے قافلے بھول جاتے ہیں لیکن بھی شاید رستہ بھول گیا تھا۔



”کیا ہوا ہے آپ کو؟“ وہ لوگ جہاز میں بیٹھ چکے تھے جہاز اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ عثمان نے نوٹ کیا تھا کہ فائدہ مسلسل کم ہو رہا ہے، انہوں نے چند بار دیکھا تھا لیکن ”ہوں ہاں“ سے زیادہ جواب نہیں ملا تھا اب بھی انہوں نے کہا تو وہ سراسر اٹھا کر شوہر کو دیکھنے لگیں۔

”کچھ پوچھ رہا ہوں میں۔“ انہوں نے بغور دیکھا۔ فائدہ کی آنکھیں سرخ تھیں عجیب مضمحل اور آزرده سا انداز تھا۔ وہ چہرے کئے تھے۔

”کیا ہوا ہے آپ کو؟“

”کچھ نہیں بس سرد ہو رہا ہے۔“ وہ سر جھکا گئیں آہستگی سے جواب دیا تھا۔ عثمان نے انہیں بغور دیکھا۔

”زیادہ طبیعت خراب ہے کیا؟“ وہ اہمیت نہیں دینا چاہتے تھے لیکن بجائے کیوں بار بار پوچھ رہے تھے۔

”نہیں ٹھیک ہوں میں۔“ بڑا سا انداز تھا۔ انہوں نے خاموشی سے دیکھا۔

”میں دیکھ رہا ہوں کافی ڈسٹرب لگ رہی ہیں آپ۔“ انہوں نے پھر کہا تو فائدہ نے دیکھا۔ عثمان کو لگا کہ جیسے ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ہو۔

”میں نے کہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں آپ اپنے شیڈول پر واپس آجائیں میری ذات میں دلچسپی لینے کی قطعی ضرورت نہیں۔“ انداز میں ایک دم ٹپکی تھی۔ عثمان کے ماتھے پر سونہری سی چمک۔

”یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں آپ۔“ آواز

وہی اور انداز سرزنش کرنے والا تھا۔

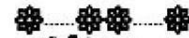
”مذہرت چاہتی ہوں لیکن میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں آپ کے سفر میں ہم سفر ہوں یہ میری مجبوری ہے پلیز بار بار مجھے ڈسٹرب مت کریں پلیز میں سکون چاہتی ہوں۔“ وہ کہہ کر آنکھیں بند کر گئی تھیں عثمان کے چہرے کے زوایوں میں کھنکھار آ گیا تھا۔ انہوں نے برہمی سے اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی بیوی کو دیکھا تھا لیکن بیوی آنکھیں موند چکی تھیں۔

”اگر یہ سزا جتنی ہی مجبوری لگ رہا تھا تو انکار کر دیتیں۔“ انہوں نے سنجیدگی اور ٹپکی سے کہا۔ آنکھیں موند گئی فائدہ کے چہرے پر کھڑی مسکراہٹ کا عکس لہر ایا تھا۔

”کاش انکار کرنا میرے اختیار میں ہوتا۔“ آواز بھی تھی لیکن عثمان کی ساری حسیات کو یاد بائیں کان میں سنائی تھی میں کو سرگوشی لگا لفاظ بہت سے سنائی دے رہے تھے۔

”آپ تو بہت سارے اختیارات کی مالک ہیں اب کس بات کا رونا ہے۔“ ان کی آواز بھی وہی تھی لیکن سرگوشی ہرگز نہ تھی۔ جواباً فائدہ خاموشی رہی اور فائدہ کی خاموشی عثمان کے اندر ایک طوفان کو دھجکت دے رہی تھی۔

ایسا طوفان جو ہمیشہ ہی دونوں کے درمیان شعلہ بے چاہی کا سبب بنتا تھا۔



چاہی تو لیکن کے اندر بھی آئی تھی لیکن یہ چاہی ایسی تھی کہ وہ کسی کو بتا نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ پر شہرینہ کے ہاتھ کا لمس ہمیشہ کے لیے بھرا ہوا محسوس ہوا تھا وہ سارے جلد تھا اور شہرینہ وہ آنکھوں میں طفیلی لپے لیکن کو دلچسپی ایک ایسا طوفان لگ رہی تھی جو لیکن کا سب کچھ بہا کر لے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



جسٹن سے عشق تک

سمیرا شریف طور

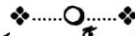
حصہ 7

خونِ دل سے شاخ گل تک جو بیتی سو بیت گئی
اے پھولوں میں رہنے والو! اب کیا بات بڑھاتے ہو
خواب ہوئی وہ صبح فردا، یہ کیسی نادانی ہے
وہ آنکھیں جو اب پتھر ہیں ان کو زخم دکھاتے ہو



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صاحب سے اماں بھی اُٹھیں اور شہرینہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی پڑھائی کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں اماں بی کوڑا ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی خنداں رشتے میں بگاڑ پیدا نہ کر دے لیکن عثمان صاحب اس بات کی گارنٹی لیتے ہیں۔ فرح شہرینہ، زویہ اور شایان چاروں شاپنگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور وہیں مال میں اُٹھن سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ اب آگے پڑھیں



شہرینہ نے بہت متحضر سے اُٹھن کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اپنے اندر لٹے طوفان کو بڑی کوشش سے اندر دھکیلا تھا۔ اُٹھن نے اسے بغور دیکھا اس نے اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ وہ چند لمحے کمزور پڑی لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر سے اپنی ذات کے قلعے میں مضبوطی سے بند ہو گئی تھی لیکن اُٹھن اس کی ذات کی وہ ایک لمحے کی کمزوری نہ صرف محسوس کر چکا تھا بلکہ بغور جان بھی چکا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اس نے خاموشی سے گاڑی دوبارہ چلا دی۔ پچھلے برس گھر آ گیا تھا۔ شہرینہ نے بمشکل گیٹ کھلنے اور گاڑی اندر جانے کا انتظار کیا تھا۔ جیسے ہی گاڑی رکی وہ تیزی سے باہر نکلنے لگی لیکن آنو بیک لاک کی وجہ سے دروازہ بند تھا۔ اُٹھن نے خود اس کی طرف جھک کر دروازہ ان لاک کیا۔ وہ تیزی سے اندر کی طرف چلی گئی۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی اُٹھن کی اماں بی وہیں کارڈیور میں ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں زبیدہ پاس کھڑی تھی۔ زبیدہ اسے دیکھ کر ایک دم مسکرائی۔

”شہری بی بی آگئیں۔“ اس نے اماں بی کو اطلاع کی اماں بی نے اسے دیکھا وہ بے مروتی سے ان کو نظر انداز کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”اتنی دیر کوئی شہری بی بی؟“ شہرینہ ایک دم غصے سے پلٹی۔

اس نے اپنی ذات کے گرد بہت ساری دیواریں کھڑی کر لی تھیں لیکن اب یہ لوگ ان دیواروں کو توڑنے کے در پے تھے جبکہ اس کے اندر اب شدت سے مدافعتی تحریک برپا ہوئی تھی۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا اپنی ذات میں زبردستی اس طرح ڈھل اندازی کرنے والے تمام لوگوں کا حشر نشر کر دے۔ سب کچھ تباہ کر دے۔ ایسے جواب دے کہ ان کی ہمت نہ ہو اس سے ہمکلام ہوں۔

لاہور سے آئے مہمان اُٹھن، شایان، زویہ اور فرح آنکھ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے لائق ایک جگہ جا کھڑی ہوتی ہے اُٹھن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتا ہے تب ہی ٹیپو (شہرینہ کا بھائی) شایان سے کنسرٹ میں چلنے کی بات کرتا ہے لیکن اُٹھن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ دلا جاتا ہے اور وہ اس کنسرٹ میں جانے پر بعد ہو جاتی ہے تب ہی شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے موبائل پر اس کے کلاس فیلوزین کی کال آتی ہے جس سے وہ بے تکلفی سے باتیں کرتی اُٹھن کو ناگواری سے دوچار کر جاتی ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئمنگ پریکٹس پر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھجلائی زین سے پک کرنے کا کہتی ہے تب اُٹھن فائنل ٹیکم سے شہرینہ کو کالج ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ دلا جاتا ہے وہ کبھی بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ اُٹھن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کرتی ہے جس پر اُٹھن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہے شہرینہ تملاکر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب کالج میں فرح اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کر دیتی ہے جس پر صبا اور حور یہ (کالج فیلو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ اُٹھن کی تصویر انہیں نہیں دکھائی صبا اور حور یہ اس کے ساتھ اُٹھن سے ملنے گھر آ جاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے سوئمنگ پریکٹس پر نہیں جا سکی تھی فائنل ٹیکم حسب پروگرام عثمان صاحب کے ڈرائیور کے پاس کسی انویٹیشن پر جا چکی ہوئی ہیں جبکہ اُٹھن بھی ابھی گھر پر نہیں ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں اماں بھی سے ملوانی ہے فرح بھی ان سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ اُٹھن گھر آتا ہے تو ملازمہ سے فرح کو اماں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حور یہ بھی اُٹھن سے ملنے کو بے تاب ہو جاتی ہیں تب شہرینہ انہیں اماں بی کے کمرے میں لے آتی ہے۔ صبا اور حور یہ اماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہو جاتی ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے فرح اس سے اُٹھن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان

گزارہی گئے لیکن اب بچوں کا ہی خیال کر لیتے۔“ وہ چلتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ اگلن کے ذہن میں جی سوال ابھرے تھے۔

وہ اماں بی کو ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ ان کا ارادہ صبح صبح یہاں سے نکلنے کا تھا۔ اس نے اماں بی کو ان کے بستر پر بٹھایا اور خود ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

”مجھ سے وعدہ کرو کہ حالات کچھ بھی ہوں تم شہرینہ کو نہیں چھوڑو گے۔“ ان کے لہجے میں التجائی تھی۔ اگلن نے ان کو بخور دیکھا۔

”ایک بات پوچھوں؟“ اندازہ سوچ تھا اماں بی نے اگلن کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔

”میں جانتی ہوں تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ ان کے لہجے میں یاسیت تھی۔

”اُمی میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی شہرینہ کی ذات کا دفاع تمہاری ذمہ داری ہے اور میں جانتی ہوں کہ تم سے کچھ بھی چھپانا ایک بہت بڑی غلطی ہے لیکن اُمی میں کچھ بھی بتانے کی رنج پر نہیں ہوں۔“

”تو پھر شہرینہ کا رویہ بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ جانتی ہیں کہ زبردستی کسی کے ساتھ منسلک ہو جانا اور پھر اس کے ساتھ بندھے رہنا میری طبیعت اور انا کے لیے یہ بات گوارا نہیں آپ کی خواہش آپ کی آرزو میں میرے لیے میری ذات سے زیادہ اہم ہیں اور میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں شہرینہ جیسی لڑکی کو برداشت صرف اور صرف آپ کی محبت میں کر رہا ہوں ورنہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ شہرینہ کو ایڑا لائف پائرنر میں بھی برداشت نہ کرتا۔“ اگلن کا انداز مؤدب تھا لیکن اپنا موقف واضح کرتا انداز تھا۔

اماں بی نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں جانتی ہوں تم میرے بیٹوں سے بڑھ کر میری خواہشوں کا احترام کرتے ہو میرے فیصلوں کو مان دینے والے ہو، یقین رکھنا تم ہمیں بہت عزیز ہو اور تم تمہارے ساتھ بھی نا انصافی کرنے والے نہیں۔“

”جی میں یقین رکھتا ہوں۔“ اماں بی مسکرائیں ان کے بیٹے بے شک ان کا احترام کرنے والے تھے لیکن عثمان کی معاملات میں ان کے فیصلوں کے سامنے اپنی من مانی کر جاتا تھا مگر شیر اگلن کی ذات سے انہیں وہ سکھ ملا تھا وہ ان کو کسی اور

”کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ وہ انتہائی غصیلے لہجے میں بولی۔

”میں تو تمہاری وجہ سے پریشان تھی۔“

”نہیں چاہیے مجھے آپ لوگوں کی پریشانی میں جو بھی ہوں جیسی بھی ہوں اچھی یا بری اپنی ذات کے لیے بہت اچھی ہوں، اللہ کے واسطے میری ذات میں دخل اندازی کرنا بند کروں جلدی آؤں یا دیر سے آپ کو میرے معاملات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔“ اس کا انداز نہایت بدتمیزانہ اور گستاخانہ تھا۔ اندر آتا لیکن اسے دیکھ کر غصہ کا اور پھر غصے سے آگے بڑھا۔

”اماں بی سے بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے شہرینہ۔“ وہ بہت غصے سے بولا۔

”آپ کو میرے معاملات میں انٹرفیر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں میں کچھ بھی کروں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟“ وہ بہت بدلتا لہجے سے اس سے مخاطب ہوئی۔ اگلن نے از حد سنجیدگی سے اسے اور پھر اماں بی کو دیکھا۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ اس نے زبیدہ کو وہاں سے بھگایا۔

”اماں بی تم سے محبت کرتی ہیں اتنی دیر گھر سے باہر ہوئی تو ان کی پریشانی فطری امر ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں اپنے معاملات میں خود مختار ہوں آئندہ کوئی مجھے نہ لینے آئے گا اور نہ ہی میرے معاملے میں دخل اندازی کرے گا سمجھالیں ان کو۔“ وہ جی سے کہہ کر تن من کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اماں بی نے بڑی آزرده نگاہوں سے پوتے کو دیکھا۔

ان کے سامنے بھی ان کے بیٹوں نے بھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کی تھی اور یہ کل کی لڑکی ان کی محبت کے جواب میں کس قدر بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔

”میں دیکھتا ہوں اسے۔“ اگلن نے کہا تو اماں بی نے اسے منع کر دیا۔

”نہیں رہنے دو۔“ وہ آزرده سی واپس پلٹیں اگلن نے فوراً آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما اور ان کے ساتھ چلتے لگا۔

”آرام و سکون سے وہ تمہارے ساتھ آگئی تھی نا؟“ انہوں نے ساتھ چلتے پوچھا اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔

”شہرینہ کو لینے بھیجا تھا آپ نے اور وہ آرام و سکون سے آجائے ناممکن بات ہے۔“

”پتا نہیں کیوں ہو رہا ہے یہ سب..... اتنا سمجھاتی رہی ہوں عثمان اور فائدہ دونوں کو لیکن یہ دونوں اپنی زندگی تو جیسے تیسے

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

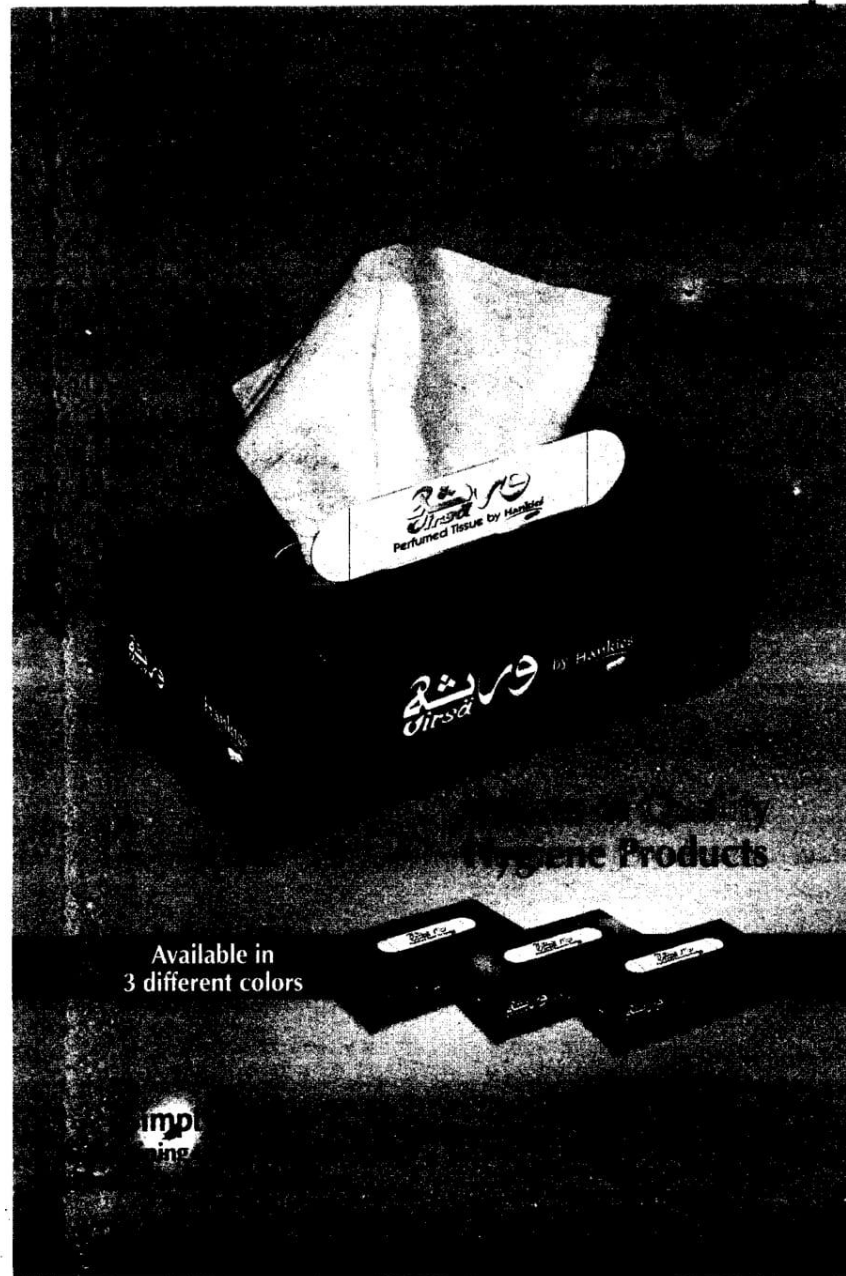
سے نہ ملتا تھا۔
 ”میں شہرینہ کی طرف سے پریشان ہوں۔“ لگن نے ان کو دیکھا۔
 ”جیتنے دن عثمان اور فائقہ گھر نہیں آ جاتے وہ تمہارے گی بے شک ملازمین لاکھ بھروسے کے قابل سہی لیکن ہماری کچھ روایتیں بھی ہیں وہ کیسے اکیلی رہ سکتی ہے میرا دل نہیں مان رہا اسے تنہا چھوڑ کر جانے کو۔“
 ”یہ تو بچا اور خالہ کو سوچنا چاہیے تھا۔“ لگن کے لہجے میں کچھ گرمی آئی تھی۔
 ”میں سمجھتی ہوں کہ ماں باپ کے رویوں نے ہی اسے اس حد تک بد مزاج بنا دیا ہے ورنہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ بڑی فرماں بردار اور سچی ہوتی بچی تھی۔“ لگن خاموش رہا۔
 ”میں چاہتی ہوں کہ شہرینہ ہمارے ساتھ گاؤں چلے۔“ انہوں نے کہا تو لگن کچھ سوچنے لگا۔
 ”وہ کبھی نہیں مانے گی۔“
 ”اسے تنہا چھوڑ کر جانے کو میرا دل نہیں مان رہا۔“
 ”وہ شاید آپ کے لیے مان ہی جائے لیکن میری ضد میں وہ کبھی نہیں جائے گی۔“ لگن اسے بہت اچھی طرح نہ صرف جان چکا تھا بلکہ سمجھ بھی چکا تھا۔
 ”میں بات کروں گی اس سے۔“
 ”بے فائدہ ہے لیکن آپ کو اس سے بات کرنے سے نہیں روکوں گا آپ دیکھ لیں وہ مان جاتی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔“ اماں بی نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”تم آرام کرو، میں زبیدہ کو بھیج کر اسے بلواؤں گی۔“ اماں بی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
 ”لگن نے ایک دو اور باتیں بھی کی تھیں پھر اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا اماں بی نے انٹرکام اٹھایا تھا انہوں نے زبیدہ کو پیغام دیا کہ وہ شہرینہ کو ان کے پاس بھیجے۔ کچھ دیر بعد زبیدہ آئی تھی۔
 ”شہر بی بی کہہ رہی ہیں کہ جو بھی کہتا ہے مجھے بتا دیں وہ لیٹ چکی ہیں اب کمرے سے نہیں نکلیں گی۔“ زبیدہ کے بتانے پر اماں بی نے کچھ ہل سوجا۔
 ”چلو کوئی بات نہیں میں خود اس کے پاس چلی جاتی ہوں۔“ وہ اپنی عینک آنکھوں پر لگائے سیدھی ہوئیں۔
 ”گھنٹوں میں ورد کی وجہ سے وہ اٹھنے بیٹھنے میں کچھ دقت

محسوس کرتی تھیں لیکن اس عمر میں بھی ان کی صحت بہت اچھی تھی وہ بہت متحرک اور ایکٹیو خاتون تھیں پوری حویلی ان کے کنٹرول میں تھی جہاں وہ ہر وقت ملازمین سے کام کرانے میں مصروف رہتی تھیں۔ زبیدہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے میں مدد دی تھی۔ فائقہ اور عثمان کی طرف سے ان کا خاص خیال رکھنے کی تاکید تھی۔ ان لوگوں کی غیر موجودگی میں وہ ہمیشہ گھر کے اندر ہی رہتی تھی پھر اپنے کوارٹر میں نہیں جاتی تھیں خاص طور پر شہرینہ کا خاص خیال رکھتی تھی جب تک وہ گھر میں موجود رہتی تھی وہ اماں بی کے ساتھ شہرینہ کے کمرے تک آتی تھی۔
 شہرینہ کا کمرہ لاک تھا۔ اماں بی کے اشارے پر اس نے ٹاک کیا۔
 ”کون؟“
 ”میں زبیدہ اماں بی آئی ہیں آپ سے ملنے۔“ کچھ ہل بعد دروازہ کھل گیا تھا۔
 شہرینہ ٹائٹ ڈریس میں ملبوس تھی اماں بی کی وجہ سے دوپٹا ارد گرد پلٹ رکھا تھا۔
 ”آپ اس وقت؟“ وہ اماں بی کی اس بے وقت کی آمد پر کچھ اکتائی تھی۔
 ”تم جاؤ میں شہرینہ کے پاس ہی اب رکوں گی۔“ اماں بی نے شہرینہ کو سکرا کر دیکھتے زبیدہ کو چلایا۔
 وہ خود ہی اندر جا کر شہرینہ کے بستر پر بیٹھ گئیں۔ شہرینہ بے زاریت لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔
 ”اُھر کیوں کھڑی ہو اُھر آ جاؤ۔“ وہ ابھی بھی دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اماں بی نے کہا تو اس نے ناگواری سے ان کو دیکھا۔
 ”دروازہ بند کر کے اُھر آ جاؤ۔“ اماں بی نے پھر کہا تو وہ زور سے دروازہ بند کرتے واپس بستر تک آئی۔
 ”میں صبح چلی جاؤں گی پھر بتائیں کب ملاقات ہو پہلے تو گاؤں آئی رہتی تھی اب ایک سال ہو گیا ہے تم نے گاؤں آنا ہی چھوڑ دیا۔“ اماں بی نے کہا تو وہ ایک گہرا سانس لیتی بستر کے کنارے پر ٹک گئی۔
 ”مجھے نیند آ رہی تھی۔“ شہرینہ نے صاف الفاظ میں بتایا تھا کہ ان کی وجہ سے اس کی نیند ڈرٹ ہو رہی ہے اماں بی مسکرائیں۔ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
 ”میرے ساتھ گاؤں چلو۔“ ان کے انداز میں بہت محبت

تمہی شہر نہ چوکی۔
 ”مجھے بہت اچھا لگے گا ماں باپ تو تمہارے یہاں ہیں ہی نہیں اکیلی کیسے رہو گی تمہارے بابا صاحب کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں بھی نہ جاتی، اب میں وہاں گئی تھی تو تمہاری پریشانی لگی رہے کی دھیان ہر وقت تمہاری طرف ہی رہے گا۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”تو یہ وجہ کی۔“
 ”سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی۔“ اماں کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم بچھی تھی۔
 ”لیکن بیٹا.....“
 ”ایم سوری میں ایسے ماحول کی عادی ہوں میں اکیلے رہنا جانتی ہوں میں نے ایک لمبا عرصہ ہاسٹل میں گزارا ہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں اکیلی ہوں یا میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے میں تمہاری کی عادی ہوں سارا دن گھر سے باہر رہ لیا رات گئے کو لونی تو اپنے کمرے کو لاک کر کے سو گئی، نو میٹر۔“ وہ ہنس کر رہی تھی۔
 ”لیکن شیری بیٹا ہمیں یہ اچھا نہیں لگ رہا تم ہمارے ساتھ چلو جب فائبر اور عثمان آجائیں تو واپس آ جانا۔“
 ”کہنا تاں سوری..... میرے ساتھ ایک لاکھ حاصل بحث مت کیا کریں آپ ابھی طرح جانتی ہیں کہ میں نہیں جاؤں گی گاؤں سو مجھے فورس بھی مت کریں۔“ اب کی بار قطعی انکار تھا۔
 اماں بی کا چہرہ مڑ گیا۔
 ان کا خیال تھا کہ وہ پیار و محبت سے شہرینہ کو کہیں گی تو شہرینہ مان جائے گی لیکن اس کے انکار نے ان کا دل توڑ دیا تھا۔ وہ افسردہ سی تھیں۔ شہرینہ کو ان کی افسردگی پر ایک پل کو گھٹ لٹل ہوا لیکن ناگھلے ہی پل اس نے خود کو پھوڑ کر لیا۔
 اماں بی نے اٹکن کے ساتھ اس کا نکاح زبردستی کر لیا تھا اس کے ماں باپ نے اماں بی کے فیصلے کو بخوشی مانا تھا اور اس کے انکار کو قطعی کوئی اہمیت نہ دی گئی تھی وہ یہ بات سمجھی نہ بھولنے والی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ اماں بی نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی۔
 ”چلو کوئی بات نہیں، اپنا خیال رکھنا، میں زبیدہ کو اچھی طرح سمجھا دوں گی، تم دھیان سے رہنا۔“ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
 اب کی بار شہرینہ جھٹکے سے ان کی گرفت سے اپنا ہاتھ نہیں

کھینچ سکتی تھی، اماں بی بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھیں۔
 نجانے کیوں شہرینہ کو ان کے ہاتھ کو سہلانے کے اس عمل سے جسمانی طور پر کچھ سکون محسوس ہو رہا تھا۔
 ”تم لیٹ جاؤ میں کچھ دیر ادھر بی ہوں مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔“ انہوں نے کہا تو شہرینہ خاموشی سے لیٹ گئی۔
 اماں بی نے محبت سے اس کے اوپر پلینٹ سیدھا کیا۔ اس نے سنجیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ وہ ہو بہو عثمان فاروق کی ہمہ گیر لگ رہی تھیں۔ لیکن وہ عثمان فاروق سے کچھ حد تک مختلف بھی تھیں۔
 شاید ان کے چہرے پر ہر وقت رہنے والی نرمی تھی جو ان کو عثمان سے مختلف بناتی تھی، وہ ان کو دیکھ رہی تھی جب اماں بی مسکرائیں اور اس کے قریب لیٹ گئیں۔
 ”میرا بہت دل چاہ رہا ہے کہ آج تمہارے ساتھ سوؤں۔“
 ان کے الفاظ سرگوشی نہ تھے۔ شہرینہ نے ٹھٹھک کر ان کو دیکھا۔
 ان کا چہرہ بے ریا تھا اور آنکھوں میں ٹھٹھکیں مارتا والہا نہ محبت کا ایک دریا رواں دواں تھا۔ انہوں نے اس کے قریب لیٹ کر نرمی سے اس کے سر کو سہلانا شروع کر دیا تھا۔
 وہ ان کو یہ سب کرنے سے روکنا چاہتی تھی ان کو غصے و کئی سے اپنے کمرے سے نکل جانے کا کہنا چاہتی تھی لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔
 وہ بس خاموشی سے ان کے صبیح و بلج چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ مل بعد اس کی آنکھیں نیند سے خود بخود پھل ہوتا شروع ہو گئی تھیں، اس نے پلکیں جھپک جھپک کر خود کو سونے سے باز رکھنا چاہا لیکن کچھ مل بعد اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ گہری نیند کی وادی میں اترنی چلی گئی تھی اسے کچھ علم ہی نہ ہو سکا تھا۔
 وہ گہری نیند میں تھی جب اماں بی نے از حد محبت سے اس کی پیٹنی چوٹی چوٹی، پھر خود بھی آنکھیں موند لی تھیں۔
 آٹکن جلدی اٹھ گیا تھا۔
 وہ اماں بی کے کمرے میں آیا تو وہ خالی تھا اس نے باہر آ کر زبیدہ سے پوچھا تو حیران ہو گیا، اماں بی رات شہرینہ کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ یعنی اماں بی رات بھر شہرینہ کے کمرے میں رہی تھی۔ وہ یہ جان کر از حد حیران ہوا تھا۔
 وہ زبیدہ کو چھوڑ کر شہرینہ کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ اس

نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔
 ”اماں بی۔“ اندر داخل ہونے کے بجائے اس نے اماں بی
 کاوازہ لی۔
 ”آ جاؤ اگلن۔“ اماں بی ابھی فجر کی نماز سے فارغ ہوئی
 تھیں اذکار کر رہی تھیں۔ جبکہ شہرینہ ابھی سو رہی تھی۔
 اگلن اندر داخل ہوا تو اماں بی نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ ابھی
 بھی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔
 ”بہت جلدی اٹھ گئے تم؟“ شہرینہ کی نیند خراب نہ ہو اس
 لیے وہ بہت آہستہ بولیں۔
 ”جی آپ کو علم ہی ہے میں صبح جلد اٹھ جاتا ہوں۔“ اماں بی
 نے سر ہلایا۔
 ”آپ پدات ادھر تھیں؟“ اس نے آہستگی سے پوچھا۔
 اس نے بیڈ کی طرف دیکھا شہرینہ سو رہی تھی بالینکٹ اس
 کے اوپر تھا خوابیدہ چہرہ بڑا محضو سا لگ رہا تھا۔
 ”ہاں میں رات کو ادھر آ گئی تھی۔“ اگلن نے سر ہلایا۔
 اماں بی نے جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھی سائیڈ
 ٹیبل سے اپنی عینک اٹھا کر وہ شہرینہ کے قریب بستر کے پاس
 جا کر جھکیں۔ انہوں نے شہرینہ پر کچھ پھونکا اور پھر اگلن کو اشارہ
 کرتے کرے سے نکل آئیں۔
 ”واپسی کا کیا پروگرام ہے کب نکلتا ہے؟“
 ”ذرا سو رچ نکلنے دو شہرینہ اشتی ہے ناشتہ کرتے ہیں تو پھر
 نکلتے ہیں۔“
 ”اوکے۔“
 ”میں نے رات شہری سے بات کی تھی کہ ہمارے ساتھ
 چلے۔“ اگلن چونکا۔
 ”تو پھر.....؟“
 ”منع کر دیا اس نے۔“ اماں کا لہجہ ایک دم پھر افسردہ
 ہو گیا تھا۔
 ”وہ کہتی ہے وہ اکیلے رہنے کی عادی ہے، رہے لے گی۔“
 ”میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ وہ نہیں مانے گی۔“
 ”لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل اب ہر وقت دھڑکتا ہی رہتا
 ہے میں جانتی تھی وہ ہمارے ساتھ چلے لیکن زبردستی بھی نہیں
 کر سکتی۔“ اگلن خاموش رہا۔ وہ اس معاملے میں ابھی کچھ نہیں
 کہنا چاہتا تھا۔
 وہ شہرینہ کے مخالف نہیں تھا لیکن شہرینہ کی ہٹ دھرمی
 اسے بعض اوقات بہت اری بیٹ کرتی تھی۔ اماں بی کچھ اور
 بھی کہہ رہی تھیں وہ ہوں ہاں کرتا رہا۔ اماں بی اپنی پینکٹ
 کل ہی کر چکی تھیں اگلن نے کچھ درلان میں واک کی زبیدہ
 ناشتہ بنا رہی تھی واک سے فارغ ہو کر اگلن اپنے کمرے میں
 تیار ہونے چلا آیا تھا۔ سورج نکل چکا تھا ناشتہ لگا تو اماں بی
 نے اگلن کو بلا بھیجا۔
 ”ناشتہ کرو۔“ اگلن نے دیکھا ناشتے کی ٹیبل پر وہ صرف
 دوٹوں ہی تھے۔
 ”شہرینہ ناشتہ نہیں کر رہی؟“
 ”زبیدہ گئی تھی اس کے کمرے میں وہ ابھی تک
 سو رہی ہے۔“
 ”آج کان نہیں جائے گی وہ؟“
 ”پتا نہیں۔“ دوٹوں ناشتہ کر رہے تھے اماں بھی سنجیدہ تھیں۔
 کچھ تو قف کے بعد اماں بی ناشتہ مکمل کر کے اپنے کمرے
 میں چلی گئیں اگلن نے ان کی افسردگی خاص طور پر نوٹ کی تھی۔
 زبیدہ چائے لے آئی تھی وہ چائے کا خالی گگ ٹیبل پر رکھ کر
 شہرینہ کے کمرے کی طرف آیا اس نے دروازہ ناک کیا۔
 وہ اس کے کمرے میں بہت کم آیا تھا شاید چند ایک بار ہی
 آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس کا کمرہ بہت خوب صورت انداز میں
 ڈیکور یڈ تھا۔
 ”کیا ان؟“ شہرینہ کی آواز گونجی تو وہ اندر داخل ہوا شہرینہ
 اٹھ چکی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی۔
 اگلن کو دیکھ کر چونکی۔
 اس کا خیال تھا کہ زبیدہ ہوگی وہ ابھی تک نائٹ ڈریس
 میں ہی ملے سلی لاک کوٹ بے شک پورے جسم کو کور کئے ہوئے
 تھا لیکن اگلن کو دیکھ کر اسے اپنے اس لباس پر عجیب سی ہنسی چھا
 محسوس ہوئی تھی اس نے تیزی سے بستر پر پڑا دینا اٹھا کر اپنے
 گرد لپیٹا تھا۔ چہرے پر عجیب سی ناگواری تھی۔
 ”کسی کے بھی کمرے میں آنے سے پہلے کچھ اپنی کیٹس
 ہوتے ہیں۔“ وہ بہت ناگواری سے اگلن کو دیکھ کر بولی۔ اگلن
 نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”مجھے یاد ہے میں نے ناک کیا تھا اور ”کم ان“ کی آوازیں
 کر رہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔“ اس نے بغور دیکھا سر
 سے پاؤں تک شہرینہ کی تھی، اوپر سے الفاظ ایسے تھے کہ
 شہرینہ اندر ہی اندر تملتا لابی تھی۔



Available in
3 different colors

کندھا چاکر کا لہن پر بندھ گئی تھی۔
 اُٹھن تو جا چکا تھا لیکن شہرینہ کے اندر شدید طوفان کا منہ
 کھول گیا تھا۔ وہ شدت سے رو پڑی تھی۔ اُٹھن سے رشتہ
 جڑنے سے اس کی زندگی عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ اگر بات ضد
 کی تھی تو اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اب اُٹھن کی ضد میں
 آخری حد تک جائے گی۔

❖.....❖

اُٹھن گاڑی نکال کر منتظر تھا۔
 اماں لی شہرینہ سے ملنے گئی تھیں لیکن اس نے دروازہ ہی
 نہیں کھولا وہ کتنی دیر تک آوازیں دیتی رہی تھیں اور پھر باپوس
 ہو کر گاڑی میں آ بیٹھی تھیں چہرہ اترا ہوا تھا۔ اُٹھن نے ان کو بغور
 دیکھا تھا۔

”کیا ہوا؟“

”شہرینہ نے دروازہ ہی نہیں کھولا وہ مجھ سے ملی ہی نہیں۔“
 جواب اُٹھن کی توقع کے مطابق تھا۔

”چھوڑیں اس کو۔“ اس نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔

”مجھے شہرینہ کی فکر رہے گی جب تک عثمان اور فاطمہ واپس
 نہیں آ جاتے۔“ اُٹھن اب کی بار بھی خاموش کچھ سوچ رہا تھا۔
 ”ضدی اور خود سر ہے لیکن دل کی بری نہیں۔“ وہ مزید کہہ
 رہی تھیں اُٹھن نے ان کو دیکھا۔

”چچا جان واپس آتے ہیں تو آپ ان سے رخصتی کی
 بات کریں۔“ اس نے بالکل اچانک کہا۔ اماں بی نے
 حیران ہو کر دیکھا۔

”رخصتی.....!“ انہوں نے اُٹھن کو دیکھا وہ بہت زیادہ
 سنجیدہ تھا۔

”لیکن اتنی جلدی کیوں عثمان تو نہیں مانے گا اس نے
 نکاح کے وقت صاف کہا تھا کہ شہرینہ کی تعلیم مکمل ہونے پر
 ہی رخصتی ہوگی۔“

”یہ شقیں آپ نے قائم کی تھیں میں نے آپ کی خواہش
 کے احترام میں نکاح کیا تھا اور میں اب رخصتی چاہتا ہوں اور
 بس۔“ قطعی انداز تھا۔

”لیکن کیوں..... یہ اچانک کیا ہوا؟“

”اچانک کچھ نہیں ہوا شہرینہ ضد برتری ہوئی ہے اور میں
 نہیں چاہتا کہ میں اسے بہت زیادہ ڈھیل دوں، رخصتی لازمی
 ہے آپ ایک دو دن میں فون پر چچا سے بات کر لیں وہ واپس

اس کی آنکھوں میں اس بل بہت عجیب سا سرسرا انداز
 تھا۔ شہرینہ کے اندر غم و غصے کے بھانپنے سے جلنے لگے تھے۔
 ”تمہاری ذات سے متعلق اب سارے اختیار میرے
 پاس ہیں تم ہمارے ساتھ جاتی تو زیادہ بہتر تھا جب تک تم شہرینہ
 عثمان تھیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ تم کیا کرتی پھرئی ہو
 لیکن اب تم شہرینہ شہر اُٹھن ہو، شہر اُٹھن کے نام سے منسوب اور
 مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔“

”رشتے دل کے ماننے سے بنتے ہیں اور زور زبردستی بنائے
 جانے والے رشتوں کو آپ کچھ بھی سمجھیں میں پروا نہیں کرتی۔“
 ”پروا تو مجھیں شہرینہ شہر اُٹھن اب کرنا پڑے گی یہ رشتہ اب
 میری عزت ہے میری ضد اور میری انا ہے جسے تم بھی پہنچ مت
 کرنا اور ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جب تک میں
 چاہوں تب تک ہی تم یہ آواز زندگی گزار سکتی ہو اور جس دن میں
 نے اماں لی اور چچا جان سے بات کی اسی دن تمہاری اس نام
 نہاد آوازیں کے پر کاٹ دے جائیں گے۔“ وہ طنزیہ کہہ کر پلٹا
 تھا۔ شہرینہ تو اندر تک حل نہیں ہوئی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا
 کہ شہر اُٹھن کا منہ نوج لے۔

”میں لعنت بھیجتی ہوں آپ پر آپ سے منسلک ہر رشتہ
 پر، اگر اب کی بار کسی نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں اپنی شد
 رگ کاٹ لوں گی۔“ وہ اُٹھن کے پیچھے چلتی۔

اُٹھن نے ایک پل کو پلٹ کر دیکھا اس کا چہرہ ایک دم
 نہایت کرخت ہوا تھا۔ اسے ایسی لڑکیاں از حد ناپسند تھیں اس
 کے اندر سے شدید ترین نفرت کا احساس پیدا ہوا تھا وہ صرف اور
 صرف اماں بی کی وجہ سے یہ رشتہ برقرار رکھنے پر آمادہ ہوا تھا۔ وہ
 واپس شہرینہ کے پاس آیا۔ اُٹھن نے بہت جی سے اس کا بازو پکڑ
 کر اپنی طرف کھینچا انداز میں بہت جارحانہ پن تھا۔

”اپنی زبان پر کنٹرول رکھو تو یہ ہم دونوں کے لیے زیادہ بہتر
 ہوگا۔“ شہرینہ کے بازو پر دھرا اس کا لباس قالین پر جا کر اُٹھا۔

”لعنت بھیجنے کی بات مت کرو، بات لعنت کی آئی تو بہت
 بچھتاؤ گی ساری زندگی کرتے تم نے کس انسان کو چھیڑا تھا یہ رشتہ
 اب میری ضد ہے اب دیکھتا ہوں تم کہاں انکار کرتی ہو چچا جان
 آجائیں پہلی فرصت میں اب رخصتی کی بات ہوگی، تم جیسی
 عورتوں کو کیسے ہینڈل کرنا ہے شہر اُٹھن کے لیے اس مسئلے کو حل
 کرنا بہت آسان ہے۔“ اسے غم و غصے سے لہاری کی طرف
 دھکا دے کر وہ تیزی سے کمرے سے چلا گیا تھا اور شہرینہ وہ لہنا

آ جاتے ہیں تو فائل کر لیں میں رخصتی کے متعلق بہت سنجیدہ ہوں۔ اس نے سب واضح طور پر کہا تھا اماں بی پریشان سی ہو گئی تھیں۔

”شہر نہیں مانے گی۔“

”اس کی مجھے پروا نہیں۔“ وہ گاڑی چلا رہا تھا اب ساری توجہ گاڑی کی طرف تھی۔

”اس کی تعلیم مکمل ہو جاتی تو پھر رخصتی بھی ہو جاتی تب تک وہ بھی اس رشتے کو قبول کر لیتی۔“ انہوں نے کہا تو اگلے دن سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

”اماں بی اگر رخصتی نہیں ہوگی تو پھر یہ رشتہ ختم سمجھیں۔“

”اگلے.....!“ اماں بی تو حیرت و صدمے سے گنگ رہ گئی تھیں۔

”اماں بی شہرینہ کی نفرت مجھ سے اور اس رشتے سے بہت گہری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے رخصتی ہو جائے اور یہی میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے ایک خواہش میں آپ کی مان رہا ہوں اور ایک خواہش آپ کو میری ماننا ہوگی۔“ وہ اپنا فیصلہ سنا چکا تھا۔ آخری اور حتمی فیصلہ، اماں بی نے اذ حد لے جا کر اسے اسے دیکھا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کے اپنے فیصلوں اور معاملات میں ہمیشہ بہت دو ٹوک رہا ہے۔ اگر اس نے شہرینہ کے معاملے میں کچھ چلک دکھائی تھی تو صرف اور صرف ان کی خواہش کے احترام میں ورنہ شہرینہ جیسی لڑکی کی شہمہ زوری کو برداشت کرنا اس کے مزاج کا خاصہ نہ تھا۔

شہرینہ کا بچہ ہی تھی عجیب مصلحتی تھی لیکن مزاج برہم تھا اور یہ فریضہ کی بد قسمتی تھی یا پھر اس کی اپنی کدو تین کلاسز کے بعد اس کا فریضہ سے سامنا ہو گیا تھا وہ ایسی نہ تھی اس کی دوست اس کے ساتھ تھی فریضہ سابقہ روپوں کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ وہ پہلے ہی کھول رہی تھی فریضہ نے جیسے ہی شیر اگلن کا ذکر کیا تو اس پر الٹا گرم ہو گئی۔

”تمہیں مسئلہ کیا ہے شیر اگلن کا ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہوں کیا چاہتی ہو تم مجھ سے۔“ فریضہ تو بھلائی۔

”میں تو ویسے ہی حال چال پوچھ رہی تھی پتا چلا تھا وہ کل سے تمہاری طرف آیا ہوا ہے تو اس لیے۔“

”جب تمہیں اتنا علم ہے کہ وہ کل سے کدھر ہے تو اس کے

حال چال کا بھی علم ہوگا مجھ سے زیادہ تم باخبر ہو پھر مجھ سے سوال کرنے کا فائدہ۔“

”تم تو آؤ لو ناراض ہو رہی ہو، رشتہ داری ہے ہم سے ادھر ادھر کی خبریں تو ملتی رہتی ہیں ناں اگر پوچھ ہی لیا تو کیا برا کیا ہے میں نے۔“

”برائے یا اچھا اگر آئندہ مجھ سے ایسے لائی سیدی بات کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گی۔“ وہ غصے سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

”خوریہ اور صبا دونوں نے نا جی میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ فریضہ چہرے پر غصے کی کیفیت لیے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ شہرینہ لان کے بسٹا ایک تنہا گوشے میں جا بیٹھی تھی۔ خوریہ اور صبا بھی ادھر آ گئی تھیں۔

”کیا مسئلہ ہے صبح سے ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہو آخر ہوا کیا ہے تمہیں؟“ خوریہ نے پاس بیٹھتے ہی کہا۔ اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

”یہ نظروں کے تیر، یہ پیچھے کے گھاؤ، بات تو کچھ ہے جو بہت خاص ہے۔“ وہ نگنائی تھی۔ صبا سکرانی تو شہرینہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

”بکواس مت کرو۔“

”سیریس لی تیاؤ کیا بات ہے صبح سے موڈ خراب ہے تمہارا۔“

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

”یہ شیر اگلن صاحب والا کیا قصہ ہے؟“ خوریہ نے مزید پوچھا۔

”بکواس کرتی ہے یہ فریضہ بھی۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”شیر اگلن صاحب کب آئے تھے؟“ اس نے مزید کہا۔

”اب تم فریضہ کی طرح شروع ہو جاؤ، نمبر دے دیتی ہوں اگلن صاحب کا خود ہی پوچھ لو۔“ وہ پھر غصے سے بولی اور صاحب کو کھینچ کر کہنے پر مجبوری لگی تھی۔

”تمہارے غصے سے تو ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے بہت بڑی بات ہوئی ہے۔“ خوریہ نے پسپائی اختیار نہ کی تو شہرینہ نے سر ہٹا لیا۔

”اب اگر تم نے کوئی اور سوال کیا تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔“ خوریہ نے صبا کو دیکھا اس نے کندھے اچکا دیے تھے خوریہ نے ایک گہرا سانس لیا یعنی وہ کچھ بھی بتانے والی نہ تھی۔

”کیا نہیں عثمان کبھی نہیں مانیں گے یہ بات تو نکاح کے وقت انہوں نے اماں بی سے کہہ دی تھی کہ شہرینہ کی جب تک تعلیم مکمل نہیں ہوگی اس کی رخصتی نہیں ہوگی۔“

”اچھا۔“

”وہ جذباتی ہے تو تم جذباتی باتیں مت کرو بیٹا، وہ ٹھیک ہو جائے گی تم پیار سے پینڈل تو کرو۔“

”اوکے، ہم کچھ دنوں میں لوٹتے ہیں اس ٹاپک پر بات کریں گے ابھی آپ عثمان سے کچھ نہیں کہو گے میں خود شہری سے بات کروں گی ٹھیک ہے۔ اوکے اپنا خیال رکھنا میں پھر کال کروں گی اماں بی کو سلام کہنا۔“ انہوں نے چند اقسامی جملوں کے بعد کال بند کر دی تھی۔

آگن سے بات کرنے کے بعد بجائے وہ ری لکس ہوتیں مریڈیٹریشن کا شکار ہو گئی تھیں۔

آگن شہرینہ کی رخصتی کی بات کر رہا تھا لیکن وہ جانتی تھیں کہ شہرینہ کبھی نہیں مانے والی۔ سوچ سوچ کر ان کا دماغ ٹھٹھنے لگا تو انہوں نے اپنے بیک سے اسٹی ڈپریشن کی ٹیبلٹ نکالی تھیں۔ دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر شہرینہ کا نمبر ملایا تھا لیکن شہرینہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی انہوں نے افسردگی سے کال بند کر کے موبائل سر ہانے رکھ کر انھیں بند کیوں تو پانی کے چند قطرے ان کی آنکھوں سے نکل کر کنپٹیوں سے ہوتے ہوئے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔



شہرینہ کی عجیب سی روشنی تھی۔ وہ صبح کان لے کے لیے نکلتی تو واپسی پر روزانہ دار الاطفال چلی آتی اور وہاں سے عصر کے بعد نکلتی تو گھر جانے کی بجائے سونٹنگ پریش کلب چلی جاتی تھی۔

وہ آج کل پریش کس سے زیادہ گروپ ممبرز کے ساتھ بیٹھی مختلف سوچوں میں الجھی رہتی تھی۔ پریش کس میں اس کی توجہ بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ انٹرکٹنگ ہاؤس کی Poor پر فارمٹس کے سبب اسے بدایت دے چکا تھا۔ اس وقت بھی اس کا اپنے ہی گروپ کی لڑکیوں کے ساتھ مقابلہ چل رہا تھا لیکن پریش کس کے اینڈ میں وہ ہمیشہ پہلے اور دوسرے نمبر پر رہا کرتی تھی اس بار لاسٹ نمبر پر تھی۔ انٹرکٹنگ کو اس نے اس قدر Poor پر فارمٹس کی توقع نہ تھی اس نے اسے بلالیا تھا۔

فائقہ نے وہاں پہنچنے کے بعد کال کی تھی لیکن شہرینہ نے کال پک نہ کی اس کے بعد بھی وہ گاہے بگاہے کال کر رہی تھیں لیکن ہر بار کی طرح شہرینہ نے کال پک نہ کی تھی اس نے نمبر بند کر دیا تھا۔ فائقہ افسردہ ہو گئی تھیں۔ ان کے دو دن بڑے مصروف گزارے تھے۔ عثمان کے ساتھ ہر جگہ ساتھ جانا، عمدہ لباس، قیمتی ٹیسس جیولری اور پُر وقار سا سنگھار۔ ہر کوئی سراہتا اور پھر جن نظروں کی وہ منتظر رہتی تھیں وہ تو جیسے دیکھنا بھول گیا تھا، وہ چند دن میں ہی اکتا گئی تھیں۔

”اس سوائف فارل مصنوعی زندگی سے۔“ فائقہ کو اب لگنے لگا تھا کہ وہ اب جھٹکنے لگی ہیں۔

ان کا اپنا دیوانہ پن اب ان کے لیے نہایت تکلیف دہ بنتا جا رہا تھا انہوں نے اپنی ساری زندگی ایک امیدوار آس پر گزاری تھی لیکن زندگی کے اس مقام پر آ کر وہ بالکل ہی حوصلہ ہار چکی تھیں۔ فائقہ آج کہیں بھی نہیں گئی تھی۔ جس ہوٹل میں ان کا قیام تھا اسی ہوٹل کے ریزرو کمرے میں وہ سارا وقت مسم انداز میں بیٹھی رہی تھیں۔

انہوں نے کئی بار گھر کال کی تھی زبیدہ سے بات ہوئی تھی۔ زبیدہ نے بتایا تھا شہرینہ روزانہ سونٹنگ پریش کس کے لیے جا رہی ہے۔ وہ لیٹ ٹائٹ آتی تھی اس بات نے انہیں تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

انہیں لگ رہا تھا کہ شیر آگن سے شہرینہ کے نکاح کا فیصلہ عثمان کا ایک غلط ترین فیصلہ تھا۔ اس فیصلے نے شہرینہ کو ان سب سے بہت دور کر دیا تھا، شہرینہ صبح گھر سے نکلتی تھی اور رات گیارہ بجے لوٹی تھی، کال سننے کے بعد وہ بہت دیر تک خاموش رہی تھیں، وہ کچھ سوچتی رہی تھیں انہوں نے آگن کا نمبر ملایا تھا۔ کال جا رہی تھی اور کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

”وعلیک السلام۔۔۔ کیسے ہو آگن۔“

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تمہارے بچا بھی ٹھیک ہیں۔“

”ہاں نیپو اور آفاق سے فون پر رابطہ ہے میرا سب ٹھیک ہیں۔“

”بابا صاحب اب کیسے ہیں؟“

”ہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اچھا۔“

”میں شہرینہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔“

”ایسا مت کہو بیٹا تم جانتے ہو وہ بس غصے میں یہ سب کر رہی ہے دل کی بہت اچھی ہے۔“

”میں اس دفعہ سوئمنگ میں حصہ نہیں لے سکتی سر۔“
انسٹرکٹر نے بری پرفارمنس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواباً کہا تھا
انسٹرکٹر حیران ہوا تھا۔
”بٹ وائے؟“

”میرا دل نہیں لگ رہا اس دفعہ اس گیم میں۔“ اس کے
انداز میں بے چارگی کی سی انسٹرکٹر پریشان ہوا۔
”آپ بہت بڑی غلطی کر رہی ہیں شہرینہ آپ جانتی ہیں
ان گیمز میں جو اچھی کارکردگی دکھائیں گے ان کو نیشنل لیول پر
جانے کا موقع ملے گا اور اس کے بعد انٹرنیشنل لیول پر۔“

”آئی نو سر بٹ میرا انسٹرسٹ اس گیم میں روز بروز ختم ہو رہا
ہے، میں پہلے دل کی خوشی سے پارٹی سی پیٹ کرتی تھی اور جتنی
بھی تھی لیکن اس بار میں روز خود کو روتی ہوئی ہوں یہاں تو جانی
ہوں لیکن سوئمنگ پوائنٹ کی طرف جاتے جاتے میرا دل
اچاٹ ہو جاتا ہے میرا دل کرتا ہے کہ ہر چیز کو چھوڑ کر بھاگ
جاؤں، میں مزید نہیں کھیل سکتی سر۔“ انسٹرکٹر نے اسے بڑی
ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

”دیکھ لیں آپ کے کالج کی پوزیشن بہت لو ہو سکتی ہے۔“
وہ اتنے بڑے سیاستدان کی بیٹی تھی وہ اسے فورس بھی نہیں
کر سکتے تھے اس نے قائل کرنا چاہا۔

”میں چیز میں سے بات کر لوں گی ویسے بھی ہمارے کالج
کی اور لڑکیاں بھی موجود ہیں انہیں کوئی خاص اعتراف نہیں ہوگا
میں نہیں تو وہ جیت جائیں گی کبھی ٹینٹ ہیں۔“ انسٹرکٹر
نے ایک گہرا سانس لیا۔
”کوئی ذاتی وجہ؟“

”سوری میں اس سے زیادہ انکس پلٹیشن نہیں دے
سکتی۔“ اس کا انداز طبیعی اور سنجیدہ تھا انسٹرکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔
بہر حال اسے تجسس ضرور تھا لیکن شہرینہ جیسی لڑکی سے وہ
انکار کی وجہ جان نہیں سکتا تھا شہرینہ چلی گئی تھی۔ وہ اسے بغور
جائے دیکھتا رہا تھا۔

❖.....❖

شہرینہ گھر آئی تو زبیدہ حیران ہوئی، آج وہ خلاف معمول
جلدی آئی تھی۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی فوراً کال بند
کر کے شہرینہ کی طرف آئی، شہرینہ اپنے کمرے میں جانے کی
 بجائے لاؤنچ کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے بیک سائیڈ پر
پھینک دیا تھا۔ وہ ٹائیکس سانسے ٹیبل پر رکھ کر اپنا سر صوفے کی

پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھی تھی۔
”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ زبیدہ نے پوچھا تو
اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ
ہو رہی تھیں۔

”ہوں، کیا کہا؟“

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“
”ہاں سر درد ہو رہا ہے ایک کپ اسٹرائک سی چائے پلاؤ۔“
”جی ابھی لائی۔“ وہ فوراً کچن کی طرف چلی آئی۔ شہرینہ
نے ریسیوٹ اٹھا کر ایل سی ڈی آن کر لی تھی۔ لاؤنچ میں آواز
گونجی تو اس نے والیوم بڑھا دیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے جھنکوں
بدل رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر ہلاکتا اکٹا ہٹ گئی۔
وہ اپنی ہی سوچوں میں مست عجیب سی کیفیت میں تھی۔
اس کے بیک میں موجود اس کا موبائل بار بار بج رہا تھا لیکن اس
نے بیک کھول کر موبائل نکالنے کی زحمت نہ کی تھی۔ کچھ دیر بعد
زبیدہ چائے لائی تو وہ اسی طرح تھی۔ اس نے چائے کا گگ اس
کے سامنے رکھا تو شہرینہ نے خاموشی سے ٹیبل پر سے گگ اٹھا
کر آہستہ سے سب لینے لگی تھی زبیدہ ایک طرف خاموشی سے
کھڑی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”کھانا کھائیں گی؟“

”کیا کیا ہے؟“

”اتنے دنوں سے آپ رات کو گھر سے کچھ کھاتی ہی نہیں تو
میں کچھ پکائی ہی نہیں آپ نے جو کھانا ہے بتا دیں میں پکا دوں
گی۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”چائینیز۔“ اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر جانے لگی۔
شہرینہ کا موبائل بجنے لگا تو زبیدہ رگ گئی تھی۔ شہرینہ نے
پرس اٹھا کر اپنا موبائل نکالا تھا۔ ابھی نمبر تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے کہا تو زبیدہ نے پورے دھیان سے اس
کی طرف دیکھا۔

”کیسی ہیں شہرینہ صاحبہ۔“ دوسری طرف سے ابھنی آواز
تھی۔ شہرینہ چونکی۔

”کون؟“

”یہ چھوڑیں ہم کون ہیں آپ بتائیں آپ کیسی ہیں؟“
دوسری طرف انداز بہت عجیب سا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔
نجانے کون تھا۔

”کہیں آگن تو نہیں۔“ اس کے ذہن نے کہا تو اس نے ہونٹ پیچھے۔

آگن سے موبائل پر بہت کم بات کرنے کا اتفاق ہوا تھا اس لیے وہ اس کی آواز نہیں پہچانتی تھی۔

”تم جو کوئی بھی ہو پہلے اپنا تعارف کراؤ پھر میرا حال دریافت کرنا۔“ وہ اس بار کافی غصے سے بولی تھی۔ زبیدہ کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔

”ہمارے تعارف سے آپ کو کیا لینا دینا میم کسی جاننے والے سے آپ کا نمبر حاصل کیا ہے رہ گئی تعارف کی بات تو کچھ دن بات کر لیتے ہیں پھر نام بھی بتا دوں گا۔“

”شٹ اپ۔“ انتہائی کمینہ انسان۔ نہایت آوارگی سے مخاطب تھا اس نے کال بند کر دی تھی زبیدہ ابھی بھی ادھر ہی کھڑی تھی۔

”کیا ہوا بی بی جی، کون تھا؟“ شہرینہ نے اسے بھتا کر دیکھا۔

”کیوں تم نے اس سے تیل خریدنا ہے کیا؟“

”میں..... وہ بی بی جی..... نہیں ایسے ہی۔“ وہ گھبرا گئی تھی۔

”جاؤ میرا دماغ مت کھاؤ اپنا کام کرو۔“ اس نے کال والے کا سارا غصہ اس پر انڈیل دیا تھا۔ زبیدہ خورا بھاگ گئی تھی۔

شہرینہ نے نہایت برائی سے اپنا موبائل دیکھا۔ اب وہ زیادہ تر اس کو بند ہی رکھتی تھی۔ کچھ دیر پہلے فاقہ کی کمی کا اثر تھیں جو اس نے ریسپونڈ نہیں کی تھی۔ اس نے اپنا موبائل بند کر دیا اور ایل سی ڈی آف کرتے وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بچن کی طرف آئی۔

”میں سونے جا رہی ہوں کسی کی بھی کال ہو کوئی بھی آئے جائے مجھے اٹھانا نہیں میں اب صبح ہی اٹھوں گی۔“

”لیکن بی بی جی کھانا.....“ اس نے ہاتھ میں چھری پکڑی ہوئی تھی وہ شاید کھانے کا ہی انتظام کر رہی تھی۔

”تم اپنے لیے تیار کرو۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ زبیدہ ایک گہرا سانس لیتے چھری واپس کاؤنٹر پر رکھ کر بچن سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کے قریب کر ریسپونڈ کیا تھا۔

”کہیں آگن تو نہیں۔“ اس کے ذہن نے کہا تو اس نے ہونٹ پیچھے۔

”کیوں؟“

”کہاں ہو بیٹاؤ۔“

”گھر ہوں، ابھی سو کر اٹھی ہوں۔“

”مائی گاؤن کے دس بج رہے ہیں اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔“ دوسری طرف اس نے حیرت سے کہا تو وہ چونکی۔ اس نے جلدی سے وال کلاک پر نظر ڈالی واقعی دس بج رہے تھے۔

”مم کہاں ہو۔“

”میں کالج میں ہوں۔“

”ہوں میں کچھ دیر میں کالج پہنچتی ہوں۔“

”جلدی آنا مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس نے کہا۔

”اوکے لیکن کیلیمات کرنی ہے۔“

”تم سامنے آؤ کی تو بتاؤں گا میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں جلدی آنا۔“

”اوکے۔“ اس نے کال بند کر دی تھی۔

وہ کچھ دیر یونہی حکمندی سے بستر پر بیٹھی رہی تھی۔ پھر سر جھٹک کر الماری سے اپنا لباس نکال کر وہاں روم میں گھس گئی۔ وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو زبیدہ کو ریڈروم میں ہی کھل رہی تھی۔

”میں کالج جا رہی ہوں۔“

”ناشتہ.....“

”موڈ نہیں۔“

”آپ نے رات ڈنر بھی نہیں کیا تھا۔“

”میں باہر سے کچھ نہ کچھ کھا لوں گی۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔ زبیدہ نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

شہرینہ کالج پہنچی تو زین پارکنگ کے ارد گرد ہی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی وہ فوراً قریب آیا۔

”بڑی دیر لگا دی تم نے۔“ وہ حیران ہوئی۔ زین نے کبھی بھی اس کے لیے اس طرح بے قراری نہ دکھائی تھی۔

”مجھے رات نیند نہیں آرہی تھی تو میں سلیپنگ پلو کھا کر سو گئی تھی سو وقت پر آ کھئی نہیں کھل سکی۔“

”دو کلاسز ہو چکی ہیں۔“

”چلو کوئی بات نہیں۔“ اس نے وقت دیکھا۔

”میرے ساتھ اس طرف آؤ تم سے کچھ کہنا ہے۔“

زین شاہ سنجیدہ تھا۔ اس نے اسے بغور دیکھا لیکن پوچھا کچھ

اگلے دن وہ ابھی سو ہی رہی تھی جب زین کی کال آ گئی تھی، رات کے کسی پہر اس نے موبائل آن کیا تھا اور پھر سو گئی تھی۔

بھی نہیں، وہ اس کے ساتھ خاموشی سے لان کے ایک تنہا گوشے کی طرف آگئی۔

”باقی لوگ کدھر ہیں؟“ اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ یہ ان کی مخصوص جگہ تھی۔

وہ سب اکثر باقی لڑکوں سے ہٹ کر اس جگہ فارغ وقت میں بیٹھا کرتے تھے۔

”مینیٹین کی طرف گئے ہیں۔“ زین بھی اس کے سامنے قدرے صاف پریٹھ گیا۔

”کیا بات کرنی ہے تم نے؟“ زین شاہ کے سنجیدہ انداز پر وہ پہلے ہی ٹھٹھک چکی تھی سو بلا توقف پوچھا۔

”مجھے علم ہوا ہے کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔“ کچھ بل خاموشی کے بعد اس نے کہا تو شہرینہ کی بل کچھ بول نہ سکی تھی۔

”تمہیں کس نے کہا؟“ اس نے سنجیدہ ہو کر زین شاہ کو دیکھا۔

”جس نے بھی کہا ہو لیکن تم بتاؤ اس خبر میں کس قدر سچائی ہے۔“

”جس نے بھی بتایا ہے بالکل سچ بتایا ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا تو کئی بل تک زین ساکت رہ گیا تھا۔

”تم اپنا سوس آف انفو بتاؤ تو بہتر ہوگا۔“ اس کا خیال تھا کہ صبا حوریہ میں سے کسی نے ذکر کیا ہوگا، اس نے ان کو سختی سے کسی سے بھی ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔

”مجھے ساریہ نے بتایا تھا۔“ وہ حیران ہوئی۔

”ساریہ کو تمہاری کزن فریحہ نے بتایا تھا لیکن میں یقین کرنے پر تیار نہیں تھا تم جس طرح فریحہ سے دور دور رہتی ہو میں سمجھا اس نے شاید خود سے ہی انوہ پھیلادی ہو۔“

”نہیں..... یہ سچ ہے۔“

”تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ اس کے لہجے میں ناراضگی و خشکی تھی۔

”میں نے تمہیں ہی نہیں جواد کو بھی نہیں بتایا یہ میری زندگی کا بالکل ذاتی واقعہ تھا میرا دل نہیں کیا کہ ہر کسی کو بتائی پھرتی۔“ اس کے الفاظ ایسے تھے کہ زین شاہ نے از حد دکھ سے اسے دیکھا۔

”میں ہر کسی میں شامل نہیں تھا۔“ اس کے لہجے میں شدید احتجاج تھا۔

”بالکل تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔“ اس نے

بھی فوراً مانا۔

”صرف دوست.....!“ وہ بے یقین سا ہوا۔

”تو تم کیا سمجھتے تھے؟“ وہ الٹا ہی سے سوال کر رہی تھی۔

زین شاہ نے بہت حیرانی سے اسے دیکھا۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہیں لانا کرتا تھا۔“ وہ بہت غصے سے بولا تھا۔ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس کے دل میں ایک بل کو سناٹا ہوا تھا اور دوسرے بل وہ مسکرا دی۔

”لیکن تم نے بھی اظہار نہیں کیا۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”کیا فرق پڑتا ہے میں اپنی اور تمہاری تعلیم مکمل ہونے پر اور پھر مکمل ہونے تک خاموش رہنا چاہتا تھا لیکن تم نے.....“

تمہاری زندگی میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور تم نے بتایا تک نہیں۔“

”تم نے بھی تو بھی اپنی مشکلی کا ذکر نہیں کیا جو ساریہ سے ہو چکی تھی۔“ اب کی بار زین ساکت ہوا۔

”میری ساریہ سے باقاعدہ کوئی الجھنت نہیں ہوئی۔“

”چلو بچپن سے بات تو طے ہے ناں اور وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے اور تمہاری پہلی اسے تمہاری مستقبل کی وائف کے طور پر قبول بھی کر چکی ہے تو پھر تم کس بات سے انکار کرتے ہو۔“ وہ بڑے سکون انداز میں کہہ رہی تھی زین شاہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”بات میری پسند پاؤں کی ہے میں اسے پسند نہیں کرتا میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو۔“

”ایک منٹ۔“ وہ اس قدر یقین سے کہہ رہا تھا کہ شہرینہ نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

”تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے وہ تم پر بے یقین سے کہہ سکتے ہو لیکن میری ذات سے متعلق یہ بات اس قدر یقین سے مت کہو۔“

”تو کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

”جس ریفرنس سے تم کہہ رہے ہو اس لحاظ سے تو قطعاً نہیں کرتی میں..... بس تمہیں آریڈ آفرینڈ لانا کرتی ہوں اس بات پر میں آج بھی قائم ہوں تم ایک بہت ہی اچھے انسان ہو اور اس سے بھی اچھے دوست ہو اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔“ اس نے بہت واضح الفاظ میں اسے ٹکڑ کر دیا تھا۔

”تو پھر تم نے ہمیشہ مجھے اس غلط فہمی میں کیوں رکھا اس قدر اہمیت دیتی رہی ہو۔“ وہ کچھ برہمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

غزل
 نئے سال، نئے دور کا استقبال کر
 جو کھو گئی وہ ہنسی تلاش کر
 جو پھوڑ گئے بھیڑ میں، اپنے نہیں تھے
 رونا چھوڑا، اٹھ نئی راہیں تلاش کر
 کئی وعدے، سننے اوروے رہ گئے
 نئے سال میں کئی کوئی امید تلاش کر
 اتار پھینک مایوسیوں کا چولا امسال
 زندگی سے نئی خوشیاں تلاش کر
 بھول کر ہرجائی دسمبر کی وحشت
 امسال جینے کے نئے اسباب تلاش کر
 فرحمن ناز طارق..... پکلاوا

اسپیڈ تیز کر لی تھی۔ وہ کافی دیر تک یونہی مختلف شاہراہوں پر
 گاڑی کھمائی رہی تھی اور پھر سب کراں کر کے اس نے گاڑی کا
 رخ دارالاطفال کی طرف کر لیا تھا۔
 ”دارالاطفال“ واحد جگہ تھی جہاں آنکر وہ پرسکون ہو جایا
 کرتی تھی۔ وہ وہاں آئی تو بیچ اسے دکھ کر بہت خوش ہوئے
 تھے۔ دارالاطفال کے کیرٹنگ نے بتایا تھا کہ وہ لوگ بچوں کو
 لے کر مری جا رہے ہیں شہرینہ بھی جانے کو فوراً رخصتی ہو گئی تھی۔
 کل کاروگرام طے تھا ایک رات کا اسنے تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا
 کہ وہ ان بچوں کے ساتھ یہ سارا وقت گزارے گی۔ وہ سارا
 پروگرام فائل کر کے مغرب تک وہاں رکی تھی اور پھر مغرب کے
 بعد وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

وہ گھر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن نبھانے کیوں گھر کی طرف
 اس نے گاڑی ڈال دی تھی زبیدہ اسے خلاف معمول اور خلاف
 توقع اتنی جلدی گھر دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
 ”بی بی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“
 ”کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“
 ”آپ آج بھی جلدی آگئی ہیں نا۔“

”میرا گھر ہے میں جلدی آؤں یا لیٹ تم کون ہوتی ہو
 چیک اینڈ ٹیلنس رکھنے والی۔“ اس نے اسے بری طرح ڈانٹا اور
 اسے کمرے میں آگئی تھی۔ بیک ایک طرف رکھ کر وہ بستر پر
 لیٹ گئی کمرہ لاک تھا وہ بہت جلد گہری نیند میں تھی۔ پتا نہیں وہ
 کب تک سوئی تھی جب موبائل کی مسلسل بجتی پیپ سے اس کی
 آنکھ کھلی تھی اس نے دیکھا کل والا ہی ابھی نمبر تھا۔

”یہ تمہاری بالکل ذاتی نوعیت کی غلط فہمی ہے کہ تم ایسا
 سمجھ رہے ہو میں نے کبھی تمہیں جواد، حور یہ یا صبا سے زیادہ
 اہمیت نہیں دی۔“ وہ بولی اور زین شاہ نے ہونٹ دانت تلے
 دبا لیے تھے۔

”کیا میں نے کبھی تم سے لیٹ ٹائٹ لمبی کالز کی ہوں،
 دوستوں سے چھپ کر تمہیں نقش دیئے ہوں، ان کی غیر
 موجودگی میں تمہیں اہمیت دی ہو، میں نے ہمیشہ سب کے
 سامنے سب کے ساتھ ایکویٹی ہی ہو کیا ہے مجھے نہیں پتا کہ تم اس
 غلط فہمی کا شکار کیوں ہو کہ میں تمہیں لائٹ کرتی ہوں۔“ وہ اب
 بھی خاموش تھا۔

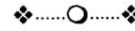
”میں تمہیں ایز آ فرینڈ بہت لائٹ کرتی ہوں بحیثیت
 انسان امپورٹنس دیتی ہوں اب بھی دیتی ہوں اور ہمیشہ دوں
 گی۔“ وہ مطمئن انداز میں کہہ رہی تھی۔ زین شاہ کے دل کے
 اندر بہت شدت سے کچھ ٹوٹا تھا۔

وہ لب بھینچ گیا تھا۔ وہ ایک عرصہ تک ایک الویشن کا شکار
 رہا تھا۔ شہرینہ کی پسندیدگی کا اسے مکمل یقین تھا لیکن وہ اب
 انکار کر رہی تھی وہ خود ہی بے یقین ہو گیا تھا۔

”سار یہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے، تمہیں لائٹ بھی کرتی
 ہے اور خوش قسمتی سے تمہاری فیملی والے کبھی اسے تمہارے لیے
 پسند کر چکے ہیں تو میرا نہیں خیال کہ تمہیں اسے ریجیکٹ کرنے
 کی کوئی ریزن بنتی ہے آگے تمہاری مرضی۔“ زین شاہ بہت
 سنجیدہ تھا۔ شہرینہ کو اس کی سنجیدگی تکلیف دینے لگی تو وہ اپنا بیک
 پکڑ کر کھڑی ہوئی۔

”ایم سوری میری وجہ سے اگر تمہاری دل آزاری ہوئی ہو
 تو..... میں حور یہ اور صبا سے مل لوں چلو گے میرے ساتھ۔“

”نہیں تم جاؤ..... میں کچھ دیر یہیں بیٹھوں گا۔“ اس نے کہا
 تو اس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے بغور دیکھا اور پھر وہاں سے
 چل دی۔ زین شاہ کی نگاہوں نے دور تک اس کے ہر اتارے قدم
 کا پیچھا کیا تھا۔



وہ حور یہ اور صبا کو ڈھونڈنے کے بجائے واپس پارکنگ کی
 طرف آگئی تھی، ابھی اس کا کسی سے بھی ملنے کو جی نہیں چاہ رہا
 تھا۔ پارکنگ سے گاڑی نکال کر وہ کان سے نکل آئی تھی۔ وہ
 زین شاہ اور اس کی کسی بھی بات کو نہیں سوچنا چاہتی تھی، اس نے
 گاڑی میں تیز آواز میں میوزک آن کیا تھا۔ اس نے گاڑی کی

اس نے اس سے پہلے انکسور کرنا چاہا تھا لیکن پھر نجانے کیوں اس نے کال پک کر لی تھی۔

”ہیلو۔“
”کیسی ہیں محترمہ شہرینہ صاحبہ۔“
”تمہاری توقع سے بھی بہت اچھی۔“ وہ بہت پرسکون انداز میں بولی تو دوسری طرف موجود شخص قہقہہ لگا کر ہنسا۔
”بہت خوب۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اب میری کال پک نہیں کرو گی۔“
”تم جیسے بھونکنے والے کتوں کی اصلیت جاننے کے لیے کبھی کبھی خلاف مزاج کام کرتا پڑتا ہے۔“
”شٹ اپ۔“ دوسری طرف وہ چیخا تھا۔ شہرینہ ہنس دی۔
”تم جو کوئی بھی ہو اب ایک دو دن تک ویٹ کرنا اس کے بعد دیکھنا تمہارا کیا انجام ہوتا ہے تب تک کے لیے ہائے۔“ اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ نجانے کون تھا۔ کیوں کا لڑ کر رہا تھا۔ گفتگو کے اسٹائل سے کوئی سمجھا ہوا انسان تو بالکل بھی نہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔

منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو رخ پن کی طرف تھا لیکن لاؤنج کی طرف سے آتی ہوئی سرکشی نما آواز سن کر وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ پن میں جانے کے بجائے اس طرف آ گئی تھی۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو حیران ہوئی۔
زبیدہ، بڑے سکون سے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ٹیلی فون کارسیڈوکان سے لگائے آہستہ سے کسی سے بات کر رہی تھی۔ انداز محتاط تھا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ ذرا تیز آواز میں بولی تو اپنے ہی دھیان میں مگن زبیدہ فوراً ڈر کر سیدھی ہوئی تھی ریسپورس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ایک دم کھڑی ہوئی تھی اس کا رنگ اڑ گیا تھا یوں جیسے کوئی چور رنکے ہاتھوں چوری کرنے پر پکڑا جاتا ہے۔
”کیا کر رہی تھی تم؟“ اس نے تیز اور سخت لہجے میں پوچھا تو وہ اچھی خاصی خوف زدہ ہو گئی۔
”وہ بی بی..... بس اپنے گھر کال کر رہی تھی۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”تمہارا تو اپنا موبائل بھی ہوتا ہے وہ کہاں ہے؟“
”وہ جی خراب ہو گیا ہے چونکہ راکو دیا تھا ٹھیک کرا دے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا میری اماں کی طبیعت ٹھیک

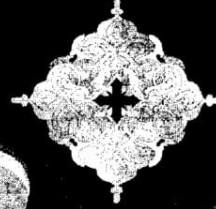
نہیں تھی تو گھر کال کی تھی۔“ وہ تیزی سے اور گھبرا کر کہہ رہی تھی۔ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
رات کے بارہ بج رہے تھے نجانے کیسے والدین تھے جو اس وقت بھی جاگ رہے تھے بہر حال ملازم کچھ کروہ انکسور کر گئی تھی۔
”مجھے بہت بھوک محسوس ہو رہی ہے کوئی چیز کھانے کو ہے تو لے آؤ۔“
”جی بی بی..... ابھی لائی۔“ وہ جلدی سے ریسپورس کر بیڈل پر ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔ شہرینہ ٹیلی فون کے پاس آئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کی سی ایل آئی کو چپک کیا اور لاسٹ کال کو دیکھا۔ موبائل نمبر اسلام آباد کا نمبر نہیں تھا پنڈی کا نمبر بھی نہیں تھا جبکہ زبیدہ کی فیملی پنڈی کے ایک نہایت خستہ حال علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے چپک کیا کال دوسری طرف سے آئی تھی ریسپورس کال بھی وہ حیران ہوئی۔
اس نے ریسپورس کان سے لگا کر آخری نمبر کوری ڈائل کر دیا تھا۔
”ہیلو۔“ کچھ وقف کے بعد کال ریسپورس ہوئی تھی وہ خاموش رہی تھی۔ آواز جانی پہچانی سی لگتی تھی۔
”ہیلو۔“ دوسری طرف سے پھر کہا گیا تو شہرینہ ابھی۔
”کیا بات ہے زبیدہ خاموش کیوں ہو اور کال کیوں بند کی تھی۔“ مزید کہا گیا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
”وہ آواز نہیں پہچان کی گئی لیکن اس کے ذہن میں بس ایک نام کلک ہو رہا تھا۔
”میں زبیدہ نہیں شہرینہ ہوں۔“ اس نے کہا تو دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھائی اور اسی خاموشی میں شہرینہ نے ہاتھ میں تھا سے اپنے موبائل کو آن کرتے اس میں نمبر ڈائل کیا اور ڈائل کرنے پر جوتا سانسے پا تھا وہ اسے حیران کر گیا تھا۔
”آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال مصروف ہے براہ مہربانی تھوڑی دیر بعد کال کریں، شکریہ۔“ اس نے کال کاٹ دی۔
”یاں تو شیر آگن صاحب زبیدہ سے کیوں بات کی جا رہی تھی وہ بھی آدمی رات کو۔“ اس نے پورے یقین سے کہا تو دوسری طرف ایک گہرا سانس لیا گیا۔ ایک پل کو تو آگن بھی متاثر ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شہرینہ اتنی جلدی اسے نہ پہچان سکے گی۔

”کیوں تمہیں دکھ ہو رہا ہے کہ تمہیں آدمی رات کو کال کرنے کے بجائے زبیدہ سے بات کر رہا ہوں۔“ جواباً وہ کون

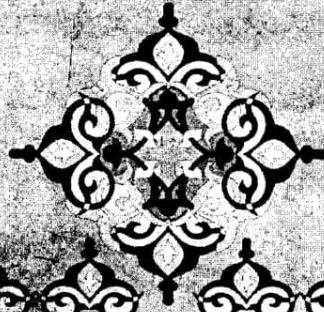
معروف مصنف وکالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی



شائقِ ہنگامی ہے



سایہ صاحبہ شہرینہ کا دماغ گھوملا۔
 ”ابھی میرا سینڈیڑا اتنا گھٹیا نہیں ہوا کہ میں ایسے ویسے لوگوں سے بات کرتی پھروں جن کا اپنا کوئی سینڈیڑا نہیں۔“
 دوسری طرف وہ ہنستا تھا۔
 ”کچھ چلنے کی بو آ رہی ہے۔“ اس نے کہا تو شہرینہ جل بہن کر رہ گئی تھی۔
 ”زبیدہ جیسی ملازمہ سے میں جلوں، حد ہے بھی کیا خام خیالی ہے آپ کی۔“ اس نے طنز کیا۔
 ”تم گھر میں تنہا ہوتی ہو میں نے زبیدہ کو کہہ رکھا تھا کہ جب تک چچا اور خالہ واپس نہیں آ جاتے وہ مجھے یہاں کی ساری رپورٹ دیا کرے گی میرا مطلب ہے گھر کے حالات سے آگاہ کرے گی۔“ اس کے طنز کے جواب میں شیر گلن نے بڑے ریٹیکس موڈ میں کہا۔
 ”اتنی رات گئے رپورٹ لی جا رہی تھی، حد ہے بھی۔“ وہ ہنسی۔
 ”میں سارا دن سخت بڑی رہا تھا ابھی فارغ ہوا تھا تو کال کی تھی۔“ وہ مزید بولا تو شہرینہ نے سر جھٹکا۔
 ”ویسے حیرت ہے آپ کس خوشی میں ہمارے گھر کی رپورٹ تک لے رہے تھے؟“
 ”یہاں ایک عدد میری وائف رہتی ہے جسے میری پروا تو شاید نہ ہو لیکن میں اس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوں۔ اس کی خیر خبر لینے کے لیے کال کر لیتا ہوں۔“ اس نے کہا تو شہرینہ نے غصے سے دسیور کو گھورا۔
 ”وائف.....؟ ہونہہ کاغذ کے رشتوں سے حقیقی رشتے نہیں بن جاتے۔“ اس نے طنز سے کہا تو دوسری طرف شیر گلن ہنسا۔
 ”اصل بات یہی کاغذی کارروائی کی ہوتی ہے میری جان..... ایک کاغذ کا ٹکڑا جسے تم تسلیم نہیں کرتی وہ کلوا شہرینہ عثمان جیسی بگڑی ہوئی لڑکی کو شیر گلن جیسے ویل کی بیوی بنادیتا ہے اس کاغذی ٹکڑے کو چیلنج کر سکتی ہو تو کو مجھے۔“ اس نے ہنس کر کہا تو شہرینہ کو لگا کہ اس کا دل جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔
 وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ شاید ”میری جان“ جیسے الفاظ کہنے پر ہی اس کا منہ بوجھ لیتی۔
 ”چیلنج کی بات مت کریں شیر گلن صاحبہ چیلنج کرنے پر آ جاؤں تو آپ کی یہ تمام نہاد و کالت اور آپ کے چچا کی یہ ہائی

فائی لیول کی سیاست بھی کسی کام نہ آ سکے گی۔ شہرینہ عثمان کو انکورمت کریں بس اپنی ذات میں اس قدر مضبوط ضرور ہوں کہ آپ دونوں کی ساکھ کے ایوان تک ہلا سکتی ہوں۔“
 ”چلو تم اپنے تیرا زماؤں میں اپنے تیرا زماؤں ہوں، دیکھتے ہیں کون کھانا کھاتا ہوتا ہے۔“ شہرینہ نے لب لہجہ لیے۔
 ”بات ووٹ کی ہوتی ہے میرے حق میں اکثریت کی رضامندی موجود ہے۔“
 ”لیکن رشتوں میں بات دل کی ہوتی ہے شیر گلن صاحبہ چیلنج کرتی ہوں آپ شہرینہ عثمان کا دل جیت کر دکھائیں خود کو آپ کے قدموں میں نہ بٹھا دیا تو کیسے گا لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ شہرینہ عثمان آپ سے شدید نفرت کرتی ہے۔“ نفرت سے کہہ کر اس نے کال بند کر دی۔
 وہ کال بند کر کے ٹپٹی تو زبیدہ اڑے رنگ کے ساتھ کھانے کی ٹیبل کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے اسے بغور دیکھا۔
 لڑتے قدموں سے اس کے پاس سے گزر کر اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔
 ”تم اگلے دن سے بات کر رہی تھی تم نے جھوٹ کیوں بولا۔“ اس نے سختی سے پوچھا تو اس نے ہنسی سے ہنسی ہو کر ہنسا۔
 ”وہ صاحبہ نے منع کیا ہوا تھا۔“ وہ ہنکائی۔
 ”صاحبہ کی کچھ لگتی، تم تنخواہ صاحبہ سے لیتی ہو یا ہم سے جو اسے بل کی رپورٹ دے رہی ہو۔“
 ”بی بی، بی بی ہم تو حکم کے غلام ہیں فائنل بی بی کا حکم تھا کہ اگلے صاحبہ کو ان کی غیر موجودگی میں یہاں کے سب حالات سے آگاہ رکھوں۔“ شہرینہ نے اسے غصے سے دیکھا پھر اسے چھوڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور ایل سی ڈی آن کر لی۔
 زبیدہ نے اسے کن الٹیوں سے دیکھا تھا۔ شہرینہ کا موڈ ویسا ہی تھا۔ وہ ایک پروگرام سیٹ کر کے ٹرے اپنی طرف کھسکا کر کھانا کھانے لگی تھی۔ اس نے زبیدہ سے مزید کوئی بات نہ کی تھی۔ زبیدہ اس کی خاموشی کو غنیمت جان کر وہاں سے کھسک گئی تھی۔

❖.....❖
 اگلے دن اس نے کالج سے آف کیا تھا کوئی دس بجے کے قریب وہ اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر ٹپٹی تو زبیدہ چوکی۔
 وہ کہیں جا رہی تھی چھوٹا سا سفری بیک بھی ساتھ تھا جس میں ایک دو کپڑوں کے علاوہ اس نے چند ضروری اشیاء رکھی

ہوئی تھی۔ اس نے ناشتہ اچھی طرح کیا۔ وہ باقی دنوں کی نسبت
 آج قدر سے نرسکون تھی۔
 ”آپ کہیں جا رہی ہیں۔“
 ”کیوں؟“ اس نے تجدد کی سہ سہ دیکھا تو ڈر گئی۔
 ”بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔“
 ”جھوٹ تو مت بولو تمہیں اپنے اکلن صاحب کو رپورٹ
 دینی ہوگی کہ شہرینہ عثمان کہاں ہے کب آئی ہے کب جاتی ہے
 وغیرہ وغیرہ۔ ہیں ناں۔“
 ”بی بی، ہم تو ملازم ہیں جیسے صاحب لوگوں کا حکم ہوگا ویسا
 ہی کریں گے ناں۔“
 ”بڑی فرماں بردار ہو۔“ وہ طنز یہ سکرانی وہ بیگ لے کر چل
 دی اور جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔ زبیدہ اسے پریشان نظروں
 سے دیکھ رہی تھی۔
 ”میں کچھ دوستوں کے ساتھ آؤنگ پر جا رہی ہوں بتا دینا
 اپنے اکلن صاحب کو۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ پورچ میں آ کر
 اس نے اپنی گاڑی نکالی۔
 ابھی وہ رستے میں ہی تھی جب اس کے موبائل پر شیر اکلن
 کی کال آنا شروع ہو گئی تھی۔
 ”ہیلو۔“ اس نے ڈرائیونگ کرتے کال پیکی۔
 وہ گھر سے نکلتے ہی اس کی کال کی توقع کر رہی تھی اور اس کی
 توقع کے مطابق کال آگئی تھی یقیناً اس کے گھر سے نکلتے ہی
 زبیدہ نے اکلن کو اس کا پروگرام بتا دیا تھا۔
 ”کہاں ہو؟“
 ”وہاں تو بالکل نہیں جہاں آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔“
 اس نے الٹا ہی جواب دیا۔
 ”جو پوچھا ہے وہ بتاؤ زبیدہ بتا رہی تھی کہ تم دوستوں کے
 ساتھ آؤنگ پر جا رہی ہو۔“
 ”زبیدہ ہے بڑی ایمان دار، اسے کسی نیوز چینل میں لگوا
 دیتی ہوں رپورٹنگ بہت اچھی کر لیتی ہے۔“ جواباً اس نے پھر
 الٹا جواب دیا۔
 ”شہرینہ مجھے یہ بتاؤ آؤنگ کے لیے کہاں جا رہی ہو تم اور
 کن دوستوں کے ساتھ ہو۔“ جواباً وہ ہنس دی۔
 ایک عرصے بعد وہ یوں کھلکھلا کر ہنسی بھی اور دوسری طرف
 اکلن بھی جیسے اس کی ہنسی کے جلتے تنگ میں کھویا سا گیا تھا۔
 ”بڑے دعویٰ کرتے ہیں آپ۔“ میرے پل پل کی خبر

رکھنا چاہتے ہیں تو خود پتا کریں کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور کن
 کے ساتھ ہوں۔“ اس نے ہنس کر کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ چند
 سیکنڈ بعد اکلن کی پھر کال آنا شروع ہو گئی تھی۔
 ”جی اکلن صاحب اب فرمائیے اب کیا مسئلہ ہے
 آپ کو؟“
 ”مجھے ٹھیک سے بتاؤ تم کہاں جا رہی ہو۔“
 ”جہنم میں جا رہی ہوں آپ بھی ساتھ چلنا پسند فرمائیں
 گے کیا۔“ اس کا انداز نرسکون تھا۔
 ”شہری پلیز۔“ دوسری طرف سے اس نے کہا تو شہرینہ
 اس کا زنج ہو جانے والا انداز محسوس کر کے نرسکون ہو گئی۔
 ”آپ اپنے سوس آف انفو استعمال کر لیں میں تو نہیں
 بتاؤں گی میں اپنی زندگی میں کچھ پل اپنی مرضی اور خوشی سے جینا
 چاہتی ہوں میں جہاں جا رہی ہوں اور جن لوگوں کے ساتھ
 جا رہی ہوں ان کا ساتھ مجھے بہت سکون دیتا ہے وہ لوگ
 میرے لیے راحت و خوشی کا سبب بنتے ہیں ان کے ساتھ گزارا
 جانے والا ہر پل میرے لیے عطیہ خداوندی ہوتا ہے، میں نے
 اپنے تیرا زمانا شروع کر دیے ہیں..... آپ اپنے تیرا زمانا
 تب تک کے لیے اللہ حافظ۔“ اس نے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔
 دارالاطفال آ گیا تھا اس نے گاڑی اندر جا کر کھڑی کی۔ وہ
 لوگ ریڈی تھے بس اس کا ہی انتظار تھا۔ ان لوگوں نے گاڑی
 اریج کی تھی سبھی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے گاڑی کچھ دیر بعد روانہ
 ہوئی تو شہرینہ نے مسکرا کر سب کو دیکھا۔ وہ واقعی خوش تھی۔
 وہ ان بچوں کے ساتھ ہمیشہ آ کر خوش ہوتی تھی اور وہ
 اچھی طرح خوش رہنا چاہتی تھی اس نے اپنا موبائل نکال کر
 آف کیا اور بیگ سے سیرہ نکال کر وہ خوب صورت مناظر
 اور چہرے کی تصویر کرنے لگی تھی۔ وہ یہ سفر بھر پور طریقے سے
 گزارنا چاہتی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



جنونِ عشق تک

سمیرا شریف طور

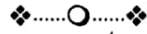
کیا	عشق	ایک	زندگی	مستعار	کا
کیا	عشق	پائیدار	سے	ناپائیدار	کا
کر	پہلے	مجھ	کو	زندگی	جاوداں عطا
پھر	ذوق و شوق	دیکھ	دل	بے قرار	کا



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

بدتمیزی کر جاتی ہے۔ فلن یہ سب دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔
فلن مسلسل زبیدہ سے رابطے میں ہوتا ہے اور شہرینہ کی پہل
پل کی خبر زبیدہ کے ذریعے حاصل کرتا رہتا ہے۔ شہرینہ کے
وہی شب و روز ہوتے ہیں صبح کالج جاتی تو واپسی پر
دارالاطفال چلی جاتی۔ شہرینہ دارالاطفال کے بچوں کے
ساتھ سیر و تفریح کے لیے روانہ ہو جاتی ہے اور اپنا موبائل بھی
آف کر دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



فلن پریشان تھا وہ حویلی میں ہی تھا جب زبیدہ کی کال
آئی تھی۔ بابا صاحب کی طبیعت اب بہتر تھی اماں بی
ملازمین سے حویلی کی صفائی کروا رہی تھیں فلن باہر آیا تو
انہوں نے اسے دیکھا وہ کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا رات
میں ہی واپسی ہوئی تھی لیٹ ٹائٹ سونے کی وجہ سے وہ
اب لیٹ اٹھا تھا رات والے لباس میں ہی وہ اٹھ کر کمرے
سے نکل آیا تھا۔

”کیا بات ہے فلن پریشان ہو؟“ وہ بار بار اپنے
موبائل سے کوئی نمبر مل رہا تھا محض میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا
تھا اماں بی نے قریب آ کر پوچھا تو وہ رکا۔

”ہاں کچھ نہیں، بس ویسے ہی۔“ اس نے موبائل کان
سے ہٹاتے اماں بی کو ٹالا۔ وہ اماں بی کو تو پریشان نہیں کرتا
چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا اماں بی شہرینہ کی طرف سے پہلے ہی کافی
فکر مند رہتی ہیں اس نے مسکرا کر ان کو دیکھا اور موبائل
پینٹ کی جیب میں ڈالا تھا۔

”بابا صاحب کہاں ہیں۔“

”ناشتہ کرتے ہی وہ کچھ توں کی طرف نکل گئے تھے گھر
رہ کر آتا گئے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ان کی طبیعت پراچھا اثر پڑے گا۔“

”تم ناشتہ کرو گے۔“ انہوں نے اسے پوچھا۔

”نہیں ابھی موڈ نہیں..... تھوڑی دیر میں کروں گا۔“

”جب بھی کرنا ہو بتا دینا میں تیار کروں گی۔“ فلن

ٹیپو ہاسٹل چلا جاتا ہے، شامیان اور زوبیہ بھی شمالی علاقہ
جات کی طرف چلے جاتے ہیں فلن بھی اپنے چند ضروری
امور نمٹا کر فریح کے مہر لاہور چلا جاتا ہے عثمان صاحب
اور فائقہ کی وہی روزمرہ کی روٹین ہوتی ہے اماں بی سب
بہت خاموشی سے دیکھ کر ان کے درمیان کشیدگی محسوس
کر رہی ہوتی ہیں۔ شہرینہ فلن کی وجہ سے سوئمنگ پر نہیں
جاتی بس ہفتے میں ایک دو بار ضرور جاتی ہے جبکہ اماں بی اسے
سمجھانے کی کوشش کرتی فلن کے حوالے سے بات کرتی
ہیں لیکن وہ فلن کا نام سن کر ان کے پاس سے اٹھ جاتی ہے۔

وہ فلن کی طرف سے ابھی بھی بدظن ہوتی ہے اور یہی بات
اماں بی کو پریشان کر دیتی ہے۔ عثمان صاحب اور فائقہ کو
بیرون ملک جانا ہوتا ہے ایسے میں اماں بی شہرینہ کے تہا گھر
میں رہنے پر اعتراض کرتی ہیں فائقہ کو ساتھ جانے سے منع
کرتی ہیں لیکن عثمان صاحب بضد ہوتے ہیں انہیں ساتھ
لے جانے پر۔ شہرینہ کی سوئمنگ کلب میں تقلین سے
ملاقات ہوتی ہے شہرینہ اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتی اور
اپنی دوستوں کے ساتھ مصروف ہو جاتی ہے تب تقلین اس
سے فری ہونے کی کوشش کرتا ہے جس پر شہرینہ اس کی بے
عزتی کرتی اسے غصہ دلا جاتی ہے۔ اماں بی شہرینہ کی طرف
سے فکر مند ہوتی ہیں انہیں گاؤں واپس لے جانے کے لیے
فلن بھی آ جاتا ہے لیکن رات زیادہ ہو جانے اور شہرینہ کے

گھر واپس نہ آنے پر اماں بی فلن کو شہرینہ کو لینے بھیجتی ہیں
سوئمنگ کلب میں فلن شہرینہ کے ساتھ تقلین کو بدتمیزی
کرتے دیکھ لیتا ہے اسے شہرینہ کے قریب بھی نہ آنے کی
وارننگ کرتا وہ شہرینہ کو وہاں سے لے جاتا ہے۔ فلن راستے
میں شہرینہ سے اس کے رویہ کے حوالے سے بات کرتا ہے
جس پر شہرینہ فلن پر اپنا آپ عیاں کرتی رو دیتی ہے فلن
اسے حوصلہ دیتا اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے جس پر شہرینہ اسے
اپنے عتاب کا نشانہ بناتی ہے اماں بی شہرینہ سے دیر سے
آنے کی وجہ دریافت کرتی اسے اپنے ساتھ گاؤں چلنے کا کہتی
ہیں جس پر وہ انہیں بھی اپنے معاملات میں نہ پڑنے کا کہتی

سر ہلا کر اندر کی طرف چلا گیا، اماں بی نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا وہ پھر سے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

”پتا نہیں کیا مسئلہ ہے شکل سے تو پریشان ہی لگ رہا ہے۔“ انہوں نے اسے جاتے دیکھا تھا۔ آگن واپس کمرے میں آیا اس نے چچا کے گھر کال کی تو زبیدہ نے اٹھائی۔

”مجھے نہیں کچھ اندازہ نہیں کہ وہ کہاں جاسکتی ہے۔“

”نہیں صاحب ان سے پوچھوں تو وہ کچھ نہیں بتاتیں۔“

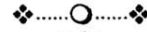
”اس کے دوستوں کا علم ہے کہاں کہاں سے ہیں۔“

”نہیں صاحب۔“

”اوکے، خالہ جان کی کال آئے تو ان کو ضرور بتانا میں ان کے نمبر پر ٹرائی کر رہا ہوں لیکن وہ کال ہی پک نہیں کر رہیں اور شہرینہ کا نمبر بھی مسلسل آف جا رہا ہے۔“

”جی صاحب۔“ آگن نے ایک دوسرے دہلیات دینے کے بعد کال بند کر دی۔

شہرینہ محض ضد میں یہ سب کر رہی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ ماں باپ سب سے قطع تعلقی اختیار کیے ہوئے تھی ایسے عالم میں وہ بھلا اپنے نفع و نقصان کی کہاں پروا کرتی، آگن کو رہ کر فسوس ہو رہا تھا کہ آتے وقت خواہ مخواہ اس سے ملجھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ یہ سب ضد میں کر رہی ہے لیکن اسے کچھ سمجھانا بھی فضول تھا۔ وہ موبائل ایک طرف بستر پر رکھ کر دوش روم میں مہس گیا۔



وہ لوگ بہت جلد مری پہنچ گئے تھے۔ یہ سارا علاقہ اس کا دیکھا بھلا تھا وہ بار بار اُدھر آ چکی تھی اس کا بچپن یہاں ہی گزرا تھا لیکن ہر بار یہاں آ کر وہ پُر سکون ہو جاتی تھی ہاسٹل کی لائف اگرچہ اس کے لیے بہت تلخ تجربہ رہا لیکن اس سب سے ہٹ کر یہ ماحول ایسے بہت اثریٹ کرتا تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔

والا اغفال والوں نے مال روڈ کے ایک ہوٹل میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بچوں کے لیے کھانے پینے کا ارنج بھی تھا

بچوں کو مختلف گروپس میں ڈیوایڈ کر کے اسٹاف کے مختلف لوگوں کی ذمہ داری میں دے دیا گیا تھا۔ شہرینہ نے بھی بطور خاص کہہ کر کچھ بچوں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ اس کے گروپ میں بھی چار بچیاں اور کچھ لڑکے تھے، سبھی نو دس سال کی عمر کے تھے وہ اپنے گروپ کے ساتھ مال روڈ کی طرف نکل آئی۔ مال روڈ پر کافی رش تھا۔ اس نے وہاں موجود دکانوں سے بچوں کو کافی چیزیں خرید کر دین ایک جگہ اچھا سا لٹچ بھی کر لیا۔ بچے بہت خوش تھے وہ کمرے میں ہر طرح کے خوب صورت مناظر محفوظ کر رہی تھی۔ بچوں کی کھلکھلاہٹیں ان کے خوب صورت چہروں کی معصومیت۔

سارا رستہ اس نے اپنا نمبر بند رکھا تھا لیکن مری آنے کے بعد اس نے اپنے موبائل میں دوسری سم لگا کر موبائل آن کر لیا تھا۔ موبائل کا نیا نمبر ادارے والوں کو لکھوا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کھوئے پھرنے کے دوران اگر کسی کو ضرورت ہوئی تو وہ اس سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ وہ ادارے والوں کو کال کر کے بچوں کو لے کر ”پی سی“ بھور بن کی طرف آ گئی تھی۔ جبکہ باقی لوگ مال روڈ پر ہی تھے وہ شام تک ادھر ہی رہے اور اس نے بچوں کو خوب انجوائے کر لیا تھا۔

شام کے بعد وہ بچوں کو لے کر واپس مال روڈ کی طرف آئی اس نے کیپ ہار کی بھی جو آج سارا وقت ان کے ساتھ ہی رہی تھی۔ واپس ہوٹل آ کر اپنے کمرے میں آتے ہی وہ بستر پر گر گئی تھی۔ وہ آج سارے دن کی بھاگ دوڑ سے بہت تھک گئی تھی۔ اس نے موبائل نکالا اور نیوٹن نکال کر اس نے واپس پرانی سم لگائی۔ سم لگاتے ہی بے تحاشا میسجز آنا شروع ہو گئے تھے جن میں سے کچھ اس کی دوستوں کے تھے اور باقی سارے آگن کے تھے ان تمام میسجز میں بس یہی تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ تمام میسجز پڑھنے کے بعد اس نے مسکرا کر تمام میسجز ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ اس نے صبا اور حور یہ کے میسجز کا جواب دے دیا تھا۔

”میں کچھ بہت خاص دوستوں کے ساتھ مری میں ہوں بہت انجوائے کر رہی ہوں۔“

”ہائے ہم سے بھی زیادہ خاص کوئی اور دوست بھی

ہیں.....! حور یہ کا بیج آیا۔
 ”ہاں لیکن وہ بہت معصوم سے دوست ہیں۔“ جواباً
 حور یہ کا غصے سے بھرے چہرے والا اسماعیلی آیا۔ اس نے بھی
 جواباً قہقہے لگاتا اسماعیلی سینڈ کر دیا۔
 ”کون ہیں وہ دوست۔“
 ”واپس آ کر بتاؤں گی۔“
 ”مری میں ہو، پکس تو بخوائی ہوں گی۔“ حور یہ کا
 مسیج آیا۔
 ”ہاں بہت ساری بتائی ہیں۔“
 ”اچھی، اچھی پکس مجھے سینڈ کرو۔“
 ”نہ کروں تو.....“
 ”تو بہت لڑائی ہوگی۔“ پھر غصے والی اسماعیلی آیا۔ اس
 نے منہ جڑاتا اسماعیلی سینڈ کر دیا۔
 ”پلیز شہرینہ۔“ جواباً اس نے پی سی میں بچوں کے
 ساتھ لی گئی پک سینڈ کر دی۔
 ”ہائے یہ اتنے سارے بچے.....! کس کے ہیں؟“
 ”یہ سارے بچے میرے بہت ہی خاص الخاص قسم
 کے دوست ہیں میں ان لوگوں کے ساتھ ہی مری آئی
 ہوئی ہوں۔“
 ”اوکے“ ابھی وہ مسیج ٹائپ ہی کر رہی تھی جب آکلن
 کی کال آنا شروع ہوئی اس نے چند لمحوں کو گھورا۔
 ”پہلو۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کال پک کی۔
 ”السلام علیکم۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو وہ
 خاموش رہی۔
 ”کہاں ہو تم؟“
 ”آپ کی پہنچ سے بہت دور۔“ جواباً آکلن نے دوسری
 طرف سے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”وہ تو مجھے بتا ہے لیکن دور ضرور ہوں گی لیکن میری پہنچ
 سے باہر نہیں شہرینہ شیر آکلن صاحب“ دوسری طرف سے
 پھر وہی دو ٹوک انداز جو شہرینہ کو ضد دلاتا تھا۔
 ”ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب آپ نے پچھتا نا ہے
 اور میں نے آپ کی پہنچ میں بھی نہیں ہونا۔“ جواباً وہ ہنسا۔
 ”کیا کر رہی ہو؟“
 ”ہماری ایسی کوئی خاص دوستی تو ہے نہیں کہ میں اپنے
 شب و روز کا احوال آپ سے ڈسکس کروں۔“ شیر آکلن کی
 ہنسی بے اختیار تھی۔
 ”دوستی کرنے کا کیا ہے فقط ایک مخلصانہ ہاتھ بڑھاؤ تم
 مجھے اپنے کسی بھی اچھے دوست سے کم نہ پاؤ گی۔“
 ”آپ سے دوستی کروں گی بڑی خوش فہمی ہے آپ کو۔“
 وہ طنز پر بولی۔
 ”بعض اوقات خوش فہم ہونا بھی خوش قسمی کی علامت
 ہوتی ہے خوش فہمیاں ہمیں بعض اوقات ایسے بہت سے
 تکلیف دہ حقائق سے بچا لیتی ہیں جو اگر انسان جان لے تو
 شاید سینے کے اندر سے سانس لینا بھی دشوار لگے۔“
 ”ایسی خوش فہمیوں کا کیا فائدہ جس پر سے پردہ ہٹنے پر
 دم گھوٹ دینے والے حقائق ناگ کی طرح منہ کھولے
 کھڑے ہوں۔“ وہ ناچا ہے ہوئے بھی آکلن کے ساتھ الجھ
 رہی تھی اور دوسری طرف وہ شاید اسے الجھانا ہی چاہتا تھا۔
 ”کیسی رہی پھر آؤ ٹینک۔“
 ”آپ کی توقع کے برعکس بہت اچھی۔“ شیر آکلن پھر
 ہنس دیا۔
 ”میری توقع کے برعکس اور کیا کچھ چھاپا ہو رہا ہے۔“
 ”آپ کو ہر بات کی رپورٹ دینا مجھ پر فرض نہیں۔“
 ”خام خیالی ہے تمہاری بحیثیت منکوحہ تم پر تو اور بھی
 بہت کچھ فرض ہے۔“ پھر وہی بات چل نکلی جس سے وہ
 ہمیشہ بھاگنا چاہتی تھی۔
 ”جس خوش فہمی میں رہنا چاہتے ہیں آپ وہ میں اول
 روز سے واضح کاف الفاظ میں کہہ چکی ہوں میں اس رشتے
 سے انکاری ہوں آج بھی کل بھی اور ہمیشہ رہوں گی۔“
 ”اچھی بات ہے خیر ہم بھی دیکھیں گے کہ کہاں تک
 آپ پہلو بچائی ہیں۔“ شہرینہ نے موبائل کو گھورا۔
 ”خالہ جان کافی پریشان ہیں ان کی کال آئے تو
 پلیز ریسپونڈ کر لیتا۔“ آکلن نے مزید کہا تو شہرینہ کی
 بھونٹیں تن گئیں۔

”مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی“ میں جہاں ہوں بہت مزے میں ہوں اور بہت خوش بھی بننا دیکھنے کا اپنی خالہ کو بھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کریں تو بہتر ہوگا۔“ اس نے کال بند کر دی۔

وہ عثمان یا فائقہ دونوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں سنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں کی ہی وجہ سے وہ آج اس مقام پر تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اپنی زندگی کو اپنے انداز و ڈھب سے گزارے گی اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ اب سونا چاہتی تھی لیکن آٹن کی کال کے بعد اس کا ذہن پھر منتشر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ بیڈ کی کراؤن سے ٹپک لگائے اسی طرح لب چبائی بیٹھی رہی ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس کا موبائل پھر بجنے لگا۔ اس نے موبائل کی اسکرین دیکھی اجنبی نمبر تھا اس نے لائن کاٹنا چاہی تھی لیکن پھر نجانے کیا سوچ کر کال پک کر لی۔

”ہیلو۔“ اس نے کال پک کر کے موبائل کان سے لگایا۔ اس کی توقع کے مطابق وہی انسان تھا جو پچھلے چند روز سے مسلسل کالز کر کے تنگ کر رہا تھا۔

”کون ہوں۔“ اس نے دوبارہ ہیلو کہا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”بہت جلد اپنا تعارف بھی کرادوں گا یہ بتاؤ میری کی سیر تو بہت انجوائے کر رہی ہوں ناں؟“ شہرینہ کے اعصاب عجیب سے انداز میں جھنجھلائے۔ یعنی یہ شخص اس کے متعلق ہر طرح کی خبر رکھے ہوئے ہے۔

”کون ہوں؟“ اس نے اب کی بار کچھ خوف زدہ انداز میں پوچھا۔

”بس ایک دودن اور انتظار کر لو، پھر بہت جلد تمہیں علم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں شہرینہ عثمان فاروق صاحبہ۔“ شہرینہ کے چہرے پر ایک دم پریشانی کی لہر پیدا ہوئی۔ یہ آٹن نہیں تھا اور نہ ہی اس کا لب و لہجہ تھا تو پھر کون تھا یہ۔

”کیا جانتے ہو تم میرے بارے میں؟“

”بہی کہ شہرینہ عثمان فاروق کی بیٹی ہے اور عثمان فاروق کو کون نہیں جانتا اتنے بڑے سیاستدان سے متعلق

معلومات اکٹھی کرنا کوئی مشکل کام تو نہیں دو بھائی ہیں تمہارے جو ابھی زیر تعلیم ہیں آج کل منسٹر صاحب سیاسی دورے پر ملک سے باہر ہیں اور ان کی یہ حسین چڑیا سیر و تفریح کی خاطر مری میں موجود ہے۔“

”شٹ اپ۔“ وہ غصے سے پھسکاری۔ ”تم ہوتے کون ہو میرے متعلق اس طرح کی خبر رکھنے والے مقصد کیا ہے تمہارا؟“

”بس ایک دودن اور انتظار کر لو پھر سب کچھ تمہارے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔“ وہ دوسری طرف سے ہنسا۔

”ایک تصویر وائس اپ کر رہا ہوں دھیان سے دیکھنا۔“ اس نے کہہ کر کال بند کر دی۔

شہرینہ موبائل ہاتھ میں تھا مگر صدمہ سے حالت میں تھی جب وائس اپ پر پیج کی ٹون بجی۔ اس نے وائس اپ کھولا اور ان نان نمبر سے آنے والے فونو کو اپن کیا اور پھر شہرینہ کو لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان ٹھم گئے ہوں اس کے سامنے جو تصویر تھی وہ اس تصویر کا ٹکڑا نکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

❖.....❖

آٹن اسلام آباد آیا ہوا تھا وہ دوپہر میں گاؤں سے روانہ ہوا تھا اور شام سے پہلے اسلام آباد پہنچ گیا تھا وہ اس وقت اپنے ایک دوست کے ہمراہ تھا اس کا ارادہ رات چچا کے ہاں گزارنے کا تھا۔ شہرینہ سے کال کے بعد اس نے اپنے دوست کو نمبر لکھوا کر لوکیشن ٹریس کرنے کو کہا تھا دوست نے کچھ دیر بعد لوکیشن ٹریس کر لی تھی۔ لوکیشن مری میں مال روڈ کے قریب کسی ہوٹل کی تھی۔ آٹن نے گوگل سے ہوٹل کا نام لکھ کر سرچ کیا اور کنٹیکٹ نمبر حاصل کر کے اس نے دوست کو ہوٹل کے منیجر سے بات کرنے کو کہا۔ اس کا یہ دوست انٹیلی جنٹس آفیسر تھا کچھ دیر بعد ہوٹل میں موجود ایسٹس سے متعلق معلومات مل چکی تھیں۔ ہوٹل میں منیجر نے والی ایک فیملی تھی جن کا تعلق اسلام آباد سے تھا فیملی ممبرز میں میاں بیوی اور ایک بچہ تھا جبکہ دوسرے جو لوگ منیجر سے

ہوئے تھے وہ دارالاطفال بچوں کا ایک ادارہ تھا جنہوں نے کل دوپہر میں بنگلہ کرائی تھی جبکہ اسلام آباد والی فیملی ایک دن پہلے سے وہاں تھی۔

”میرا خیال ہے وہ اسی گروپ کے ساتھ ہوگی۔“ اس کے دوست نے ساری معلومات دے کر آخر میں خیال آرائی کی تو گلن نے محض سر ہلایا۔ اس نے قطعی نہیں بتایا تھا کہ شہرینہ سے اس کا کیا حلق ہے اس نے محض کزن کہہ کر تعارف کر لیا تھا۔

”ویسے مسئلہ کیا ہے؟“

”کچھ خاص نہیں چچا یہاں نہیں ہیں اور وہ اماں بی کے پاس تھیں آؤ بنگلہ کا کہہ کر بتائے بغیر چلی گئی..... اماں بی پریشان تھیں اور وہ بتا بھی نہیں رہی تھی کہ اس وقت کہاں ہے تو معلوم کرانا پڑا۔“

”کیوں اپنے والدین کو بھی نہیں بتایا کیا؟“ دوست نے مزید پوچھا۔

”ایسی بات نہیں بس رابطہ ہی نہیں ہو سکا چچا بھی بڑی تھے اوکے چلتا ہوں اس قدر تعاون کے لیے بہت بہت شکریہ۔“ وہ مزید سوالات سے بچنے کے لیے فوراً کھڑا ہوا۔ دوست نے بھی مسکرا کر ہاتھ ملایا تھا۔

”یہ میرے لیے بالکل معمولی کام تھا رات ادھر ہی رکو میری طرف میں گیسٹ روم کھلو دیتا ہوں۔“ وہ دوست کے گھر اس کے مہمان خانے میں بیٹھا تھا۔ اس نے مسکرا کر کٹنی پیش سر ہلایا۔

”نوٹھنکس یار، چچا کی طرف ہی جاؤں گا اماں بی منتظر ہوں گی۔“

”جیسے تیری مرضی۔“ دوست نے کہا تو وہ اس سے بنگلیہ ہوا۔ الہ حافظ کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔ وہاں سے سیدھا چچا کی طرف آیا۔

زبیدہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی وہ وہاں کچھ دیر رک کر سیدھا دوست کی طرف آیا صد شکر ہے کہ جس کام سے آیا تھا وہ تو ہو گیا تھا۔ ان کے ہاں ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ان کی خواتین بغیر بتائے کہیں بھی چلی جائیں لیکن شہرینہ غیر

حاضر تھی اور یہی بات جب فائقہ کی کال آنے پر گلن نے انہیں بتائی تو وہ پریشان ہوئی تھیں۔

”دیکھو تمہارے چچا کے ساتھ آتا میری مجبوری تھی لیکن شہرینہ یہ بات نہیں سمجھتی وہ یہ سب ضد میں کر رہی ہے بیٹا تم بتا تو کرو وہ کہاں ہے کس کے ساتھ ہے؟ آج کل تو ویسے بھی عثمان کو بڑی دھمکیاں مل رہی ہیں اس لیے تو وہ تمہارے اور شہرینہ کے نکاح کے لیے راضی ہوئے تھے۔“

”کیا مطلب.....!“ ان کی بات سن کر گلن بھی حیران ہوا۔

”ایک لمبی کہانی ہے تم اب شہرینہ کے شوہر ہو تمہیں لا علم رکھنا اب بہتر نہیں میں واپس آئی ہوں تو سب بتاؤں گی بس یہ سمجھ لو کہ شہرینہ کی ذات کا دفاع اب صرف تم ہی کر سکتے ہو۔“ انہوں نے زندگی ہوئی آواز میں کہا دوسری طرف شیر گلن پریشان ہو گیا تھا۔

”عثمان آگئے ہیں پھر کال کروں گی اور پلیز تم شہرینہ کا بتا کر کہ وہ کہاں ہے میں رات میں پھر کال کروں گی۔“ انہوں نے کال بند کر دی اور تب سے گلن پریشان تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ اماں بی سے پوچھے گا لیکن پھر اماں بی کو پریشان کرنے والی بات تھی سو وہ ان کو ایک ضروری کام کا کہہ کر اسلام آباد آ گیا تھا۔ وہ مسلسل شہرینہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نمبر بند تھا جیسے ہی رابطہ ہوا تو اس نے جان بوجھ کر باتوں میں الجھا کر کال لمبی کی تھی۔ شہرینہ کے کال بند کر لینے کے بعد اس نے دوست سے رابطہ کر کے نمبر لکھوایا اور فریڈ کرنے کو کہا تھا اور پھر خود بھی اس کے پاس آ گیا تھا۔ گلن سارا رستہ کچھ نہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ اسے چچا اور خالہ کی زندگی عجیب بھید بھری ہی لگی تھی۔

”شہرینہ سے اس کا نکاح ہونا اس کے پیچھے کوئی وجہ تھی۔ بھلا چچا جان کو کس سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔“ وہ سوچتا ہوا گھر آ گیا تھا۔

وہ اندر آیا تو گھر میں کوئی بھی نہ تھا اتنا بڑا اس قدر خوب صورت انداز میں ڈیکورڈ گھر لیکن اس وقت ویران تھا گلن کچھ لمبے گھر کو دیکھتا رہا اور پھر وہ فی وی لاؤنچ میں آ بیٹھا

اس نے ٹی وی آن کیا تھا کچھ دیر بعد زبیدہ آگئی۔
 ”صاحب کھانا کھائیں گے؟“ اس نے پوچھا تو فلن
 نے نفی میں سر ہلادیا۔
 ”کھانا میں باہر سے کھا کر آیا ہوں چائے پلا دو۔“
 ”میں ابھی لائی صاحب۔“ وہ چلی گئی وہ کوئی ٹاک شو لگا
 کر دیکھتا رہا کچھ دیر بعد زبیدہ چائے لے آئی وہ ابھی
 چائے پی رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے دیکھا
 فائقی کی کال تھی۔
 ”السلام علیکم خالہ جان۔“
 ”وعلیکم السلام کیسے ہو؟“
 ”ٹھیک ہوں۔“
 ”کچھ پتا چلا شہرینہ کا۔“
 ”شام کے بعد اس کا نمبر آن تھا میں نے کال کی تو
 بات ہوئی تھی اس سے۔“
 ”اچھا کیا کہہ رہی تھی۔“ وہ ایک دم خوش ہوئیں۔
 ”کہا تو کچھ نہیں بس اپنے مزاج کے مطابق ہی بول
 رہی تھی۔“
 ”بتایا اس نے کہاں ہے وہ۔“
 ”نہیں..... لیکن میں نے اپنے ایک جاننے والے
 کے قہر کو ال کی لوکیشن ٹریس کرائی ہے وہ اس وقت مری میں
 ہے ہال روڈ کے نزدیک ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔“
 ”کیا مری میں۔“ وہ حیران ہوئیں۔
 ”جی ہاں۔“
 ”وہاں وہ کیا کرنے گئی ہے؟“
 ”زبیدہ کو آؤ ٹنگ کا ہی کہہ کر گئی تھی۔“ فلن نے کہا تو
 زبیدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”کچھ اور علم ہوا اس کے بارے میں؟“
 ”مزید تو علم نہیں ہو سکا لیکن کل کی ڈیٹ میں اسلام
 آباد سے مری اس ہوٹل میں جا کر رہنے والا بچوں کی دیکھ
 بھال کرنے والا ایک ادارہ ہے..... دارالاطفال نام ہے اس
 سینٹر کا۔“
 ”دارالاطفال۔“ دوسری طرف سے فائقہ بڑبڑائی۔
 ”مجھے یاد نہیں آ رہا لیکن میں نام کچھ سنا سنا لگ رہا ہے۔“
 ”آئی تھنک آپ ایز آ گیٹ شاید یہاں جا چکی
 ہوں۔“ فلن نے پوچھا تو دوسری طرف فائقہ سوچنے لگیں۔
 ”نہیں..... یاد نہیں آ رہا، تم نیٹ سے اس کو
 سرچ تو کرو۔“
 ”میں نے سرچ کیا جانتا فینس نہیں ہے کوئی خاص
 لوکیشن ٹریس نہیں ہو رہی۔“
 ”میں عثمان سے پوچھ کر کال کرتی ہوں شاید ان
 کو علم ہو۔“
 ”اوکے میں انتظار کروں گا۔“ اس نے کال بند کر دی۔
 دھڑ دھڑکے نظروں سے اسکرین کو دیکھتے کچھ سوچنے لگا۔
 ♦.....○.....♦
 فائقہ کال کے بعد عثمان کی طرف آئیں وہ اس وقت
 ہوٹل کے روم میں ہی تھے اور کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔
 ”آپ اسلام آباد میں کسی دارالاطفال نامی ادارے کو
 جانتے ہیں؟“ فائقہ کے پوچھنے پر عثمان نے فائل سے نگاہ
 اٹھا کر بیوی کو دیکھا۔
 ”کیوں خیریت؟“ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
 فائقہ نے ابھی تک شہرینہ کی گھر سے غیر حاضری کے
 بارے میں ان کو نہیں بتایا تھا۔
 ”کیا آپ جانتے ہیں؟“
 ”دارالاطفال.....“ انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی
 لیکن یاد نہ آتا تو پھر بیوی کو دیکھا۔
 ”وجہ کیا ہے کیوں جانتا چاہ رہی ہیں؟“ سنجیدگی
 سے پوچھا۔
 ”بات یہ ہے کہ شہرینہ آؤ ٹنگ کے لیے کہیں چلی گئی
 ہے بتا کر بھی نہیں گئی۔“
 ”تو اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے
 دوستوں کے ساتھ ہوگی۔“ انہوں نے نارمل لہجے میں کہا تو
 فائقہ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔
 ”یعنی آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا وہ کہیں بھی بتائے بغیر
 چلی جائے۔“

”اب ایسا بھی نہیں۔ وہ میری بیٹی ہے اور میں جانتا ہوں وہ کسی غلط جگہ پر نہیں گئی ہوگی۔“ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں کب کہہ رہی ہوں وہ غلط جگہ پر گئی ہوگی میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ آؤ تنگ پر گئی ہوئی ہے لیکن زبیدہ کو نہیں بتایا میں تو جب سے یہاں آئی ہوں ایک بار بھی میری کال ریسیو نہیں گئی، لیکن سے بات ہوئی تھی اس نے بتایا تھا کہ اس نے میرے کہنے پر شہرینہ سے رابطہ کیا تھا شہرینہ نے اسے بھی نہیں بتایا۔“

”تو مسئلہ کیا ہے اس کی فرینڈز سے پتا کر لیں۔“

”اس کی فرینڈز کے نمبر میرے پاس نہیں..... میں نے اگلن سے کہا تھا اس نے کال لوکیشن ٹریس کرائی ہے لوکیشن مری میں مال روڈ کے کسی ہوٹل کی تھی۔“

”کیا..... مری کے ہوٹل کی وہاں کیا کرنے گئی ہے؟“

”مجھے کیا علم میں تو خود سب جان کر پریشان ہوں یاد ہے شہرینہ اور اگلن کے نکاح سے پہلے آپ کو چند بار کچھ دھمکی آمیز کالز آتی رہی تھیں۔“ فائقہ نے کہا تو عثمان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔“

”پتا نہیں مجھے بتانا چاہیے یا نہیں لیکن مجھے کئی بار اب شک ہوا ہے باہر آتے جاتے مجھے کوئی فالو کرتا رہا ہے ایک ہنگ سائز کا تھا کئی بار میں نے اسے اکثر بائیک پر دیکھا تھا اور پھر ایک دن جب ہم نے اصرار کیا تھا اس کو اپنی ریزنڈنسی سے کچھ فاصلے پر موبائل فون پر بات کرتے دیکھا تھا نجانے کیوں مجھے شک سا ہونے لگا ہے کہ وہ شہرینہ اور آپ کو بھی فالو کرتا رہا ہے۔“

”تو آپ نے ذکر کیوں نہیں کیا؟“

”میں سمجھتی تھی کہ شاید یہ میرا وہم ہو لیکن گھر کال کرنے پر زبیدہ سے بات ہوئی اس نے بتایا کہ شہرینہ کو فون پر کوئی تنگ کرتا رہا ہے میرا مطلب ہے دھمکیاں دیتا ہے۔“

”عثمان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرائے تھے۔

”آپ نے شہرینہ سے بات کی۔“

”میں تو مسئلہ ہے جب سے آپ نے اس کا ٹکٹ نکاح کیا ہے وہ ہر ایک سے بدظن ہے تب سے وہ مجھ سے بھی بات نہیں کرتی اور جب سے میں آپ کے ساتھ آئی ہوں وہ میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہی۔“

”آپ نے مجھ سے پہلے تو اس بات کا ذکر نہیں کیا۔“

”انہوں نے کچھ سنجیدگی سے بیوی کو دیکھا۔“

”آپ کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے کہ آپ کو ان معاملات سے آگاہ کروں۔“ فائقہ کے لہجے میں تھی ایک دم سختی اور آئی انہوں نے خفگی سے بیوی کو دیکھا۔

”کہنا کیا چاہتی ہیں آپ۔“

”میں کچھ کہوں گی تو برا لگے گا آپ خود ہی انداز لگالیں کہ شہرینہ روز بروز کیوں بدلتی جا رہی ہے جبکہ میں تو بالکل ویسی ہی بن چکی ہوں جیسا آپ نے چاہا، جو آپ نے کہا میں نے کیا جس طرح چلا یا روٹ کی طرح چلتی تھی۔“

”تو نہ کرتیں یہ سب آپ کے پاس چواس بھی چھوڑ کر چلی جاتیں سب۔“ وہ کافی غصے سے بولے۔ فائقہ نے بہت ضبط سے ان کو دیکھا۔

”بہت سیلفش ہیں آپ تو عثمان صاحب..... عورت ہی تھی ناں آپ نے کب معاف کر دیا دل لگانے کی اس قدر بڑی سزا عمر بیت گئی یہ سب جھیلنے ہوئے ربوٹ کی طرح آپ کے احکامات پر عمل کیا آپ کے لیے کیا کچھ نہیں کیا میں نے سر سے پاؤں تک بدل لیا میں نے خود کو پھر بھی آپ کو راضی نہ کر سکی اور آپ نے صلے میں کیا دیا ہمیشہ بے رحمی، حقارت، ذلت، دھتکار، اب شہرینہ تو آپ کی اپنی اولاد بھی اس کے معاملے میں بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا۔“ وہ بولی نہیں پھٹی تھیں۔ ساری عمر کا غبار تھا جو بہہ نکلا تھا آواز زندہ گئی تو خاموش ہو گئیں عثمان فاروق لب دانستوں تلے دبائے بہت تھی سے بیوی کو دیکھ رہے تھے۔ جو اپنی بات کہہ کر اپنے اندر سے اٹھتے جوار بھالے کو دباتے بستر پر جا بیٹھی تھیں۔

”وہ خاموشی سے روتی رہیں بے آواز، عثمان سنجیدگی سے دیکھتے رہے۔“

”فائقہ اصرار آئیں۔“ کافی لمحات خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے تو انہوں نے از حد سنجیدگی سے پکارا۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

فائقہ جوں کی توں اپنی جگہ موجود رہیں لیکن ان کی پوری توجہ اب روتی ہوئی بیوی کی طرف تھی۔ فائقہ نے حرکت نہیں کی تھی وہ اسی طرح نشو سے آنکھیں صاف کرتے وہیں بیٹھی رہی تھیں۔

”میں کیا کہہ رہا ہوں فائقہ۔“ اب کے عثمان صاحب نے کچھ جھنجھلا کر کہا تو بھی فائقہ کے وجود میں حرکت نہ ہوئی۔

”میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا کل واپسی کا پروگرام بنائیں اگر آپ جانا چاہیں تو ٹھیک در نہ مجھے واپس سمجھوا دیں میں اب ادھر ایک دن بھی نہیں رکوں گی۔“ بہت جی سے کہا۔ عثمان نے غصے سے فائل بند کی۔ انہوں نے خود کو نائل کرنے میں ایک دو مل لگائے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اتنی جلدی اکٹا لیں۔“ اب کے عثمان کے لہجے میں طنز تھا۔ فائقہ کے گویا دل پر لگی تھی یہ بات نہ ٹپ اٹھیں۔

”اتنی جلدی.....؟“ بہت تکلیف سے شوہر کو دیکھا۔

”عثمان صاحب آپ کی بے حسی کی انتہا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں عمر بھر ایک پتھر سے سر پھوڑتی رہی اس سے رحم کی امید کرتی رہی مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے اپنی عمر بھر کی ریاضت کے یوں رائیگاں جانے پر۔“ وہ شدت سے رو پڑیں۔

”ٹھیک ہے پھر آپ کل بھی آزاد تھیں آج بھی آزاد ہیں میری طرف سے آپ کل واپس جاسکتی ہیں میں سیکرٹری سے کہتا ہوں وہ آپ کی واپسی کے انتظامات کر دے گا۔“ وہ غصے سے کہہ کر دروازہ کھول کر باہر چلے گئے اور فائقہ نے شدت کرب سے ان کو جاتے دیکھا۔

❖.....❖

وہ اس تصویر کو ابھی بھی آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی وہ از حد پریشان ہوئی۔ وہ موبائل آف کرنا چاہتی تھی لیکن نہ کر پائی تھی وہ بہت دیر تک سناکت و جاہل بیٹھی رہی۔ پھر اس

نے اسی ان فون نمبر کو اپنی لسٹ سے نکالا تھا۔ اس نے بہت دیر تک اس نمبر کو دیکھا اور پھر اس نے اس پر کال کی تیل جا رہی تھی اور پھر کال ریسیو کر لی گئی۔

”مجھے یقین تھا تم فوراً کال کرو گی۔“ دوسری طرف سے مسکرا کر کہا گیا۔

”کون ہو تم؟“

”جو بھی ہوں بہت جلد ملے آؤں گا۔“ اس نے کہا۔

”اس تصویر کا مطلب۔“

”اپنے باپ سے پوچھنا۔“ دوسری طرف سے از حد حقارت سے کہا گیا۔

”شٹ اپ.....“ شہرینہ جواباً زور سے چیخی۔

”اپنے لہجے پر کنٹرول رکھو شہرینہ عثمان ورنہ تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔“

”برا تو اب تمہارے حق میں بھی بہت ہوگا، میرا باپ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ تم جیسے بلیک میلروں کی کھال ادھیڑ کر اس میں بھس بھی بھر واسکتا ہے۔“ شہرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے شوٹ بھی کر دیتی وہ دوسری طرف سے قہقہے لگا کر ہنسا۔

”بڑی معصوم ہو تم، تمہارا کیا خیال ہے یہ سب میں یونہی کردہ ہوں میں نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی تیاری نہ کر رکھی ہوگی میڈیا تو بہت فاسٹ ہے پوچھ لے کر سٹیں میں عثمان فاروق صاحب اس قدر بڑی شخصیت بس ایک کال کی دیر سے ساری دنیا دیکھے گی عثمان فاروق اصل میں تھا کون۔“ وہ واقعی بلیک میلر تھا۔

”یو باسٹرڈ۔“ وہ غصے سے چیخی۔

”گالی مت دینا۔“ کہا نا تمہیں یہ بہت مہنگا پڑے گا انجوائے یور ٹرپ بہت جلد ملاقات ہوگی ٹیک سیکر۔“ وہ خواہش سے مسکرا کر کال بند کر گیا اور شہرینہ وہ بت بنی بیٹھی رہ گئی تھی بے حس و حرکت بالکل ساکن۔

❖.....❖

آٹن گہری نیند میں تھا جب اس کا موبائل بجا تو اس نے نائٹ بلب کی روشنی میں موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر

جنگلات نامہ مکہ کر فوراسیدھا ہوا۔
 ”اسلام علیکم چچا جان۔“
 ”وعلیکم السلام، کیسے ہو پر خوردار؟“
 ”فائن..... آپ ٹھیک ہیں؟“
 ”ہوں۔“ انہوں نے ہنکارا بھرا پھر کچھ توقف کے بعد
 بولے۔ ”تم کہاں ہو؟“
 ”میں آج شام ہی اسلام آباد پہنچا ہوں، آپ کے گھر
 میں ہی ہوں۔“
 ”شہرینہ والا کیا معاملہ ہے۔“ انہوں نے سنجیدگی
 سے پوچھا۔
 ”آپ کو خالہ جان نے کچھ نہیں بتایا؟“
 ”میں تمہاری زبانی سننا چاہتا ہوں۔“ ان کا انداز احد
 سنجیدہ تھا۔ جواباً اگلن نے ان کو تفصیل سے ساری بات
 سنائی۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے تھے۔
 ”ہوں..... یعنی تمہارا خیال ہے شہرینہ اس وقت مری
 میں ہے۔“
 ”جی۔“
 ”دارالاطفال.....“ انہوں نے کچھ سوچا۔
 ”آئی تھنک میں اس ادارے کو جانتا ہوں یہ ایک آر
 فن ٹائپ بچوں کو پناہ دینے والا ایک ادارہ ہے شہرینہ کی
 کافی ایجنٹ بھی اس سے اس نے کئی بار مجھ سے اس ادارہ کو
 ڈونٹ کر لیا تھا اگر یہ وہی ادارہ ہے اور شہرینہ ان کے ساتھ
 ہے تو کوئی مسئلہ نہیں یہ کافی اچھے لوگ ہیں شہرینہ ان کے
 ساتھ سیکور ہے۔“ وہ کافی پُر سکون تھے۔
 ”یعنی آپ اس ادارے کو جانتے ہیں؟ آپ جانتے
 ہیں یہ ادارہ اسلام آباد میں کس جگہ ہے۔“
 ”میرے سیکرٹری کو علم ہوگا وہی ایک دو بار شہرینہ کے
 ساتھ گیا تھا۔“
 ”جی ٹھیک۔“
 ”کوئی اور بات کوئی اور مسئلہ ہو تو.....“
 ”نہیں چچا جان ویسے آپ لوگ کب واپس
 آ رہے ہیں؟“

”تمہاری چچی کو بھیج رہا ہوں وہ کل واپس آ جائیں گی
 میرا بھی ایک دن کا مزید کام ہے میں وہ اسٹڈ اپ کر کے
 ہی آؤں گا۔“
 ”ڈیش گڈ۔“ اگلن کو ان کا یہ فیصلہ اچھا لگا۔
 ”میں سیکرٹری کو کہتا ہوں وہ تمہیں کال کر لے گا۔“
 ”اوکے..... تھینک یو سوچ۔“
 ”یو ویلکم۔“ انہوں نے ایک دو اور الوداعی کلمات کے
 بعد کال کاٹ دی۔ اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔
 چچا سے ملنے والی اس خبر کے بعد وہ کافی پُر سکون ہو گیا
 تھا یعنی شہرینہ اچھے لوگوں کے ساتھ تھی لیکن شہرینہ کی ایسے
 ادارے کے ساتھ ایجنٹ منٹ کا جان کر اندر ہی اندر وہ حیران
 بھی ہوا تھا۔ شہرینہ کی ذات کا یہ پہلو اس کے اندر موجود
 مثبت تبدیلی کو ظاہر کر رہا تھا۔ اگلن کو اس بات نے کافی
 اثر کیٹ کیا تھا۔ یعنی جیسا وہ خود کو ظاہر کرتی تھی اندر سے وہ
 ویسی تھی نہیں۔ اس نے وقت دیکھا رات کے اڑھائی بج
 رہے تھے۔ اس نے ایک دو پل سوچا اور پھر شہرینہ کا نمبر
 چیک کرنے کے لیے اس نے نمبر ملایا دوسری طرف تیل جا
 رہی تھی یعنی اب نمبر آف نہیں تھا اگلن کو حیرت ہوئی۔
 ”ہیلو۔“ دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی۔
 ”کیسی ہو؟“
 ”کیوں پیچھے بڑ گئے ہیں آپ سب لوگ میں چند پل
 زندگی کے سکون سے گزارنا چاہتی ہوں وہ بھی آپ کو گوارا
 نہیں نہیں کرو وہ نہیں کرو کیوں میری اپنی کوئی زندگی نہیں
 ہے اپنی کوئی مرضی، کوئی خواہش، کچھ نہیں ہے کیا۔ فون کر کر
 کے میری زندگی عذاب بنا ڈالی ہے آپ لوگوں نے میں
 منظر سے غائب ہوئی ہوں کہیں بھاگی نہیں ہوں جو پایا کو
 بھی انعام کر دیا۔“ کچھ دیر پہلے عثمان فاروق نے بھی اپنی
 سے رابطہ کیا تھا جی وہ اس قدر طیش میں تھی اب سارا غبار
 اگلن پر نکال رہی تھی۔
 ”ایک کال ہی کی ہے تم تو کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہو۔“
 جواباً اگلن نے خوشگوار لہجے میں کہا تو وہ ہنسنے لگی۔
 ”شٹ اپ، خبردار اب مجھے کال کی میں نے ٹھیک نہیں

لے رکھا سب کی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا جو میرادل چاہے گا میں کروں گی، میری طرف سے سب لوگ جائیں، جہنم میں۔“ اس نے کہہ کر غصہ سے کال بند کر دی تھی۔ لیکن نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس لڑکی کو کچھ بھی کہنا اور سمجھانا فضول تھا۔ اس نے ریلیکس موڈ میں موبائل ایک طرف رکھا اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔

لے جائے گا۔“ سیکرٹری کہہ کر چلا گیا۔

وینڈا آ کر سامان لے گیا تب کچھ دیر بعد فائقہ بھی باہر آ گئی تھیں انہوں نے آنکھوں پر سیاہ گاؤز لگا لیے تھے ان کی آنکھیں متواتر مڑھتی رہیں لیکن وہ خود کو کمبوز کرتی رہی تھیں ایئر پورٹ آ کر تمام مراحل سے گزرنے تک بھی ان کے دل و دماغ میں ایک امید سی باقی تھی جہاز میں بیٹھ کر اور پھر جہاز اڑنے تک ان کو لگا کہ ان کی تمام امیدوں کے پرندے ایک ایک کر کے اڑتے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے موبائل کو دیکھا جو مسلسل ان کے ہاتھ میں تھا اور پھر سکٹلز کا رابطہ منقطع ہوا تو انہوں نے خاموشی سے موبائل بیگ میں رکھ دیا تھا، گلاسز اتار کر ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے وہ خود کو دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم ترین اور بد قسمت عورت محسوس کر رہی تھیں۔

مری میں تو خوب برف باری ہو رہی تھی ان کا وہ وقت بہت زیادہ مصروف گزارا تھا وہ سب لوگ گرم کپڑوں میں اچھی طرح کور تھے برف باری نے سب کو مفلوج کر کے دکھ دیا تھا۔ وہ سب لوگ ایوبیہ کی طرف آئے ہوئے تھے آتے وقت تو نہیں لیکن واپسی پر برف باری کی وجہ سے رستہ بند تھا ٹریفک کی ایک لمبی لائن تھی ایک طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد رستہ کھلا تو بھی ان لوگوں کو واپس ہونے پہنچنے تک رات کا ایک بچ چکا تھا بھی جھکے ہوئے تھے آتے ہی سو گئے تھے۔ ان لوگوں کا ایک رات روکنے کا پروگرام تھا لیکن موسم میں تبدیلی و تیزی اور راستوں کے بندش کی وجہ سے ان کو مزید رکتا رہا تھا۔

اگلے دن فائقہ بڑی مضحکہ خیز سی تھی عثمان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی انہوں نے بھی فائقہ کو نہیں چھیڑا تھا۔ انہوں نے سیکرٹری کے تھرو کھلوایا تھا کہ سیٹ کنفرم کرادی ہے۔ لیکن فائقہ جانے سے پہلے عثمان صاحب سے دو ٹوک بات کرنا چاہتی تھیں مگر عثمان تھے کہ ان کے پاس وقت ہی نہیں تھا وہ مسلسل بڑی تھے فائقہ نے ان کے ساتھ باہر کہیں بھی جانے سے انکار کر دیا تھا سیکرٹری نے فائقہ کا انکار عثمان تک پہنچایا تو بھی عثمان فاروق صاحب نے خود سے کوئی بات نہ کی تھی فائقہ نے اپنا بیگ تیار کر لیا تھا۔ درمیان میں تین گھنٹے تھے فائقہ نے دو گھنٹے اپنے روم میں ہی گزارے۔ پھر سیکرٹری آ گیا تب بھی عثمان کسی وزیر کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھے۔

”سر کہہ رہے ہیں اگر آپ نے کوئی چیز خریدنی ہو تو بتا دیجیے۔“

”اپنے سر کو تھینکس کہہ دیں ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔“ وہ تیار کر سی پرنٹری ایک میگزین دیکھ رہی تھیں۔

”فلائٹ کے لیے کب نکلتا ہے۔“ میگزین ایک طرف رکھتے براہ راست موبوب انداز میں کھڑے سیکرٹری سے پوچھا۔

”میں سر سے پوچھ کر بتا دیتا ہوں۔“ اس نے عثمان کو کال ملائی۔

”نو سر میم نے تھینکس کہا ہے کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں بس اس کے۔“ اس نے کال بند کر دی۔

”سر کہہ رہے ہیں وہ فری نہیں ہیں میں آپ کو

شہرینہ نے آج سارا وقت اپنا موبائل بند رکھا تھا اس نے سوچ لیا تھا جب تک گھر واپسی نہیں پہنچ جاتی اس نے موبائل آن نہیں کرنا۔ اگلا سارا دن ان سب کا سو کر گزرا تھا۔ شہرینہ کافی دیر تک سونے کے بعد اکٹا کر بھی تھی ناشتہ ہوئی کی سروس سے منگوا کیا اور اکیلی ہی ریسپشن پر بتا کر باہر نکل آئی تھی باہر موسم ابر آلود تھا آج برف باری نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے لوئگ کوٹ پہن رکھے تھے سر پر ہیٹ تھا دونوں ہاتھوں پر گلوڑ اور گلے میں مفلر تھا وہ مال روڈ پر ٹھوٹی رہی کافی ساری چیزیں اسے اچھی لگی تھیں اس نے ایک شاپ سے جیولری اور پرس لیا وہ زیادہ تر ونڈو شاپنگ ہی کر رہی تھی۔ ایک کافی شاپ کے پاس سے گزرتے وہ رکی اور دکان کے اندر چلی گئی وہ کریم کافی آرڈر کر کے ایک ٹیبل کے گرد چیر گھسٹ کر بیٹھ گئی۔ گلاس ونڈو سے مال روڈ کی رونقیں دور تک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے اس سب کو دیکھ رہی تھی جب اپنے سامنے ٹیبل کے بجائے جانے پر اس نے چونک کر دیکھا۔ اس کے سامنے جو شخص کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

”فحص!“ وہ حیرت سے بولی۔



آگن آرام و سکون سے اٹھا ناشتہ کر کے ڈریس اپ ہو کر وہ گھر سے چچا کے استعمال میں رہنے والی گاڑی لے کر نکلا تھا۔ چچا کے سیکرٹری نے دارالاطفال کی لوکیشن اچھی طرح سمجھا دی تھی وہ شہرینہ کے ساتھ کسی ایونٹ کے موقع پر کچھ ڈنیشن دیے گیا تھا۔ آگن کو مطلوبہ جگہ پہنچنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا۔ وہاں جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ ادارے کا منتظم تھا لیکن ادارے کا سربراہ بچوں کے ساتھ ٹرپ پر مری گیا ہوا تھا بلکہ ادارے کا زیادہ تر عملہ ان کے ساتھ تھا یہاں بس چند ایک لوگ ہی تھے۔ آگن کے تعارف کرانے پر کوہ عثمان فاروق صاحب کا ہتھیجا ہے وہ شخص خاص محبت سے ملا۔

وہ شہرینہ کی بے پناہ تعریفیں کر رہا تھا آگن اس کے منہ

سے شہرینہ کی تعریفیں سن کر حیران ہوا۔ شہرینہ اس طرح کا مزاج بھی رکھتی ہے وہ یقین کرنے پر متائل تھا۔ وہ تو اسے ضدی بدتمیز، منہ پھٹ اور بگڑی ہوئی عادات و اطوار والی لڑکی ہی سمجھتا رہا تھا لیکن یہاں آ کر جس لڑکی کا تعارف حاصل ہوا تھا وہ تو کسی اور ہی شہرینہ عثمان کا تھا۔ جو بہت فیاض اور ممتحن تھی۔ شہرینہ کی شخصیت کا یہ پہلو اس کے لیے بالکل نیا اور نہایت متاثر کن تھا۔

منتظم اسے بتا رہا تھا کہ شہرینہ کیسے یہاں آ کر بچوں کے ساتھ وقت گزارتی ہے کس طرح ہر ماہ ایک مخصوص اور معقول رقم ان کو دیتی ہے اس کے علاوہ اس نے گورنمنٹ کی جانب سے بھی ایک مخصوص فنڈ کی صورت رقم بھی ادارے کو لگوا دی تھی شہرینہ کے تعاون کی بدولت کئی اور خیر حضرات اپنے اپنے عطیات و فنڈز ادارے کو جمع کراتے ہیں۔ آگن نے بغور سنتے اپنی پاکس کھنگالی تھیں۔ اس وقت اس کے پاس اسے ٹی ایم ضرور تھا لیکن چیک بک نہ تھی اس نے والٹ دیکھا کافی رقم تھی لیکن اس قسم کے ادارے کو دینے کے لیے اسے وہ بھی کم لگ رہی تھی۔ اس نے کئی نوٹ نکال کر منتظم کو چھائے۔

”میرے پاس فی الحال یہی تھے ٹیکسٹ ٹائم کسی بھی قسم کے تعاون یا مدد کی ضرورت ہو تو میرا کارڈ ہے آپ لوگ بلا جھجک مجھے کال کر سکتے ہیں اور اگر قانونی طور پر کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت پڑے تو اپنی خدایات فراہم کرنے میں خوشی محسوس کروں گا۔“ منتظم صاحب آگن کا بہت مشکور ہو رہے تھے۔

آگن نے اس سے ادارے کے سربراہ کا نمبر لے لیا تھا۔ وہ وہاں سے واپس آیا۔ اسے اسلام آباد میں ذاتی نوعیت کے کچھ کام تھے وہ ان کو نمٹانے میں لگ گیا تھا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو چچا کی کال آ گئی جس میں انہوں نے فائدہ کی آمد کی اطلاع دینے کے ساتھ اسے پک کر لینے کو کہا تھا۔ وہ دوست کی طرف آ گیا پھر ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوا۔ فائدہ کی آمد میں ابھی کافی وقت باقی تھا اس نے باقی کا وقت ادھر ادھر کا لڑکر کے گزرا تھا۔

”بالکل۔“ اس کے بعد آگن ان سے چھوٹے موٹے سوالات کرنے لگا تھا گھر کے نزدیک پہنچنے پر ان کو یاد آیا۔ ”شہرینہ واپس آگئی کیا؟“ انہوں نے آگن کو دیکھا وہ ہنس دیا۔
”نہیں۔“ ان کے چہرے کی کیفیت بدل گئی اور وہ خاموش ہو گئیں۔
”دارالاطفال گیا تھا آج۔“ آگن نے بتایا تو انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔
”دارالاطفال.....!“

”آپ کو چچا جان نے نہیں بتایا؟“ وہ اب بھی سوالیہ دیکھ رہی تھیں۔

”یہی کہ یہ یتیم اور بے گھر بچوں کو پناہ دینے والا ایک ادارہ ہے شہرینہ اکثر اس ادارے کی مدد کرنی رہتی ہے بلکہ کئی بار اس نے چچا جان کے ذریعے بھی ان کی مدد کی تھی۔“ وہ ان کو تفصیل بتانے لگا۔ گھر آ کر آگن نے ان کو وہ سب کچھ بتایا جو اس کو دارالاطفال جا کر علم ہوا تھا۔

”زبردست مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا میں تو پریشان ہوتی رہی ہوں کہ نجائے کن لوگوں کے ہمراہ وہ گئی ہے۔“

”میں نے سربراہ ادارہ سے بھی بات کی تھی شہرینہ ٹھیک ہے کافی تعریفیں کر رہے تھے اس کی۔“

”شہرینہ بالکل سچ اور بہت مختلف لڑکی ہے میں آج تک اسے ٹھیک سے نہیں سمجھ سکی۔“ وہ پھر افسردہ ہوئیں اور ہاتھوں کو مسلاتھا انہیں واقعی افسوس ہوا تھا۔

”ایک بات پوچھوں؟“ فائقہ نے اسے دیکھا تو اس نے گہرا سانس لیا۔

”میں آپ کی شہرینہ اور چچا جان تینوں کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا دیکھ رہا ہوں یہ سب کیا ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟“ فائقہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم شاید نہ سمجھ پاؤ۔“
”آپ سمجھائیں تو سہی شاید سمجھ ہی جائے۔“

”کیا کیا بتاؤں، ایک لمبی کہانی ہے۔“ وہ بہت افسردہ تھیں۔

اس نے دارالاطفال کے سربراہ صاحب کا نمبر ملایا۔ منتظم صاحب سے بات کر کے اس نے شہرینہ کا حال چال پوچھا تھا اس نے ان سے کافی دیر بات کی تھی۔ اپنا تعارف شہرینہ کے کزن کی حیثیت سے کروایا تھا وہ بھی کافی عزت دے رہے تھے کافی دیر بات کرنے کے بعد ان سے شہرینہ سے ذکر نہ کرنے کا وعدہ لے کر اس نے الوداعی کلمات کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ فائقہ کے آنے کا وقت ہو چلا تھا۔ جہاز آچکا تھا کافی دیر بعد فائقہ بھی دکھائی دی تو آگن نے مسکرا کر ان کو ہاتھ لہرایا۔

فائقہ دور سے ہی آگن کو دیکھ چکی تھیں انہوں نے سر ہلایا کہ اسے دیکھ گیا..... وہ اس کے پاس آئیں تو اس نے ان سے حال چال دریافت کیا تھا۔ انہوں نے آگن سے شائستگی سے بات کی لیکن اپنے انداز و اطوار سے وہ اسے مطمئن افسردہ افسردہ ہی دکھائی دی تھیں تاہم آگن نے ان سے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا..... وہ ان کو ایک طرف وزیٹر روم میں بیٹھا کر سامان کلیئر کرانے میں مصروف ہو گیا سامان کلیئر کر کر وہ ان کے ہمراہ گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

”کیسا رہا یہ ٹرپ؟“

”اچھا تھا۔“ وہ اب بھی سنجیدہ تھیں۔

”سفر ٹھیک رہا؟“

”ہوں.....“ وہ پھر خاموش ہوئیں۔ آگن نے ڈرائیونگ کرتے ان کو چند بار دیکھا۔ اندھیرے کی وجہ سے انہوں نے سیاہ ماکھڑا تار دیے تھے لیکن آگن کے سامنے اپنے تاثرات نہ چھپا پار ہی تھیں۔

”فائزہ آئی کیسی ہیں؟“ کچھ توقف کے بعد انہوں نے خود پوچھا تو آگن انہیں سب کی طبیعت کے بارے میں فردا فردا بتانے لگا۔

”زویہ اور شایان واپس آگئے کیا؟“

”جی..... تین دن پہلے ہی لوٹے تھے ڈائریکٹ لاہور کی ہی فلائٹ تھی۔“

”خوش ہیں دونوں؟“ انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ لیے پوچھا تو آگن مسکرایا۔

”آؤ کمرے میں چلتے ہیں میں پلین کے سفر سے تھک گئی ہوں لیٹنا چاہوں گی۔“ حمل ہونے کے ساتھ اداس بھی لگ رہی تھیں لیکن کوان پرتس آیا تو اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا، وہ ان کو کمرے میں لے آیا اور وہ اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔

”میرا خیال ہے آپ ریٹ کر لیں باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔“ فائقہ خاموش رہیں، وہ شاید خود بھی ابھی کچھ بتانے کے موڈ میں نہ تھیں، وہ واقعی تھک چکی تھیں۔

جسمانی تھکن کی بجائے ذہنی تھکن نے ان کے اعصاب کو توڑ کر رکھ دیئے تھے۔ لیکن واپس جانے لگا تو انہوں نے روک لیا۔

”میں کچھ دیر سوؤں گی فریش ہوں تو پھر تم سے بات کروں گی، اوکے۔“

”اس اوکے“ اور فائقہ افسردہ سی باز آ نکھوں پر رکھ کر آ نکھیں بند کر گئی تھیں۔

❖.....❖

”تم.....!“ وہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر نہ صرف چونگی بلکہ حیران بھی ہوئی تھی وہ شخص مسکرایا، وہ شخص کوئی اور نہیں نکھیں نور تھا وہی کلب میں ملنے والا لڑکا۔

”کیسی ہو؟“ وہ یوں مخاطب ہوا گویا برسوں سے شنائی ہو۔ شہرینہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

”میں ادھر کافی پینے آیا تھا تمہیں یہاں بیٹھے دیکھا تو سوچا حال چال ہی پوچھ لوں۔“ وہی آوارہ بدقماش لوگوں جیسی ہنسی۔ ”یہاں کیا کر رہی ہو تم؟“ اس نے پوچھا۔

”اشو یہاں سے، ابھی اور اسی وقت۔“ اس کی بکواس کے جواب میں وہ غصے سے پھنکاری۔

”میرا خیال ہے یہ پبلک ہیلس ہے اور یہاں ہر کسی کو آ کر بیٹھنے کا حق حاصل ہے۔“

”لیکن اس وقت یہاں میں بیٹھی ہوئی ہوں اگر تم یہاں سے دفع نہ ہوئے تو میں عملے کو بلوا کر تمہیں یہاں سے باہر نکلا دوں گی۔“ جواباً وہ کلکلا کر ہنسا۔

”باپ وزارت میں ہے اور اس کی کرسی کا بڑا رعب جاتی ہو تم۔“

”شٹ اپ۔“ وہ غصے سے چیخ کر کھڑی ہوئی۔

”کیا پرائیلم ہے تمہیں کیا چاہتے ہو تم؟ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے؟“ وہ بہت غصے سے بولی ارد گرد موجود لوگ دیکھنے لگے تھے۔

”ہم آرام سے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں تماشا لگاؤ گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔“ جواباً وہ بولا۔ شہرینہ کا دل چاہا کہ کھینچ کر ایک پھپھراس کے چہرے پر مار دے۔

”دھمکا رہے ہو مجھے؟“

”نہیں، اطلاع دے رہا ہوں اتنے بڑے منسٹر کی بیٹی ہو کر یوں پبلک ہیلس پر اس طرح چلاؤ گی تو ایسے تو بے گناہ بنی ناں۔“ وہ خباثت سے مسکرا کر بولا آواز قدرے بلند تھی۔ شہرینہ نے ارد گرد دیکھا یہاں بہت سارے لوگ موجود تھے۔

اسے اپنی قطعی پروا نہ تھی لیکن عثمان فاروق تک بات جاتی تو یقیناً ایسٹو بن جانا تھا۔ وہ اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھتی اپنا پرس اور خریدی ہوئی اشیاء اٹھا کر کرسی کو ٹھوکر مارتی وہاں سے باہر نکل آئی تھی۔

”تم کو تو میں اب بہت اچھی طرح دیکھ لوں گی۔“ جاتے ہوئے ایک پل کو اس کے پاس رک کر کہا اور پھر وہاں سے نکل گئی۔

یہ شخص نجانے یہاں کہاں سے آ نکا۔ سوئمنگ پمکٹس کلب کے بعد اب سامنا ہوا تھا۔ نجانے یہ مری کیا کرنے آیا تھا۔ وہ سامان لے کر باقی واک کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے آگئی تھی۔ ہوئی آ کر اس نے اپنا موبائل آن کیا اور کال ہسٹری چیک کی لیکن کا نام دیکھ کر اس نے کال ملائی جو کچھ دیر بعد کال پک کر گئی تھی۔

”اڑے زبے نصیب اتنے بڑے بڑے لوگ ہمیں کال کر رہے ہیں۔“ کال ریسوہوتے ہی کہا گیا۔

”میرا دماغ بہت خراب ہے اگر چاہتے ہیں کتا رام و سکون سے بات کروں تو اپنی لقمے بازی سے پرہیز

کریں۔“ وہ غصے سے بولی اور قلن ہنس دیا۔
 ”اوکے..... فرمائیں کیا کہنا ہے۔“
 ”ایک دن آپ مجھے سوئمنگ کلب سے لینے آئے
 تھے ناں؟“ اس نے کہا۔
 ”ہاں تو.....“
 ”وہاں ایک لڑکا تھا جس سے میری ان بن ہو گئی تھی یاد
 ہوگا آپ کو؟“ قلن کو وہ واقعہ یاد آ گیا۔
 ”پھر؟“ وہ سنجیدہ ہوا..... ”یعنی کوئی سیریس بات تھی۔“
 ”میں اس لڑکے کی پولیس کمپلین کرانا چاہتی ہوں۔“
 شہرینہ کا انداز قطعاً تھا۔
 ”کیوں؟“
 ”وجہ بعد میں بتاؤں گی پہلے یہ بتائیں کہ آپ میری
 کہاں تک مدد کر سکتے ہیں۔ میرا ساتھ دیں گے یا نہیں۔“
 ”تم کنٹینی پر بندوق رکھ کر کیا منوانا چاہ رہی ہو۔“
 ”کہا ہے ناں وجہ بعد میں بتاؤں گی پہلے یہ بتائیں
 ہاں یا نہیں۔“ انداز دو نوک تھا۔ دوسری طرف قلن نے
 ایک گہرا سانس لیا۔
 ”لیکن کس طرح کی مدد چاہیے۔“
 ”ویسے تو ہر وقت بڑے ڈائلاگ جھاڑتے تھے کہ ہمارا
 رشتہ یہ ہے وہ ہے اب اگر میں کچھ کرنا چاہ رہی ہوں تو پہلو
 بچار ہے ہیں۔“
 ”اف..... بڑی بددماغ لڑکی ہو تم تو“ ہاں بولو کس
 طرح کی مدد چاہیے، اگر بات ہمارے رشتے کی ضمانت
 کی ہے تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں تم وجہ بتاؤ کیوں اس
 لڑکے کے خلاف کمپلین کرنا چاہ رہی ہو؟“ شہرینہ نے
 ایک گہرا سانس لیا۔
 ”یہ مدد صرف وقتی ہوگی جب میرا کام ہو جائے گا مجھے
 آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔“ وہ وجہ بتانے کے بجائے
 شرطیں بتا رہی تھی، دوسری طرف موجود قلن کا جی چاہا کہ اپنا
 سر پیٹ لے۔
 ”تم کچھ بولو گی یا محض دھمکیاں ہی دو گی۔“
 ”بتائی ہوں۔“ جواباً شہرینہ نے اسے اس رات کلب

میں ہونے والی جھڑپ کی وجہ بتا کر اور آج ہونے والی مد
 بھیڑ کے متعلق بتا دیا تھا۔ قلن نے سنجیدگی سے سنا تھا۔
 ”یہ کام میں بابا سے بھی کروا سکتی تھی لیکن اب مجھے ان
 سے کوئی بات نہیں کرنی سوا آپ سے کہہ رہی ہوں۔“ اس
 نے ساتھ جتا بھی دیا تھا قلن نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”وہ لڑکامری میں ہے اس وقت؟“
 ”ہوں۔“
 ”بیک گراؤنڈ کیا ہے اس کا۔“
 ”مجھے کیا علم، اگر مجھے علم ہوتا تو سیدھی پولیس
 اسٹیشن جاتی۔“
 ”ہاں میں جانتا ہوں تمہیں پولیس اسٹیشن جانے کا
 بہت شوق ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اس معاملے میں
 پولیس کو انوالو کیا جائے۔“
 ”کیا مطلب یعنی اسے کھلی چھوٹ دے دوں وہ جب
 چاہے رستے میں آ کر مجھے بلیک میل کرتا پھرے۔“
 ”اس کا کوئی اور بھی حل ہو سکتا ہے یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو
 اگر مجھ پر اعتماد کیا ہے تو مکمل طور پر کرو میں بتا کر داتا ہوں
 اس لڑکے کا۔“
 ”وہ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا اور بابا کے بیک گراؤنڈ کو
 لے کر مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہا تھا۔“
 ”مجھ گیا ہوں میں اسے دیکھ لوں گا تم محتاط رہنا ویسے
 واپسی کب ہو رہی ہے۔“
 ”راستے بند ہیں جیسے ہی راستے کھلیں گے ہم نکل
 آئیں گے۔“
 ”پتا تو کرا چکا ہوں کہ تم کہاں ہو اور کن لوگوں کے
 ساتھ ہو بہر حال محتاط رہنا اب بلا وجہ ہر جگہ چلے جانے کی
 ضرورت نہیں بہتر ہے ہوٹل کے اندر ہی رہو جب تک
 واپسی نہیں ہو جاتی۔“
 ”مجھے زیادہ نصیحتیں کرنے کی ضرورت نہیں آپ کی مدد
 یعنی ہے نصیحتیں نہیں۔“ عجیب سر پھری لڑکی تھی۔ قلن نے
 ایک گہرا سانس لیا۔ اس لڑکی کو کچھ بھی کہنا فضول تھا وہ اپنے
 دماغ کے حساب سے چلتی ہے۔

مغربی ادب کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ



ادب کا نام ہے جس سے ہمارے دل کو سکون ملتا ہے
اسی کا نام ہے اس سے دل کی ہر تپتی ہوا کی

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں کی قلم سے نکلے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شایگانہ کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلہ

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”اوکے، ایز یوش اب پلیز اپنا نمبر آف مت کرنا
کسی نہ کسی سلسلے میں ضرورت پڑ سکتی ہے ویسے ایک
بات تو بتاؤ۔“

”کیا.....؟“

”اس دن کلب کے بعد بھی تمہاری اس لڑکے سے کوئی
بڑھکھڑ ہوئی تھی کیا؟“

”نہیں میں اس دن کے بعد سے کلب ہی نہیں
جاری۔“

”سوئنگ اینٹ کب ہے تمہارا؟“ اگلن نے
مزید پوچھا۔

”میں نے سوئنگ چھوڑ دی ہے۔“ اس نے بے
پرواہی سے کہا جبکہ دوسری طرف اگلن چونکا۔

”کیا مطلب.....؟“

”میں حصہ نہیں لے رہی تھیں نے انکار کر دیا تھا۔“
”کیوں؟“ اگلن کے لیے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔

وہ اس لڑکی کو واقعی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔
”میری مرضی میرا دل کرے گا میں کھیلوں گی نہیں
کرے گا تو نہیں کھیلوں گی۔“ بڑا شاہانہ انداز تھا۔ اگلن

خاموش رہا۔
”اور یہ دارالاطفال والا کیا چکر ہے؟“ اس نے پوچھا تو

شہرینہ نے منہ بتایا۔
”مجھے یہی بات بہت بری لگتی ہے آپ سے مدد لینے کا
فیصلہ لگتا ہے میں نے غلط کیا ہے اب آپ کے سوالات
کے جوابات دوں خواہ وہ آپ کو برداشت کروں میرا خیال
ہے میں اپنا فیصلہ واپس لے لیتی ہوں آپ سے دشمنی ہی
بہتر ہے۔“ مٹی سے کہہ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ کال بند
کر کے سیل اس نے بستر پر پھینک دیا۔

دوسری طرف اگلن اس کے جارحانہ انداز پر حیران رہ گیا
تھا اسے غصہ آئے لگا۔ عجیب لڑکی ہے۔ پہلے خود ہی کال کی
تھی مدد چاہ رہی تھی وہ بھی اپنے طے کردہ اصولوں پر اور پھر
ایک دم بھٹنا کر کال بند کر دی تھی۔ اگلن نے کال ملائی تو کچھ
توقف کے بعد اس نے کال یک کر لی تھی۔

”اب کیا مسئلہ ہے؟“ وہ کاٹ کھانے کو دوڑنے اوڑھے انداز میں بولی۔

”مسئلہ نہیں تھا اور تم نے خود ہی کال کی تھی۔“

”معافی چاہتی ہوں میں اپنی درخواست واپس لے رہی ہوں کرلوں گی میں ہینڈل اس لڑکے کو۔“

”زیادہ طرم خان بننے کی ضرورت نہیں کہدہا ہوں ناں کہ میں دیکھ لوں گا اس لڑکے کو خواہ اس سے اچھے کی ضرورت نہیں۔“ وہ کہدہا تھا شہرینہ نے کال بند کر دی تھی۔

آگن کو اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

شہرینہ کال بند کر کے سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ جذباتیت میں بلا سوچے سمجھے اس نے آگن کو کال ملائی تھی لیکن اب ساتھ ہی پچھتانا شروع کر دیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس نے آگن سے رابطہ کر کے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی اسے یوں رابطہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پہلے کوئی مسئلہ تھا تو فائدہ کو کہہ کر عثمان کے ذریعے حل کرا لیتی تھی لیکن اب نکاح کے بعد سے وہ بدستور ان سے بھی ٹالاں تھی مگر آگن کو کہہ کر بھی اب بچھتا رہی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آگن کو صاف الفاظ میں منع کر دے گی اس لڑکے کو ہینڈل کرنا اس کے لیے قطعی مسئلہ نہ تھا۔

آگن کا ارادہ آج واپس چلے جانے کا تھا لیکن شہرینہ کی کال آنے کے بعد اس کا پروگرام ایک دم بدلا تھا۔ فائدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ جب سنا لی میں کمرے میں بند تھیں۔ آگن دیکھ رہا تھا کہ وہ کافی پریشان اور افسردہ ہونے کے ساتھ ساتھ رنجیدہ بھی تھیں۔ آگن ان کو دیکھنے کمرے میں آیا تو وہ کمرہ تاریک کیے بستر پر دراز تھیں۔

”خالہ جان۔“ آگن نے آواز دی تو فائدہ نے دیکھا آگن نے لائنس آن کر دی تھیں۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی تھی۔

”طبیعت کیسی ہے اب؟“ صبح جب وہ اٹھی تھیں تو ان کو بخار تھا وہ میڈیسن لے کر لائنس سناشتہ کر کے پھر سو گئی تھیں اس کے بعد وہ کمرے میں ہی بند رہی تھیں۔ آگن

ایک دو بار ان کو دیکھنے آیا تھا۔

”بہتر ہوں۔“

”میں نے زبیدہ کو آپ کے لیے سوپ پکانے کا کہا تھا منگو آؤں۔“

”ابھی موڈ نہیں۔“

”دوپہر ہو رہی ہے کچھ تو کھالیں ورنہ کمزوری ہو جائے گی۔“

”کچھ نہیں ہوتا مجھے۔“ وہ خود سی سے بولیں۔

”کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں آپ مسلسل پریشان ہیں۔“

”میں تھک گئی ہوں آگن۔ زندگی میں تنہا چلتے چلتے تھک گئی ہوں اب جسم میں ہمت ختم ہو رہی ہے دل کرتا ہے کہیں جا کر ہمیشہ کے لیے گم ہو جاؤں۔“ خود کلامی کا سا انداز تھا۔ آگن نے ان کو ٹوکا نہیں بس غور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

”ہر کوئی مجھ سے ٹالاں، ہر کوئی خفا کیا میں اتنی ہی غلط ہوں آگن؟“ وہ ڈپریشن کا شکار لگ رہی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ انہوں نے بغور آگن کو دیکھا۔ آگن نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا لیکن غلط ٹھہرا دی گئی۔“ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ جیسے اپنے اندر سے تھک کر لڑ جھگڑ کر وہ ہار چکی تھیں۔

”میرا بھی دل کرتا ہے کوئی تو ہو جس سے میں دل کی باتیں کروں اپنی فیلنگو شیئر کروں عثمان فاروق جیسے اتنے بڑے سیاستدان کی بیوی بن کر میں بالکل کھوکھلی ہو چکی ہوں۔“

”بچا جان سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟“ وہ طنزیہ نہیں۔

ان کی ہنسی میں عجیب سادہ تھا۔

”انہوں نے کیا لڑا۔ وہ لڑتے نہیں ہیں وہ مارتے ہیں۔“ جان سے مار دیتے ہیں۔“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ اپنی آنکھوں کو صاف کرتے انہوں نے آگن کو دیکھا۔

”ایک کام کرو گے؟“
 ”جی کیسے“ فلن ان کے پاس بیٹھ گیا اور محبت سے
 ان کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”مجھے گاؤں لے چلو۔“
 ”گاؤں.....!“ اس نے ان کو بغور دیکھا وہ
 سنجیدہ تھیں۔
 ”ہاں گاؤں آج ہی۔“
 ”ٹھیک ہے چلتے ہیں لیکن کچھ دیر بعد، بائیں ایزر چلیں
 گے۔“ فائقہ نے سر ہلادیا۔
 ”میں اماں بی سے ملنا چاہتی ہوں، میں ان کے پاس
 جا کر ان کی گود میں سر رکھ کر کچھ دیر پلکیں ہونا چاہتی ہوں
 میں ان سو کالڈ شواف زندگی سے اکٹا چکی ہوں میں اپنے
 لیے کچھ لمحے چاہتی ہوں مجھے لے چلو گے ناں.....؟“
 فلن نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”جی ضرور۔“
 ”میں تیار ہوں تم زبیدہ کو بھیجو میں پیکنگ کرالوں۔“ وہ
 فوراً ایک دم اٹھ بیٹھیں۔
 فلن نے زبیدہ کو ان کے پاس بھیجا اور خود کچھ دیر بعد
 آنے کا کہہ کر وہ گاڑی لے کر گھر سے نکل آیا تھا۔ اسے چند
 ایک لوگوں سے ملنا تھا۔ یہاں اسے دو گھنٹے لگے تھے فارغ
 ہوتے، بیٹیں وہ پہلے ہی کال کر کے کنفرم کر چکا تھا وہ گھر آیا
 تو فائقہ تیار ہی تھیں۔ وہ ان کو لے کر گاڑی میں آ بیٹھا۔
 ”اماں بی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی، ایک
 عرصہ ہو گیا آپ نے گاؤں جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔“ وہ
 بولا۔ فائقہ مسکرائیں۔
 ”نہیں..... اس بار میں کافی سارے دن وہاں رہوں
 گی۔“ فلن کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کی عثمان فاروق سے کوئی
 ان بن ہوئی ہے، ورنہ وہ تو سالوں بعد گاؤں جاتی تھیں وہ
 بھی عثمان کے ہمراہ ہی گئیں اور واپس آ جاتی تھیں۔ ڈرائیور
 نے ان کو ایئر پورٹ چھوڑا تھا۔ گاؤں سے ڈرائیور لینے آیا تھا
 انہیں گھنٹہ بڑھ لگا گاؤں پہنچنے میں اور اب کافی گہری
 ہو گئی تھی۔ اماں بی کو فائقہ کی آمد کی اطلاع نہ تھی۔ وہ اور بابا

صاحب دونوں فلن کے ہمراہ فائقہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے
 تھے۔ اماں بی تو بہت خوش تھیں۔
 ”تم باہر سے کب لوٹیں، کوئی اطلاع ہی نہیں دی۔“
 ”میں ایک دن پہلے ہی واپس آئی تھی، بس آپ کی
 بہت زیادہ یاد ستا رہی تھی تو فلن سے کہا کہ مجھے گاؤں لے
 چلے وہ لے آیا۔“ انہوں نے محبت سے فلن کو دیکھا۔
 کافی دیر تک وہ چاروں باتیں کرتے رہے تھے۔ فلن
 تھکا ہوا تھا وہ سونے اٹھا تو اماں بی نے فائقہ کے لیے بھی
 کمرہ سیٹ کروا دیا تھا فائقہ گیسٹ روم میں آ گئی تھیں۔ یہ
 مہمان خانہ تھا جو اکثر شہر سے آنے والے ان ہی مخصوص
 مہمانوں کے لیے کھولا جاتا تھا۔



شہرینہ باقی سارا وقت اپنے کمرے میں ہی رہی
 تھی۔ اگلے دن دوپہر کے قریب رستے صاف ہونے
 کی اطلاع ملی تو سب کو روالپنڈی کا اٹلی میٹم ملا تھا۔ وہ سب
 تیار ہو کر نیچے ہال میں پہنچ رہے تھے۔ شہرینہ بھی اپنا
 سامان لے کر نیچے آ گئی تھی۔ سامان گاڑی میں رکھا
 جا رہا تھا جب اپنا سامان دیکھتے شہرینہ کو یاد آیا کہ وہ اپنا
 کیمرہ کمرے میں ہی بھول آئی ہے۔ وہ تھوڑا فلور پر اپنے
 کمرے میں داخل ہوئی تھی لیکن کمرے میں داخل
 ہونے کے بعد وہ ساکت ہی رہ گئی تھی۔
 ”تم.....!“ باقی کے الفاظ اس کے حلق میں ہی رہ گئے
 تھے انے والے نے ہاتھ میں پکڑی کوئی چیز تیزی سے اس
 کے منہ پر رکھی تھی۔ شہرینہ نے شدید مزاحمت کرنا چاہی
 لیکن حملہ اس قدر شدید تھا کہ وہ بس پھڑپھڑائی کی تھی۔
 (ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)



جنوری ۱۹۷۱ء

سمیرا شریف طور

ساگر و نمبر ساگر و نمبر ساگر و نمبر ساگر و نمبر ساگر و نمبر ساگر و نمبر

دیارِ غیر میں کیسے تجھے صدا دیتے
تو مل بھی جاتا تو آخر تجھے گنوا دیتے
تسہی نے ہم کو سنایا نہ اپنا دکھ ورنہ
دعا وہ کرتے کہ آسمان ہلا دیتے



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہرینہ دارالافتال کے بچوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے روانہ ہو جاتی ہے اور اپنی سم بھی آف کر دیتی ہے وہ عثمان اور فائقہ دونوں سے ناراض ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے پروگرام سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کرتی۔ دوسری طرف فلقن گھر کی ملازمہ مکونون کرتا شہرینہ کے حوالے سے پوچھتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتی اسے شہرینہ کی بدتمیزی کا بتاتی پریشان کر جاتی ہے فلقن فوراً ہی شہرینہ کے موبائل پر رابطہ کرتا ہے لیکن دوسری طرف اس کا نمبر بند ہوتا ہے وہ حزیب

شیر آگن اپنے کام میں مصروف تھا جب اس کے دوست کی کال آئی تھی۔ وہ فلقین نور سے متعلق تمام معلومات کی بریفنگ دے رہا تھا۔ اس نے بہت توجہ سے سب سنا۔ کسی اچھے کھاتے پیٹے گھرانے کا لڑکا تھا۔ ماں باپ کافی معقول لوگ تھے پانچ بہن بھائی میں صرف فلقین نور ہی اسپورٹس کی طرف آیا تھا باقی سب اپنے ذاتی کاروبار سے منسلک تھے سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں ایک صرف فلقین ہی غیر شادی شدہ تھا تعلیم واجبی تھی۔

پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مری آنے کے بعد شہرینہ دوسری سم آن کرتی ہے اور اس کا نمبر دار ملاطفال والوں کو نوٹ کر ادیتی ہے شہرینہ بچوں کو لے کر تفریح کے لیے نکل جاتی ہے وہ یہ سب صرف اپنی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ واپس آ کر وہ ان نمبر آن کرنی ہے تو انکس کے بے تحاشانہ مزے ملتے ہیں۔ انکس شہرینہ کو کون کرنا اسے اپنی باتوں سے ضد دلاتا ہے جس پر شہرینہ بھی بد فیضی کا مظاہرہ کر جاتی ہے شہر انکس اسے فائقہ کی کال اور پریشانی کا بتا کر اسے کال بیک کرنے کا کہتا ہے شہرینہ

نقصہ سے سلسلہ منقطع کر دیتی ہے جب انون نمبر سے کال آتی ہے۔ جس پر شہرینہ جھنجھٹائی کال ریسیڈ کر لیتی ہے کال کرنے والا اسے داس اپ پیجھنے کا کہتا حیران کر جاتا ہے شہرینہ داس اپ موصول ہونے پر سرشدر رہ جاتی ہے۔ لیکن اسلام آباد آ جاتا ہے اور اپنے دوست کو شہرینہ کا نمبر دے کر لیکشن ٹریس کرنے کا کہتا ہے کچھ ہی دیر میں شہرینہ کی لیکشن اسے معلوم ہو جاتی ہے۔ شہرینہ دار

مغفال کے ساتھ واپس اسلام آباد آ رہی ہوتی ہے جب ”اس کا نمبر آف ہے میں نے سوچا کس آپ سے ہی یہ پایا تا ہے کہ وہ اپنا کیمبرہ دم میں بھول گئی ہے وہ اپنا اس کا حال احوال پوچھ لیں۔“

مگر یہ لے آتی ہے تو وہاں کسی اور کو دیکھ کر چوکی جاتی ہے

اسے پہلے کہ وہ کچھ بھتی اس کے منہ پر کوئی چیز رکھ کر
 اسے کہیں کہ اپنا نمبر آن کرے میں کال کرتا ہوں۔“ اُن

(ابا گے پڑھیے) نے کہا۔
 "لیکن شہرینہ تو ہمارے ساتھ نہیں ہے۔" دوسری

طرف سے کہا گیا۔

”کیا مطلب آپ کے ساتھ نہیں ہے تو پھر کہاں ہے وہ؟“

”یہ تو ہمیں نہیں معلوم لیکن وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں خود بھی آپ سے رابطہ کرنے والا تھا لیکن آپ کی فوراً کال آگئی۔“ دوسری طرف وہ لوگ بھی پریشان تھے۔ ”لگن کو ان کی آواز دیکھنے سے پریشانی صاف محسوس ہوئی تھی۔“

”آپ کہاں ہیں اس وقت؟“ لگن نے پھر پوچھا۔

”ہم ابھی مری سے نکلے ہیں جیسے ہی ہمیں رستہ کھلنے کی اطلاع ملی تھی ہم لوگوں نے فوراً واپسی کا پروگرام مرتب کیا۔ تقریباً بارہ بجے کے قریب ہم سب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب شہرینہ اپنا کچھ سامان لینے واپس روم کی طرف گئی تھی کافی دیر انتظار کے بعد بھی وہ واپس نہ لوٹیں تو ہم نے ان کے نمبر پر کال کی تھی تو انہوں نے کہا کہ وہ واپس نہیں جا رہی بلکہ کچھ دوستوں کے ساتھ وہ کسی اور جگہ جا رہی ہیں اس کے بعد انہوں نے کال ڈس کنیکٹ کر دی تھی میں نے بار بار کال کی تو پھر کوئی رسپانس نہیں ملا میں دو تین ورکرز کے ساتھ خود اندر جا کر پتا کیا کہ وہ لاک تھا اور ان کا کہیں بھی کوئی اتار پاتا تھا ہم کافی دیر انتظار کرتے رہے اور جب کچھ بھی صورت حال واضح نہیں ہوئی تو ہم نے واپسی کی راہ لی۔“

”مائی گاڈ.....! کیا شہرینہ نے اپنے دوستوں کے بارے میں بتایا تھا کہ جن کے ساتھ وہ جا رہی ہے۔“ لگن نے پوچھا تو دوسری طرف سے جواب مایوس کن لہجے میں ملا۔

”نہیں انہوں نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔“

”اور آپ لوگوں نے اسے فالو اپ بھی کیا یا نہیں۔“

لگن کا انداز چار حانہ تھا۔

”دیکھیں جناب شیر لگن صاحب مس شہرینہ صاحبہ خود مختار لڑکی ہیں وہ ہمارے ادارے میں کام کرنے والوں یا بچوں میں شامل نہیں کہ جن سے باز پرس کی

جاتی، وہ اپنی خواہش اور رضا مندی سے اس ٹرپ میں آئی تھیں اور اپنی مرضی سے وہ سارا ٹرپ گھومتی رہی ہیں ہمارے طے کردہ پلانز ان پر لاگو نہیں ہوتے تھے زیادہ تر ان کا نمبر بند رہا ہے وہ اپنی مرضی و آزادی سے گھومتی رہی ہیں اس لیے ہم ان کے کسی بھی عمل یا رد عمل میں شامل نہیں ہیں ہم خود پریشان ہیں۔“

”کیا وہ اپنا سارا سامان بھی ساتھ لے کر گئی ہیں؟“ ساری بات سن کر لگن اذ حد پریشان ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ سب کچھ حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان کن بھی تھا۔

”نہیں ان کا سامان گاڑی میں موجود ہے بچے بنا رہے تھے کہ ان کا کیمرہ شاید کمرے میں رہ گیا تھا جو لینے گئی تھیں حتیٰ کہ ان کا شو لڈر بھی گاڑی میں ہے وہ ہمارے ادارے کی نیچر زکوہے کرتی تھیں لیکن وہ واپس ہی نہیں آئیں۔“

”ہوئی کی انتظامیہ سے پتا کیا؟“

”میں بتاؤ تو ہاں کہ جب وہ واپس نہیں آئیں تو میں نے ان کے نمبر پر کال کی تھی تب انہوں نے وہ سب کہا جو آپ کو بتا دیا ہے۔ پھر انتظامیہ سے کیا بات کرنی۔“

”تو آپ نے کوئی جانچ پڑتال نہیں کی۔“

”ہم بھلا کیسے کر سکتے تھے شہرینہ میڈم نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہم لوگ واپس چلے جائیں وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ جا رہی ہیں۔“

”جن دوستوں کے ساتھ جا رہی تھیں ان کی تفصیل وغیرہ۔“

”سوری انہوں نے کچھ نہیں بتایا میرے موبائل میں ان کی کال کی وائس ریکارڈنگ ہے میں ابھی وائس ایپ کر دیتا ہوں آپ خود ہی اندازہ لگا لیں۔“ اس کے بعد ایک دو باتوں کے بعد لگن نے کال کاٹ دی۔

تین چار منٹ بعد شہرینہ اور اس آدمی کی کال کی وائس ریکارڈنگ اس کے وائس ایپ پر آچکی تھی۔ لگن نے انہوں کی ساری بات سنی اور بار بار کال سنی۔ کال میں کوئی چیز نہ

تھی جو اسے قبل ہو رہی تھی۔

”سوری ہا جوہ صاحب آپ کو میری وجہ سے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی اصل میں مجھے یہاں کچھ دوست مل گئے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنا واپسی کا پروگرام ملتوی کر رہی ہوں میں اپنے فرینڈز کے ساتھ جا رہی ہوں پلیز آپ لوگ جلیں جائیں میرا ویٹ مت کریں۔“

”اگر کسی نے ہم سے رابطہ کیا تو ہم کیا جواب دیں؟“

”کون رابطہ کرے گا؟“

”آپ کو بتا چکا ہوں ناں کہ آپ کے کزن شیر لگن صاحب مجھ سے رابطے میں ہیں وہ کال کر سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔“

”آپ ان کو کہہ دیجیے گا میں اپنی مرضی سے اپنے فرینڈز کے ساتھ جا رہی ہوں اینڈ ڈیس آل.....“

”لیکن میڈم.....“ اس کے بعد کال بند ہو گئی تھی۔ یہ دو طرفہ گفتگو لگن کو ابھارتی تھی۔

لگن نے بار بار کچھ دلوں میں شہرینہ سے بات کی تھی اب تک اس کی آواز کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا موبائل دیکھا اس کے موبائل میں بھی کال ریکارڈنگ کی ایپ تھی اس کی بہت ساری کالز خود بخود ریکارڈ ہو جاتی تھیں بعض کالز کی وہ ریکارڈنگ کینسل کر دیتا تھا اس نے چیک کیا تو انفسوس وہ شہرینہ کی ایک کال بھی ریکارڈ نہ تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

اس نے اپنا کام سمیٹا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے وقت بھی وہ بار بار شہرینہ کا نمبر ٹرائی کرتا رہا لیکن نمبر مسلسل بند تھا۔ اماں بی اور فائقہ جوتلی کے کھلے لان میں موجود تخت پر بیٹھی گیویں میں مصروف تھیں جب لگن کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے سیدھا لان دونوں کی طرف چلا آیا۔

”السلام علیکم..... آج جلدی آگئے۔“ اماں بی نے پوتے کو دیکھا۔

”جی۔“ لگن کی نظریں فائقہ پر تھیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“

”ہاں اب تو بہت بہتر ہوں۔“

”شہرینہ سے کوئی بات ہوئی آپ کی؟“ لگن نے پوچھا تو فائقہ نے لٹی میں سر ہلایا۔

”نہیں وہ مجھ سے بات ہی کب کرتی ہے۔“ انداز میں افسردگی محسوس ہوئی تھی۔

”آج یا کل؟“ وہ ان دونوں کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا۔

”نہیں۔“

”اس کا نمبر بھی بند ہے۔“ لگن نے کہا تو فائقہ خاموش ہو گئی۔

”کچھ دیر پہلے دارالاطفال کے سربراہ صاحب کی کال آئی تھی بتا رہے تھے کہ وہ لوگ واپس آرہے ہیں جبکہ شہرینہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فائقہ ایک دم پریشان ہوئی۔ جواب لگن نے ساری صورت حال بتا دی۔

”ایک تو یہ لڑکی بھی خجانبے کیا چاہتی ہے باپ کے سامنے ایک نہیں چلتی دوسروں کو پریشان کیے رہتی ہے۔“

فائقہ پریشانی وغصے سے بولیں۔

”کچھ علم ہوا کن دوستوں کے ساتھ ہے؟“

”دارالاطفال والوں کو تو علم نہیں انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے ساتھ ٹرپ پر جانے کا پروگرام شہرینہ کا سر اسرافاتی فیصلہ تھا وہ سارے ٹرپ میں اپنی مرضی سے گھومتی پھرتی رہی ہے ادارے کے قواعد و ضوابط اس پر لاگو نہیں کیے گئے وہ زیادہ تر اپنا موبائل آف ہی رکھتی تھی۔“

اماں بی خاموشی سے ساری بات سن رہی تھی۔

”اللہ خیر کرے گا عثمان کو بتایا تم نے؟“

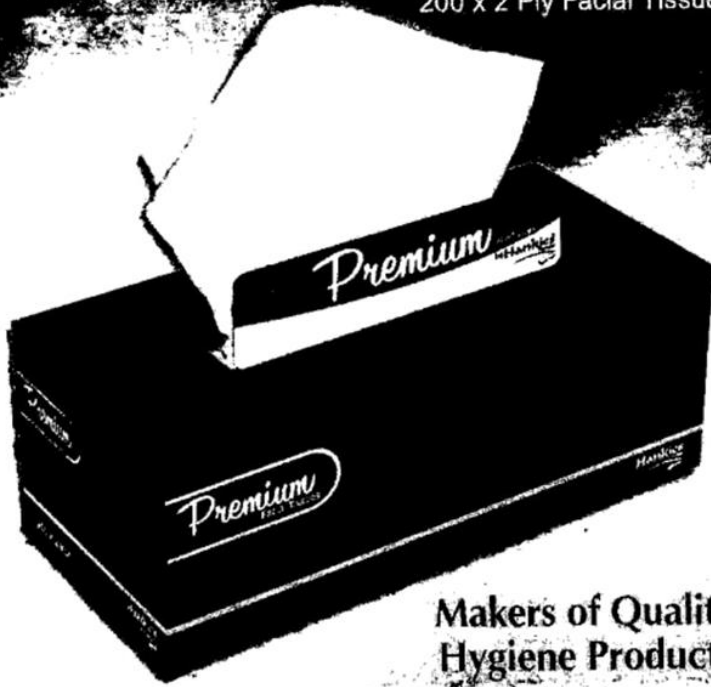
”نہیں..... ابھی تو کسی سے ذکر نہیں کیا۔“

”تم مجھے وہ وائس ریکارڈنگ سناؤ ذرا۔“ فائقہ نے کہا تو لگن نے اپنا موبائل نکال کر ان کو ریکارڈنگ سنائی۔ چند منٹس کی کال تھی۔ فائقہ نے بخور سنا اور پھر اس نے لگن کو دیکھا۔

Hankies
Facial Tissues

Premium

200 x 2 Ply Facial Tissues



**Makers of Quality
Hygiene Products**

Available in
4 different colors



f

”لیکن میں یہاں بھی تو پریشان ہوں گی۔“
”اماں بی آپ کے ساتھ ہیں وہ آپ کو تسلی دیتی
رہیں گی۔“
”لیکن انگن.....“

”چچا جان نے بھی منع کر دیا ہے ان کا بھی یہی خیال
ہے کہ آپ ہمیں رہیں وہ اچھے ہوئے ہیں کہہ رہے تھے
اگر ممکن ہوا تو وہ رات تک واپسی کا شیڈول ہمیں بتا دیں
گے۔“ فائقہ خاموش ہو گئیں۔ انگن چلا گیا۔ فائقہ کم صیم اور
پریشان ہی تھیں۔ وہ عثمان سے ناراض ہو کر یہاں آئی تھیں
لیکن اب شہرینہ کی گمشدگی پر وہ عثمان سے مزید ناراض
نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں آ کر عثمان
کو کال ملائی۔ کال اسسٹنٹ نے انہیں ڈی تھی۔

”مجھے عثمان صاحب سے بات کرنی ہے۔“
”لیکن وہ فری نہیں ہیں آپ کچھ دیر بعد کال کر لیں۔“
فائقہ نے ایک گہرا سانس خارج کر کے کال بند کر دی۔
باقی سارا وقت وہ پریشان الجھی سی کیفیت میں پوری حویلی
میں چکر لگاتی رہی تھیں۔ انگن ہائے پلہن اسلام آباد گیا
تھا۔ انہوں نے کئی بار انگن سے رابطہ کی کوشش کی ایک دو بار
کے علاوہ انگن نے زیادہ تر کال ریسیو نہیں کی تھی۔ تھک ہار
کر وہ تخت پر آ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر عثمان
صاحب کا نمبر ملا یا اور اتفاقاً عثمان صاحب نے ہی کال
پک کی تھی۔

”السلام علیکم۔“ سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی
انہوں نے پوچھا۔
”کیسے ہیں؟“

”کال کیوں کی؟“ سرو لہجے میں انہوں نے پوچھا
جبکہ فائقہ کو اس وقت کسی ہمدرد کا اندھے کی ضرورت تھی جو
شوہر کی صورت میں ہی ان کا غم کم کر سکتا ہے لیکن وہ ہمیشہ
کی طرح مایوس ہوئیں۔

”عثمان پلیز اس طرح مت کریں میں پہلے ہی بہت
ڈسٹرب ہوں۔“
”مجھے آپ کی ڈسٹربنس سے کچھ لینا دینا نہیں۔“

”یہ شہرینہ کی آواز نہیں ہے شہرینہ اس انداز میں بات
ہی نہیں کرتی..... یہ شہرینہ نہیں ہے۔“ اماں بی ایک دم
پریشان ہو گئیں۔
”آپ کو مکمل یقین ہے ناں؟“ انگن نے یقین
دہانی چاہی۔

”ہمارا چوبیس گھنٹے کا ساتھ ہے اس قدر قریبی
رشتہ ہے ہمارا میں بھلا کیسے غلطی کر سکتی ہوں یہ واقعی
شہرینہ نہیں ہے۔“
”اللہ کرم کرے یہ شہرینہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟“
اماں بی نے پوچھا تو فائقہ نے نفی میں سر ہلایا۔
”مجھے نہیں پتا انگن کچھ کرو بیٹا مجھے بہت ٹینشن ہو رہی
ہے۔“ انگن کھڑا ہو گیا۔

”آپ پلیز خود کو ریسیکس رکھیں میں پتا کرتا ہوں۔“
وہ کہہ کر اپنا موبائل لے کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف
چلا آیا۔ فائقہ نے پریشانی سے اماں بی کو دیکھا۔
”پتا نہیں کیوں اماں بی میرا دل گھبرا رہا ہے۔“
”حوصلہ کرو بچہ اللہ پاک خیر کرے گا۔“ انہوں نے
بہو کا ہاتھ پکڑ کر حوصلہ دیا جبکہ فائقہ نے پریشانی سے اپنا سر
دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔



انگن نے عثمان صاحب سے بات کی۔ ساری بات
سننے کے بعد وہ بھی پریشان ہو گئے۔ ہٹل کا نمبر لے کر
انہوں نے کچھ دیر بعد انگن کو کال کی اور انگن کو فوراً اسلام آباد
پہنچنے کو کہا۔ انگن جانے کے لیے تیار تھا جب ہی فائقہ بھی
چلی آئی۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں انگن۔“ فائقہ بھی
بے حد پریشان تھیں انگن کو تیار دیکھ کر انہوں نے بھی فوراً
پروگرام بنایا۔

”نہیں آپ وہاں جا کر پریشان ہوں گی میں چچا جان
کو بتا چکا ہوں کہ آپ حویلی میں ہیں آپ ہمیں رہیں میں
صورت حال دیکھ کر کال کروں گا بس دعا کریں کہ شہرینہ کا
پتا چل جائے بانی سب خیر ہے۔“

”چھوڑیں جاتی ہیں دماغ خراب ہے ان کا خوابوہ
 لکھ رہی ہیں آپ کو دھیان رکھنا چاہیے تھا مایا آنے والی
 ہے وہ ان کی یہ حالت دیکھی گی تو سوچیں کیاری ایکٹ
 کرے گی۔“ وہ عورت ایک گہرا سانس لینے کی توتو نظروں
 سے پہلی والی عورت کو گھورتے پھر ایکس ہوئی۔
 ”میں تم لوگوں کا خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں
 گی میں بار دوں گی تم سب کو۔“ وہ عورت پھر چلا تا
 شروع ہو گئی تھی۔

”دیکھ رہے ہو یہ جب ایسا کرتی ہے تو پھر مجھے غصہ نہ آئے تو کہا کروں میں۔“

”کہا نارے لیکس۔“ اس نے ماں کا کندھا تھپتایا اور پھر بستر کی طرف دیکھا۔

”خالہ جان پلیز اپنی زبان پر کنٹرول رکھیں جانتی ہیں
 ناکہ جتنا بولیں گی اتنی ہی مشکلات بڑھائیں گی اپنے
 لئے۔“ اس نے دنگ اور وارنگ والے لہانہ میں کہا۔

”کھانا کھائیں، میڈیسن بھی لے لیں اگر چاہتی ہیں کہ ماہی کے حق میں سب اچھا ہو تو جیسا کہا ہے ویسا ہی کریں ورنہ آپ جانتی ہیں تاکہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“ بستر پر دراز و جوشہدت سے رونے لگا۔

”چلیں مام۔“ وہ شخص اس عورت کا ہاتھ تھام کر وہاں سے چلا گیا اور عورت بستر کے سرہانے سر رکھ کر اور شدت سے رونے لگی کہ یہ دونا ہی اب اس کے اختیار میں تھا۔

شہرینہ بچوں کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی جب وہ لڑکی وہاں سے نکل رہی تھی۔

”ارے آپ“ وہ لڑکی اسے دیکھ کر فوراً جس ہوا
تھی۔ شہرینہ بھی اسے پہچان گئی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کا
موبائل کل مال روڈ پر گر گیا تھا۔
”میں ابھی یہ خبر ہی ہوئی ہوں۔“ شہرینہ نے بتایا تھا۔
”میں بھی۔“

”آپ کہاں سے ہیں۔“ لڑکی نے پوچھا۔
 ”میں اسلام آباد سے ہوں اور آپ؟“

”ماہی کہاں ہے؟“
”میرے ساتھ تھا۔“

”ماہ تم نے میرا بڑا دماغ خراب کیا ہوا ہے اب جلدی سے ماہی کو لے کر آ جاؤ اس پاگل عورت سے اور زیادہ دماغ ہمیں کھپایا جاتا۔“

”ڈونٹ دری مام کی ول ٹرائی مائی بیٹ۔“
 ”او کے جلدی کرو میرے پاس وقت نہیں ہے بہت
 انتظار کیا ہے میں نے۔“

”او کے ماما ماما ساتھ ہے میرے پھر بات ہوگی
 کے مائے۔“ کال سن کر وہ ہنسی

حسن آرا موبائل کو پڑے کچھ سوچتی رہی آنکھوں
س عجیب سی چمک تھی اور پھر موبائل ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

”میرا نام سحر ہے دو سال پہلے میری شادی ہوئی تھی ہم سٹر لیا ہوتے ہیں یہاں میری نیکی ہوئی ہے جس سے

س ملنے کی تھی۔ "وہ ساتھ چلتے بتا رہی تھی شہرینہ نے مسکرا کر کہا۔"

”اور آپ؟“

سیر امام سہرینہ عثمان ہے اسلام آباد سے ہوں یہاں
سڑپ کے ساتھ آئی ہوئی ہوں۔“

”نہیں، یہ Orphan بچوں کا ایک ادارہ ہے میں۔“

شران کے ساتھ آئی جانی ہوں تو ابھی بھی ان کے ساتھ
آئی تھی۔“

”ہم۔“ دونوں ساتھ چلتی مال روڈ پر کافی دور تک نکل

اس ملاقات میں دونوں کی دوستی ہو گئی تھی وہ دونوں اس

بھی نہیں کہی تھی۔ پھر موسم خراب ہونے کی وجہ سے

بند رہی تھی اور جب رستے کھلے تو وہ سب کے ساتھ

۱۷۹

تھے وہ بھی سامان لے کر گاڑی میں آگئی تھی۔ اس نے اپنا سامان رکھاجاب اچانک یاد آیا کہ وہ تو اپنا کمرہ کمرے میں بھول آئی ہے۔ کمرے کی چابی ہائے چاب اس کے پاس ہی تھی وہ اندر آئی تو رشتہشن پر باجوہ صاحب کھڑے تھے وہ تمام واجبات کلیئر کر رہے تھے وہ ان کو نظر انداز کیے تیزی سے اوپر اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اس نے کمرہ ان لاک کرا اور جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی اجنبی شخص کو دیکھ کر چونکی تھی۔

”تم.....!“ اور اس سے پہلے کچھ اور کہتی اس نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ سحر اس کے چیخنے پر ایک دم گھبرا گئی تھی اس نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

”آہستہ رواؤ گی کیا؟“ سحر کے ہاتھ میں ٹشو تھا جو اس کے منہ پر تھا۔ وہ آہستہ سے بولی تھی اس کے ساتھ اس کا ہر ہینڈ بھی تھا اس کے ہاتھ میں شہرینہ کا کمرہ تھا۔ اس نے سحر کا ہاتھ پیچھے ہٹایا ٹشو نیچے گر گیا تھا۔

”تم ادھر کیا کر رہی ہو..... دروازہ تو لاک تھا ناں؟“ وہ حیران ہوئی اس نے مسکراتے ہوئے اپنے ہر ہینڈ کو دیکھا تھا۔

”وہ میں تمہارے کمرے میں آئی تھی تم وادش روم میں تھی میرے ہر ہینڈ میرے ساتھ تھے میں اور وہ ادھر بالکونی کی طرف کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگے بھی تم وادش روش سے لٹی تھی ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ تم اپنا سامان لے کر نکل گئی چونکہ تو جب جب تم نے دروازہ لاک کیا تھا میں نے اور انہوں نے کئی بار ناک کیا تھا لیکن کوئی بھی ادھر نہیں آ رہا تھا جب دروازہ کھلنے لگا تو وہ دروازے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔“

”تو..... تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔“ اس نے اپنا سانس بحال کیا تھا۔

”تم کہاں جا رہی ہو سامان بھی نہیں۔“

”ہم واپس جا رہے تھے۔“

”تم نے بتایا ہی نہیں۔“ سحر فوراً سنجیدہ ہو گئی تھی۔

”بس ویسے ہی موسم ابھی بہتر ہوا ہے رستے کلیئر تھے تو باجوہ صاحب نے فوراً واپسی کا پروگرام طے کر لیا تھا۔“

”یہ کیا بات ہوئی میں تو تمہیں نہیں جانے دوں گی ابھی تو ہماری دوستی بھی ٹھیک سے نہیں ہوئی۔“ سحر کہہ رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں نمبر دے دیتی ہوں کال کر لینا۔“

”ایسے کیسے میں نے تو اپنے گھر والوں کو کال کی تھی تمہارے بارے میں بتایا تھا وہ سب تم سے ملنے کو اس قدر ایکساٹڈ ہیں میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ساتھ لاؤں گی۔“

”مجھ سے بھلا وہ کیوں اور میں تمہارے ساتھ بھلا کیوں جاؤں گی۔“ وہ حیران ہوئی تھی جس سلام دعا میں کوئی کسی کے گھر تو نہیں چلا جاتا عجیب لڑکی تھی۔

”میں نے تمہاری تعریفیں ہی اتنی کی ہیں۔“

”لیکن میں تو واپس جا رہی ہوں اور میں تمہارے بارے میں بہت اچھی طرح جانتی بھی نہیں۔“

”ارے میں جانے دوں گی تو تم جاؤ گی پلیز مان جاؤ ناں پلیز میری فیملی تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی رینا..... پلیز۔“

”لیکن یا رے کیسے مان جاؤں۔“

”آپ ہی اسے کہیں ناں۔“ وہ اپنے ہر ہینڈ کو بولی تھی جو اتنی دیر سے خاموش تھا۔

”پلیز آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہمیں بہت خوش ہوگی۔“

”لیکن ہم لوگ تو نکلنے والے ہیں سوری۔“

”آپ ان کو منع کر دیں ہم خود آپ کو اسلام آباد چھوڑ کر آئیں گے۔“

”پلیز شہرینہ مان جاؤ ناں۔“ سحر بھی بے ہمت تھی۔

”اور شہرینہ نے اسے دیکھا تھا پتا نہیں کیوں اس کا دل اس کے دماغ کے مخالف ہوا تھا۔“

”ہم خود چھوڑ کر آئیں گے میں اور میرے ہر ہینڈ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلنے کی آفر کرنے ہی

آئے تھے لیکن تم نے ہمیں دیکھا ہی نہیں دروازہ لاک کر کے نکل گئی پلیز ہمیں بہت اچھا لگے گا پلیز۔“ اس نے شہرینہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور شہرینہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔

”اوکے۔“ اس نے ایک ہل کو کچھ سوچا تھا۔ اس گھر میں واپس جانے کا اس کا دل نہیں تھا لیکن وہ بہت زیادہ دن منظر سے غائب بھی ہو سکتی تھی اب اگر اسے موقع مل رہا تھا تو کیا حرج تھا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”میں باجوہ صاحب کو بتا دیتی ہوں اور اپنا سامان بھی لے لیتی ہوں۔“ اس نے کہا تو دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”ارے سامان کو چھوڑو ہمارے گھر جا کر تمہیں قطعی پریشانی نہیں ہوگی۔“

”لیکن میرا بیگ۔“ اس نے کہنا چاہا۔

”وہ ہے جا کر خود لے آتے ہیں بلکہ یہ کی بھی دے دو یہ دروازہ لاک کر کے دے آتے ہیں تم ہمارے ساتھ ہمارے کمرے میں آ جاؤ۔“ اس نے سر ہلایا تھا وہ ان کے کمرے میں آگئی تھی اس کا ہر ہینڈ کمرہ دے کر چابی لے کر نیچے چلا گیا تھا تھی اس کے نمبر پر باجوہ صاحب کی کال آ گئی تھی۔

”کون ہے۔“

”باجوہ صاحب۔“

”لائیں میں بات کروں۔“ وہ کہہ رہی تھی شہرینہ نے حیران ہو کر دیکھا۔

”کیوں۔“

”بس ویسے ہی مزہ آئے گا۔ تم دو تو سہی یقیناً میرے ہر ہینڈ نے نیچے جا کر بتایا ہوگا تو انہوں نے کال کی ہوگی تم تو انکار نہیں کر پاؤ گی دیکھو میں کیسے انکار کرتی ہوں۔“

اس نے کہا تو شہرینہ نے کندھے اچکا کر اپنا موبائل اسے تھما دیا تھا۔

”سوری باجوہ صاحب آپ کو میری وجہ سے انتظار

کی زحمت اٹھانا پڑی اصل میں مجھے یہاں کچھ دوست مل گئے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنا واپسی کا پروگرام ملتوی کر رہی ہوں۔ میں اپنے فرینڈز کے ساتھ جا رہی ہوں پلیز آپ لوگ واپس چلے جائیں میرا ویت مت کریں۔“ وہ ہو ہو اس کے انداز کو کاپی کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ ہنس دی تھی۔

”کون رابطہ کرے گا۔“ شہرینہ نے اسے بس بات کرتے دیکھا تھا۔

”اوہ اچھا۔“

”آپ ان کو کہہ دیجیے گا میں اپنی مرضی سے اپنے فرینڈز کے ساتھ جا رہی ہوں اینڈ ڈیس آل اوکے ہائے۔“ اس نے کال کاٹ کر فائنل نظر لوں سے شہرینہ کو دیکھا جو ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”دیکھا میں نے ٹھیک بات کی ہے ناں۔“

”ہاں بالکل۔“ وہ ہنس دی تھی۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب جسٹ فارا بجوائے منٹ ہے اور وہ ہمیشہ ایسی باتوں کو انجوائے کرتی تھی۔

”لاؤ اب میں سر باجوہ صاحب کو کال کروں اچھی طرح سمجھا دیتی ہوں۔“

”ارے رہنے دو میں نے کہہ دیا ہے۔“ اس نے اس کا موبائل پیچھے کر لیا تھا۔

اس کے بعد کال آئی تو اس نے کال دی تھی۔ کچھ دیر بعد پھر کال آئی تو سحر نے نمبر آف کر دیا تھا شہرینہ کو عجیب سا لگا تھا۔

”میرا خیال ہے مجھے ایک دفعہ ان سے بات کر لینی چاہیے۔“ وہ سنجیدہ تھی۔

”ارے رہنے دو ناں تم نے ایک فیصلہ تو کر لیا ہے ناں ہمارے ساتھ جانے کا پھر بار بار بات کرنے کا فائدہ میں نے کہہ تو دیا ہے ناں تو بات ختم۔“

”لیکن سحر یہ بھی اچھا نہیں لگتا یوں محض ایک دو دن کی جان پہچان کی بنا پر میں اٹھ کر تم لوگوں کے ساتھ چل دوں ہاں تم لوگ یہاں اگر رکتے تو میں تم لوگوں کے

ساتھ گھوم پھر لیتی۔“
”چلیں اس بارے میں بھی سوچتے ہیں لیکن تم ہمارے ساتھ ایک دفعہ ہمارے گھر ضرور جاؤ گی۔ یہ فائل ہے۔“ وہ پھر بے غم ہوئی تھی۔
”دیکھتے ہیں۔ وہ بعد کی بات ہے فی الحال تو میں تم لوگوں کے ساتھ کچھ وقت یہیں گزارنا چاہوں گی۔“
اس کا انداز حتی تھا۔ کچھ دیر بعد سحر کا ہزہینڈ بھی خالی ہاتھ آ گیا تھا۔

”آپ میرا سامان نہیں لائے؟“
”وہ نہیں دے رہے تھے کہ ایک انجان شخص کو وہ بھلا سامان کیسے دے دیتے۔“
”تو آپ مجھے کال کر لیتے بلکہ باجود صاحب کو کہتے مجھ سے بات کر لیتے۔“ اس نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔
”انہوں نے کال کی تھی آپ نے کال دی تھی پھر نمبر بھی بند تھا۔“

”اوہ..... کال تو سحر نے کاٹی تھی۔“
”اوہ سوری ڈیزر۔“ سحر ایک دم شرمندہ ہوئی تھی۔
”آپ میرے نمبر پر کال کر لیتے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔
”تمہارا تو موبائل کل کرنے سے ڈیڑھ ہو گیا تھا ناں۔“
”ہاں سوری بار۔“ سحر بار بار شرمندہ ہو رہی تھی۔
”کوئی بات نہیں میں خود جا کر سامان لے آتی ہوں بلکہ باجود صاحب کو بھی اپنا پروگرام بتا دیتی ہوں۔“
”لیکن آپ کی گاڑی تو چلی گئی ہے۔“ سحر کے ہزہینڈ نے بتایا تو وہ پریشان ہوئی۔
”کیا.....؟ لیکن میں نے سارا سامان ہینڈ بیگ تک سب گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔“

”ایم سوری۔“ باجود صاحب نے ہی سامان نہیں دیا میں تو لینے گیا تھا ناں۔“ شہرینہ سر پر کڑک بیٹھ گئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ سحر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
”مجھے کیا معلوم تھا میں نے تو اس لیے موبائل بند کیا تھا کہ کہیں تم ان سے بات کرنے کے بعد اپنا پلان نہ چنچ

کرلو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کی وجہ سے بہت ایک سائیڈ بھی ایم سوری۔“ وہ واقعی شرمندہ ہو رہی تھی۔
”اُس اوکے۔“
”میں بیچ کر لوں گی بلکہ میرا خیال ہے بس یہی آج کا دن آپ لوگوں کے ساتھ گزار لیتی ہوں کل میں واپس چلی جاؤں گی بیگ میرے پاس ہوتا تو اس میں اسے لی ایم وغیرہ تھا خیر کوئی بات نہیں میں بیچ کر لوں گی۔“
”اگر یہ بات ہے تو میں ابھی کیب لے کر گاڑی کے پیچھے جاتا ہوں ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے میں رستے میں سامان لے لیتا ہوں۔“ سحر کا ہزہینڈ بولا تھا۔
”کوئی بات نہیں آئی کین بیچ ٹاٹ۔“
”تھنک یو۔“ دونوں میاں بیوی اس کے مان جانے پر بہت خوش تھے۔
کچھ دیر بعد ان لوگوں نے باہر گھومنے کا پلان بنایا تھا وہ دونوں نیچے آئی تھیں سحر کا ہزہینڈ بھی ساتھ تھا۔ سحر کے ہزہینڈ نے ان کو جانے کا اشارہ کیا تھا اور خود پشپن پر رک گیا تھا اس نے شہرینہ کی طرف اشارہ کرتے چابی دی تو شہرینہ چونکی اس نے پہلے چابی واپس کیوں نہیں کی تھی وہ کچھ دیر کھڑا تھا کچھ کیسٹس گرا رہا تھا اور پھر ان کی طرف آیا تھا۔
”آپ نے اب چابی واپس کی ہے۔“ اس کے ہزہینڈ نے اپنی دائف کو دیکھا اور پھر مسکرایا۔
”جی نہیں سبھی واپس کر دی گئی یہ تو ہمارے اپنے کمرے کی تھی۔“ شہرینہ خاموش رہی۔
کچھ دیر بعد انہوں نے باہر سے ہی ایک کیب ہانڈ کی تھی شہرینہ کا کیمرہ اب اس کے سینے پاس تھا۔
وہ جینز اور کراٹا شرٹ میں ملبوس تھی بال ہمیشہ کی طرح کچر میں قید تھی اور ایک اسکارف گلے میں تھا لوگ کوٹ اس کے وجود کو ڈھانپنے ہوئے تھے ہاتھ پر ہیٹ تھا اور ہاتھوں میں گلوڈ وہ اس حلیے میں واپسی کے لیے تیار ہوئی تھی موبائل اس نے اپنی پاکٹ میں ڈال لیا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی سحر اس کے ساتھ مسلسل باتوں میں لگی ہوئی تھی وہ

خاندانی عظمت و وقار کی آؤ میں جذبات کو مجسروح کرتی داستان

کھوینے کے غم اور پالینے کی خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی

خاص موضوع اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان



عشق سی مادی می جہلی

صائمہ قریشی قلم سے لکھی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر

آنچل کا ایک انوکھا ناول لمحہ بہ لمحہ چونکہ دینے والی کہانی

بہت جلد آنچل کے صفحات پر جلو افروز ہونے والا ناول

مزید معلومات کیلئے 0300-8264242

باتونی لڑکی تھی اس کا ہر بینڈ اگلی سیٹ پر ڈرائیو کے ساتھ تھا۔ پچھلی سیٹ پر سحر اور شہرینہ بیٹھیں۔ یونکی ہاتھیں کرتے ہوئے شہرینہ کو نیند آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ حیران ہوئی سفر کے دوران سونا اس کی عبادت نا تھی جس قدر بھی ممکن ہو وہ سفر میں کبھی نہیں سوتی تھی۔ اس نے خود کو سحر کی باتوں میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ دیر بعد وہ مکمل طور پر سو چکی تھی سحر نے اسے سوتے دیکھا۔

”شہرینہ..... شہرینہ.....!“ اس نے اس کا کندھا ہلایا کر دو تین بار لڑکیاں شہرینہ واقعی گہری نیند میں تھی۔

”یہ واقعی سو چکی ہے۔“ اس نے اپنے ہر بینڈ کو بتایا تھا۔

”کل خان جلدی گاڑی چلاؤ ہمیں ابھی آدھے گھنٹے میں اسلام آباد پہنچنا ہے۔“ اس کے ہر بینڈ نے ڈرائیو کو کہا تھا۔

”جی صاحب۔“ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

”اس پر دھیان رکھنا۔ یہ کم از کم تین چار گھنٹے سوئے گی تم نے نشوونما دو ایک مقدار تحریک استعمال کی تھی یہ نا ہو یہ کچھ دیر بعد اٹھ کر ہمارے لیے مسئلہ بن جائے۔“ وہ اب اپنی بیوی سے مخاطب تھا۔

”میں اس معاملے میں قطعی رسک نہیں لے سکتی تھی جیسا کہ تھا ویسے ہی کیا ہے میں نے۔“

”وہی بہت اسٹرینگ ہے یہ لڑکی میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں ہوں میں ہی نہ سو جائے یہ نہ وہ اسے وہاں سے نکالنا ہی مسئلہ بن جائے۔“

”مجھے ماما کی سب انسٹرکشن اچھی طرح یاد تھیں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے غلطی کیسے کر سکتی ہیں بھائی نے اچھی طرح بتایا تھا کہ کتنی دیر بعد میڈیسن کا اثر ہوگا۔“

”اب اس پر نگاہ رکھنا جلد از جلد ہمیں اسلام آباد پہنچنا ہے۔“ سحر نے سر ہلایا تھا۔ ان کا پلان بی بھی کامیاب تھا دونوں بے حد خوش تھے۔

آٹن نے وہ ساری رات آنکھوں میں گزاری تھی۔ صبح کی سپیدی نے اس کے دل کے احساسات میں عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا۔ شہرینہ کی طرف سے ابھی تک کوئی خیریت کی خبر نہیں مل سکی تھی۔

”آپ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک دن اور رات گزر چکی ہے اور لڑکی کا کوئی اتنا پتا نہیں اگر شہرینہ کا علم نہ ہو کہ تو تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ چچا جان کیا کر سکتے ہیں۔“ وہ شدید غم و غصے کی کیفیت میں تھا۔

”ہم اپنی سی ساری کوشش کر رہے ہیں کچھ وقت تو لگے گا۔“

”کچھ بھی کرو مجھے اگلے دو گھنٹوں میں پازنیو رپورٹ ملنی چاہیے۔“ وہ غصے سے کہہ کر ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

اس نے وہ کمرہ دیکھا جس میں شہرینہ بٹھری ہوئی تھی اس نے وہ کمرہ بھی دیکھا جس میں وہ لڑکا اور لڑکی بٹھریے ہوئے تھے۔ انتظامیہ نے بتایا تھا وہ بہت زیادہ سامان نہیں لائے تھے ایک بڑے سائز والا شولڈر بیگ تھا اور بس اور جب وہ شہرینہ کے ساتھ وہاں سے گئے تھے وہ بیگلیکس میں وہ بیگ لڑکے کے کندھے پر بھجول رہا تھا۔ فالتھ کی مسلسل کالز پر کالز آ رہی تھیں وہ بہت زیادہ پریشان تھیں۔

”کچھ تو ٹھیکو ملا ہوگا آٹن۔“ اب پھر کال آئی تو انہوں نے پوچھا۔

”چچی جان جو کچھ بتا چلا بتا دیا ہے جو ہم ہو جائے اس تلاش کرنا تو آسان ہوتا ہے لیکن جو اپنی مرضی سے کہیں چلا جائے اسے بھلا کیسے ڈھونڈیں میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر ادھر ہوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہوئے ہم لوگ اپنی سی ساری کوشش کر رہے ہیں۔“ دوسری طرف موجود فالتھ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھ سے اب زیادہ انتظار نہیں ہو رہا میں واپس اسان آباد آ رہی ہوں۔“ انہوں نے حتی انداز میں کہا۔

”جسٹ آپ کی مرضی۔ ویسے ماں بی ٹھیک ہیں ناں!“

”مسکسل پریشان ہیں جائے نماز پر ہی زیادہ ترقی۔“

گزار رہی ہیں۔“

”میں کچھ لوگوں سے مل لوں پھر بات کروں گا۔“

”ٹھیک ہے سنو آٹن.....“ انہوں نے کال بند کرتے آٹن کو پکارا تو آٹن نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جی کیسے۔“

”تمہارے چچا جان کی کیا خبر ہے۔“

”وہ روانہ ہو چکے ہیں کافی لمبا سفر ہے واپس آنے میں وقت تو لگے گا ناں۔“

”ٹھیک ہے مجھے اطلاع کرو بنا میں کوشش کروں گی کہ ان کی آمد سے پہلے ہی اسلام آباد پہنچ جاؤں۔“

”جی بہتر۔“ انہوں نے ایک دو اور باتوں کے بعد کال کاٹ دی تھی۔ آٹن وہاں سے مری تھا نے آیا تھا۔

”فالتھین نور کی فیملی کے چند ایک افراد وہاں موجود تھے کافی لوگ ٹھہل رہے تھے۔“

”یہ کیا طریقہ ہے حالت دیکھی ہے کیا بنادی ہے ان لوگوں نے اس کی میں کیس کروں گا آپ سب کے خلاف بے بنیاد الزام لگا دیا ہے میرے بیٹے پر آپ لوگوں نے۔“ وہ پولیس والوں پر برہم ہو رہا تھا آٹن کو دیکھ کر اس پر چلانے لگا۔

”کوئی بے بنیاد الزام نہیں لگا یا لڑکی غائب ہے اور اس واقعے سے پہلے نہ صرف شہرینہ کو تنگ کر رہا تھا بلکہ اسے دھمکیاں بھی دیتا رہا تھا۔“

”لیکن اس کا یہ مطلب تو ہڈی ہے کہ اسی نے اسے غائب کیا ہو۔“

”یہ پولیس کا کام ہے تفتیش کرنا آپ ان کو ان کا کام کرنے دیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سچ ہے یا جھوٹا۔“

”میں اس کی ضمانت کر رہا ہوں یہ لوگ جس طرح مار پیٹ کر رہے ہیں یہ تو میرے بیٹے کو مار ڈالیں گے۔“

”جب تک لڑکی کا پتا نہیں چل جاتا آپ تیل نہیں کر سکتے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے میں میڈیا کو بلوا لیتا ہوں آپ لوگ سیاسی طور پر اثر و رسوخ والے لوگ ہیں تو کوئی عام انسان

میں بھی نہیں ہوں میڈیا کو رتب کرے گا اس کیس کو اگر میرا بیٹا قصور وار ہوا تو خود اس کو سزا دلوانے کی کوشش کروں گا۔“ وہ بہت برہم تھا آٹن نے اسے غصے سے گھورا۔

”میڈیا کو رتب کرانے کی دھمکی مت دیں آپ اپنے بیٹے کو سمجھائیں وہ سچ سچ بیان دے اور شہرینہ کا پتا بتا دے ہم اسے مزید کچھ نہیں کہیں گے اور اگر بات میڈیا تک لے گئے تو پھر سوچ لیں آپ کے بیٹے کے ساتھ بہت زیادتی ہو جائے گی۔“ غصے سے کہہ کر وہ اندر افسران کے پاس آ گیا تھا۔

”کیا بناں؟“

”ہوں سے ان دونوں میاں بیوی کے جو کوائف ملے ہیں ان پر پولیس نے ریڈ کی ہے وہ لوگ وہاں نہیں ہیں۔ ہمارے آڈی اس لوکیشن کے آس پاس ہیں دیکھیں کیا ہوتا ہے نا۔“

”میں نتیجے کے انتظار میں وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں ہوں فالتھین نور سے آپ لوگ کچھ اگلا نہیں سکیاں دونوں کا کوئی اتنا پتا نہیں کیا کریں گے آپ لوگ۔“

”سوری ٹو سے سر لیکن حقائق تو یہی بتا رہے ہیں کہ شہرینہ میم کو کسی نے بھی غائب نہیں کیا بلکہ وہ خود ساتھ گئی ہیں اور جو خود سے غائب ہو اس کو ہم بھلا کیسے تلاش کر سکتے ہیں بلکہ میں سمجھ رہا ہوں کہ فالتھین نور بھی بے قصور ہے اسے واقعی کچھ علم نہیں ہے میرا خیال ہے اسے چھوڑ دینا چاہیے ورنہ اس کی فیملی حقیقت میں میڈیا تک جائے گی اور عثمان صاحب کی ریت و خراب ہونے کا خدشہ ہے۔“ آٹن نے غصے سے افسر کو دیکھا۔

”اگر آپ کو براگ تو سوری لیکن مجھے جو نظر آ رہا ہے بتا دیا۔“ آٹن نے چند لمبے غصے اور تنجید کی سے دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

”ٹھیک ہے فالتھین نور کو چھوڑ دیں لیکن یاد رہے وہ ہماری کھڑکی میں بے شک نہیں ہوگا لیکن ہماری نظر میں ہر وقت رہے گا جب تک شہرینہ کا پتا نہیں چل جاتا۔“

”لیں سر۔“ وہ واپس آ گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں

جنوں کے شوق؟

حصہ 10 سمیرا شریف طور

خواہش جو دل میں تھی اُسے مرنے نہیں دیا
دامن پہ آنسوؤں کو بکھرنے نہیں دیا
وہ میری ملکیت تھا رہا میرے پاس ہی
دل میں اُسے کسی کے اترنے نہیں دیا



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شیر آگن اپنے کام میں اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ وہ شہرینہ سے دوبارہ رابطہ نہیں کر پاتا دوسری طرف شیر آگن کا دوست ثقلین نور سے متعلق تمام معلومات فراہم کرتا ہے ثقلین نور کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہے پانچ بہن بھائی میں صرف ثقلین کا ہی رجحان اسپورٹس کی طرف ہوتا ہے۔ شیر آگن دوست سے بات کرنے کے بعد شہرینہ کا نمبر ڈائل کرتا ہے لیکن اس کا نمبر بند ملتا ہے تب شیر آگن دارالاطفال کے مالک کو کال کرتا ہے اور اس سے شہرینہ کے حوالے سے پوچھتا ہے۔ ملک شیر آگن کو شہرینہ کے واپس نہ آنے کا پتا کر شہرینہ کو دیتا ہے ساتھ ہی شہرینہ کے دوستوں کا بھی پتا دیتا ہے جن کے ساتھ مل کر اس نے اپنی واپسی کا پروگرام کیسٹل کیا تھا اور مالک آگن کو شہرینہ کے ساتھ ہونی بات کی ریکارڈنگ بھی وائس اپ کر دیتا ہے شیر آگن کئی بار کال سنتا اس بات کا اندازہ لگا لیتا ہے کہ شہرینہ کی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ شیر آگن گھر آ کر فائدہ کو بھی وائس کر کے تصدیق کر لیتا ہے کہ آواز کسی اور کی تھی فائدہ کے لیے یہ بات زیادہ پریشان کن تھی کہ شہرینہ کن دوستوں کے ساتھ چلی گئی۔ دوسری طرف شیر آگن عثمان صاحب سے رابطہ کرتا انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کرتا ہے جبکہ فائدہ سے وہ باتیں چھپا گیا تھا عثمان صاحب کی ہدایت پر ہی وہ ہوٹل جہاں شہرینہ ٹھہری ہوئی تھی پہنچ کر معلومات حاصل کرتا ہے وہاں یہ بات سانسے آتی ہے کہ شہرینہ اپنی مرضی سے دو لوگوں کے ساتھ گئی تھی اور یہ بات آگن کو ٹوشوٹل میں بتلا کر دیتی ہے۔ شہرینہ کی ملاقات حادثاتی طور پر بحر سے ہوتی ہے اور بحر اسے مختصر اپنے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ پاکستان نور پر اپنے ہزینڈ کے ساتھ آئی ہے بحر بہت جلد ہی شہرینہ سے دوستی کر لیتی ہے اور اس سے اصرار کرتی ہے کہ وہ بحر اور اس کے ہزینڈ کے ہمراہ اس کے گھر چلے جس پر پہلے شہرینہ انکاری ہوتی ہے لیکن پھر فائدہ اور عثمان صاحب کے رویے کا سوچ کر حامی بھر لیتی ہے تب

بحر اسے اپنے ہزینڈ کے ساتھ اپنے گھر لے جاتی ہے۔
(اب آگے پڑھیے)

نجانے کتنا وقت بیتا گیا تھا۔ اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تو بستر پر کافی دیر تک ساکت لیٹی رہی۔ اس کا دماغ ستا ہوا تھا اور آنکھیں بوجھل تھیں۔ کافی دیر بعد وہ آہستہ آہستہ ماحول سے آشنا ہوئی تو اس کے دل و دماغ میں جھجکے چلنے لگے۔ وہ انجانے میں اپنا بہت بڑا نقصان کر چکی تھی اس نے اجنبیوں پر بھروسہ کیا تھا لیکن نجانے یہ کون لوگ تھے اور پھر اس ناشین نامی لڑکی کی بات۔

”تم کزن ہو ہماری بھی تم سے ملاقات نہیں ہوئی تو سوچا مل ہی لیں۔“ وہ حیران تھی۔ یہ کسی رشتہ داری تھی اور ملنے کا یہ کون سا طریقہ تھا۔

اسے احساس ہو رہا تھا کہ بحر اور اس کے ہزینڈ سے ملنا کوئی اتفاق نہ تھا یہ لوگ پلان کے تحت اس تک آئے تھے۔ اس سے روابط بڑھائے اور سارے ورڈ کے دوران وہ اس کے پیچھے رہے تھے اور پھر موقع ملنے ہی انہوں نے اسے وہاں سے نکال لیا تھا۔ شہرینہ کو احساس ہو رہا تھا کہ جب وہ کمرے میں واپس گئی تھی تب تک ان لوگوں کا پلان کچھ اور تھا اور پھر اس سے واپسی کی اطلاع ملنے پر انہوں نے فوراً نیا پلان تیار کیا۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئے اور پھر جو ہوا تھا وہیں ہوا تھا وہ اسے بہانے سے ساتھ لے آئے اور پھر اس کے سوجانے کے بعد وہ اسے یہاں لے آئے تھے۔

شہرینہ کو رہ کر احساس ہو رہا تھا ماں باپ کی ضد میں وہ بہت کچھ غلط کر چکی ہے وہ ایک دو دن مزید مری میں رکنا چاہتی تھی تاکہ اپنی مرضی سے چند دن بحر کے ساتھ گزار لے لیکن یہ لوگ کیا کرنا چاہتے تھے اسے شک بھی گزر جاتا تو وہ بھی ان دونوں کے جھانسنے میں نہ آتی۔ اب اسے رہ رہ کر انہوں سے ہوا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا یہ رشتہ داروں کی کون سی نوعیت تھی جس اس کے اندر پیدا ہوا تھا۔

وہ یہاں سے نکل سکتی تھی لیکن اب اس نے سوچ لیا تھا وہ ان لوگوں کی اصلیت جانے بغیر یہاں سے نہیں جائے گی۔ وہ دوش روم میں آئی اور منہ ہاتھ دھو یا سناٹا لاش سے دوش روم میں ضرورت کی ہر چیز میسر تھی وہ ٹاول سے چہرہ صاف کرتے باہر آئی۔ قیمتی ساز و سامان سے سجا کرہ مالک کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا وہ کمرے کی اجاوت کو بغور دیکھ رہی تھی دیوار گیر وارڈ روم میں لباس لٹکے ہوئے تھے۔ وہ سب کچھ دیکھنے کے بعد باہر کی طرف مٹلے والی کھڑکی کی طرف آئی۔ پردے کو ہٹا کر اس نے سلائیڈ سرکائی تو جانی کے دوسری طرف کھلا آسمان اور خوب صورت لان کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ خوب صورت رنگارنگ پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔ وہ جذباتی لڑکی تھی۔ ہر چیز کو اپنی جذباتیت کی عینک سے دیکھتی تھی لیکن اس نے سوچ لیا تھا وہ جلد بازی نہیں کرے گی وہ ہر بات کی گہرائی میں جا کر فیصلہ کرے گی وہ کافی دیر تک کھڑکی میں کھڑی رہی۔ اسے عثمان فاروق کے ساتھ دونوں بھائی اور اکلن بھی یاد آیا۔

اکلن کا خیال آتے ہی اس کے چہرے کے اعصاب کھینچنے لگے تھے اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس کے دل و دماغ میں اکلن کے لیے جگہ نہ بن سکی تھی وہ کھڑکی سے ہٹ کر واپس بستر کے کنارے بیٹھی۔ کمرے میں ایک بڑے ساز کی ایل سی ڈی بھی موجود تھی۔ اس نے اٹھ کر ریپورٹ کٹرول اٹھایا۔ اس نے ایل سی ڈی آن کی مختلف چینلوں کی سرچنگ کرتے وہ کافی دیر تک اس میں مصروف رہی اور پھر ایک دم اسے باہر سے آوازیں سنائی دیں تو اس نے فوراً اسکرین آف کرتے ریپورٹ ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بستر کے کنارے ایکٹیو ہو کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور کمرے میں اٹھین نامی لڑکی کے ہمراہ ایک درمیانی عمر کی خاتون اندر داخل ہوئیں۔

”کیسی ہو شہرینہ؟“ وہ والہانہ انداز میں شہرینہ کی

طرف بڑھی۔

شہرینہ اسی طرح سرد تاثرات اور تیور لیے اسے دیکھتی رہی تو وہ عورت مسکرا کر شہرینہ کے پاس ہی بیٹھ گئی جبکہ اٹھین سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”ماشاء اللہ چشم بد دور کتنی خوب صورت ہو تم۔“ اس نے اس کی تھوڑی چھوٹا چاہی لیکن شہرینہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”کون ہو تم؟“ اس کا انداز بدلنا تھا۔ وہ عورت بڑی عجیب سے انداز میں تھی۔

”بالکل اپنی ماں جیسی ہو۔“ شہرینہ کی بھینٹیں تن گئیں۔

”بالکل ویسی ہی خوب صورت وہی انداز، وہی آنکھیں اور وہی قد و قامت یونہی تو تمہارا باپ تمہاری ماں پر نہیں مرنا تھا وہ چیز ہی ایسی تھی۔“ وہ پھر بھی اس کی ہنسی میں بڑا اعامیانہ نہن تھا۔ شہرینہ کے اندر ابال سے اٹھنے لگے۔

”اس طرح کیوں لایا گیا ہے مجھے یہاں اور تم لوگ کون ہو؟“ اس کا بے لچک انداز تھا۔ وہ عورت تہمتہ لگا کر ہنسی۔

”خالہ ہوں تمہاری۔“

”خالہ.....؟“ شہرینہ ششدر رہ گئی۔

عثمان غر حال سے انداز میں بستر پر کمرے اور حسن آرا اطلاع دیتے ہی کال بند کر چکی تھی اور عثمان ان کا پورا وجود پتھر کی صورت بن گیا تھا۔

”کیا بات ہے کیا ہوا کسی کی کال تھی۔“ فائقہ فوراً شوہر کے پاس آئیں اور شوہر نے خالی آنکھوں سے بیوی کو دیکھا۔

”کیا ہوا بتائیں تو سہی کسی کی کال تھی؟“ فائقہ نے عثمان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

”حسن آرا کی۔“ حسن آرا کے نام پر فائقہ کا چہرہ

ایک مہرزد ہو گیا تھا۔

”حسن آرا.....؟“ وہ بے یقین ہی ہوئیں۔

”شہرینہ اس کے پاس ہے۔“ عثمان کا انداز بہت غر حال تھا۔

”کیا.....؟“ فائقہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سر ہلانے لگیں۔

”اکلن کو کال کریں اسے فوراً بلائیں میں ان لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا زندہ دور کر دوں گا سب کو۔“ وہ ایک دم شدید غصے سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور فائقہ کا وجود جیسے ابھی تک زلزلوں کی زد میں تھا۔ شہرینہ حسن آرا کے پاس تھی وہ ابھی تک یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔

”اسے اس کی ماں کے پاس لے چلے ہیں۔“ اس عورت نے کہا تو اٹھین کھڑکی ہو گئی جبکہ شہرینہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ حسن آرا نے اسے ایک دوپٹے دیکھا اور پھر اس کا کندھا ہلایا۔

”میرا تو خیال تھا کہ تم بے خبر نہیں ہوگی کہ تمہاری ماں کون ہے۔“ شہرینہ نے زخمی نگاہوں سے حسن آرا کو دیکھا اور پھر بہت تکلیف سے لب بھینچ لیے۔ ”لیکن یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ عثمان فاروق نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔“ وہ کہہ کر ہنسنے لگی تو جیسے شہرینہ کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

”میرے پاپا کو پتا چل گیا تو تم لوگ مجھے یہاں لے آئے ہو تو وہ تم سب کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ غصے سے بولی تو حسن آرا کھٹکھٹا کر نہیں۔

”تمہارا کیا خیال ہے اتنے سالوں کی مسلسل خاموشی کے بعد اگر اب ہم نے کوئی قدم اٹھایا بھی ہے تو کیا حفاظتی اقدامات نہیں کیے ہوں گے۔“ شہرینہ نے کیونٹو نظر توں سے گھورا۔

”خیر یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم اس قدر بھی لاعلم نہیں ہو۔“

”اسے ماہ آرا کے پاس لے چلو۔“ حسن آرا پھر اٹھین سے مخاطب ہوئیں اس نے شہرینہ کو دیکھا۔ شہرینہ کے وجود میں عجیب سی تڑپ چھوڑ شروع ہوئی تھی اس نے چند لمحوں میں اٹھین کو دیکھا اور پھر وہ ان کے ساتھ چل دی۔ وہ اسی بلندنگ کے ایک طرف بننے کمرے میں آ گئیں۔

کمرے کے پاس آ کر شہرینہ کے دل و دماغ میں ایک عجیب و غریب سی جنگ چھڑ گئی۔ اٹھین نے کی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی شہرینہ کا دل چمکنے لگا وہ دونوں اندر داخل ہوئیں۔

”آؤ ناں۔“ حسن آرا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔ اٹھین نے آگے بڑھ کر لاش آن کیں اور کمرہ تیز روشنیوں میں نہا گیا۔ شہرینہ کا وجود گویا پتھر بن گیا تھا۔ اس کے سامنے بستر پر لیٹا ایک نحیف دُزار وجود تھا۔

”ماہ آرا دیکھو کون آیا ہے؟“ اور ماہ آرا نگاہ پڑے ہی شہرینہ کے اندر گویا زندگی اپنی موت آپ مری گئی تھی۔

”ماں.....؟“ اس کے ہونٹوں سے بے آواز نکلا۔ وہ عجیب سے بھیما کھدو خال والی عورت اس کی ماں تھی انتہائی خوف زدہ چہرہ تھا۔

”ماہی کے بارے میں بتایا تھا ناں کہ ہم اسے لے آئے ہیں دیکھو تمہاری بیٹی کتنی خوب صورت ہے بالکل تمہاری جوانی کا پرتو۔“ اور ماہ آرا اس کا وجود گویا زلزلوں کی زد میں آ گیا۔

”ماہ رخ.....؟“ وہ چیخ کر رونے لگی وہ حسن آرا کو گالیاں اور کوسنے دینے لگیں۔

”کیوں آ گئی ہو تم یہاں بھاگ جاؤ یہ لوگ انسان نہیں درندے ہیں یہ تمہارے جسم کی بولی بولی لوچ کر کھا جائیں گے بھاگ جاؤ یہاں سے کیوں آئی ہو تم یہاں۔“ وہ ہڈیانی انداز میں چیخنے چلانے لگیں اور شہرینہ کے قدموں سے گویا زمین کٹنے لگی تھی۔

”بکواس بند کرو جان سے مار دوں گی تمہیں۔“ حسن

١٠٠

لفظ لفظ سے لگا کر سطر سطر اس سے بھر کر لکھیں گے
یہی کہاں کیا ہے اس سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جزم و سرائے کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
معروف ادیب و فن کار کے قلم سے نکلے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم کیسے دیں کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب سورت اشعار منتخب غزلوں اور انکسارات پر مبنی
موشہوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے کتب خانہ

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آراء کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

”میرا خیال ہے پہلے اماں بی اور باا صاحب کو بتا کر
 مدعوہ لیٹا زیادہ مناسب ہے یہ خاندان کی عزت کی بات
 ہے اس موقع پر بے پروائی نہیں کرتی چاہے حسن آرا بھی
 کوئی عام عورت نہیں ہے اتنا بڑا قدم اس نے پوئی تو نہیں
 اٹھایا ہوگا؟“ عثمان نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔

”آپ سے مشورہ نہیں مانگا میں نے..... میری بیٹی اس عورت کے پاس ہے جس سے مجھے کسی بھی نیک عمل کی کوئی توقع نہیں میں اس عورت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ بہت غصے سے کہا انہوں نے فائقہ نے لب پہنچھ لیے یہاں بچے کے سامنے یوں ذلیل ہونا ان کی آنکھیں

”خالد جان نے ایسی کوئی غیر معیوب بات بھی نہیں
کی یا صاحب وغیرہ سے مشورہ لے لیتا چاہیے۔“ اُقلن
نے سنجیدگی سے کوائف انہوں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
اُقلن کی بہت عزت کرتے تھے اور اب اس سے کچھ
رشتہ بھی ایسا بن گیا تھا کہ وہ اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکے۔

”بہیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا سوچ جان کی بات سو فیصد ٹھیک ہے جس آرا کوئی عام عورت نہیں اور نہ وہ آپ کی ماں کو ویسا ہی حیثیت سے بے خبر ہے اس نے بتا دیا قدم بونچی نہیں اٹھایا ہوگا آنے والے ایکشن میں آپ کی سیٹ کنفرم ہے اور ایسے لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔“ عثمان فاروق بڑے متضعل انداز میں صوفے پر بیٹھ ہوئے تھے۔

”اب یونی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی نہیں بیٹھ سکتے۔“
 ”ہم ان شاء اللہ ضرور قدم اٹھائیں گے اور جو بھی قدم
 اٹھائیں گے سوچ سمجھ کر اٹھائیں گے جس سے شہرینہ کو
 کوئی نقصان نہ ہو اور نہ آپ کی ساکھ متاثر ہو۔“ وہ ابھی
 بھی مطمئن تھا۔ وہ بہت سے معاملات میں مشتعل ہو جاتا
 تھا لیکن اس معاملے میں وہ قطعی مشتعل نہیں ہونا چاہتا

”آپ حسن آراء سے رابطہ کریں پوچھیں کیا چاہتی ہے وہ اس کے بعد ہی پھر کوئی فیصلہ ہوگا میں بھی اماں بی

”ہاں گاؤں.....“ وہ ششدر سی پٹھی رہ گئی۔
 ”دیکھو..... یہ دیکھو“ وہ ہانگوں کی طرح اپنے
 کندھے اور بازوؤں سے کپڑا ہٹانے لگیں۔
 ”اس جسم کی طلب بھی حسن آرا کو اوار میں نے سب
 جلا کر رکھ کر دیا دیکھو“ اور شہرینہ ایک دم مضطرب ہو کر شدت
 سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

عثمان فاروق مسلسل ٹہل رہے تھے۔ فائقہ مگھم مگھم سی خوف زدہ لگا ہوں سے سب دیکھ رہی تھیں اور لگن حیران ہر شدت رکھتا۔ بڑی عجیب سی کہانی تھی جو سننے کو بیٹھی۔

شہرینہ نے فائقہ بیگم کی بیٹی نہ بھی بلکہ کسی ماہ آرائی خاتون کی بیٹی تھی اور شہرینہ کا ایک نام ماہ رخ بھی تھا جو ماہ آرائی کرنے لکھا تھا۔ یہ بات اماں بی، بابا صاحب کے علاوہ دونوں پھوپھیوں اور اس کے والدین بھی جانتے تھے کہ عثمان فاروق نے ایک ایسے خاندان کی لڑکی سے شادی کی تھی جن کی معاشرتی حیثیت ایسی نہ تھی کہ کوئی صاحبِ نزت مان سے رشتے داری قائم کرتا۔

”مجھے لگتا ہے شہرینہ یہ بات جانتی تھی مجھے نہیں خبر سے کیسے علم ہوا لیکن شایان کی شادی کے بعد اس کا رویہ
تھ سے ایک دم بدل گیا تھا ہو سکتا ہے شادی کے دوران
اس نے کسی سے سن لیا ہو لیکن مجھے اب یقین ہو گیا ہے وہ
سب جانتی تھی کہ میں اس کی حقیقی ماں نہیں ہوں۔“
نقہ روئے نگینے۔ انگن نے از حد برہمی سے چچا کو
دیکھا۔

فائقہ کی زندگی کی تمام اوجھی ہوئی گرہیں اس کے سامنے تھیں فائقہ کا گریہ اس کا اضطراب و پریشان ہونا کچھ بھی اب مخفی نہ رہا تھا۔ اس نے ایک ترمیم آمیز نگاہ عثمان فاروقی پر ڈالی۔

”جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب آگے کیا کرنا ہوگا؟“ اگلے
نے براہ راست چچا سے پوچھا۔
”پولیس کی ریڈ ہوگی حسن آرا کے تمام ٹھکانوں پر۔“
بہت سنجیدہ تھے اس نے فائق کو دیکھا۔

آرا نے ایک دم غصے سے آگے بڑھ کر ماہ آرا کے چہرے پر پھینچ مارا تو وہ چار پائی گر گر پڑیں جیٹنا چلانا ختم ہو گیا اور اب وہ شمدت سے رو رہی تھیں۔

”شش آپ خبردار میری ماں کو ہاتھ بھی لگایا تو.....“

شہرینہ ایک دم ماہ آرا اور حسن آرا کے درمیان آئی تو حسن آرا اس دیں۔

”بلے بھی بلے آتے ہی یہ انداز میں تو کھال ہی ہوگئی ہوں دیکھ لے مارا تیری بیٹی تو تجھ سے بھی آگے ہے اب عثمان فاروق سے مقابلہ کرنے میں مزہ آئے گا۔“ وہ ہنس دیں۔ شہرینہ نے اسے نظر انداز کرتے بستر پر بیٹھ کر مارا کو سید کھایا۔

”آرام و سکون سے اپنی ماں کا حال چال دریافت کر لو میں شام میں چکر لگاؤں گی تیرے باپ کو اطلاع دے دی سے اب وہ بھوکے شیر کی طرح ترختا ہوگا اس سے بچنے کے کبھی سدباب کرنے ہیں اب ہمیں۔“ وہ اس کا کال چھو کر کہتے افشین کے ساتھ چلی گئیں۔ دروازہ پھر لاک ہو گیا تھا۔

ماہ آرانے بیٹی کو چند پل بغور دیکھا اور پھر شدت سے روویں۔
 ”کیوں آگئی ہو یہاں.....؟“
 ”دھوکے سے لائی گئی ہوں۔“
 ”عثمان فاروق نے بڑے دعوے کیے تھے تمہاری حفاظت نہیں کر سکا کیادھوکا؟“ شہرینہ نے لب بچھ لیے۔
 ”یہ کیا حالت بنی ہوئی ہے آپ کی کتنے ظالم ہیں یہ

لوگ۔“
 ”ان لوگوں کے ہاں یہی دستور ہے جو ان کی بات
 نہیں مانتا اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔“ ماہ آرا کے نرسو تواتر
 سے بہہ رہے تھے۔

”اور یہ آپ کا چہرہ۔“

”جب عثمان فاروق نے چھوڑا تھا تو دنیا میرے لیے
اندھیر تھی ان لوگوں کے تقاضے مجھے منظور نہ تھے میں نے
تیزاب کر لیا خود راب اور پھر سب کچھ تم۔“

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

اور بابا صاحب سے مشورہ کر لیتا ہوں۔“ اس کا مشورہ معقول تھا۔ عثمان نے سر ہلا کر ایک گہرا سانس لیا۔ حالات ہی اب کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ وہ چاہ کر بھی کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے کہ دوسری طرف ان کی بیٹی بھی جسے وہ بے حد عزیز رکھتے تھے۔



ماہ آرا نے اسے وہ سب بتا دیا جو اسے اب کچھ عرصہ سے جاننے کی جستجو تھی۔ وہ بہت سے لوگوں کے رویوں سے الجھ جاتی تھی اکثر سب کہتے تھے وہ اپنی ماں کا پرتو ہے۔ وہ فائقہ کو اپنی ماں سمجھتی تھی اور ہمیشہ سمجھا تھا کہ وہی اس کی حقیقی ماں ہے اور نہ ہی فائقہ کی بیٹیوں نے اسے کچھ غلط محسوس ہونے دیا تھا۔ اس کی ذات پر اس اندوہناک حقیقت کا انکشاف تب ہوا تھا جب شایان کی شادی پر گئی تھی۔ وہاں وہ آگن اور اس کے رویوں کو لے کر زندگی و موت کا مسئلہ بنائے ہوئے تھی۔

شایان کے ویسے والے دن فائقہ کے کمرے میں ہی تھی فائقہ تیار ہو کر باہر نکل گئیں وہ فائقہ کو تلاش کرتے اماں بی کے کمرے کی طرف آئی تھی لیکن وہاں سے آتی آوازوں کو سن کر وہ رک گئی تھی کمرے میں اماں بی اور عثمان فاروق تھے۔

”حسن آرا مسلسل دھمکیاں دے رہی ہے کہتی ہے ماہ آرا کے ذریعے وہ ہمیں کورٹ میں لے جائے گی اصل میں اس کی نگاہ شہرینہ کے نام کی جائیداد اور ہماری حیثیت پر ہے۔“ یہ عثمان فاروق کی آواز تھی۔ حسن آرا اور ماہ آرا کے ناموں پر نہیں لیکن اپنے نام پر وہ ضرور تھکی تھی۔ ”یہی لیے میں اس عورت سے تمہاری شادی کے حق میں نہ تھی۔“ اماں بی کی آواز پر شہرینہ ٹھٹھکی گئی تھی۔ یہ بھلا کیا بات تھی۔

”اماں بی آپ مجھے بار بار پرانی باتوں کے حوالے مت دیا کریں ماہ آرا سے شادی پر نہ بھی ماضی میں پچھتاہٹا ہوں اور نہ بھی پچھتاؤں گا مجھے اب شہرینہ کے مستقبل کی فکر ہے اس لیے آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں

ورنہ شہرینہ کی ایجوکیشن کمپلٹ ہونے سے پہلے میں اس کا آگن سے رشتہ طے کرنے کے حق میں نہ تھا۔“ ”لو میری باتیں تو ایسے ہی بری لگتی ہیں جنہیں سوچو جب بچی کو بھی اس بات کا علم ہو گیا کہ وہ فائقہ کی نہیں کسی اور کی بیٹی ہے تو سوچو اس کے دل پر کیا بیتے گی۔“ اماں بی کے الفاظ تھے یا کوئی سیسہ شہرینہ تو وہیں ساکت رہ گئی تھی۔ اسے لگا کہ اس کے بدن سے جان نکل گئی ہو۔

”فاروگا ذیک اماں بی کون بتائے گا اسے ویسے بھی میں یہ سب چھپانے کے حق میں تھا مجھے نہیں وہ میری اور ماہ آرا کی جائز بیٹی تھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا میں نے۔“ ”لو خوب کہی تم نے تمہیں تو اس وقت اس لڑکی کے عشق کے بھوت نے بالکل کر رکھا تھا ہماری عزت خاک میں مل جاتی اور فائقہ اپنی طرفی تو اس کی بھی جس لڑکی کو وہ دوست بن چکی تھی وہی اس کے شوہر کو اڑائے لگی اور تم نے فائقہ کو بھی کیا خوب صلہ دیا میں جانتی ہوں اس کی مسکراہٹ کے پیچھے کون سے دکھ چھپے ہوئے ہیں۔“

”آپ سے یہ سب اس لیے نہیں کہا کہ آپ ماضی کو لے کر بیٹھ جائیں اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو میری طرف سے شہرینہ اور آگن کے رشتے کے لیے انکار سمجھ لیں۔“ وہ بہت غصے میں آ کر کہہ رہے تھے اور شہرینہ تو اس حالت میں تھی کہ کانٹو بدن میں خون نہیں۔

”لو یہ خوب کہی تم نے ماضی کی باتیں تو تم نے خود شروع کی تھی شہرینہ ہماری پوتی ہے ہم تو سو جان سے اسے قبول کرتے ہیں وہ تمہارا خون ہے وہ ہمیں اسی طرح عزیز ہے جس قدر قاق اور شیپو۔“ اس سے زیادہ شہرینہ سے نہیں سنا گیا تھا۔ وہ حیران و پریشان کم صم حالت میں وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ شایان کے ویسے کے لیے سبھی لوگ جا رہے تھے۔

وہ کافی دیر تک کم صم سی حالت میں لاؤنج میں بیٹھی رہی تھی اور پھر وہ فائقہ وغیرہ کے ساتھ ہی ہال میں گئی تھی وہاں بھی وہ عجیب سی کشمکش میں تھی وہ فائقہ سے پوچھنا چاہتی تھی لیکن اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ اس کے حواس پر

آگن سے نکاح کی خبر ایک بم کی طرح گری تھی۔ اس خبر نے اس کے دل و دماغ کو بالکل سن کر دیا تھا اور پھر اس کی بات فائقہ سے ہوئی تھی وہ آگن سے نکاح سے انکاری تھی۔

وہ عثمان فاروق سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن بات نہ ہو سکی تھی اور پھر اس کے انکار کے باوجود اس کا آگن سے نکاح ہو گیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اس انکشاف پر پڑمردہ تھی اس نکاح نے اسے بالکل ہی توڑ دیا تھا۔ وہ نجانے کیسے برداشت کر پائی تھی اور پھر واپس آ کر اس کا رویہ بالکل بدل گیا تھا وہ فائقہ اور عثمان فاروق سمیت ہر ایک سے دلبرداشتہ ہو چکی تھی اور پھر اس نے وہ کام کیا جو ان دونوں کی ضد میں وہ کر سکتی تھی لیکن اس کے تمام افعال اس کی اپنی جذباتیت کے تحت تھے اور اس کی جذباتیت نے اسے ان لوگوں کے درمیان لاکھڑا کیا تھا۔ جن کی شہرت اچھی تھی اور نہ ہی ان کے اعمال۔

ماہ آرا سے سب کچھ سننے کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”فائقہ بہت اچھی دوست تھی لیکن میں نے خود غرضی دکھائی وہ عثمان فاروق سے بہت محبت کرتی تھی اور میں عثمان فاروق کی شخصیت پر مرثیٰ بھی تم جانتی ہو مجھے عثمان فاروق سے محبت نہیں ہوئی تھی بلکہ میں نے عثمان فاروق کو مہرے کے طور پر استعمال کیا تھا اور عثمان فاروق ایک سچا اور کھرا انسان تھا وہ میری خود غرضی کو میری محبت سمجھتا رہا وہ میرے لیے اپنے خاندان کے سامنے ڈٹ گیا ہم نے کورٹ میرج کر لی اور پھر وہ مجھے لے کر امریکا چلا گیا۔“ ماہ آرا بتا رہی تھی اور شہرینہ کم صم سی حالت میں اسے دیکھ رہی تھی ماہ آرا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”مجھے عثمان فاروق سے پتا ہے کب محبت ہوئی تھی؟“ شہرینہ نے اسے دیکھا۔

”جب اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔“ وہ ہنسیں۔ شہرینہ کو لگا کہ جیسے وہ خود پر ماتم کنال ہو۔ ماہ آرا کے جھلنے ہوئے چہرے کے تاثرات کچھ اور بھی خوفناک ہو گئے

تھے۔

”میری فطرت میں بے وفائی تھی وفا کرنا کسی بھی ایک مرد کا بن کر رہنا میرے خون میں شامل تھا اس لیے جب مجھے موقع ملا میں نے عثمان کو چھوڑ دیا لیکن عثمان سمجھتا رہا میں یہ سب اس کی محبت میں کر رہی ہوں اس کے خاندان کی محبت میں میں ساڑھیں چلتی رہی اور محبت مجھ پر لعنت بھیجتی رہی جو بوتے ہیں وہی کاٹنا پڑتا ہے عثمان کو چھوڑا تو محبت مجھ سے انتقام لینے لگی میں حسن آرا کے مجھے چڑھ گئی اور پھر میرا برا وقت شروع ہوا میں پچھتائے لگی لیکن وقت میرے ہاتھ سے گزر چکا تھا اور پھر میں نے اپنے اوپر تیزاب گرا کر خود کو ہمیشہ کے لیے عبرت کا نشان بنا لیا۔“ شہرینہ کی آنکھوں سے بہتے آنسو بے اختیار تھے۔ وہ سخت دل کی مالک لڑکی لیکن اس وقت اس کا دل موم کی طرح پھل پھل رہا تھا۔

”لیکن تم ایسے مرت کرنا تم غلط ثابت کر دینا کہ تمہاری رگوں میں میرا خون بھی شامل ہے تم ایک اچھے عزت دار خاندان کی بیٹی ہو تم یہاں سے نکل جاؤ بھی پلٹ کر مت آنا وہ لوگ بہت اچھے ہیں میں بہت سکون میں رہتی تھی کہ میری بیٹی ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہے لیکن جب حسن آرا نے بتایا کہ وہ تمہیں وہاں سے نکال لائے گی تو میں ڈر گئی تھی میں بہت دعائیں مانگتی تھی لیکن میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میری رگوں میں صرف آپ کا ہی نہیں عثمان فاروق کا بھی خون شامل ہے آپ ٹینشن نہ لیں میں حالات سے لڑتا جانتی ہوں ان لوگوں کو میں انہی کے انداز میں اب شکست دوں گی ڈنٹ دوں گی۔“ وہ ماہ آرا کا ہاتھ تھپتہا کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے اطمینان سے دیکھا۔ یہ ایک نہایت خستہ حال کمرہ تھا جس میں ایک واش روم کے علاوہ کپڑوں کی ایک الماری تھی اور باقی زندگی گزارنے کے لیے توڑا بہت سا زور سامان موجود تھا وہ کمرے کا جائزہ لیتے اپنے ذہن میں آنے والے وقت سے نہرا نما ہونے کے لیے

ایک لائحہ عمل ترتیب دیے گئے۔



انہوں نے حسن آرا کو کال کی اور اس کا نمبر مسلسل بند تھا لیکن کے ساتھ ساتھ فائفہ اور عثمان صاحب تینوں ایک جان ہو کر صبر آزما انتظار میں تھے دوسری طرف اماں بی اور بابا صاحب کو بھی اطلاع کر دی گئی تھی۔ بابا صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ محض جذبات میں آ کر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے جو بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو بیٹی کا معاملہ ہے اور سیاسی ساکھ بھی پولیس کو بھی اگر انوالو کریں تو اس انداز میں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو شہرینہ کو بحفاظت واپس لانا یہ بات سب سے اہم تھی۔ انہوں نے کچھ فیئر ڈکوبلوا لیا تھا ان سے معاملہ ڈسکس کرنے کے بعد ان کے مشورے پر انہوں نے سب سے پہلے اب حسن آرا سے کال کر کے اس کے مطالبات جانے تھے۔

ایک دن اور رات اسی کشمکش میں گزر گئے تھے۔ قلعین نور کو چھوڑ دیا گیا تھا اور ان کے والدین سے بھی معذرت کر لی گئی تھی اگلے دن عثمان صاحب کے نمبر پر کال آئی۔۔۔۔۔ ان کے سیکرٹری نے کال ریسیو کی کیونکہ عثمان صاحب کسی میٹنگ میں بڑی تھے لیکن سیکرٹری کو بطور خاص کہہ رکھا تھا حسن آرا نامی کسی بھی خاتون کی کال جب بھی آئے بلانا خیران سے بات کرائی جائے۔ انہوں نے فی الحال کچھ دیر کے لیے میٹنگ ملتوی کرتے کال پر بات کی تھی۔

”کیا چاہتی ہیں آپ؟“

”شہرینہ ہمارے پاس آ چکی ہے ماہ آرا سے کیا گیا نکاح اور طلاق کے کاغذات ہمارے پاس ہیں ہمارے کچھ مطالبات ہیں ہم مل کر بیان کریں گے اگر انکار ہے تو یہ کاغذات ہم میڈیا میں دے دیں گے آپ کی بیٹی کی تصویر کے ہمراہ باقی آپ سمجھ رہی ہیں اور یاد رکھیے گا اگر کسی بھی قسم کی چالاکائی دکھائی تو شہرینہ کے ساتھ بہت برا ہوگا یاد رکھیے گا ہم سے ملاقات کے لیے آپ کو تنہا آنا ہوگا۔ ملاقات کا وقت اور جگہ ہم بعد میں بتا دیں گے اس اطلاع

دی گئی ہے کہ شہرینہ ہمارے پاس ہے ماہ آرا سے مل چکی ہے اور بہت کچھ جان چکی ہے۔“ کہہ کر کال کاٹ دی گئی۔ عثمان صاحب نے کال منقطع ہونے کے فوراً آفیسر کو کال کی۔

”لوکیشن ٹریس کر لی گئی ہے کیا۔“

”جی سر۔“ دوسری طرف موجود آفیسر نے کہا۔

”گڈ۔۔۔۔۔ ڈیٹان صاحب سے کہیں مجھے فوراً کال کریں۔“ انہوں نے ریسیور کریدل پر رکھ کر اپنے موبائل سے لیکن کو کال کر کے ساری صورت حال بتا دی تھی۔

”کب بلایا ہے۔“

”وہ سب بعد میں بتائے گی۔“

”شہرینہ کی کوئی خبر؟“

”کہہ رہی تھی کہ اپنی ماں کے پاس ہے۔“

”اوکے میں آفیسر سے مل لیتا ہوں آپ بے فکر ہو کر میٹنگ اینڈ کریں میں سچ کر لوں گا۔“ عثمان صاحب کافی دیر تک بالکل کم صم سے اپنی سیٹ پر بیٹھے رہے اور پھر انہوں نے اپنے سیکرٹری کو ایک بار پھر میٹنگ ارنیج کرنے کا کہا تھا۔



وہ کل سے ماہ آرا کے پاس ہی تھی اس نے ماہ آرا کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔ ماہ آرا کا تحیف و زور وجود اور اس براس کے چہرے کی بد صورتی شہرینہ کا دل کاٹنے لگتا تھا لیکن وہ اس کی ماں تھی۔ وہ اس کے تمام کام خود کر رہی تھی۔ اس سے حسن آرا ملتے نہیں آتی تھی اور نہ ہی انھیں البتہ تین وقت کا کھانا ضرور آ رہا تھا ماہ آرا کے لیے علیحدہ سے کھانا ہوتا اور اس کے لیے علیحدہ وہ اپنا کھانا بھی ماہ آرا کو کھلا دیتی تھی۔ دو دن عجیب سی کیفیت میں گزارے تھے اگلے دن دوپہر کے قریب حسن آرا آ گئی تھی ساتھ اس کا بیٹا جمال بھی تھا۔

”یہ ماہ رخ ہے۔“

”جی جانتا ہوں بہت اچھی طرح“ پل پل کی خبر رکھی ہے اس کی۔“ دیکھنے کا انداز نہایت عامیانہ تھا کوئی اور ہوتا

انتباہ

گنجلک سے افق حجاب

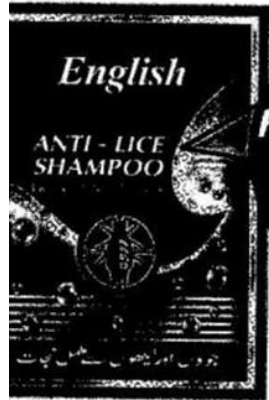
ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آجکل و حجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف جوبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد و ضوابط سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

7 فریڈ جیمز عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی

رابطہ: 03008264242

سرنہ گھجائیں.. Healthy ہو جائیں!



اصل کی پہچان
LOGOGRAPHIC PRINT

5

تو شہرینہ فوراً نکھیں پھوڑ دیتی۔
”یہ میرا بیٹا جمال ہے۔“ حسن آرا نے تعارف کروایا۔ وہ بے تاثر انداز میں بیٹھی رہی۔
”تمہارے باپ کو ہم نے اطلاع کر دی ہے۔“ اس نے چونک کر دیکھا۔
”بڑی دھمکیاں دے رہا تھا لیکن میں جانتی ہوں کچھ نہیں کرے گا“ اپنی عزت کی اسے بڑی فکر ہے اور اس سے زیادہ اس کے خاندان کو۔“ وہ بڑے جوش سے کہہ رہی تھیں۔
”یہ سب کیوں کر رہی ہو تم؟“ ماہ آرا نے پوچھا۔ وہ ہنس دی۔
”کیوں کا سوال رہنے دو جو فوائد میں تم سے حاصل نہیں کر پائی میں وہ سب اب تمہاری بیٹی سے سود سمیت وصول کروں گی۔“
”تمہاری یہ خواہش میں جیتے جی پوری نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ آرا نے چلا کر کہا۔
”تمہارا تو بندوبست بہت جلد کرنے والی ہوں بہت دیکھ بھال کر لی تمہاری کسی اولاد ہوم میں بھجوا رہی ہوں تمہیں اور تمہاری یہ بیٹی یہ تو وہ ہیرا ہے جس کی قیمت صرف اور صرف جو ہری ہی جانتا ہے۔“
”شٹ اپ.....“ شہرینہ کو ایک دم شگڑا یا۔ ”میرے بارے میں کوئی غلط لفظ بھی کہا تو زبان چیخ لوں گی تمہاری۔“ وہ بہت غصے سے بولی۔ وہ اتنی دیر سے اپنے غصہ پر ضبط کر رہی تھی لیکن برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے یہ عورت تو انتہائی سفاک اور ظالم تھی۔
”بڑے تہور ہیں تمہارے تو۔“ وہ اسے سر سے پاؤں تک گھور کر بولی۔ ”لیکن کوئی بات نہیں بڑے بڑوں کو میں نے ان انگلیوں پر نچایا ہے تم کچا چیز ہو خیر سے میرا جمال ہے ناں یہ تم جیسی سر پھری گھوڑیوں کو بہت اچھی طرح لگام ڈال لیتا ہے۔“ وہ بیٹے کی طرف دیکھ کر پھر ہنسی۔
”آپ حکم کریں مام ابھی لگام ڈالنی ہے یا.....“ اس نے کس سے ہوا ہے؟

نے جان بوجھ کر شہرینہ کی طرف دیکھتے معنی خیز انداز میں جملہ اظہار چھوڑا۔
شہرینہ کا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لے لیکن اس نے پامشکل خود پر قابو پایا وہ ماہ آرا سے ان لوگوں کے بارے میں بڑی تفصیل سے سب کچھ جان چکی تھی۔ اسے اب بہت احتیاط سے ان لوگوں کے چنگل سے ٹکنا تھا جس میں وہ اپنی حیاقت اور جذباتیت کے سبب آن پھنسی تھی۔
”ابھی نہیں..... ابھی تو اس کے باپ سے معاملات طے کر لوں اگر معاملات طے نہ ہوئے تو پھر دیکھیں گے۔“ وہ چلتے ہوئے شہرینہ کے قریب آ کر دی۔
”یہ لو اس پر دستخط کرنے ہیں۔“ اس نے اپنے بیگ میں سے کچھ پیپر نکال کر اس کی طرف بڑھائے تو شہرینہ نے الجھ کر دیکھا۔
”کیا ہے یہ؟“
”دیکھ لو۔“ اس نے پیپر لے کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی۔
”یہ تو.....“
”تمہارا جمال سے نکاح کرنا لازمی ہے اور یہ نکاح میں تمہاری ماں ماہ آرا کی مرضی سے کر رہی ہوں پیپر وغیرہ سب کمپلیٹ ہیں بس تمہارے دستخط کرنے کی دیر ہے۔“ شہرینہ کا دل چاہا ان دونوں ماں بیٹے کی اچھی خاصی درگت بنا دے لیکن وہ پھر لب بچ کر رہ گئی۔
”ایم سوری میں اگر چاہوں بھی تو ان پیپر پر دستخط نہیں کر سکتی۔“
”کیوں؟“
”کیونکہ میرا پہلے ہی نکاح ہو چکا ہے۔“ دونوں نے حیران ہو کر شہرینہ کو دیکھا ماہ آرا کے چہرے پر ایک دم رونق سی آ گئی۔
”کب ہوا تھا تمہارا نکاح؟“ جمال نے پوچھا۔
”کیا بتانا ضروری ہے۔“ وہ مطمئن تھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
”کس سے ہوا ہے؟“

”ظاہر ہے کسی لڑکے سے ہی ہوا ہوگا۔“ وہ ہنس دی۔
 دونوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔
 ”میرا تیا زانوہ ہے شیر انگن نام ہے شاید آپ لوگ
 جانتے بھی ہوں میرے متعلق معلومات تو ساری ہوں گی
 آپ کے پاس۔“ حسن آرائے چند پل اسے گھورا۔
 ”اس کا مطلب ہے عثمان فاروق نے بھی سب
 تیاری کر رکھی تھی۔“
 ”بالکل..... انہیں اندازہ تھا کہ آپ لوگوں کے تیر
 ٹھیک نہیں لیکن آپ کو شاید جان کر خوشی ہو کہ میرے لیے
 دنیا میں کوئی قابل نفرت، ہستی موجود ہے تو وہ شیر انگن ہے
 بہت نفرت کرتی ہوں میں اس سے۔“ وہ بہت ہنسکون
 انداز میں بتایا۔ دونوں ماں بیٹے نے حیران ہو کر ایک
 دوسرے کو دیکھا۔
 ”چلیں ایک ذیل کرتے ہیں؟“ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
 اس نے وہ پیر زانی گوشتیں رکھ لیے اور مسکرا کر باری باری
 دونوں ماں بیٹے کو دیکھا۔
 ”مجھے اپنے پاپا ان کا یہ بھتیجا اور اپنا خاندان بالکل بھی
 پسند نہیں.....“ اس نے کہا تو دونوں نے پھر حیران ہو کر
 ایک دوسرے کو دیکھا۔
 ”ماہ رخ کیا کہہ ہے تو.....؟“ ماہ آرائے تڑپ کر
 دیکھا۔
 ”بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔“
 ”ایک عرصے سے میں اس خاندان سے لگنے کی
 کوشش میں تھی مجھے بہت عرصے سے پتا تھا کہ میری ماں
 کون ہے اور میں اپنی ماں تک آنے کے لیے تڑپتی رہی
 ہوں لیکن یہ لوگ، نفرت کرتی ہوں میں ان سے اور جب
 یہ میری نفرت ختم نہ کر پائے تو انہوں نے زبردستی میرا
 نکاح شیر انگن سے کر دیا اب مجھے یہ نکاح ختم کرنے کا
 موقع ملا ہے تو میں یہ موقع نہیں گنواؤں گا۔“
 ”کہنا کیا چاہتی ہو؟“ حسن آرا کا دل لڑا تھا۔
 لڑکی تو خود ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھی۔ جمال
 نے بخور دیکھا۔ شہرینہ کا چہرہ از حد شبیدہ تھا وہ کچھ بھی اخذ

نہ کر سکا تھا۔
 ”بہت صاف اور واضح الفاظ میں اپنے خاندان
 والوں سے قطع تعلقی چاہتی ہوں اور شیر انگن سے طلاق۔“
 ماہ آرا ایک دم چیخنے لگیں۔
 ”دماغ خراب ہے تمہارا کیا کہہ رہی ہو؟ یہ عورت
 بڑی شاطر ہے یہ تمہیں بھی سکون کا سانس نہیں لینے دے
 گی یہ تمہاری بونی بونی کوچ کر بھوکے دردوں کے آگے
 ڈال دے گی۔“
 ”چپ کرو تم.....“ حسن آرائے ڈانٹ کر چپ کرانا
 چاہا تو شہرینہ نے ہاتھ سے روک دیا۔
 ”آپ پلیز اس معاملے میں مت بولیں، مجھے علم
 ہے میں کیا کر رہی ہوں میں کوئی بچی نہیں ہوں جو نکاح
 میری مرضی کے بغیر ہوا ہے اسے ختم کرنے کا حق رکھتی
 ہوں رہ گئی جمال سے نکاح کی بات میں ادھر رہوں گی اور
 اگر مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ سب لوگ ایسے ہیں تو پھر
 سوچوں گی بھی۔“ حسن آرائے خوش ہو کر بیٹے کو دیکھا۔
 وہ بنجید کی سے شہرینہ کو گھور رہا تھا۔
 ”لیکن فی الحال میری طرف سے انکار ہے۔“ اس
 نے پیر زانوہ حسن آرا کی طرف بڑھائے..... وہ
 مطمئن مگر بھی نہایت ہنسکون اور آرام سے تھی۔ ماہ آرا تڑپ
 اٹھی۔
 ”اپنی زندگی تباہ مت کرو یہ عورت تمہیں تباہ کر دے
 گی اس پر یقین مت کرو۔“
 ”ہم کیسے یقین کر لیں کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔“
 ”یقین تو کرنا پڑے گا نہیں تو تمہاری مرضی۔“ اس
 نے کندھے اچکائے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
 ”کل تمہارے باپ کو بلوایا ہے میں نے ان سے اگر
 یہ معاملات طے ہو جائے ہیں تو پھر تمہاری باتوں پر بھی
 سوچیں گے۔“
 ”کیا میں بھی ان سے مل سکتی ہوں؟“
 ”نہیں۔“ قطعی انداز تھا۔ شہرینہ نے بے پروائی سے
 کندھے اچکا دیے۔ دونوں چند پل اسے گھورتے رہے

اور پھر واپسی کے لیے پلٹ گئے۔
 ”مجھے یہ کمرہ رہنے کے لیے پسند نہیں آیا جس
 کمرے میں پہلے کھرا تھا وہ اچھا ہے اس میں شفٹ کر
 دو مجھے۔“ کیا شاہناہ انداز تھا جمال تو حیران رہ گیا۔
 ”مجھے چھوڑ کر جاؤ گی تم؟“ ماہ آرا ایک دم رونے
 لگیں۔
 ”نہیں بلکہ جہاں میں جاؤں گی وہاں آپ بھی ہوں
 گی کیوں ٹھیک ہے نا؟“ اس نے تصدیق کے لیے پھر
 سے حسن آرا کو دیکھا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ حسن آرا مان گئی۔
 ”اور یہ بھی؟“ اس نے ماہ آرا کی طرف اشارہ کیا۔
 حسن آرائے کچھ سوچا اور پھر سر ہلادیا شہرینہ مسکرا دی۔
 ”ٹھیک یوں۔“ وہ دونوں وہاں سے نکل گئے اور شہرینہ
 نے بڑی عجیب نگاہوں سے ان کو جاتے دیکھا تھا۔
 پانچ چھ دن مزید گزر گئے مگر انگن خاموش تھا اور عثمان
 صاحب نے اذیت میں مبتلا ہو کر ایک حتی فیصلہ کیا۔
 انہوں نے آفسرز سے میٹنگ کی انگن اس میٹنگ میں
 شامل تھا اتنے دن گزر گئے لیکن حسن آرا کی طرف سے
 مزید کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ آفسر کا کہنا تھا کہ ایک
 دو دن مزید انتظار کر لیا جائے پچھلی کال ٹریس ہونے پر
 کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا وہ پبلک پلیس تھی۔
 عجیب بات تھی حسن آرائے جب بھی کال کی پبلک
 پلیس سے ہی کی تھی۔ وہ آئے دن ٹھکانے بدلنے والی
 عورت اس کا خاص کوئی ٹھکانہ نہ تھا پتا نہیں آج کل کہاں
 ڈیرے لگا رکھے تھے۔ ماہ آرا سے تعلق ٹوٹا تو عثمان فاروق
 صاحب نے اس عورت کے بارے میں جاننے کی کبھی
 کوشش ہی نہ کی تھی۔
 اس دن کال آئی تھی وہ ملنا چاہتی تھی کسی بھی قسم کی
 ہوشیاری دکھائی تو اچھا نہ ہوگا اس نے خاص تاکید بھی کی
 تھی۔ وہ طے شدہ جگہ اور وقت پر پہنچ گئے تھے۔ حسن آرا
 پہلے سے وہاں موجود تھی۔ حسن آرا کی خاص تاکید تھی کہ

وہ تنہا ہوں وہ شہر کا مشہور ہوٹل تھا۔ کیمین ریزرو تھا۔ حسن
 آرا کے انداز و تیور بڑے قاتلانہ تھے لیکن وہ عثمان فاروق
 تھے۔ بات چیت شروع ہوئی تو وہ کہنے لگی۔
 ”تم اس بار کو سیٹ حاصل نہیں کرو گے تمہیں اپنی
 سیٹ چھوڑنا ہوگی اگر تم بیٹی چاہتے ہو تو تمہیں ہماری بات
 ماننا ہوگی ہمارے پاس ایک مری منٹ ہے اس پر باقاعدہ
 سائن کرنا ہوں گے تمام شرائط طے ہوں گی۔“ عثمان
 فاروق اب تک سمجھ رہے تھے کہ شہرینہ کو لے جانے کے
 پیچھے کوئی مالی اعانت حاصل کرنے کا مقصد ہوگا لیکن
 یہاں تو قصہ ہی نرالا تھا۔
 ”کس نے بھیجا ہے تمہیں؟“
 ”جس کسی نے بھی کی لیکن بات کام کی ہوگی۔“
 عثمان فاروق کا خون کھولنے لگا۔ ان کو ابھی طرح اندازہ
 ہو چکا تھا کہ ان کا کوئی سیاسی حریف انہیں اس عورت کے
 ذریعے دھمکانا چاہ رہا ہے۔
 ”اوکے۔“ عثمان فاروق نے ہاتھ میں پٹنی گھڑی کا
 بٹن دبایا۔ ایک دم کیمین کے ارد گرد چھپے لوگ کمرے میں
 داخل ہوئے تھے۔
 ”تم اچھا نہیں کر رہے تمہاری بیٹی کے حق میں بہت
 برا ہوگا اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر میں واپس نہ آئی تو
 جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ تمہاری بیٹی کا حشر نشر
 کر دیں گے۔“ وہ دھمکا رہی تھی۔ افسران کے ساتھ موجود
 خواتین نے اسے چاروں جانب سے گھیر لیا تھا۔
 ”کن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے؟“ ایک افسر نے
 پوچھا۔
 ”جو بھی ہیں ان کے آدمی ارد گرد ہیں جیسے کہ تم لوگ
 اندر داخل ہوئے ہو اس تک اطلاع پہنچ گئی ہوگی۔“ انگن
 بھی ساتھ تھا۔ انہوں نے عثمان صاحب کو دیکھا۔
 ”اسے لے جائیں جو ہوگا میں دیکھ لوں گا۔“ حتی
 انداز تھا۔ لیڈر نے اس کا بیگ فوراً اپنے قبضے میں کیا
 تلاشی لینے پر موبائل نکال کر انگن کو دیا تھا۔
 ”شہرینہ کہاں ہے؟“ انگن نے پوچھا۔

”میں ایسے نہیں بتانے والی۔“ وہ بہت کانیاں عورت تھی۔

”شہرینہ کہاں ہے؟“ اب کے عثمان فاروق صاحب نے بہت غصے سے پوچھا۔

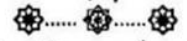
”ایسی جگہ جہاں تم لوگ پہنچ بھی نہیں سکتے۔“ وہ غصے سے بولی۔

”اوکے، اسے لے جائیں۔“ انگن نے افسر کو اشارہ کیا۔

”اچھا نہیں کر رہے ہیں نے وارن کیا تھا کہ اگر ہوشیاری دکھائی تو نقصان تم لوگوں کا ہی ہوگا۔“ عثمان فاروق صاحب خاموش رہے افسران کے ہمراہ اسے وہاں سے لے جایا گیا۔ عثمان فاروق اور شیر انگن بھی اپنی گاڑی میں آگئے تھے۔

”اگر اس عورت نے واقعی کچھ الٹا سیدھا کر دیا تو.....؟“ عثمان فاروق اس وقت صرف اور صرف ایک باپ تھے۔

”پریشان مت ہوں یہ افسران بہت قابل ہیں شیخ کر لیں گے۔“ انہوں نے لب بچھ لے لیے۔ ان کو اندازہ ہو رہا تھا وہ جو کوئی بھی تھا ان کا سیاسی حریف تھا اور یہ عورت ان کے ماضی کو بنیاد بنا کر ان کو بلیک میل کرنے والی تھی۔ ان دونوں کو شہرینہ کی فکر ہو رہی تھی لیکن دونوں ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔



ماہ آرا کے پونے اور بار بار سمجھانے کے باوجود شہرینہ وہی کر رہی تھی جو اس کے دل و دماغ میں تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر بعد ہی کسی اور کمرے میں شفٹ ہو گئی تھیں یہ وہ کمرہ ہرگز نہیں تھا جس میں وہ سب سے پہلے آئی تھی۔ اس کمرے کا یہ فائدہ تھا کہ اس کمرے کی کین اطراف کھڑکیاں تھیں اور اس نے باقی وقت ان کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیتے گزارہ تھا۔ اس بلڈنگ میں کافی آمد و رفت تھی کئی طرح کے مرد مسلسل آتے جاتے تھے کمرے دور دور واقع تھے کافی

بڑی بلڈنگ تھی۔ مختلف لڑکیاں بھی سنواری بیرونی گیٹ سے بائیں طرف بنی عمارت میں آتی جاتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے ماہ آرا سے پوچھا تو اس نے تفصیل سے بتایا۔

”یہ عمارت ایک بہت بڑے ایم این اے کی تھی جو اس نے تحفہ حسن آرا کے نام کر دی تھی پچھلے پانچ سالوں سے وہ لوگ یہاں تھے حسن آرا کا صرف ایک ہی بیٹا جمال تھا باقی اس کی اپنی حقیقی کوئی اولاد نہ تھی۔ حسن آرا کی ماں کا تعلق ریڈ لائٹ ایریا سے تھا ماہ آرا کی ماں حسن آرا کی ماں کی دوست تھی جس نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی لیکن شوہر نے کچھ وقت گزار کر چھوڑ دیا تھا ماں باپ کی عزت تو نیلام ہو چکی تھی اس لیے کس منہ سے واپس جاتی ایک بیٹی کو لے کر حسن آرا کے پاس آگئی تھی اور حسن آرا نے کھلے دل سے اسے پاس رکھ لیا تھا وہ ان کے کام میں شامل ہو گئی تھی لیکن اس نے بیٹی کو ہر ممکن طریقے سے بچانے کی کوشش کی تھی اعلیٰ تعلیم دلائی تھی

ماں کے بعد سارا وصند حسن آرا پر تھا اس نے ماہ آرا کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی تو ماں آڈے آگئی اس کے مرنے کے بعد ماہ آرا پر پھر دباؤ بڑھنے لگا تو وہ خاموشی سے وہاں سے بھاگ گئی تھی کچھ سال بعد حسن آرا کو علم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑے جاگیردار سے شادی رچا کر امریکا چلی گئی ہے تو حسن آرا کے سینے پر جیسے سانپ لوٹنے لگے تھے اور پھر اسے ماہ آرا تک پہنچنے کا موقع مل گیا تھا اور ماہ آرا اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ وہ حسن آرا کے چھانے میں گیا آئی اس کی زندگی سے سب کچھ ختم ہوتا چلا گیا تھا عزت کی زندگی گزارنے کے سبب خواب ملیا میٹ ہوئے تو اس نے خود کو ہی اپنے اوپر تیزاب ڈال کر مرنا سوچا۔

بدبودار جسم کی مالک بد صورت چہرے والی ماہ آرا سے اب کسی کو بھی کوئی غرض نہ رہی تھی وہ ناکارہ برتن کی طرح ایک طرف پڑی رہتی اور پھر کچھ عرصہ پہلے حسن آرا نے بتایا تھا کہ وہ اس کی بیٹی ماہ رخ کو یہاں لائے گی اور ماہ

آرا اس سے لڑ پڑی تھی اور پھر یہ نگرار تو جیسے روز کا معمول بن گئی اور پھر ایک دن اس کی ماہ رخ جواب شہرینہ کی واقعی آگئی تھی ماہ آرا خوف زدہ تھی کہ کہیں حسن آرا شہرینہ کو بھی اپنے گندے کام کا حصہ نہ بنالے اوپر سے شہرینہ کی مرد مار شخصیت۔

وہ اسے سمجھا رہی تھی لیکن شہرینہ نے کوئی رسپانس نہ دیا تھا وہ اس وقت بھی بیرونی دیوار سے کمرے تک کے فاصلے کو انکھوں سے ناپنے کی کوشش میں تھی جب ماہ آرا کی آواز گونجی۔

”تم واقعی اپنے باپ سے نفرت کرتی ہو؟“ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر سر ہٹا لیا۔ باہر کی دیوار سے کمرے تک کا فاصلہ کافی زیادہ تھا لیکن خوش قسمتی سے اس طرف کمرے نہیں تھے۔ یہی آخری کمرہ تھا۔

”وہ بہت اچھا انسان تھا میں ہی اس کی قدر نہ کر سکی۔“ ماہ آرا نے پھر کہا..... وہ اب بھی بے تار کھڑی رہی۔

”یہاں کھانا لانے والی جو عورت ہے وہ کب سے ہے؟“ اس نے کوئی اور ہی سوال کیا۔

”کافی پرانی ہے میرا خیال ہے جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہے تب سے ہی۔“

”یعنی قابل اعتبار نہیں ہے۔“ اس نے خیال آرائی کی تو ماہ آرا نے بغور اسے دیکھا۔

”کیا کرنا چاہتی ہو؟“ وہ مسکرائی۔

”میں نے آج حسن آرا کو ایک آدی کے ساتھ ایک بڑی سی بچا رو میں بیٹھ کر کہیں جاتے دیکھا تھا۔“

”وہ تو روز کیسے نہ کہیں جاتی ہے۔“ ماہ آرا کے لہجے میں نفرت تھی۔

”لیکن وہ کوئی عام انسان نہیں ہے میرے پایا کا سیاسی حریف ہے اکثر پایا کے خلاف بیان بازی کرتا رہتا ہے میرا خیال ہے یہ جو بھی اسی ایم این اے کی ہے۔“ وہ پُر سوچ انداز میں بولی۔

”دیسے میرے یہاں لائے جانے کے پیچھے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”مجھے تو وہ بھی کہتی رہی ہے کہ وہ تجھے اپنے کام میں شامل کرے گی۔“ شہرینہ ہنس دی۔

”مجھے جھیلنا کسی کے لیے اتنا آسان نہیں ہے خیر کچھ دن مزید گزر جائیں خود بخود اس عورت کو اندازہ ہو جائے گا۔“

”تمہارا جس سے نکاح ہوا ہے وہ کیسا انسان ہے۔“

”انتہائی بد تمیز اور ال میٹرو انتہا سے بھی زیادہ نفرت ہے مجھے اس سے۔“

”تم واقعی اسے چھوڑ کر جمال سے شادی کر لو گی۔“ وہ ہنس دی۔

”ہو سکتا ہے۔“ وہ پھر باہر کی طرف دیکھنے لگی تھی اس نے محسوس کیا کہ باہر کے ماحول میں کچھ افراتفری ہی برپا ہوئی تھی۔ اس نے جمال کو تیزی سے ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا وہ چونک کر بغور اسے دیکھنے لگی۔

نجانے کیوں اسے کچھ گڑبگڑ رہی تھی اور پھر اس کے کمرے کا دروازہ تیزی سے کھلنے لگا۔

ماہ آرا اور وہ دونوں چونک گئیں۔ اس کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد شہرینہ کمرے کی چھٹی ضرور چڑھائی تھی البتہ لاک باہر سے ہی لگایا جاتا تھا۔

”دروازہ کھلو جلدی کرو۔“ یہ جمال ہی تھا۔ اس نے ماہ آرا کو دیکھا۔

”نجانے کیا آفت آن پڑی ہے۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی جب ماہ آرا نے چیخ کر کہا۔

”دروازہ مت کھولو۔“

”کیوں؟“

”یہ جمال اچھا لڑکا نہیں ہے یہ اکثر نشہ کر کے رات کو کسی بھی لڑکی کے کمرے میں گھس جاتا ہے۔“

”لیکن اس وقت رات تو نہیں۔“

”میں کہہ رہی ہوں نا کہ تم کھولنا۔“ وہ رک گئی اس نے دوسری طرف کی کھڑکی سے دیکھا وہاں واقعی افراتفری تھی۔ لڑکیاں تیزی سے اپنا سامان سمیٹ کر گاڑیوں میں بیٹھ رہی تھیں۔

Medora
Perfumed Talc

نیو شپ جو ذیل کو بہائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے

Scents Pleasure Cherish Joy Passion Greetings Dignity Salute

نیو شپ جو دنیا کے 8 شگفتہ احسان

MEDORA OF LONDON

”میں کہتا ہوں دروازہ کھولو رات میں دروازہ توڑ دوں گا۔“ وہ پھر چیخا اس نے ایک پل کو سوچا اور پھر کمرے کے ارد گرد دیکھا اور پھر ایک طرف سیڑیوں کے لیے رکھا ہوا شیشے کا گلدان اس نے اٹھایا ماہ آرا سے دیکھ رہی تھی اس نے ایک طرف ہو کر دروازہ کھول دیا۔

وہ تیزی سے اندر داخل ہوا تھا لیکن دروازے کے عقب میں چھپی شہرینہ نے سچ کر گلدان اس کے سر پر مارا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا یا پلٹتا اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس انداز میں اس کے منہ پر مارا تھا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا تھا۔ شہرینہ بلیک ہیڈ ہو لڈر تھی اس نے ایک پاؤں اس کے کندھوں پر مارا اور پھر اس کے سر پر ایک زور لگی ضرب لگائی تھی وہ چند سیکنڈ میں ہی حواس کھو گیا تھا۔

”یہ تو مر گیا۔“ ماہ آرا چیخا۔

”چپ۔۔۔۔۔“ اس نے جلدی سے دروازہ اندر سے بند کیا۔۔۔۔۔ ماں کو ایک طرف کر کے بیڈ شیٹ اتار کر اسے پھاڑ کر اس نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔

ماہ آرا تو ابلی آتھوں کے ساتھ اس مرد قسم کی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اس کی جینسین ٹوٹی جس میں سے والٹ اور موبائل نکال کر وہ فوراً ماہ آرا کی طرف لپکی۔

”جلدی کریں ہمیں یہاں سے نکلتا ہے اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھے ہمیں فوراً نکلتا ہے۔“

”لیکن جمال۔۔۔۔۔“

”زندہ ہے آپ نکلیں بس۔“ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بازو سے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ وہ ماہ آرا کو لے کر باہر نکل تو ایک آدی تیزی سے ان کی طرف آیا۔

”جلدی کریں صاحب کا حکم ہے جتنی جلدی ہو سکے یہ عمارت خالی کرتی ہے ابھی پولیس کی ریڈ ہونے والی ہے گاڑی ادھر ہے جلدی چلیں۔“ وہ جلدی سے گاڑی کی طرف آئی۔ بانی گاڑیاں ایک ایک کر کے نکل رہی تھیں۔ دو تین گاڑیاں خالی تھیں۔ عجیب سی افراتفری مچی ہوئی تھی کسی نے بھی ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ

گاڑیوں کی طرف بڑھتی ایک گاڑی ان لاک تھی لیکن ڈرائیور نہ تھا اس نے جلدی سے ماہ آرا کو فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر فوراً گاڑی اسٹارٹ کی اس سے پہلے کہ ڈرائیور ہاں آتا یا صورت حال سمجھتا اس نے فوراً ٹکے گیٹ سے زن سے گاڑی نکالی۔ چھپے ایک شور تھا ایک ہنگامہ اور وہ منٹوں میں وہاں سے نکل گئی ماہ آرا خاموش تھی۔ اس نے گاڑی چلاتے موبائل آن کیا لیکن وہاں پاس دروازہ لگا ہوا تھا۔ اس نے موبائل ڈیش بورڈ پر پھینکا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی تھی انجان چلے گئی۔ وہ محلوں کی تاخیر کے بغیر یہاں سے نکلتا جاتے ہی کچھ دیر بعد وہ مین روڈ پر تھی۔ اس نے موبائل اٹھا کر پھر کوشش کی تھی لیکن بے سود تھا۔ کافی دیر ڈرائیو کے بعد اسے ایک چھوٹا سا لٹا دکھائی دیا۔ اس نے اس طرف گاڑی موڑ لی تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو اندرونی روڈ پر ہی تھا اس نے کسی سے پی ای او کا پوچھا تو اس نے ایک طرف بے چھوٹے سے کھوکھے کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ اس طرف آگئی تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ کال کرنا چاہتی ہے اس کا موبائل بند ہو چکا ہے تو اس آدی نے اسے ایک موبائل دے دیا تھا۔ اس نے فوراً عثمان فاروق کا نمبر ڈائل کیا لیکن کال ریسپونڈ نہیں ہو رہی تھی اس نے چندا کوشش کے بعد فائدہ کا نمبر ملا یا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ چند منٹوں کے بعد کال ریسپونڈ گئی۔

”میں شہرینہ بات کر رہی ہوں۔“

”ارے شہرینہ کہاں ہو میری جان تم کہاں سے بات کر رہی ہو؟“ دوسری طرف فائدہ اس کی آواز سن کر بے تابی سے پوچھنے لگی۔ اس نے ساتھ ہی ہی ماہ آرا کو دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

”میں ٹھیک ہوں میں اس وقت کہاں ہوں مجھے خود نہیں علم ایک منٹ ٹھہرے میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔“

”یہ کون سی جگہ ہے؟“ اس نے آدی سے پوچھا تو اس نے کوئی مشکل سا نام بتایا تھا اس نے فائدہ کو بتا دیا۔

”پاپا کال ریسپونڈ نہیں کر رہے میرے پاس موبائل

نہیں ہے کسی شاپ سے موبائل لے کر بات کر رہی ہوں
 یا آپ کو کیسے گا میں ٹھیک ہوں میری طرف سے فکر مند ہونے
 کی قطعی ضرورت نہیں، اوکے ہائے۔ اس نے جلدی
 سے کہہ کر کال کاٹ دی۔ موبائل آدی کو تھمایا اور اسے کال
 کی رقم ادا کر کے اس سے رستہ پوچھ کر وہاں سے نکلے۔
 گھنٹہ ڈیڑھ لگا تھا اسے جانے پہچانے رستوں پر
 آتے آتے۔ جوں جوں فاصلہ کم ہو رہا تھا اس کے دل کی
 حالت عجیب سے عجیب تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر اس نے
 چہاں آ کر گاڑی روکی تھی وہ جگہ اس کے لیے قطعی انجان
 نہ تھی۔
 ”دارالاطفال۔“ اس نے ایک گھر اسانس لیتے پارن
 بجایا۔ چونکدار نے باہر نکل کر اسے دیکھا تو گیٹ کھول
 دیا۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے وہ ماہ آرا کا بازو تھام
 کر گاڑی سے نکال کر آفس کی طرف چل دی۔
 سبھی لوگ اسے ایک انتہائی عجیب و غریب حلیے والی
 عورت کے ہمراہ آتے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ وہ
 آفس میں آئی۔ باجوہ صاحب اپنی سیٹ پر موجود تھے وہ
 اسے دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئے اور خفا بھی۔
 ”کہاں تھیں آپ؟ آپ کو شاید علم نہیں آپ کی غیر
 ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے آپ کی فیکٹری کی طرف سے
 ہمیں کتنی شرمندگی مول لینا پڑی ہے۔“
 ”ایم سوری باجوہ صاحب سب کچھ تفصیل سے
 بتاؤں گی، بس اس وقت ایک کام کریں۔ ان کو کسی روم میں
 ایڈجسٹ کرائیں ان کا بائیو ڈیٹا آپ کو مل جائے گا بس یہ
 سمجھ لیں کہ یہ میری بہت قریبی عزیز ہیں۔ میں دوبارہ
 چکر لگاؤں گی اس وقت جلدی میں ہوں پلیز۔“ باجوہ
 صاحب ماہ آرا کی شکل و ہیبت دیکھ کر ہی پریشان ہو گئے
 تھے۔
 ”آپ پلیز ٹینشن نہ لیجیے گا بہت اچھے لوگ ہیں یہ
 میں اپنی فیکٹری کے پاس جا رہی ہوں میں آپ کے پاس
 ہی رکھی یا آپ کو وہیں لے جاتی لیکن ابھی حالات کا
 جائزہ لے کر ہی کوئی قدم اٹھاؤں گی۔“ اس نے حیران و

پریشان ماہ آرا کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔
 ماہ آرا تو ابھی تک حیران تھی کہ کیسے اس نے منٹوں
 میں جمال کو قابو کر کے وہاں سے نہ صرف خود نکلی تھی بلکہ
 اسے بھی نکال لائی تھی۔
 ”ابھی میں اپنے گھر جا رہی ہوں کل ملنے آؤں گی۔
 اوکے۔“ ماہ آرا نے سر ہلا دیا تھا۔
 وہ محبت سے ان کے ٹھکے لگ کر سیدھی ہوئی۔ والٹ
 میں سے کئی نوٹ نکال کر باجوہ صاحب کو دیے۔
 ”ان کو کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہونی
 چاہیے۔ ان کی ہر طرح کی ذمہ داری میری ہے بس یہ
 یہاں رہیں گی کب تک آپ کو بتا دوں گی۔“ باجوہ
 صاحب نے سر ہلا دیا۔
 وہ چابی اٹھا کر وہاں سے نکل گئی۔ گاڑی کے پاس
 آ کر اس نے ایک گھر اسانس لیا اسے یہ سب ایک خواب
 سا لگ رہا تھا۔ وہ آرام و سکون سے اتنے خطرناک لوگوں
 میں سے بچ کر نکل آئی تھی۔ وہ خود بھی حیران تھی وہ ذرا سا
 مسکرائی اور پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔
 فائفٹھ عثمان فاروق اور اگلن کو کال کر کے شہرینہ کی
 کال کے بارے میں بتایا۔
 ”کب کال آئی تھی اس کی۔“ اگلن نے پوچھا۔
 ”کوئی ڈیڑھ گھنٹے ہو گئے ہیں۔“
 ”کیا کہہ رہی تھی..... کہاں ہے وہ؟“
 ”وہ کسی انجان جگہ پر تھی گاؤں کا نام پوچھ کر بتایا تھا
 کہہ رہی تھی کہ وہ رستے میں ہے اور یہ بھی کہ وہ بالکل
 خیریت سے ہے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“
 فائفٹھ نے گاؤں کا نام بھی بتا دیا تھا۔
 ”اس کا مطلب ہے وہ وہاں سے نکل آئی ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے، زیادہ تفصیل نہیں بتائی اس نے۔“
 ”چلیں ٹھیک ہے ہمارے ہیں اس جگہ کا۔“ اگلن
 نے ایک دو مزید باتوں کے بعد کال بند کر دی تھی۔ فائفٹھ
 مسلسل ہل رہی تھی۔ ان کا سارا دھیان شہرینہ میں لگا

انسانیت کے لئے قیمتی تحفہ

8GB اور 16GB میموری کارڈ

جس میں سنوئی دنیا کے سب سے بڑے شیخ
 تاجدار اولیاء حضرت محبوب العلماء و اعلیاء

حافظ حضرت مولانا **ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی**
 کے نامور دست

یہ بیانات تقریباً ہر موضوع پر ہیں۔
 ان بیانات میں اولاد کی تربیت سے لے کر ازدواجی زندگی
 تک ہر موضوع پر بیان ہیں ازدواجی زندگی کے بارے میں
 حضرت نبی نے کتنی قیمتی باتیں بتائی ہیں جو سونے کی سیاحی
 سے کہنے کے قابل ہیں

نوٹ

ہر بیان کے آخر میں جو ہے وہ ضرور نہیں۔

یہ میموری کارڈ بذریعہ ڈاک
 مشکوٰۃ سینے ان ہیز پر مایہ ترین

حافظ محمد جہانگیر

0333-8391699

0305-2012372

ڈیرہ غازی خان

16GB میموری کارڈ قیمت صرف 840 روپے میں

8GB میموری کارڈ

بیانات 415 قیمت 640 روپے

16GB میموری کارڈ

بیانات 650+ تین خراج حضرات

کی آواز میں تین بمل قرآن پاک کی تلاوت

میں بھی کس بات کا خیال نہ کر
 ایک دور کا دل بیت تھے ہیں
 یہ تھا ہمیں آپ
 دامن موری کا دامن نہیں تھی۔

آپ دنیا کے کسی بھی خط میں مقیم ہوں

نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیرانہ فراہم کرتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم کی ضمانت ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام ویزا کارڈ کے لیے

دریے بھیجی جاسکتی ہیں۔

ایڈریس پیرس اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبائل نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسر جیمز ریمبٹن ڈان ڈکری

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

انداز اب جی جلائے والا تھا۔ آگن مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

”تم ان لوگوں تک کیسے پہنچیں۔“ وہ کافی سنجیدہ تھا۔
”کیوں آپ کو ابھی علم نہیں ہوا کہ میں وہاں کیسے پہنچی تھی؟“

”ہر بات کا الٹا جواب..... جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔“
”خواتین! مجھ پر رعب جمانے کی ضرورت نہیں.....

پاپا کو بتانے کی جاز ہوں وہ پوچھیں گے تو سب کچھ بتا دوں گی۔“

”فار یور کانسٹر انفارمیشن تمہارے پاپا سے بھی زیادہ اب تم سے باز پرس کے اختیارات مجھے حاصل ہیں۔“ وہ پھر ہنس دی۔

”عجیب انسان ہیں اب میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں جو ان چیزوں کا علم نہ ہو جانتی ہوں کہ آپ محترم عزت صاحب کے پاس کون سے اختیارات ہیں بار بار یاد کرانے کی ضرورت نہیں۔“ آگن نے غور سے دروازہ کھلا اور عثمان فاروق کمرے میں داخل ہوئے شہرینہ اور آگن دونوں کھڑے ہو گئے تھے۔

شہرینہ کو روک روک کر ان کے اندر جیسے سکون سا اترنے لگا تھا۔ شہرینہ نے سلام کیا تو انہوں نے سر ہلایا وہ اپنی سیٹ پر جانے کی بجائے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔
”کیسی ہو؟“ انہوں نے بیٹی کو بغور دیکھا وہ مسکرا دی۔
”بالکل ٹھیک۔“

”حسن آرا کو تم کب سے جانتی ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔
”ان دن علم ہوا تھا جب ان تک پہنچی تھی۔“

”مجھے سب کچھ تفصیل سے بتاؤ۔“ انداز دو ٹوک تھا۔
اس نے ایک گہرا سانس لیتے ان کو لفظ بلفظ سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا انہوں نے اور آگن نے بالکل خاموشی سے سب سنا تھا۔ وہاں جانے وہاں رہنے حسن آرا سے ہونے والی تمام گفتگو اور وہاں سے نکلنے والی تمام تر کارروائی سمیت ہر بات سچ سچ بتا دی تھی۔

عثمان صاحب کو شہرینہ کے آجانے کی خبر دینے کے لیے انہوں نے ٹیلی فون کا ریسورس استعمال کیا تھا۔

وہ وہاں پہنچی تو سب سے پہلا سامنا عثمان صاحب کے آفس کے سامنے کھڑا فیرز کے ساتھ کھڑے آگن سے ہوا تھا۔ آگن اسے گاڑی سے نکلتا دیکھ کر فوراً اس کی طرف آیا۔
”کیسی ہو؟“

”آپ کی توقع کے بالکل برعکس۔“ وہی ٹیکھا جواب وہی تیکھے چٹون۔

”پاپا کہاں ہیں؟“ وہ تیزی سے آگے بڑھی تو آگن بھی ساتھ ہولیا۔ ساتھ چلتے پوچھا تو آگن نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

”کچھ آفس کے ساتھ بڑی ہیں مجھے بتایا تھا کہ تم آ رہی ہو۔ آفس میں بیٹھے کو کہا ہے ابھی فارغ ہوتے ہیں تو بات کرتے ہیں۔“ وہ خاموش رہی۔ وہ عثمان فاروق کے آفس میں ایک طرف رکھے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھی۔ دوسری طرف آگن بیٹھا تھا۔
”وہاں سے کیسے نکلی؟“ وہ ہنس دی۔

”وہاں سے نکلتا کون سا مشکل تھا میں تو محض اپنی ماں کے بارے میں جاننے کے لیے وہی تھی بلکہ ان کو وہاں سے نکالنے کے لیے اور ان کو وہاں سے نکال بھی لائی ہوں۔“ اس نے ہنس کر بتایا وہی پرانے انداز وہی اطوار ذرا بھی تو فرق نہیں پڑا تھا وہ اپنی طرح بے پرواہی اور ادھر سب کی جان سولی پر آگنی ہوئی تھی۔

عثمان صاحب اتنی راتوں سے سوئے تک نہیں تھے اور وہ خود مسلسل ادھر سے ادھر بھاگتے خوار ہو رہا تھا اور ایک بیٹی جس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں تھا۔
”تم ہو کیا چیز بتانا پسند کرو گی۔“ آگن کا انداز ایسا تھا کہ شہرینہ نے پہلے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنس دی۔
”میں اللہ پاک کی بنائی ہوئی ناچیز سی مخلوق ہوں۔“

ہوا تھا۔ نجانے کہاں تھی وہ اور کس طرح کے حالات کا سامنا کر رہی تھی۔ وہ مسلسل ٹہل رہی تھیں کوئی ایک گھنٹے کے بعد زبیدہ نے آکر بتایا کہ شہرینہ آگنی ہے وہ فوراً اپنے کمرے سے نکلیں لاؤنج میں آئیں تو وہاں صوفے پر شہرینہ کو بیٹھ دیکھ کر بے یقینی ہوئیں۔
”شہرینہ.....“ وہ شہرینہ کے پاس آئیں۔ شہرینہ انہیں دیکھ کر کھڑی ہوئی لیکن اس کے انداز میں ایک جھجک سی تھی۔

”کیسی ہو تم؟“ فائقہ نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ روئے لگیں جبکہ شہرینہ خاموش رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے ان کو خود سے جدا کیا۔

”ہم اتنے پریشان تھے تمہارے پاپا اتنی راتوں سے وہ گھر نہیں آئے سوئے تک نہیں اور آگن وہ تو مسلسل آفس کے ساتھ لگا ہوا تھا تمہیں ڈھونڈنے میں۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میرا موبائل ان لوگوں نے چھین لیا تھا مجھے اپنا موبائل دیں مجھے ابھی پاپا کے پاس جانا ہے۔“ اس نے کہا تو فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ بغور دیکھا چہرہ کھلایا ہوا اور کمزور دکھائی دیا تھا۔ رنگ بھی ڈل سا ہو رہا تھا اور کپڑے وہ بھی انتہائی میلے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی اسے ایسے حلیے میں نہیں دیکھا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا۔
”کھانا کھا لو چھکی ہوئی لگ رہی ہو تمہارے پاپا کو اطلاع کر دیتی ہوں کہ تم گھر پر ہو وہ لوگ خود ہی آ جاتے ہیں۔“

”نہیں مجھے ان سے ابھی ملنا ہے آپ پلیز اپنا موبائل دے دیں۔“ انہوں نے محسوس کیا کہ شہرینہ کے انداز میں ایک تکلف سا تھا۔

”ٹھیک ہے چھج کر لاؤ اور کھانا ضرور کھا لو۔“
”انیم سوری بالکل بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی میں واپس آ کر کھانا کھاتی ہوں۔“ فائقہ خاموش ہو گئیں۔
وہ ان کا موبائل اور گھر والی گاڑی کی چابی کے کرچلی گئی۔ فائقہ نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر

”حسن آراء ہماری توجہ میں ہے وہ سمجھتی تھی کہ تمہیں اپنے پاس رکھ کر وہ ہمیں بلیک میل کر لے گی لیکن خجانیہ کیوں مجھے یقین تھا کہ تمہیں وہ بلیک میل نہیں کر سکے گی؟ اسی یقین کے تحت ہم نے اسے پکڑ لیا تھا وہ جس ایم این اے کی پناہ لے کر یہ سب کرنا چاہ رہی تھی وہ ہمارا سیاسی خریف تھا انویسٹی گیشن جاری ہے پولیس نے ان کے ٹھکانوں پر ریڈ کیا ہے کافی ثبوت وغیرہ ملے ہیں لیکن میری پوری کوشش ہے کہ تمہارا ان سب میں نام نہ آئے۔“

”اس طرح تو ان لوگوں کو سزا نہیں ملے گی۔“ وہ دل سے چاہتی تھی کہ حسن آراء بھی عورت کو سزا ضرور ملے۔
”آپ نہیں جانتیں ایسی عورتوں کے تعلقات کہاں کہاں تک ہوتے ہیں کیا ایم این اے کی ایملیم این اے اور کیا منسٹر بھی ان کی منجھی میں ہوتے ہیں میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ بحفاظت واپس آ گئی ہیں آپ کا بہادری سے سب کا سامنا کرنے کا سن کر میں بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔ لیکن وہیں مجھے بہت تکلیف بھی ہوتی ہے آپ انجان لوگوں پر یقین کرتے ان کی سازش کا شکار ہوتے یہ سب فیس کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔“ وہ واقعی شرمندہ ہوئی تھی۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ وہ اپنی جذباتیت میں اپنے لیے خود گڑھا کھود چکی تھی۔

”ایملیم سوری۔“ اس نے اعلیٰ ظرفی سے قبول کیا۔
”ماہ آرائیگم کہاں ہیں اب؟“
”میں ان کو دارالاطفال چھوڑ آئی ہوں۔“ کچھ دیر تک کمرے میں بالکل خاموش رہی۔

”مجھے بہت افسوس رہے گا کہ آپ لوگوں نے مجھے کبھی بھی اعتماد میں لے کر یہ سب نہ بتایا لوگ اپنی سیدی باتیں کیا کرتے تھے تو میں اچھ جایا کرتی تھی لیکن جب حقیقت کا علم ہوا تو آپ میں سے کوئی نہیں جان سکتا کہ میں کس قدر لوث گئی تھی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے اب علم ہوا ہے تو ایسی بات نہیں میں کافی پہلے سے یہ جانتی ہوں۔“ آنگن نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے

ہوئے تھے اور عثمان صاحب نے بغور اسے دیکھا۔
”میں گلے شکوے کرنے کے حق میں نہیں ہوں اگر اس سب میں، میں بہت حد تک ذمہ دار ہوں تو بہت ساری باتوں کے لیے آپ بھی خطا کار ہیں آپ نے بحیثیت باپ ہمیں نہ تو جلدی اور نہ ہی ہماری توجہ کو قبول کیا اگر ایسے میں جذبات میں آ کر میں کوئی غلط قدم اٹھاتی ہوں تو محض میں اکیلی خطا کار نہیں ہوں۔“ انداز سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔
”آنگن نے عثمان صاحب کو دیکھا جو بالکل خاموش تھے۔ آنگن فوراً بولا۔

”جو ہوا اس پر بحث کرنا کا ان کوئی فائدہ نہیں آپ بتائیں اب کیا کیا جائے؟“ اس نے بات کا رخ موڑا۔ عثمان صاحب اسے آئندہ کے لیے ہدایات دینے لگے تھے۔

”آپ گھر جائیں۔ آنگن شہرینہ کو گھر لے جائیں میں فارغ ہو کر آؤں گا پھر بات ہوگی۔“ آخر میں انہوں نے کہا تو شہرینہ کھڑی ہوئی۔ آنگن بھی اس کے ساتھ نکلا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھی تو آنگن نے روک لیا۔
”یہ گاڑی چچا جان کسی کو کہہ کر گھر بھجوا دیں گے تم میرے ساتھ چلو۔“

”پاپا نے کہہ دیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں واقعی آپ کے ساتھ جانے کو راضی ہوں۔“ اس نے پھر وہی انداز دکھائے۔

”میں ایسی سنگین غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوں پلیز بحث کرنے کا موڈ نہیں چاہی دو مجھے۔“ اس نے ایک دو ہل اسے گھورا اور پھر چابی دے دی۔

آنگن نے کسی کو گاڑی لانے کی ہدایت دی اور خود اسے لے کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر تھی۔ آنگن نے نوٹ کیا وہ کافی تھکی اور ابھی ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ شہرینہ نے ایک دو بار اسے دیکھا آنگن کی گہری سوچ میں تھا۔

”جذباتیت زندگی کا حصہ ضرور ہوتی ہے لیکن

جذباتیت کل زندگی نہیں ہوتی، اگر خدا خواستہ تم کچھ غلط لوگوں کے ہاتھ لگ جاتیں تو.....“ کچھ توقف کے بعد آنگن نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

”آپ کا خیال ہے ابھی جن لوگوں سے میں بچ کر آئی ہوں وہ بڑے نیک لوگ تھے۔“

”حسن آراء کو چچا جان جانتے تھے سو انہوں نے کچھ نہ کچھ حل نکال لیا اور خوش قسمت سے تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی، فرض کرو اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کہاں ہوتی؟“

”جب میں وہاں سے نکل گئی تو اس میں آپ کے چچا نے میری کوئی مدد نہیں کی میں اپنی محنت اور عقل سے نکل گئی ہوں اور اگر میں وہاں سے نہ بھی نکلتی تو بھی خود کی حفاظت کرنا خوب جانتی ہوں شہرینہ عثمان فاروقی نہ پہلے کوئی عام لڑکی تھی اور نہ ہی اب ہوں میں اسپورٹس پلیئر ہوں مجھے سکھایا جاتا ہے کہ کب کس موقع پر اپنا تحفظ کیسے کیا جاتا ہے میں کوئی اتنا آسان شکار نہ تھی ٹھیک ہے اپنی بے

دقتی کے سبب میں ان لوگوں کے جال میں پھنس گئی تھی لیکن کسی بھی قسم کی مدد لیے بغیر میں پھر وہاں سے نکلنے میں بھی کامیاب ہوئی ہوں۔“

”تمہاری خوش قسمتی کہوں گا ورنہ جو حالات تھے ایسے میں تم کبھی وہاں سے نہ نکل پاتی۔“ آنگن نے بھی صاف گوئی سے کہا۔

”تو کوئی مسئلہ نہ تھا میں کوئی اور حل نکالتی حسن آراء اور اس کے بے وقوف بیٹے کو چلانا میرے لیے مشکل نہ تھا جیسے بھی کہی میں نے وہاں سے نکل ضرور آنا تھا۔“ وہ ابھی بھی بڑا اعتماد کی۔

آنگن خاموش ہو گیا اور پھر یہ خاموشی گھر آنے تک برقرار رہی تھی۔

گھر آ کر فریش ہونے کے ساتھ لباس بدلا تو شہرینہ کو لگا کہ جیسے وہ پرسکون ہو گئی ہے ذہن سے فکرات و خدشات کے بادل جیسے تو اسے ذہنی طور پر یہ گھر ایک نعمت لگا تھا۔ اس نے کھانا کمرے میں منگوایا اور کھانا کھا

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اتنے دنوں کی محنت پر نیند فوراً غالب آ گئی۔ فائدہ اس کے کمرے میں آئیں تو اسے سوتا یا کر واپس چلی گئیں آنگن لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
”اوکے میں کل واپس آ رہا ہوں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کی تو فائدہ اس کے سامنے بیٹھیں۔
”شہرینہ سے بات ہوئی؟“
”جی۔“
”کیا بتایا اس نے؟“ جواہر آنگن نے وہ سب کچھ بتا دیا جو شہرینہ نے عثمان فاروقی کو بتایا تھا۔
”بہر حال یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شہرینہ بے شک ظاہر نہ کرے لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر کھل رہی ہوگی۔“
”میرا خیال ہے آپ سب نے اسے اصلیت نہ بتا کر اس پر اس سے بھی بڑا ٹھکم کیا ہے میں سمجھتا ہوں شہرینہ کی ذات کی بہت ساری خامیاں آپ لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے بھی ہیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کی زبان سے سوئیلی کا لفظ سن کر اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی مجھے۔“
”محض مفروضے ہیں آپ کے آپ لوگ کسی ٹڈل کلاس گھر انے سے تعلق نہیں رکھتے جو سوئیلی ماں کا سا تصور پیدا ہوتا اگر محبت توجہ اور پیار ملے تو برے سے برا انسان بھی بدل جاتا ہے وہ تو پھر نازل لڑکی ہے۔“
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

جنوں کے عشق کی

سمیرا شریف طور

نہ میرے قلم سے لکھی گئی نہ میری زباں سے ادا ہوئی
جو نظر سے کہنے کی بات ہے کسی حروف میں نہ سمائے گی
کوئی پھول چنتا ہے کس طرح، کوئی دھول ہوتا ہے کس طرح
یہ وقت وقت کی بات ہے تجھے زندگی بتائے گی



گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاہور سے آئے مہمان آگن، شایان، زوبیہ اور فرح
آؤنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے
جاتے ہیں شہرینہ سب سے لائق ایک جگہ جا کھڑی ہوتی
ہے آگن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتا ہے تب ہی نیچو
(شہرینہ کا بھائی) شایان سے کنسرٹ میں چلنے کی بات کرتا
ہے لیکن آگن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ دلا جاتا
ہے اور وہ اس کنسرٹ میں جانے پر بعد ہوجاتی ہے تب ہی
شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے
ہونٹ پر اس کے کلاس فیلوزین کی کال آتی ہے جس سے وہ
بے لگتی سے باتیں کرتی آگن کو ناگواری سے دوچار کر جاتی
ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئمنگ
پرائیٹس پر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھنجھلاتی زین سے پک
کرنے کا کہتی ہے تب آگن فائدہ بیگم سے شہرینہ کو کالج
ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ دلا جاتا ہے وہ کسی
بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ
آگن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی تاپننڈی کی کاجھی اظہار کرتی
ہے جس پر آگن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے
جاتا ہے شہرینہ تمللا کر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی
تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب
کالج میں فریجہ اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی
اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کر دیتی ہے جس پر
صبا اور حور یہ (کالج فیلو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی
تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ آگن کی تصویر انہیں نہیں
دیکھائی صبا اور حور یہ اس کے ساتھ آگن سے ملنے گھر آ جاتی ہیں
شہرینہ ان کی وجہ سے سوئمنگ پرائیٹس پر نہیں جا سکی تھی فائدہ
بیگم حسب پروگرام مہمان صاحب کے ڈرائیور کے پاس کسی
ٹویویشن پر جا چکی ہوتی ہیں جبکہ آگن بھی ابھی گھر نہیں ہوتا
ہے تب شہرینہ انہیں ملاں بھی سے ملواتی ہے فرح بھی ان
سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ آگن گھر آتا ہے تو ملازمہ سے فرح
والاں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حور یہ بھی آگن سے
ملنے کو بے تاب ہوجاتی ہیں تب شہرینہ انہیں ملاں بی کے

کمرے میں لے آتی ہے۔ صبا اور حور یہ ملاں بی سے اجازت
لے کر اپنے گھر رخصت ہوجاتی ہے ہیں۔ فرح شہرینہ سے
شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں
ہوتی ہے فرح اس سے آگن کے حوالے سے بات کرتی ہے
عثمان صاحب سے ملاں بھی آگن اور شہرینہ کی رخصتی کی بات
کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی بڑھائی کی وجہ سے انکار
کر دیتے ہیں ملاں بی کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی ضد اس
رشتے میں رگاڑ پیدا نہ کر دے لیکن عثمان صاحب اس بات کی
گمانی لیتے ہیں۔ فرح شہرینہ، زوبیہ اور شایان چاروں
شاپنگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور وہیں ملاں میں آگن
سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

آگن کے الفاظ فائدہ بیگم کے دل میں عجیب سا تاثر چھوڑ گئے
تھے۔
”انسان جو بھی کرتا ہے وہ اچھے کے لیے کرتا ہے لیکن اگر
علم ہو جائے کہ اس کے فیصلے کیا نتائج لے کر آئیں گے تو
شاید وہ بھی غلط فیصلے نہ کرے اور سب سے بڑا ایسا یہ ہے کہ
انسان بھی اپنے فیصلوں کو غلط نہیں سمجھتا۔“ وہ کھڑا ہوا۔
”ایک ضروری کام ہے وہ دیکھ لوں۔“ وہ کہہ کر چلا گیا اور
فائدہ بیگم صدمہ میں اپنی جگہ بیٹھی رہیں۔ ان کے اور کروان کا ماضی
گھوم رہا تھا جس میں پھنس کر ان کی ساری زندگی عجیب سے
انداز میں ابھی ہوئی تھی ان کا ماضی ان کی ساری خوشیاں نکل
گیا تھا۔

فائدہ اور فائزہ دو بہنیں ہی تھیں۔ ملاں باپ کا بچپن
میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ملاں بی وسیع جائیداد کی مالک تھیں جو
ان دونوں بہنوں کی صرف خالہ ہی نہیں مائی بھی تھیں انہوں
نے ان دونوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے
نبھائی تھی ملاں باپ کی یکے بعد دیگرے وفات کے بعد وہ ان
دونوں کو ساتھ ہی لے آتی تھیں۔ دونوں تعلیم میں اچھی تھیں
انہوں نے جہاں تک ممکن ہو سکادونوں بہنوں کی تعلیم کا خاص

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

انچل

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیور فرما کر بیٹے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایٹ الیشیائی افریقہ یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیمانڈ آرڈر منی آرڈر مگر اس کو ایسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد

ایڈی پیسہ اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبائل کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے آف گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسر جیمز غیب اللہ بادن روڈ کراچی۔
فون نمبر: 2/922-35620771

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

”کل صبح اشفاق بھائی آجائیں گے..... رات بھر میں
رجو لو“ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ تمام تیاری کر کے سوچتی تھی اور ماہہ را اپنے بستر پر بیٹھی
اس کے سونے کے بعد وہ کارڈور میں نکل کر بیٹھنے لگی۔

اس کی زندگی بھی عجیب سی تھی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی
سالوں کے بعد کی باقی ساری زندگی مختلف ہاسٹل میں گزری

گی۔ اس کی زندگی بہت سارے لوگوں کے لیے سوالیہ نشان
بن گئی۔ وہ جانتی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں میں

بہت ساری کہانیاں مشہور ہو چکی تھیں..... وہ کسی سے بھی کچھ
نہیں کہتی تھی..... نہ تقدیر کرتی تھی اور نہ تردید۔ وہ بس

ناموش رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی دوستی کسی سے نہ ہو سکی
تھی۔ اس کے ساتھ کسی لڑکی دم شیر بھی نہ کرتی تھی۔ لڑکیاں

اس سے دور بھاگتی تھیں۔ یونیورسٹی میں اس کی خوب صورتی
اور ریزرو طبیعت کی وجہ سے بہت سارے لڑکے اس کی طرف

بڑھتے تھے لیکن اس کے متعلق مشہور ہونے والی باتوں کو سن کر
وہ خود بخود ہنسنے لگتی تھی اس نے کسی کی پذیرائی

کی اور نہ ہی کسی کی کواکرا کیا تھا۔ بس وہ نظر انداز کرنے اور
ناموش رہنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہی تھی۔ ان سب میں

بہت اہمیت تھی جو اس کے ساتھ کھل گئی تھی جو اس کی بری
سمجھتا یا اس کے متعلق مشہور کی جانے والی باتوں کو سننے کے

وجود اس سے کچھ نہیں کہتی تھی ہاں اس کے خاندان کے
بارے میں جاننے کے لیے جیتا بہ ضرور رہتی تھی لیکن ماہہ را

کی خاموشی پر ناراض ہونے کی بجائے وہ کوئی اور بات شروع
کر دیتی تھی۔

ساری رات اس کی عجیب سی کشش میں گزری تھی۔ اگلی
صبح اس نے نیچے ریسپشن سے کال کی تھی اس کی اپنی ماں

بہت بات ہوئی تھی۔
”فانقہ جانتی ہے میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلی
گئی۔“ اس کی ماں اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھی۔

”میری طبیعت آج کل بہت خراب ہے..... میں نہیں
جانتی کہ تم یہاں کبھی آؤ..... حسن آرا بہت بد لحاظ ہو چکی
..... میں نے جو رقم بھجوائی تھی وہ منجبال کر استعمال کرنا۔“

”تم نہیں جا رہی ہو کیا؟“ فانقہ کو اشفاق فاروق لینے
کے لیے آنے والے تھوہہ تیار کر رہی تھی۔

”نہیں.....“ اس معاملے میں وہ ایک دم دو ٹوک ہو جاتی
تھی۔

”کیوں.....؟“ فانقہ نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اس کے
نہ جانے کی وجہ جان کر ہی رہے گی۔

”میں اس معاملے میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ میں کوئی
بات نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ کتاب سے لگا ہیں بٹائے بغیر بولی

تھی۔ فانقہ کو اس کا رویہ بہت عجیب سا لگا تھا۔
”لیکن کوئی وجہ بھی تو ہونا؟“ وہ خاموش رہی تھی فانقہ نے

اسے بخور دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔ ”تا نہیں کیوں وہ
اتنی ریزرو رہتی تھی اس سے دوستی کرنا بھی فانقہ کی ہی کوشش

سے ممکن ہوا تھا اور نہ شاید وہ اس سے دوستی بھی نہ کرتی۔
”اچھا یہ بتاؤ میں چلی جاؤں تو کیا کروں؟“ وہ بیک کی

زپ بند کر کے اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھی
تھی۔

”وہی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں..... بیکس پر دھوکے
کہیں گھونسنے چلی جاؤں گی یا پھر کچھ اور.....“ فانقہ نے کچھ

پل سوچا تھا اور پھر اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔
”یہیہا کرتے ہیں اس بار تم میرے ساتھ میرے گاؤں

چلو..... اشفاق بھائی آ رہے ہیں ایک دو دن ہم ان کی طرف
لاہور ہیں گے پھر گاؤں چلے جائیں گے۔“

”تمہارے ساتھ..... تمہارے گاؤں؟“ وہ حیران
ہوئی تھی۔

”ہاں..... ماں بی فائزہ بی سب ہی سے تمہارا اس قدر
ذکر کیا ہے میں نے..... سب ہی تم سے مل کر بہت خوش

ہوں گے۔“
”نہیں یار..... اس طرح میں بھلا کیسے چلی جاؤں۔“
”کیوں اس میں کیا قباحت ہے..... لاسٹ ٹائم تم

گھونسنے پھرنے چلی گئی تھیں وہاں بھی جا کر تم اکیلی ہو گی
میرے ساتھ چلو وہاں جا کر تم بہت انجوائے کرو گی۔“
”اچھا میں کچھ سوچ کر جواب دوں گی۔“

خیال رکھا تھا۔ فائزہ ابھی گریجویشن ہی کر پائی تھی جب ماں
بی نے ان کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے کرادی تھی جبکہ

فانقہ نہ صرف ڈیڑھ تھی بلکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی
تھا ماں بی نے فانقہ کے لیے بھی تعلیم حاصل کرنے میں

رکاوٹ نہ آنے دی تھی۔ فانقہ لاہور کے کسی تعلیمی ادارے
میں داخلہ نہیں لےنا چاہتی تھی ماں بی نے اس کی خواہش کے

مطابق اسلام آباد میں اس کا داخلہ کروا دیا تھا اور پھر اس کی
رہائش کا انتظام بھی ہاسٹل میں ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اس کا خواب تھا۔ ان دنوں عثمان اعلیٰ
تعلیم حاصل کرنے باہر گیا ہوا تھا۔ بابا صاحب کچھ سالوں

سے سیاست میں بہت زیادہ انوالو تھے ان کا ارادہ اپنی اولاد کو
بھی سیاست میں لانے کا تھا۔ عثمان فاروق کا انٹرسٹ مکمل

طور پر بزنس کی طرف تھا لیکن عثمان بابا صاحب کے نقش قدم
پر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی جبکہ

فانقہ شدت سے عثمان کے پاکستان آنے کی منتظر تھی۔ ماں
بی نے واضح الفاظ میں سارے خاندان میں کہہ دیا تھا کہ وہ

عثمان فاروق کی شادی صرف اور صرف فانقہ سے کریں گی۔
ہاسٹل میں قیام کے دوران فانقہ کی دوستی ماہہ را سے ہوئی تھی۔

فانقہ اسے دیکھ کر کافی دیر تک بہت روتی رہی۔ اتنا مکمل حسن اس
نے اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو حسن کا پرتو

تھی۔
ماہہ را ریزرو رہنے والی لڑکی تھی..... وہ ہاسٹل میں فانقہ کی
روم میٹ تھی۔ وہ اپنے بارے میں کم ہی کسی سے ڈسکس کرتی

تھی۔ فانقہ اسے بہت اہمیت دیتی تھی فانقہ کی کوشش سے وہ
کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ کھل گئی تھی۔ دونوں کی خوب

دوستی ہو گئی تھی۔ فانقہ کو یہ جان کر حیرانی ہوئی تھی کہ ماہہ را کی
فیلٹی اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھی لیکن اس کے باوجود وہ

اپنی فیلٹی سے ملنے نہیں جاتی تھی اور نہ ہی کوئی اس سے ملنے تا
تھا۔

ہاسٹل میں انگریز بزم کے بعد سب ہی لڑکیاں اپنے اپنے
گھر رہی تھیں جبکہ ماہہ را ابھی بھی وہیں تھی وہ بڑے سکون انداز
میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

new
Freedom
Ultra thin sanitary napkins

اب مخصوص دن بھی گزاریں خوشگوار

Ultra Thin
Extra Long



A product of

H&P

Health and Hygiene products

حسن آرا مجھ پر بہت زیادہ نگاہ رکھنے لگی ہے وہ ایک ایک پیسے کا حساب مانتی ہے۔

”تو میں کیا کروں؟ میرا خیال تھا فائدہ چلی جائے گی تو میں کچھ دنوں کے لیے آپ سے ملنے آؤں گی۔“

”یہ غلطی مت کرنا۔۔۔۔۔ حسن آرا نے ایک بہت بڑی آسامی پھنسانی ہوئی ہے اس کا بس نہیں چٹا کدو ہمیں ایک دن میں ہی اس کے ساتھ چٹا کر دے۔ میں نے جس جہنم میں زندگی گزار لی تھی گزار لی میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد میرے لیے کاغذی تم بھگتو۔۔۔۔۔“

”میں تھک گئی ہوں ان لوگوں سے بھاگ بھاگ کر۔۔۔۔۔ میں بھی کچھ گھریاں سکون سے جینا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔“ وہ سسکی تھی۔

”تم فائدہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاؤ۔۔۔۔۔ چھٹیاں گزار کر آؤ جب واپس آؤ گی تو میں خود ملنے آ جاؤں گی تم پریشان مت ہونا۔“

”جی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔“ اس نے بے لوث ہوتے آسو خودی صاف کر لیے تھے اور پھر اس نے فائدہ کو ساتھ چلنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

فائدہ بہت خوش تھی۔ اس کی دوست اس کے ساتھ اس کے گھر جا رہی تھی وہ بہت خوش ہو کر اس کے ساتھ مل کر پینک کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

وہ فائدہ کے ساتھ اس کی بہن کے پاس آئی تھی۔ اشفاق بھائی کے ساتھ وہ ان کے لاہور والے گھر آئے تھے۔ فائزہ بہت خوش اسلوبی سے ملی تھیں۔۔۔۔۔ ان کے دو بیٹے تھے شہرنگ اور شامیان۔۔۔۔۔ فائزہ آئی تو کبھی ماہ آرا بہت اچھی لگی تھی۔ خاموش طبع اور بچیدہ مزاج۔۔۔۔۔ وہ فائدہ کے ساتھ ہی اس کے روم میں ٹھہر گئی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔ فائزہ نے فائدہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“

”آپ کو بتایا تو ہے میری روم میٹ ہے۔۔۔۔۔ میری

”دوست ہے۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن کوئی خاندان کوئی بیک گراؤنڈ اس طرح تو کوئی کسی کو اپنے نہیں گھر لے تاں؟“

”کیا ہے آئی۔۔۔۔۔ وہ اچھی لڑکی ہے ایک سال سے ہمارا ساتھ ہے۔۔۔۔۔ بہت اچھی دوست ہے۔“

”لیکن کس خاندان سے ہے یہ سب سوچ کچھ کرتی رہتی کرتی ناں۔“

”وہ اس سلسلے میں کبھی بات نہیں کرتی۔۔۔۔۔ میں نے بھی نہیں پوچھا۔“

”چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ لیکن جب بھی موقع ملے تو اس کے بارے میں ضرور پوچھنا۔۔۔۔۔ اس طرح کسی کو بھی محض چند ماہ کی دوستی کی بنا پر اپنے گھر لے نا اور کھنا بچھہ اعتراض نہیں لیکن انسان کو محتاط رہنا چاہیے۔“ وہ چپ چاپ کمرے میں آئی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دکان میں دیکھ رہی تھی۔

”بہت خوب صورت گھر ہے تمہاری آئی کا۔“ خوب صورت لان میں رنگارنگ پھول دور دور تک کھلے ہوئے تھے وہ گھر کی خوب صورتی دیکھ کر اندر ہی اندر ضرور متاثر ہوئی تھی۔

”یہ گھر اشفاق بھائی نے آئی کی چوٹ پر بنوایا ہے گھر کی ایک ایک چیز میں آئی کی پسند شامل ہے۔“

”پھر تو تمہاری آئی کا بڑا آرکیٹیکٹ ذہن ہے۔۔۔۔۔ ہوم ڈیکوریشن میں ان کا ذوق تو کمال کا ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔۔۔ فائن آرٹس اور ہوم اکنا کس آئی کے پسندیدہ مضامین تھے شادی کے بعد انہوں نے تعلیم چھوڑ دی ورنہ وہ شاید اپنے کیمپلٹس میں ضرور ایک پیرٹ ہو جاتیں۔“ ماہ آرا دل ہی دل میں گھر سے زیادہ کینوں کی المارت سے متاثر ہوئی تھی۔

”تم میرے ساتھ چلو اور حویلی کی ڈیکوریشن دیکھو تم جیران رہ جاؤ گی۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ گھر کو دیکھ کر اندازہ لگا رہی تھی۔

”تم ایک اور نام لینی ہو عثمان کا اکثر وہ کون ہے؟“

”عثمن.....“ فائقہ مسکرائی تھی۔

”اماں بی کے دوسرے بیٹے ہیں! اشفاق بھائی کے چھوٹے بھائی..... وہ تعلیم کی غرض سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔“ وہ دونوں کچھ دیر اور باتیں کرتی رہی تھیں۔ فائقہ نے اس سے فائزہ کی باتوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا دل خراب ہو۔ وہ دونوں وہاں پانچ چھ دن رہی تھیں اور فائقہ اور اس کی بہن کی فیملی کے ساتھ مختلف جگہوں پر گھومنے بھی گئی تھی اور پھر گاؤں سے ڈرائیور لینے یا تو وہ اس کے ساتھ گاؤں آگئی تھی۔ اماں بی بھی بہت خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ اس نے اماں بی کے سوالات کے جوابات میں خود سے ہی کہہ دیا تھا۔

”پاپ کا انتقال ہو چکا ہے ہاں رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔ ماہ آرا جاب کر کے اپنی تعلیم کا خرچ پورا کر رہی ہے۔ اچھے خاندان کی لڑکی ہے بڑی مشکل سے اس کے ساتھ آنے پر آمادہ ہوئی ہے۔“ جو کہانیاں اس نے سن رکھی تھیں ان میں سے ایک کہہ دی تھی۔

”ماشاء اللہ لگ بھی کسی سلجھے ہوئے خاندان کی رہی ہے اللہ مت دے بچی کو رشتہ جاکے درمیں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔“

”جی بہت اچھی ہے ماہ آرا۔“ اماں بی نے سر ہلادیا تھا۔ اس نے ماہ آرا کو بھی یہی کہہ دیا تھا۔ دونوں اس وقت حویلی کے صحن میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

”اب تم اپنے بارے میں کچھ بتاتی تو ہوئیں لیکن لوگ تو پوچھتے ہیں ناں میں نے اماں بی کو کہہ دیا ہے کہ تمہارے فادر زندہ نہیں ہیں والدہ رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں اور تم جاب کرنی ہو اب اماں بی کچھ پوچھیں تو پلیز یہی بتانا۔“ اور ماہ آرا وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

”تھینک کیو..... لیکن یہ سچ ہے میرے والد زندہ نہیں ہیں اور والدہ بھی رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں باقی رہ گئی جاب کی بات اس ہاسٹل میں آنے سے پہلے تک میں واقعی جاب کرتی تھی لیکن اب چھوڑ دی ہے۔“

”کیوں چھوڑی؟“

”بس تھی ایک مجبوری.....“ وہ چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کی ماں کی شہرت اس کی جاب والی جگہ پر بھی پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اسے جاب چھوڑنا پڑی تھی۔

”کتنی عجیب سی بات ہے ناں ہم دوست ہیں اور تمہارے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔“

”کوئی عجیب بات نہیں اس میں..... بعض اوقات ہم لوگ ساری زندگی کسی کے ساتھ گزار دیتے ہیں اور اسے جان نہیں پاتے۔“

”لو کہ میں تمہیں کبھی فورس نہیں کروں گی لیکن اگر تمہیں مجھ پر اور میری دوستی پر اعتماد ہوگا تو تم ضرور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔“ ماہ آرا شخص مسکرائی تھی۔

ان کو حویلی آئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ عثمان کی کال آئی تھی عثمان نے بتایا تھا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے۔ اماں بی ایک دم خوش ہو گئی تھیں..... وہ نئے سرے سے عثمان کا کمرہ سجا رہی تھیں۔ ساری حویلی کی ترتیب بدل دی تھی۔ کئی ماہ بعد عثمان واپس آ رہا تھا۔

بابا صاحب بھی خوش تھے اور فائقہ وہ تو گویا خوشی سے نہال تھی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ ماہ آرا کے ساتھ حویلی کے عقیقی باغ میں آگئی تھی۔

”بہت خوش ہو.....؟“ ماہ آرا ٹوٹ کر رہی تھی کہ جب سے اماں بی نے عثمان کی آمد کا بتایا تھا فائقہ بہت خوش تھی۔ فائقہ بس وہی تھی۔

”ہاں.....“

”بہت چاہتی ہو اپنے کزن کو۔“ وہ مسکرائی۔ وہ اکثر ماہ آرا کے سامنے عثمان سے چاہت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

”بہت کا تو مجھے نہیں علم لیکن یہ سچ ہے کہ شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہی میں نے اپنے ساتھ اگر کسی کا نام سنا ہے تو وہ بھی عثمان فاروق ہیں۔ سوئے اٹھتے بیٹھے جاتے۔“ اگر مجھے کسی کا خیال آتا ہے تو وہ بھی عثمان فاروق ہیں..... اگر ات محبت کرنا کہتے ہیں تو وہاں میں عثمان سے محبت کرتی ہوں۔“ ماہ آرا مسکرائی تھی۔ اس وقت اسے فائقہ بہت زیادہ حسین لگی تھی اور بہت زیادہ لکڑی تھی۔

انتباہ

پچلے آفاق حجاب

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پریگروپس ویبجیز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آف لائن و حجاب اور نئے آفاق کی تمام تحریر اپنے ویب سائٹس، ویبجیز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے آفاق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، ویبجیز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد و ضوابط سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

7 فروری 2018ء کو جاری شدہ نوٹس

رابطہ: 03008264242

اسے اپنے الفاظ گوئیے، بہرے گلنے لگے تھے۔ اس نے کافی بنا کر ایک گنگ فائٹ کو یاد اور دوسرا عثمان فاروق کی طرف بڑھایا تھا۔
 ”جھینکس.....“ مگ لیتے لپکا سا ہاتھ بچھو تھا۔
 ماہ آرا نے سرعت سے ہاتھ ہٹایا تھا جبکہ عثمان فاروق حیران ہوا تھا۔ فائٹ نے نوٹ نہیں کیا تھا۔
 ”میں کمرے میں جا رہی ہوں۔“ وہ اپنا گنگ لے کر فائٹ کو کہہ کر تیزی سے بچنے سے نکل گئی۔
 ”تمہاری اس دوست کا بیک گراؤ کیا ہے؟“ کافی کا سب لیتے اس کا انداز بڑھ سوچ تھا۔
 ”نیری روم ہیٹ ہے ہاسٹل میں۔“
 ”کہاں سے ہے؟“
 ”اسلام آباد سے ہی ہے۔“
 ”حیرت ہے پھر بھی ہاسٹل میں رہ رہی ہے؟“ وہ حیران ہوا تھا۔
 ”ان کے کچھ فیملی ایڈیشن ہیں اسی وجہ سے.....“ اس نے ٹالنا چاہا تھا عثمان فاروق خاموش رہا تھا۔
 ”اب کیا ارادہ ہے آپ کا آگے کے لیے؟“ اس نے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی۔
 ”فی الحال تو میں اپنا آفس اسٹبلش کروں گا..... اس کے بعد اگر بابا کی رضامندی ہوئی تو ان کا سیاست میں ساتھ دوں گا۔“ وہ تفصیل سے اپنا پلان بتانے لگا تو فائٹ دھچکی سے اسے سننے لگی تھی۔



عثمان کی وطن واپسی پر بابا صاحب نے ایک بڑے پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا تھا ان کے حلقہ احباب کی ایک وسیع لسٹ تھی جو مدعو تھی۔ اندرونی طور پر اماں بی نے بھی خاندان کے تمام لوگوں کے لیے ایک تقریب منصفہ کر رکھی تھی۔ فائزہ بھی لاہور سے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے خالہ کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ ماہ آرا نے مدبر بھی ہوئی باتیں کرتے شیر لنگن کو دیکھ کر کمر ہٹا تھا۔

فائٹ کے کمرے میں تھیں بچے بھی وہیں تھے۔
 ”یہ مجھے بھی بہت پسند ہے بلکہ اماں بی چاہتی ہیں کہ شیر لنگن ان کے پاس ہی رہے لیکن یہ اسکول جانا ہے تو لاہور میں رہتا ہے ورنہ چشموں میں سارا وقت اس کا گاؤں میں گزرتا ہے۔“ اس نے لنگن کے گال پر ہمار کرتے کہا تو لنگن معصوم سا منہ بنا کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ ماہ آرا کو اسے دیکھ کر مزید ہنسی آئی تو شیر لنگن کو برا لگا تھا۔
 ”خالہ بی بی مجھ پر ہنستی ہیں۔“
 ”نہیں بیٹا آئی تو آپ کی تعریف کر رہی تھیں۔“ اس نے سمجھا تو اس نے بنجیدگی سے دونوں کو دیکھا..... ماہ آرا کو اور ہنسی آئی تھی کہ چھوٹا سا لڑکا کس قدر تیز تھا۔
 ”میں اماں بی کے پاس جا رہا ہوں چلو شایان۔“ وہ شایان کی انگلی تھام کر وہاں سے نکل گیا تھا۔
 ”ہمیز گیار..... بڑا ہی ذہین لڑکا ہے۔“
 ”آ خر بھانجیا کس کا ہے؟“ فائٹ نے لے کر کھڑے کیے۔
 ”چلاؤ باہر چلتے ہیں اماں بی نے دوبار پیغام بھیجا ہے۔“
 دونوں تیار تھیں۔
 فائٹ نے اسے اپنا نیا ڈریس دیا تھا بنگ کمر کے ہلکی کڑھائی والے سوٹ میں ماہ آرا ہاتھ کی طرح دکھ رہی تھی۔ فائٹ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچیں تو فائزہ نے فائٹ کے ساتھ کھڑی ماہ آرا کو بخورد دیکھا تھا۔
 ”یہ کون ہے؟“ ان کی ایک چچا زاد نے بھی فائزہ سے پوچھا تھا۔
 ”فائٹ کی دوست ہے۔“
 ”بہت خوب صورت لڑکی ہے۔“ وہ بڑی ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ فائٹ بہت حسین لڑکی تھی لیکن ماہ آرا کے سامنے وہ ماند پڑ رہی تھی۔ اسی دوران عثمان کسی کام سے اندھا یا تھا۔ اور ان دونوں کے پاس رک گیا تھا۔ فائزہ کے ماتھے کے تیل بدلنے لگے تھے۔

عثمان نے شاید ماہ آرا سے کچھ کہا تھا وہ بزل ہو رہی تھی اور پھر اس نے عثمان سے کوئی بات کی تھی عثمان حلقہ کھلا کر ہا

تھا اور پھر فائٹ نے کچھ کہا تو وہ کندھے اچکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فائزہ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ نجانبے کیوں انہیں فائٹ کی بددست اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ موقع ملنے پر فائٹ کے پاس آئی تھیں۔ ماہ آرا کسی رشتہ دار لڑکی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔
 ”یہ تمہاری دوست واپس نہیں گئی۔“ انہوں نے جھوٹے ہی پوچھا تھا۔
 ”جب میں واپس جاؤں گی تو میرے ساتھ ہی جائے گی۔“
 ”تو یہ کیسے والدین ہیں جو ان جہاں لڑکی کو کسی کے ہاں بے فکری سے رہنے دیتے دیا ہے۔“
 ”اس کے والد زندہ نہیں ہیں ماں ہے لیکن رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔“ اس نے وہی رٹنی رٹائی بات ان سے کہی تھی۔
 ”بڑا فریب ہوتا ہے لوگوں میں اوپر سے کچھ اندر سے کچھ ایسی معصوم شخصیں تو اکثر دھوکا دیتی ہیں۔“ وہ کسی سے باتیں کر رہی تھی چہرے پر مدہم سی مسکراہٹ تھی فائزہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو فائٹ ہنس دی۔
 ”آپ بھی کمال کرتی ہیں..... پہلے اس کے خاندان اور بیک گراؤ کی فکر تھی وہ بتایا تو اب اس کی ذات کی طرف سے فکر مند ہو رہی ہیں ایک سال سے وہ میرے ساتھ ہے اچھی طرح جانتی ہوں کوئی غلط حرکت نہیں دیکھی میں نے اس میں..... بہت اچھی لڑکی ہے۔“
 ”پھر بھی محتاط رہو..... اور عثمان کی موجودگی میں اس کے سامنے لانے کی ضرورت بھی نہیں اتنی تو حسین ہے وہ۔“ فائٹ پھر ہنس دی تھی۔
 ”اور ہاں میں چلنے والی سے کہہ دیا ہے جتنی جلدی ہو سکے تم لوگوں کی انجمن کا انتظام کریں..... جیسے ہی انکو کیشن ملے گی وہ شادی ہو جائے گی۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں تھیں۔ فائٹ خوشگوار حیرت سے ان کو جاتا دیکھ رہی تھی۔



وہ فائٹ کے ہاں آ کر بہت خوش تھی کافی سارے دن گزر چکے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ان لوگوں کی امداد سے مکمل طور پر مرعوب ہو چکی تھی۔ فائٹ کو چاکا چک چیز بخارنے لیا تھا۔ لنگن ماہ آرا نے فون سے کال ملائی تھی۔
 یہاں آنے کے بعد وہ دو تین بار سب کی غیر موجودگی میں اس فون سے اپنی ماں سے رابطہ کر چکی تھی۔ کال ملتے ہی دوسری طرف کی آواز سن کر وہ ابھی تھی۔
 ”اماں کہاں ہے خالہ؟“ خلاف توقع آواز سن کر وہ پریشان ہو چکی تھی۔ وہیں رہنے والی اس کی ماں کی خادمہ تھی جو بہت قابل بھروسہ خاتون تھی۔
 ”طبیعت کچھ دنوں سے کافی بگڑی ہوئی تھی تو پرسوں ہسپتال لے گئے تھے وہیں داخل ہیں۔“
 ”کون سے ہسپتال؟“ خیرن کر وہ از حد پریشان ہو چکی تھی۔ دوسری طرف سے ہسپتال کا نام بتایا گیا تھا۔
 ”میں آئی ہوں ہاسٹل.....“
 ”بات سنو تمہاری ماں نے بخشتی سے منع کر دیا ہے کہ تم وہاں نہیں آؤ گی حسن آرا کو کلم ہو گیا کہ تم وہاں آئی ہو وہ پھر تمہیں واپس نہیں آنے دے گی وہ تو ہر جگہ تمہیں ڈھونڈ پھکی ہے ایک بار تمہاری یونیورسٹی بھی گئی تھی۔“
 ”لیکن میں اب نہیں رک سکتی..... میری ماں سخت بیمار ہے اور میں اتنی بے بس ہوں کہ اس سے مل بھی نہیں سکتی۔“ وہ رونے لگی تھی۔
 ”حوصلہ کرو..... ماں کے لیے دعا کرو۔“ دوسری طرف سے کال منقطع ہو گئی تھی۔ وہ شدت سے رو رہی تھی۔
 ”کیا بات ہے..... کیوں رو رہی ہو؟“ اس آواز پر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔
 کچھ توقف کے بعد گردن گھما کر دیکھا تو عثمان فاروق عقب میں کھڑا بڑی بنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 ”کیا مسئلہ ہے کون بیمار ہے؟“ وہ شاید اس کی گفتگو سن چکا تھا۔
 ”آپ کی والدہ بیمار ہیں کیا؟“ اس کی خاموشی پر اس نے پھر پوچھا تھا۔

Hankies

Perfumed Tissue



Makers of Quality Hygiene Products

Available in 3 different colors



Simply Caring
Maintaining High Standard of
Quality in all our products.

H&P
Health & Hygiene Products
Karachi - Pakistan, Fax: 021-32562570
Email: info@hnp.com.pk
www.hnp.com.pk

”جی.....“ وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے اندر کی طرف چل دی تھی۔ وہ فاقہ کے پاس آئی تو وہ لپٹی ہوئی تھی۔

”میری امی سخت بیمار ہیں میرا جی ہی واپس جاؤں گی۔“

”اوہ..... کیا ہوا نہیں؟“

”میں نے کال کی تھی ملازمہ بتادی تھی کہ وہ ہسپتال میں ہیں۔“ وہ پھر رو دی۔ فاقہ نے اٹھ کر اسے تسلی دی تھی۔

”ٹینشن نہ لو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں ابھی واپس جا رہی ہوں.....“ فیصلہ کن انداز تھا۔

”میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“

”نہیں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں..... تم آرام کرو اگر تمہارا ڈرائیور بھڑاپ کرے تو مہربانی ہوگی۔“

”میں اماں بی سے بات کرتی ہوں..... تم پکینگ کرو۔“

وہ اٹھ کر اماں بی کے کمرے میں آ گئی تھی۔ عثمان وہیں تھا۔

”اماں را کی والدہ کافی بیمار ہیں..... ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں وہ واپس جانا چاہ رہی ہے۔“

”اوہ کیا ہوا؟“ اماں بی نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

”یہ تو نہیں پوچھا۔“

”کہاں ایڈمٹ ہیں؟“

”اسلام آباد میں ہی۔“

”اچھا..... تم تو ابھی واپس نہیں جا رہی..... وہ ڈرائیور کے ساتھ اسکی جلی جانے گی کیا؟“ انہوں نے کہا۔

”کہہ رہی تھی ڈرائیور کے ساتھ چلی جائے گی۔“

”ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں..... ویسے عثمان بھی اس وقت اسلام آباد جا رہا ہے اگر اسے اعتراض نہ ہو تو عثمان اسے چھوڑ دے گا وہ پھر ڈرائیور تو ہے نہاں۔“

”میں پوچھتی ہوں۔“ فاقہ نے کہا۔

”کیوں عثمان چھوڑ دے گا؟“ انہوں نے بیٹھے

بھی پوچھا تھا۔

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اس لڑکی سے پوچھ لیں۔“

”چلو پوچھ لیتے ہیں۔“ اماں بی فاقہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ وہ پکینگ کر رہی تھی۔

اماں بی نے عثمان کے ساتھ جانے کی بات کی تو وہ

خاموش ہو گئی تھی، کچھ توقف کے بعد اس نے ہاں میں سر ہلادیا تھا۔ اماں بی نے اسے کافی سارے تحائف دیئے تھے وہ لینے میں متاثر بھی لیکن اماں بی اور فاقہ کے اصرار پر اسے قبول کرنے پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ عثمان کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی تھی عثمان گاڑی ڈرائیور کرنے لگا تھا۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

”آپ کی والدہ کو کیا ہوا ہے؟“ کافی دیر بعد عثمان نے ہی سمفونکس میں پہل کی تھی۔

”وہ آسمان کی مریضہ ہیں اکثر پرالیم رہتا ہے اب زیادہ تکلیف دہ صورت حال ہو گئی ہوگی۔“

”چلیں اللہ بہتر کرے گا آپ ٹینشن نہ لیں۔“ کتنے بہن بھائی ہیں آپ؟“ وہ پریشان تھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھتی تھی۔ عثمان نے نوٹ کیا تو اس کا دھیان ہٹانے کے لیے پوچھنے لگا۔

”میں اکلوتی بیٹی ہوں اپنی اماں کی.....“

”والدہ کیا کرتے تھے آپ کے؟“

”میری پیدائش سے پہلے ہی ان کی ڈیو تھ ہو چکی تھی۔“

”اوہ پھر تو بڑا مسئلہ درپیش رہا ہوگا آپ کی مدد کو.....؟“

اس نے شخص سر ہلایا تھا۔

”آپ کی تعلیم کے اخراجات کیسے ادا ہوتے ہیں پھر؟“

”ہمارے سریلیو زمال کو خرچ وغیرہ دیتے ہیں۔“ ایک لمبا سفر تھا عثمان تو بالکل بھی خاموش نہیں رہ سکتا تھا اور اماں را وہ بھی جیسے خاموش رہ کر آگئی تھی عثمان فاروق کے یہ سوالات اسے برے نہیں لگتے تھے۔

دونوں سارے راستے کوئی نہ کوئی بات کرتے رہے تھے۔ عثمان اسے اپنے بارے میں بتاتا رہا تھا اپنی انجکشن مشاغل، مصروفیات اور وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔ رستے میں ایک دو جگہ رک کر اس نے اس کے لیے کھانے پینے کے لیے کچھ شایا بھی لی تھیں۔ پھر رستے میں اماں را کو نیندا آ گئی تو وہ سیٹ کی پشت سے سرٹکا کر سو گئی تھی۔

کافی سارا وقت گزر چکا تھا جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ

دونوں اسلام آباد میں تھے۔ جانے پہچانے رستے دیکھ کر وہ ایک دم محتاط ہوئی تھی۔ وہ اس سے ہاپٹل کا نام شروع میں ہی پوچھ چکا تھا، کچھ دیر بعد وہ لوگ ہاپٹل کے سامنے تھے۔

”آپ نے مجھے یہاں ڈراپ کیا بہت بہت شکریہ.....“

میں اندر چلی جاتی ہوں۔“ نجانے وہاں ملاں کے ساتھ کون کون ہوگا؟ کیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کی ذات کا نجانے کیسے تراشا لگتا؟ وہ عثمان فاروق کے سامنے اپنی ذات کی بے توقیری ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ عثمان فاروق یہیں گیٹ سے ہی واپس چلا جائے۔

”چلیں میں ساتھ ہی چلتا ہوں اسی بہانے آپ کی مدد کی عیادت بھی ہو جائے گی۔“

”لیکن آپ کو مسئلہ ہوگا.....“ اس نے بہانے سے منع کرنا چاہا تھا۔

”جہاں میں نے اتنا سفر طے کیا ہے وہیں عیادت کے لیے جاتے مجھے قطعی تکلیف نہیں ہوگی۔“ وہ اپنی جگہ مصر تھا۔

”چلیں آئیں چلتے ہیں..... علم تو ہوگا ناں کس نام سے ایڈمٹ ہیں اور کس طرف؟“ حویلی سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کال کر کے خالہ سے ساری معلومات لے لی تھیں۔

مرتا کیا نہ کرتا؟ وہ مصداق وہ عثمان فاروق کے ہمراہ اندر آئی تھی یہ کوئی درمیانے درجے کا پرائیویٹ ہاپٹل تھا۔ ریسپشن سے معلومات لے کر وہ مطلوبہ کمرے کی طرف آئی تھی۔

”دیکھیں وہاں میرے رشتہ دار بھی ہوں گے پتا نہیں وہ کس طرح کاری ایکشن دیں..... میں صورت حال دیکھ لوں تو پھر آپ کو کمرے میں لے جاؤں گی۔“ دوسری منزل پر کمرہ تھا۔ میز ہیاں چڑھتے اس نے کہا تو عثمان فاروق رکا۔

”یعنی مجھے دیکھ کر وہ کچھ غلط سمجھ سکتے ہیں؟“ اس نے واضح الفاظ میں پوچھا تھا۔

”کچھ بھی سمجھ لیں۔“

”لو کہ آپ مل لیں۔ پھر جو صورت حال ہوئی بتا دیجیے گا

میں ادھر ہی ویٹ کرتا ہوں۔“ میز ہیوں کے ساتھ ہی کمرہ تھا وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود کمرے کی طرف بڑھی تھی عثمان نے اسے جاتے دیکھا تھا وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں چند لوگ جمع تھے۔ اسے دیکھ کر فوراً چونکے ایک کام والی ملازمہ تھی ایک حسن آرا کے ماتحت کام کرنے والی لڑکی۔

”گفائی ماہ آرا بھی۔“ لڑکی ماہ آرا کو دیکھ کر فوراً چپکے تھی لیکن ماہ آرا اسے نظر انداز کرتے اپنی ماں کی طرف بڑھی تھی جو آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔

”بڑے وقت پر آئی ہے تو..... ڈاکٹر کہتا ہے اب تیری ماں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ایک دو دن کی مہمان ہے بس۔“ اس لڑکی نے کہا تو اس نے پریشان نگاہوں سے ماں کو دیکھا تھا۔

”ملاں.....“ اس نے ماں کا کندھا ہلایا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ بیٹی کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر پیدا ہوا تھا۔

”کیوں آئی تو یہاں.....؟“ وہ دبی سی آواز میں بولی تھی۔

”چا چلی جا..... حسن آرا کو علم ہو گیا ناں تو وہ تجھے قید کر لے گی..... مجھ کو شیر کی طرح وہ تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔“ وہ ہنسنے سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کی اس قدر خراب طبیعت کا سن کر میں بھلا کیسہ سکتی تھی..... حسن آرا کچھ بھی کرے میں آپ کو اس قدر تکلیف میں تو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔“

”ابھی بھی میری بات مان لے چلی جا..... حسن آرا رات کاٹے گی اس سے پہلے یہاں سے نکل جا۔“

”میں نہیں ڈرتی اس سے جو اس کے خوف میں اپنی ماں کو موت سے لڑنے کے لیے تہا چھوڑ دوں۔“ وہ روئی تھی۔

”کیسے آئی ہے تو؟“

”فاقہ کے کزن کے ساتھ۔“

”میری بات مان اسی کے ساتھ واپس چلی جا..... نہیں تو بہت برا ہوگا..... یہ دیکھ میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کو ساری زندگی تمہاری خاطر یہ جہنم خریدا ہے میں نے اب اس مقام پر

یا ایہا الذین امنوا

لے ایمان والو!

وہ راس
جی کس



آ کر میری محنت ضائع مت کر..... مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلی جاؤ یہاں سے.....“ ماہا رائیں کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو دی تھی۔

”بڑی بدھلیب ہوں میں جو تجھے اپنی طرف سے کوئی سکھ نہیں دے سکی لیکن بس یہی ایک خواہش ہے کہ تم عزت کی زندگی گزارو بس۔“ وہ بیٹی کا سر تھپتا رہی تھیں۔ ماہ رآ خاموشی سے سسکتی رہی کچھ دیر تک وہ ماں کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔

اماں سے بار بار سمجھادی تھیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے پھر اسے اماں کی بات ماننا ہی پڑی تھی۔ وہ اماں سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے جانے لگی تو وہاں موجود دونوں خواتین نے اس کا رستہ روک لیا تھا۔

”آپنی جلدی جارہی ہو..... حسنؔ راؤ تو تمہیں تلاش کرتے ہوئے نجانے کہاں کہاں سے کھوج چکی ہے اور تم ہو کہ ملتی ہی نہیں ہو..... رات کو آئے گی علم ہوا کہ تم آئی تھیں تو ہمیں بھون کر رکھ دے گی..... ہم تو تمہیں اب نہیں جانے دیں گی۔“ لڑکی نے کہا تو مادہؔ رائے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں اپنی ماں کی خبر گیری کی کٹائی تھی۔“
 ”چلو اس بہانے علم تو ہوا کہ تم زندہ بھی ہو..... ویسے آئی
 کس کے ساتھ ہو اور ہونی کہاں ہو؟“

”اپنے کام سے کام رکھو..... میں تم لوگوں کی غلام نہیں ہوں جو تم لوگوں کی باتوں خبردار میرا سہ رو کا تو۔“ وہ لڑکی کو دھکا دے کر تیزی سے کمرے سے نکلی لیکن باہر کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے عثمان فاروق کو دیکھ کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ ملازمہ اوڑھ لڑکی بھی فوراً باہر نکلی تھیں لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر رہی تھیں۔

”آپ باہر نہیں آئیں تو میں نے سوچا خود چل کر آپ کی والدہ کی عیادت کر لوں۔“ وہ ماہ آرا کو کہہ رہا تھا لڑکی معنی خیز انداز میں مسکراتی تھی۔

”اے ماہِ اَرْتَم تو بڑی چھپی رستم نکلی ہو..... بڑی موٹی آسامی پھنسا لی ہے تو نے تو..... ویسے ہے کون یہ.....؟“

آیا تو وہ ایک طرف روڑ کے کنارے کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

”نہیں میں چلی جاؤں گی۔“
”کہاں؟“

”ہاسٹل.....“ وہ عثمان کے سامنے از حد شرمندہ تھی سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔

”چلو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔“ اس نے دوشین بار کہا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

”یہ لوک کون تھے؟“ کچھ دیر بعد عثمان نے پوچھا تو وہ ہنوز خاموش رہی تھی۔

آپ کا سن کن لوگوں سے ہے؟ وہ پوچھ رہا تھا اور ماہ
آر ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی
تھی۔

وہ جس حقیقت کو ساری دنیا سے چھپاتی آ رہی تھی وہ آج
آخر کار لوگوں پر آشکار ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس کا ذات

بے مول ہو چکی تھی۔ کتنی مشکل سے وہ اپنا مقام بنارس ہی تھی اور وہ سب بے معنی ہو گیا تھا۔

”آپ پلیز روئیں مت..... دیکھیں مجھے کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔“

جواباً وہ رو رہی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عثمان اسے ایک چھوٹے سے ریستورنٹ میں لے آیا تھا۔

ہاشل ڈراپ کر دوں گا۔“ گاڑی روک کر اس نے کہا تو ماہی راہ

”میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں..... آپ نے جو دیکھا جو سنا وہ جو بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری ماں با

پھر ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے..... میں نفرت کرتی ہوں ان لوگوں سے اور ایک عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں

لو بس۔“ وہ اندر جانے کی بجائے کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق کی نظیروں میں گرنا..... اس کی عزت نفس پر یہ ایک گہری

”کیا آپ مجھے تفصیلاً بتانا چاہیں گی ہو سکتا ہے میں اس معاملے میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ اس نے کہا تو ماہ آیرا نے

عثمان فاروق کئی ٹاپے تک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جواباً ماہ آرا نے اسے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کی زندگی کی سب سے تلخ

حقیقت تھی۔

”اس سب میں بھلا آپ کا کیا قصور..... ٹھیک ہے

حالات آپ کو اس مقام پر لائے تھے لیکن آپ کی والدہ نے آپ کو معاشرے میں ایک باعزت مقام دینے کی ہر ممکن

کو کس کی ہے..... میں مجھتا ہوں انسان کی اصل ویلیو اس کا اعلیٰ اخلاق و کردار ہے نہ کہ اس کا خاندانی حسب و نسب اور

مراتب..... اس نے کہا تو ماہر آسٹالو لگا کہ جیسے اس کے اندر ایک سکون سا اثر گیا ہو۔ اس نے پہلی بار کسی کے سامنے اپنا آئینہ دکھانے کا ارادہ کیا اور شکر تھا کہ اس شخص نے اس کا حقیقہ

”چلیں آؤ سہرا جائے سہرا، اور مجھ میں آؤ کہو ذرا۔“

اس کے ساتھ اندھا گئی تھی۔ اس دن دونوں نے بہت ساری

عثمان فاروق کا اسے نہایت دینا ماہ آرا کو لگا کہ اسے گویا

نئی زندگی مل گئی ہو اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔

”عثمان فاروق کے نام کا ایک نیا باب.....“ جس نے اس کی نہ صرف دنیا بدل دی تھی بلکہ فائقہ کی زندگی میں بھی

دنوں اکٹھ ملنے لگے تھے۔ اس کا ماں صحت یاب ہو کر

واپس چلی گئی تھی۔ وہ اکثر عثمان سے کسی نہ کسی کام سے ملتی رہتی تھی۔ چھٹیاں ختم ہوئیں اور نئی کلاسز کا آغاز ہوا تو نافعہ بھی

واپس آ گئی تھی۔ فائقہ کی محبت تو ویسی کی ویسی ہی تھی لیکن ماہ آرباک اکثر اس کے ساتھ اپنی ذات کا موازنہ کرنے لگی تھی۔

محرمیاں تھیں وہ فائقہ کی زندگی میں نہ تھیں۔ سب سے بڑھ کر عثمان فاروق بیسا انسان فائقہ کی چاہتا تھا۔ وہ اکثر تارہ اچھے لگتی تھی۔ جوں جوں عثمان سے میل ملاقات کا سلسلہ بڑھتا جاتا رہا تو ایسے ویسے ہی اس کے دل میں فائقہ سے متعلق عجیب سا حسد پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے عثمان فاروق اپنے تمام مسائل کا حل دکھائی دینے لگا تھا۔ کوئی بھی بات ہوتی وہ عثمان فاروق سے کہتی اور عثمان فاروق اس کا مسئلہ منوں میں حل کر دیتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فائقہ عثمان فاروق کو کیا سمجھتی ہے لیکن ماہ آرا کو اپنی تمام محرمیوں اور مسائل کا واحد حل عثمان فاروق ہی دکھائی دینے لگا تھا۔

وہ بے شک حسن راہ جیسی لڑکیوں کی سی زندگی نہیں گزار پاتی تھی نہ ان جیسے اعزاز تھے اور نہ ہی اطوار..... اس کی شروع سے ہی اولین ترجیح عزت نفس کا تحفظ اور اس گندے آلودہ ماحول سے لگنا تھا لیکن اس نے زندگی کا اولین حصہ ان لوگوں میں گزارا تھا وہ بخوبی جانتی تھی کہ مرد کی کمزوری کیا ہے اور کسی بھی مرد کو ان کے ہاں کی عورتیں کس طرح اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ عثمان فاروق کوئی فرشتہ نہ تھا جو بہکنا نہیں۔ ماہ آرا کا عزت کی زندگی پانے کا خواب ایسا اچھا تھا جو اس نے استعمال کیا اور عثمان فاروق اس کی باتوں میں گمیا تھا یا اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کچھ ماہ کے عرصے میں ہی دونوں کے تعلقات جس موڑ پر آ گئے تھے عثمان فاروق اپنے لیے محبت اور ماہ آرا اسے اپنی تمام تر محرمیوں کا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔ دونوں کی محبت اپنے اپنے مقام پر خاموش ندی کی طرح رواں دواں تھی۔ ایسے میں وقت تیزی سے بدلنا تھا۔

ایک رات ہونے تو فائقہ واپس چلی گئی اور ماہ آرا وہ کسی اور ویکن ہاسٹل میں شفٹ ہو گئی تھی۔ اس کی اماں اسے ایک معقول رقم بھجوا رہی تھیں اب اس کی بہت ساری ضروریات عثمان فاروق کے ذمے بھی پوری ہو رہی تھیں جو بھی تھا وہ عثمان فاروق کے ساتھ ساری عمر گزارنے کے خواب ضرور دیکھنے لگی تھی۔ انہی دنوں حویلی میں اماں بی نے عثمان فاروق اور فائقہ

بھی بچ گئی تھی۔

وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ یہ جان کر اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا لیکن وہ لڑکی اس کی عزیز از جان دوست ماہ آرا تھی اس بات سے وہ ابھی بھی بے خبر تھی۔

ایک دن عثمان فاروق اس کے پاس آیا تھا اپنی پسند کا بتا کر دل کی بات کرنے جب اس نے ماہ آرا کا نام لیا تو فائقہ کو لگا کہ کو باز بین فاسان گھونسنے لگے ہیں۔

وہ کم صدم تھی۔ عثمان فاروق کسی اور کو نہیں اس کی پیاری دوست ماہ آرا کو پسند کرتا تھا۔ فائزہ حاجی حویلی آئی ہوئی تھیں۔ اس نے یہ بات ان کو بتائی تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”تھیں تو میں شروع سے ہی سمجھاتی آئی ہوں کہ اس دوست سے محتاط رہو کیونکہ یہاں اپنا اعتماد وہ آخر کار عثمان کو ہی لے لڑی۔“

”ہو سکتا ہے یہ محض عثمان کی ہی خواہش ہو ماہ آرا بے خبر ہو۔“

”اشفاق بتا رہے تھے لڑکی بھی آدہ ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ماہ آرا کی مرضی سے سب ہو رہا ہے۔“ فائقہ بے یقین تھی۔ وہ بہت دن تک اسی بے یقینی میں رہی اور پھر ایک دن عثمان فاروق سے سامنا ہوا تھا۔

اب اکثر ایسے ہوتا تھا کہ جب بھی عثمان سے سامنا ہوتا تو وہ رخ موڑ کر چلی جاتی تھی جب بھی وہ جانے لگتی تھی لیکن عثمان کی ہیکل پرک گئی تھی۔

”فائقہ روکو..... مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس نے کہا تھا۔

”لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ پھر سے جانے لگی لیکن عثمان فاروق اس کے سامنے گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم ہرٹ ہو گئی ہو لیکن فائقہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ساری عمر ایک ان چاہی زندگی گزارنے کی بجائے ہم اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی گزار لیں۔ میں ماہ آرا سے محبت کرتا ہوں اور تم جانتی ہو میں کوئی تھوڑا کلاس لڑکا نہیں ہوں جو روز بروز لڑکیاں بدلتا پھروں..... ماہ آرا تمہاری دوست ہے تم

اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ بھی عام لڑکی نہیں ہے..... ہم دونوں

بہت سنجیدہ ہیں تم پلیز اماں بی کو بھلاؤ وہ یہ ضد چھوڑ دیں وہ اگر میری بات نہیں مانتیں گی تو میں یہ حویلی تک چھوڑ دوں گا۔“ انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ فائقہ نے بہت خاموشی سے سب سنا تھا۔ ماہ آرا تو وہ بہت یقین کرتی تھی لیکن اس نے تو پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ وہ اس رات اماں بی کے پاس آئی تھی۔

”آپ عثمان فاروق کی بات مان کیوں نہیں لیتیں۔“ ”میں بھلا کیسے مان لوں ایسی لڑکی کے لیے جس کے خاندان کا کچھ اتنا پتا نہیں..... جن کی کوئی مالی حیثیت نہیں اور سب سے بڑی بات تمہاری جگہ میں کسی اور کو کیوں دے دوں۔ زبردستی کیسی؟ شروع سے عثمان آگاہ تھا کہ ہم اس کی شادی تم سے کریں گے۔“

”لیکن وقت ایک سا نہیں رہتا ہمیشہ۔“ ”ہمیں وہ لڑکی تمہاری دوست کی حیثیت سے تو پسند آئی تھی لیکن ہم اسے بہو نہیں بنا سکتے۔“ اماں بی اپنی جگہ اٹل تھیں۔

”پلیز آپ مان جائیں..... میں نہیں چاہتی کہ آپ لوگوں میں دوریاں پیدا ہوں اور میری وجہ سے کوئی اختلاف آئیں۔“ اماں بی رو رہی تھیں۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ اگلے دن خود سے عثمان فاروق کے پاس گئی تھیں۔

”ہمیں تمہاری خواہش قبول ہے لیکن ہماری بھی ایک شرط ہوگی۔“ عثمان فاروق نے مان کو دیکھا۔

”ہمارے خاندان میں لڑکے جوانی کے جوش میں اکثر ایسی غلطیاں کر لیتے ہیں لیکن خاندان نہیں چھوڑتے تمہارے دادا کی دو بیویاں تھیں تمہارے چچا کی بھی دو بیویاں تھیں لیکن دونوں نے خاندانی حفظ و مراعات کا خیال رکھا تھا اور تم نے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔“

”لیکن میں جانتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔“ ”ہوگی.....“ اماں بی کے انداز میں ناگواری تھی۔

”لیکن ہماری شرط تمہیں ماننا ہوگی۔“ ”کیسی شرط؟“

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ و فراہم کر سکتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام اور بینک نوٹیشن کے
ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیس کا نوٹ نمبر

0316-0128216

موبائل کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسبرج پیج: مسدود ہونے والی روڈ کراچی

فون نمبر: 2/2-35620771-922+

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

آرا تھی؟ فائقہ تو بس گھر والوں کی خواہش تھی اور فائقہ وہاں
چاہی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس نے عثمان فاروق سے
صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

”وہ ماہ آرا سے جب چاہے شادی کر سکتا ہے اسے کوئی
امتناس نہیں ہوگا۔“

اماں بی بی کی خواہش تھی کہ وہ فائقہ کو لے کر کہیں چلا جائے
اس طرح دونوں کے درمیان تعلقات بحال ہو جائیں گے
لیکن فائقہ کے دل سے ہر احساس مٹ گیا تھا۔ وہ عثمان
فاروق کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد آئی ہوئی تھی۔
وہ سارا سارا دن ہونے کے کمرے میں تنہا رہتی اور عثمان باہر چلا
جاتا تھا اور پھر ایک شام وہ واپس آیا تو کانی تھکا ہوا تھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ فائقہ نے پوچھا تو اس
نے اسے دیکھا۔

”نہیں.....“ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔

”ماہ آرا کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے آج.....“ کچھ
توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

”وہ.....“ وہ واقعی افسردہ ہوئی تھی۔

”کہاں ہے ماہ آرا؟“

”ہاسٹل میں رہ رہی ہے۔“

”اپنی ماں کی وفات پر نہیں گئی کیا وہ؟“

”نہیں۔“

”مجھے اس کے پاس لے چلیں گے کیا؟“

”کل تیار رہنا۔“ وہ کہہ کر کروٹ بدل گیا تھا اور فائقہ گم صم
بیٹھی رہی تھی۔

اگلی صبح وہ عثمان کے ساتھ اس دوسرے ہاسٹل میں آئی تھی۔

ماہ آرا شدت سے رورہی تھی۔

”میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ فائقہ نے

ایک گہرا سانس لیا تھا۔ امتحانات کے بعد ملاقات ہو رہی
تھی۔

فائقہ نے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی اور غلط دوست سمجھا تھا

لیکن یہ لڑکی..... اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ کچھ وقت
بلا کر وہ واپس ہونے لگی تھی۔ رات کو اس نے عثمان

”بس میں نے بہت سمجھایا تھا اس نے میری بات مان
لی۔“ وہ حیران مچی اماں بی بی نے اسے بتایا تھا۔ دونوں کی شادی
بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اماں بی بی نے دل کے سارے
امران پورے کیے تھے۔

شادی کی رات فائقہ عثمان فاروق کے کمرے میں اس کا
انتظار کر رہی تھی عثمان آیا تو اس قدر حسین دہن دیکھ کر ٹھٹھک گیا
تھا۔

”میں نے اماں بی بی کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا
کہ میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا لیکن ان کی
ضد تھی کہ تم سے شادی ہو، وہ خوش ہیں لیکن میں خوش نہیں ہوں
تم سے شادی میری مجبوری تھی کہ وہ اسی صورت ماہ آرا سے
میری شادی کروانے پر آمادہ ہوئی تھیں۔“

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ۔ فائقہ تو گنگ سی بیٹھی رہ گئی
تھی۔ نہ کوئی تعریف نہ کوئی توصیف اور بس چند الفاظ..... اس
کے احساسات ٹھنڈے ہونے لگے تو وہ اٹھ کر واش روم میں بند
ہو گئی تھی۔ وہ خوب روئی تھی اور اگلی صبح اماں بی بی سے خوب لڑی
تھی۔

”یہ میری ذات کی تو ہے تھی آپ نے میرے ساتھ غلط
بیانی کی مجھے عثمان فاروق سے شادی نہیں کرنی تھی..... بہت
غلط کیا آپ نے میرے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ
بھی.....“ وہ روئی رہی تھی۔ اماں بی بی نے محبت سے اسے ساتھ
لگایا تھا۔ وہ ابھی زخم خوردہ تھی۔ تو تکلیف دو چند تھی۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے..... اسی
صورت میں اسے اس لڑکی سے شادی کے لیے روک سکتی
تھی..... عثمان کی زندگی پر صرف اور صرف تمہارا حق ہے اور یہ
حق میں کسی اور کو بھلا کیسے دے دیتی۔“ وہ روئی رہی تھی۔ وہ
اس دھوکا دہی کے حق میں نہ تھی۔

بلکہ وہ تو ماہ آرا کے لیے عثمان فاروق کے جذبات جاننے
کے بعد اس کی زندگی میں بھی شامل ہونے کے حق میں نہ تھی
لیکن اماں بی بی کی وجہ سے وہ صدمہ کھا گئی تھی۔

عثمان کے ساتھ زندگی کی شروعات بہت تکلیف دہ
تھیں۔ عثمان فاروق کے دل و دماغ میں صرف اور صرف وہ

”جسہیں ماہ آرا سے پہلے فائقہ سے شادی کرنا ہوگی
فائقہ ہی ہماری پہلی اور خاندانی بہو ہوگی اور تم اپنے دل کی
خواہش پر اس لڑکی سے شادی کر کے اسے نہیں بھی رکھ سکتے
ہو لیکن فی الحال تمہیں فائقہ سے شادی کرنا ہوگی۔“

”میں ایسا نہیں کر سکتا.....“ وہ مکمل طور پر انکاری تھا۔
”میں عیسیٰ ہوئی زندگی نہیں گزار سکتا..... میری زندگی میں
صرف اور صرف ماہ آرا ہی ہوگی اور بس۔“

”تو پھر ٹھیک ہے ہم تمہارے بابا صاحب کو کہہ دیتے
ہیں اگر تم نے اس لڑکی کو اپنا تو پھر ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں
ہوگا۔“ عثمان نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ وہ عجیب سی
کشمکش میں تھا۔ وہ ماہ آرا سے ملنے آیا تو ماہ آرا نے ساری
صورت حال سن کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

وہ زمین و جانیداد سے لاطعلق عثمان فاروق کے ساتھ
زندگی گزار تو لیتی لیکن یہ زندگی بہت ساری محرومیوں پر مشتمل
ہوتی اور وہ ایسی زندگی نہیں چاہتی تھی اس نے بہت سوچا اور
پھر عثمان سے کہہ دیا تھا۔

”تم فائقہ سے پہلی شادی کر لو عثمان.....“

”کیا کہہ رہی ہو ماہ آرا.....!“

”میں جانتی ہوں فائقہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، ویسے
بھی تمہارا خاندان مجھے بھی بھی قبول نہیں کرے گا..... مجھے
کچھ نہیں چاہیے بس تمہاری محبت اور تمہارا نام چاہیے..... تم
شادی کر لو کم از کم۔“ عثمان حیران ہوا تھا۔

اس کی نظروں میں ماہ آرا کی عظمت اور بڑھتی تھی جو اپنی
محبت فائقہ سے بانٹنے کو تیار تھی۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی اور پھر
اس نے اسے قائل کر لیا تھا۔ عثمان نے اماں بی بی کو شبت جواب
دے دیا تھا۔ اماں بی بی مطمئن تھیں۔ انہوں نے فائقہ سے
بات کی تھی اس نے انکار کر دیا تھا۔

”مجھے اب عثمان سے شادی نہیں کرنی۔“

”وہ ماہ آرا کو چھوڑ دے گا۔“ میری اس بات ہوئی
ہے وہ خود راضی ہے۔ انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا وہ
حیران ہوئی تھی۔

”ایسے کیسے چھوڑ دے گا ماہ آرا کو.....؟“

فاروق سے کہا تھا۔
 ”ماہ آراکب بالکل تنہا ہے مجھے کفر نہیں لیکن اندازہ ضرور ہے کہ آپ اس کے منہ سے بے خبر نہیں ہوں گے۔“ عثمان

فاروق نے سوالیہ نظروں سے فائقہ کو دیکھا تھا۔
 ”میرا مطلب ہے ماہ آرا کی خاندانی حیثیت وغیرہ سے..... وہ کن لوگوں سے تعلق رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔“

”کیا جانتی ہو تم اس بارے میں؟“
 ”بہت کچھ وہ سب کچھ جو اس کے بارے میں مشہور تھا۔“

وہ ہنس دی عثمان کو بہت برا لگا۔
 ”لوگ تو کسی کو کبھی اچھا نہیں سمجھتے۔“

”لیکن سیانے کہتے ہیں کہ..... زبان خلق کو فاقہ را خدا سمجھو۔“

”کیا کہنا چاہتی ہو تم؟“ وہ ہنس دی۔
 ”ماہ آرا سے شادی کر لیں! اس کی اور باقی لوگوں کو ممانا

میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

عثمان نے فائقہ کو دیکھا تھا۔ وہ نابل ہوئی۔
 ”میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت گزرے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوئے پر واپس آ جائیں گے۔“

”لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم عثمان کے ساتھ ہی جاؤ..... اس کے ساتھ ہی ہر جگہ رہا کرو..... عثمان فائقہ کے

بھی پیپر تیار کروا دیں تمہارے ساتھ جانے کی۔“
 ”اتنی جلدی پیپر زبیدی نہیں ہوں گے میں تو نیکسٹ

ایک جا رہا ہوں۔“ اماں بی بی نے سنجیدگی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔
 رات کو انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی۔

”عثمان امریکہ کیوں جا رہا ہے؟“
 ”یہ بات آپ عثمان سے ہی پوچھ لیں۔“

”میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دونوں کا رشتہ بس نام کا ہے۔“
 فائقہ خاموش رہی تھی۔ نہ تصدیق نہ تردید کی تھی۔

”میں عثمان سے بات کرتی ہوں اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی..... شادی کی ہے تو اب بھلائے گی۔“ وہ تب

بھی خاموش رہی تھی۔ عثمان کچھ دن بعد امریکہ چلا گیا تھا۔
 جانے سے پہلے اس سے ملنے آیا تھا۔

”ماہ آرا ابھی ساتھ جا رہی ہے؟“ اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

”ہاں.....“ وہ مسکرائی۔
 ”مڈلک“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور عثمان فاروق

نے چند پل اسے جاتے ہوئے بغور دیکھا تھا اور پھر وہ اگلے دن چلا گیا تھا۔ اماں بی بی فائقہ کو دیکھتیں تو دل دکھنے لگتا۔ فائقہ

نے کسی سے بھی عثمان کی ماہ آرا سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔
 اس نے عثمان کو کبھی منع کر دیا تھا۔

انہوں نے اتفاق سے کہہ کر فائقہ کے کانفٹ تیار کروانے شروع کر دیے تھے۔ فائقہ امریکہ جانے کو رضامند

نہ تھی لیکن اماں بی بی صاحب اور فائقہ نے اس کی سبب بھند تھے اور پھر تین ماہ بعد وہی امریکہ گئی تھی۔ اماں بی بی نے عثمان کو کال

کر دی تھی وہ رو رہی ہوئی آئی تھا۔ دونوں میں محض رکی بات چیت ہوئی تھی۔ وہ گھر آئی تو ماہ آرا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ چند

ماہ میں ہی وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔
 وہ جو پہلے ہی خوب صورت تھی اب خوب صورتی کا

شکار بن چکی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ ماہ آرا کو فائقہ کی آمد ابھی نہ لگی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے

میں بند رہتی تھی۔
 وہ دونوں میاں بیوی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتی

تھی۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے پتا چلا کہ ماہ آرا ایک سیکنڈ ہے اس نے ماہ آرا کو مبارکباد دی تھی۔ ماہ آرا جو پہلے ہی عثمان فاروق کی آنکھوں کا تاراجی اب ہاتھ کا چھالا بھی بن گئی تھی۔

وہ ماں کے ساتھ ہی ہاسپل آئی۔ ساری ذمہ داریاں وہ خود ہی دیکھتی رہی تھی۔ جس وقت باجوہ صاحب کی کال آئی تھی صبح کا وقت تھا۔ فائیکہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی وہ کال سنتے ہی نکل آئی تھی۔ اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ کچھ دیر مزید گزری تو فائیکہ کی کال آ گئی۔ ”شہری بیٹا کہاں ہوا آپ؟“ وہ ماہ آرا کے سر ہانے بیٹھی ہوئی تھی ایک نظر ماہ آرا کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔

”میں درالا اطفال آئی ہوئی تھی۔“

”خیریت تھی ناں؟“

”جی.....“

”ماہ آرا ٹھیک ہے؟“

”جی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی انہیں لے کر ہاسپل آئی ہوں۔“

”اوہ..... کیا ہوا؟“ دوسری طرف فائیکہ پریشان ہوئیں۔

”کافی شدید بخار ہے۔“

”اپنا دھیان رکھنا اور ساتھ کون ہے؟“

”دارالا اطفال کے ہی دو تین لوگ ہیں۔“

”بی کیئر فیل اور کس ہاسپل میں ہو؟“ اس نے ہاسپل کا نام بتا دیا۔

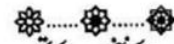
”اے کوئے اپنا خیال رکھنا میں لیٹ اٹھی تھی تمہیں گھر میں نہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ بس اس حادثے نے

ڈرا کر رکھ دیا ہے۔ دھڑکا سہا ہی لگا رہتا ہے۔“ فائیکہ کی آواز میں واقعی فکر مند سی تھی۔

”تھینک یو..... آپ پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“ اس نے تسلی دی۔

ایک دو اور باتیں ہوئیں اور پھر اس کے بعد ان کی کال بند ہو گئی۔ ماہ آرا کو ڈرپ لگی ہوئی تھی وہ گہری نیند

میں تھیں۔ وہ ماں کے سر ہانے پیٹھ کر انہیں دیکھتی رہی تھی۔



ابھی ماہ رخ چند ماہ کی ننھی سی بچی تھی جب ایک دن باہر شاہنگ پر ننگی ماہ آرا کو ”احسان ڈار“ ملا تھا۔ احسان ڈار حسن آرا کا خالہ زاد تھا۔ حسن آرا کی ہی طرح بیوی باری اور اس کا سب سے بڑا تعارف یہ تھا کہ وہ ماہ آرا کے حسن سے گھائل ہو جانے والوں کی لسٹ میں شامل تھا۔ وہ ماہ آرا کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

”ماہ آرا تم یہاں؟“ وہ اکیلی شاہنگ پر ننگی تھی احسان ڈار کو دیکھ کر فوراً بھاگنے لگی تھی۔

”ارے بھاگ کہاں رہی ہو رکو تو سہی.....“ وہ فوراً اس کی راہ میں آیا تھا۔

”حسن آرا سے پتا چلا تھا کہ تم نے کوئی بہت بڑی آسامی پھنسا کر شادی رچا لی ہے۔“ وہ مزید کہہ رہا تھا۔

”بکومت..... میرا راستہ چھوڑو.....“ وہ غصے سے پھٹکاری تو وہ ہنس دیا۔

”بڑا ڈھونڈا ہے تجھے حسن آرا نے بھی اور میں نے بھی..... مزے کی بات بتاؤں جس موٹے سیٹھ سے

اس نے تیرا سودا کیا ہوا تھا اس نے حسن آرا کا برا حال کر دیا تھا۔ پورا ایک ہفتہ وہ تھا نے کی ہوا کھا کر آئی تھی

اور پھر حسن آرا کے کسی مہربان نے اسے وہاں سے نکلوا دیا تھا۔ وہ زخمی شیریں کی طرح بلبلاتی تھی۔ وہ تو تجھے

اب بھی ڈھونڈ رہی ہے لیکن تو امریکہ میں چھپی ہوئی ہے..... گلنا ہے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے تو نے..... جتنی تو

بڑی شریف زادی تھی لیکن چھن تو سارے ماں والے ہیں تجھ میں۔“

”بکواس بند کرو..... میرا راستہ چھوڑو ورنہ میں یہاں کی پولیس کو کال کر دوں گی۔“ وہ غصے سے بولی تو

احسان کل کل کر ہنسا تھا۔

”شواو ابھی..... بڑا زعب دکھانے لگ گئی ہو۔“ وہ غصے سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

”ویسے رہتی کہاں ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا ماہ آرا خاموش رہی تھی۔

نرا احسنین کے قلم سے لگی

دل کے تاروں کو چھسیڑتی محبت کی ایک اچھوتی داستان خوابوں کی سرزمین اسپین میں ہوا دور وحوں کا ملن جن کے دل زخموں سے چپاک تھے تو بدن برسوں کی تھکن سے چور آپ بہت جلد حجاب کی نگری میں ملیں گے

ننگی کفر

عشق نگر کفر

عشق کے ہر انگ میں رنگ ہے تو وفاؤں کا بھی اک انوکھا ڈھنگ ہے

عشق نگر کفر

حسن کی ادا کو رد حاصل ہے تو عشق میں کھیلے گئے داؤ کا بھی اک بھاؤ ہے

ہوس کے نشے میں چور مجرم اپنے ہی گھر کو نشانہ بنا کر گناہ کا ٹھہرتا ہے

محبت اور انا کی جنگ لڑتے کرداروں سے متعارف کرائی خوب صورت تحریر

کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ کرنا نہ بھولیں

حجاب کچی

”وہیے تجھے مجھ سے گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میرا حسن آرا سے اب کوئی تعلق نہیں..... اس نے اپنا سارا کاروبار دھندا الگ کر لیا ہے اور آج کل کسی گمنام جگہ روپوش ہو چکی ہے۔ کوئی رابطہ ہی نہیں..... میں نے ایک فلم میٹنگ مہینی جوائن کی ہے ان کے ساتھ شوٹنگ کے لیے آیا ہوں۔“ ماہ آرا نے اسے بغور دیکھا۔

واقعی احسان ڈار کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے۔ خوب صورت قد و قامت رکھنے کے باوجود ماہ آرا کو اس سے ہمیشہ نفرت محسوس ہوئی تھی لیکن اب تو اس کی کایا ہی پٹی ہوئی تھی وہ واقعی کوئی فلمی ہیرو لگ رہا تھا۔ بڑا سٹائلش اور سچا سنورا سا۔ ”فلم میں ہیرو ہو؟“ اس نے پوچھا تو وہ تہہ بہ لگا کر ہنسا تھا۔

”ارے نہیں..... ابھی تو ڈائریکٹر ہوں..... جتنا پیسہ کمایا تھا سب اس پر لگا دیا دیکھنا یہ فلم بڑا بزنس کرے گی۔“ وہ بتا رہا تھا ماہ آرا خاموشی سے سنتی رہی تھی۔

”شادی کی تم نے یا ویسے ہی کسی کے ساتھ یہاں گھومنے پھرنے آئی ہو؟“ وہ جتنا بھی اسٹائلش ہو جاتا لیکن اس کا لب و لہجہ وہی تھا وہی آوارہ و بد تہذیب ماہ آرا نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”میری ذات سے تجھے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“ ہماری بلی ہمیں کو میاؤں..... بڑے نخرے ہیں بھی۔“

”رنگ ڈھنگ سے تو لگتا ہے کافی موٹی آسامی ہے۔“ احسان نے اسے سر سے پاؤں تک بغور دیکھا تھا۔

اسٹائلش سے لباس میں وہ کافی ٹھہری ٹھہری سی لگ تھی بلکہ اب تو اس کا حسن دو چند ہو چکا تھا۔ انتہائی جاذب نظر اور دلکش۔ احسان ڈار کا دل مچلنے لگا تھا۔ اس

لڑکی کا حصول ہمیشہ سے اس کی خواہش رہا تھا لیکن لڑکی تھی کہ اس کے ہاتھ میں آئی نہیں رہی تھی۔ اب بھی احسان ڈار کی آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی تھی۔

”چلو جو ہو گیا سو ہو گیا..... حسن آرا جب تھانے کے چکروں میں الجھی ہے بالکل ہی نا کاں ہو گئی ہے۔ سارا کام ٹھپ..... اس کے ساتھ ساتھ سب بھی خوار ہو رہے تھے ویسے بھی آئے دن پولیس

ٹنگ کرنے لگی تھی۔ یہ فلم انڈسٹری بڑے سکون کی جگہ ہے۔ پرانے سب کام چھوڑ دیئے ہیں میں نے۔ اب اپنی ایک انڈسٹری بنائی ہے۔“ وہ بتا رہا تھا اور ماہ آرا ناگواری سے اسے سن رہی تھی۔

”تم سے کل کچھ لگا مٹی رہا کرو..... غیر ملکی میں اپنے پن کا احساس مل جانا اچھا لگتا ہے۔“ اس نے کہا تھا۔

”فی الحال تو تم میرا راستہ چھوڑو..... مجھے چاہیے دو۔“ وہ ہنس دیا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔

ماہ آرا نے اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پر ٹھکرائی سانس لیا اور فوراً آگے بڑھی۔

”سنو.....“ اس نے پیچھے سے پکارا تو وہ رکی۔

”ابھی ایک ماہ تک میں یہیں ہوں یہ کارڈ رکھ اجنبی دیس میں کبھی میری ضرورت پڑے تو یاد کر لینا۔“ ماہ آرا نے ناگواری سے اسے دیکھا اور پھر جان چھڑانے کے لیے کارڈ پکڑ کر تیزی سے نکل گئی تھی۔

احسان ڈار نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا تھا اور تیزی سے اس کے پیچھے ہو لیا تھا۔

شہرینہ سے پہلے ہی کال پر ہاسٹل اور کمرہ نمبر پوچھ رکھا تھا۔ گاڑ ساتھ ساتھ وہ سیدھی روم میں آ گئیں۔

”آپ.....؟“ شہرینہ فالتو کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ ”کیسی ہو اور ماہ آرا کیسی ہے؟“ وہ سو رہی تھیں چادر سر تک ماہ آرا کو ڈھانپے ہوئے تھی۔

شہرینہ نے سر ہلا دیا تھا۔ فالتو نے ماہ آرا کی طرف دیکھا۔

”بہتر ہیں لیکن بخار ابھی بھی ہے۔“ فالتو نے سر ہلایا۔ ایک عرصے بعد وہ ماہ آرا کے سامنے تھیں۔ ان کے اندر عجیب سی کیفیت برپا تھی۔ نہ انتقام نہ غصہ اور نہ ہی دکھ بس رحم تھا اور تکلیف۔

”سو رہی ہیں کیا؟“ فالتو نے پوچھا۔

”جی..... میڈیسن کا اثر ہے۔“

”آپ بیٹھیں پلیز.....“ شہرینہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ ایک طرف بیٹھ گئیں۔

”تمہارے پاپا کی کال آئی تھی وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔“ شہرینہ خاموش رہی۔ ”وہ خفا ہو رہے تھے کہ تمہیں اسکیل ہاسٹل نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”تو آپ کو بابا نے میرے پاس بھیجا ہے؟“

”نہیں..... میں خود آئی ہوں۔“ شہرینہ بستر کے ایک طرف بیٹھ گئی۔

”ڈاکٹر کیا کہتے ہیں کب تک طبیعت بہتر ہو جائے گی؟“ دونوں طرف کچھ دیر خاموشی حاکم رہی تو فالتو نے پوچھا۔

”کہہ رہے تھے کل تک طبیعت کافی بہتر ہو جائے گی۔“

”تم ایسا کیوں نہیں کرتی ماہ آرا کو اپنے گھر لے آؤ..... وہاں اس کی دیکھ بھال اچھے طریقے سے ہوگی تو جلدی ری کوور کرے گی۔“ فالتو کی بات ہی ایسی تھی کہ شہرینہ نے حیران ہو کر دیکھا۔

”اے گھر.....!“ فالتو نے سر ہلایا۔

”بھلا کس رشتے سے.....“ اس کا لہجہ ایک دم طنزیہ

”تمہاری مدر کی حیثیت سے۔“ شہرینہ نے لب بھینچ لیے کچھ دیر بعد اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”آپ بہت اچھی ہیں.....“ کافی دیر تک دونوں کے درمیان طویل خاموشی قائم رہی اور پھر شہرینہ نے ہی کہا۔

”آپ نے میری حقیقی ماں سے بڑھ کر مجھے توجہ دیا ہے۔“ میں سب کو جتنا بھی الزام دوں برا بھلا کہہ لوں لیکن یہ سچ ہے آپ نے آفاق اور ٹیپو سے بڑھ کر مجھے چاہا ہے پاپا کی سرگرمیوں کی وجہ سے بے شک آپ مجھے مل نام نہیں دے سکیں لیکن میں سچ کہوں تو آپ نے مجھے ہر ممکن توجہ و وقت دینے کی کوشش کی ہے۔“ وہ بول رہی تھی اور فالتو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ سمجھ رہی تھیں کہ شہرینہ کو ان سے لاکھ شکوے و شکایات ہوں گے اب حقیقی ماں کی موجودگی میں وہ ان سے بدظن بھی ہو سکتی تھی لیکن شہرینہ نے ان کی توقع سے بالکل الٹ ثابت کیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ایک دم نئی سی آگئی تھی۔ وہ بے اختیار اٹھ کر شہرینہ کی طرف بڑھیں اور بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں لے لیا تھا۔

”لو یو سوچ..... تم مجھے اپنی حقیقی بیٹی سے بڑھ کر عزیز ہو..... آئی سویر میں نے تمہیں ہر احساس سے بالاتر ہو کر چاہا ہے۔“ شہرینہ کی آنکھوں میں بھی پانی در آیا لیکن اس نے کمال ضبط سے خود کو سنبھال لیا تھا۔

”میں کوئی کم فہم بے حس وجود نہیں ہوں جو آپ کی محبت کا خالص پن سمجھ نہ پائی“ آپ میرے لیے ہمیشہ میری مام ہیں اور رہیں گی۔“ اس نے فالتو کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دلاس دیا تو فالتو بے اختیار رو دیں تب ہی ماہ آرا کے وجود میں جنم ہی ہوئی۔ شہرینہ جو فالتو کو چپ کر رہی تھی وہ فوراً ماہ آرا کی طرف بڑھی۔

ماہ آرا بخار میں کراہ رہی تھی۔ آنکھیں اس کی بند تھیں اور چادر چہرے سے سرک گئی تھی۔ فالتو ماہ آرا

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

کو دیکھ کر شدید سکتے میں تھی۔ اس نے اپنی چیخ روکنے کے لیے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

فاائقہ اپنے انسی ٹیوٹ مگی ہوئی تھی ماہ رخ سوئی ہوئی تھی عثمان کسی کام سے باہر نکلے تھے ماہ آرا گھر پر اکیلی تھی جب اپارٹمنٹ کی بیل بجی تھی۔ ماہ آرا نہا کر نکلی تھی۔ لمبے بال پشت پر تھے خوب صورت لباس میں وہ بڑی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ وہ ڈور تک آئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا لیکن اپنے سامنے موجود انسان کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

”تم.....؟“
”ہیلو.....“ وہ شخص مسکرا کر دروازہ میں آ کھڑا ہوا تھا۔

”کیوں آئے ہو تم یہاں؟“
”تم سے ملنے.....“
”شٹ اپ..... گیٹ لاسٹ۔“ وہ فوراً دروازہ بند کرنے لگی تھی لیکن احسان ڈار نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اس کی کوشش ناکام بنادی تھی۔

”اندر تو آنے دو.....“ وہ زبردستی گھر میں گھس آیا تھا۔ ماہ آرا خوف زدہ سی پیچھا آئی تھی۔
”پلیز تم یہاں سے چلے جاؤ..... پلیز۔“ وہ اس کے پاس آ کر کہنے لگی تو اس نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور پھر گھر کو۔

”گھر تو بڑا خوب صورت ہے۔“ وہ توصیفی انداز میں وہیں ٹی وی لائون میں ٹک گیا تھا۔
”پلیز احسان تم یہاں سے چلے جاؤ۔“
”ایسے کیسے چلا جاؤں؟ ایک عرصے بعد تو تمہارا پتا چلا ہے۔ رشتہ دار ہوں تمہارا غیر ملک میں اپنوں کی خبر تو رکھنا پڑتی ہے ناں۔“

”بکواس بند کرو..... میں اپنی شادی شدہ زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی ورنہ تمہارے جیسے لوگوں کو سبق سکھانا میرے شوہر کے لیے مفید مشکل نہیں ہے۔“ اس

کی بات پر وہ ہنس دیا تھا۔
”چلو یہ تو پتا چلا کہ تم نے شادی کر لی ہے۔ ویسے وہ خوش قسمت ہے کون؟“

”جو بھی ہو تم سے مطلب.....؟“
”ایسے مت کرو..... یوں تیار دکھاؤ گی تو نقصان اٹھاؤ گی تم جانتی ہو کہ میں اس طرح جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ وہ صوفے سے اٹھ کر اس کی طرف آ گیا تھا۔ ماہ آرا خوف زدہ ہو چکی تھی۔
”بہت حسین ہو چکی ہو۔“ اس نے اسے بغور دیکھا تو ماہ آرا کو اس کی نگاہیں بہت بری لگی تھیں۔
”تو کیسے جان چھوڑ دے گی؟“

”اتنی جلدی تو نہیں بتاؤں گا۔“ وہ ہنس دیا۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندرونی کمرے کی طرف بڑھا تھا۔
”اگر تم ابھی نہ نکلے تو میں پولیس کو کال کر دوں گی۔“ وہ پیچھے لپکتی تھی وہ ہنس دیا۔
”غلطی سے بھی ایسا مت کرنا ورنہ میں تمہارے شوہر کو کہہ دوں گا کہ تم نے خود ہلاک کیا تھا۔“
”تم انتہائی گھٹیا انسان ہو۔“ وہ غصے سے بولی۔
”اس دن تمہارا پیچھا کیا تو تمہارے گھر کا پتہ چل گیا تھا۔ مجھے ساری معلومات ہیں کہ تمہارا شوہر کیا کرتا ہے کب جاتا ہے کب آتا ہے گھر میں کتنے افراد ہیں؟ اور بھی بہت کچھ..... تمہارا شوہر کس کمپنی میں جاب کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔“ ماہ آرا کے چہرے کا رنگ زرد پڑنے لگا تھا۔

وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف جا رہا تھا یہ فائقہ کا کمرہ تھا ماہ رخ مکمل طور پر فائقہ کی ذمہ داری بن چکی تھی۔ وہ تمام وقت اسے دیکھتی تھی لیکن جب وہ انسی ٹیوٹ چلی جاتی تھی تو وہ چند گھنٹے ماہ رخ کو ماہ آرا سنبھالتی تھی۔

تضحی بی بی کاٹ میں سو رہی تھی۔ خوب صورت نرم و ملائم روئی کے گالوں جیسی بی بی..... احسان ڈار اسے دیکھ کر چونکا تھا۔ اتنی خوب صورت بی بی تو ماہ آرا کا

بچپن تھی۔
”تمہاری بی بی بھی ہے؟“ وہ بی بی کی طرف جھکا تھا ماہ آرا نے بیل کی طرح اسے اٹھالیا تھا۔
”خبردار میری بی بی کو ہاتھ بھی لگایا تو.....“ اس نے بی بی کو سینے سے لگایا تو وہ ہنس دیا تھا۔
”دع ہو جاؤ یہاں سے..... اب اگر تم مجھے دوبارہ نظر آئے تو میں یہاں کی پولیس کو انفارم کر دوں گی۔“ وہ مسکرا کر دیکھتا رہا تھا۔

”پھر آؤں گا اب چلتا ہوں ویسے ایک بات بتانا چلو عثمان فاروق کی کمپنی میں میں کئی بار جا چکا ہوں اور عثمان فاروق سے مل بھی چکا ہوں۔ بس اسے یہ نہیں بتانا کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہے؟“ وہ کہہ رہا تھا اور ماہ آرا کا رنگ زرد پڑنے لگا تھا۔
”گھبراؤ نہیں اگر تم تعاون کرو گی تو میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گا۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ماہ آرا نے تیزی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ کافی حد تک خوف زدہ ہو چکی تھی۔ وہ کم صم بی بی کو کاٹ میں لٹا کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔
اسے یاد آنے لگا تھا۔

اس کی ماں جب زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے بعد حسن آرا کی ماں کے پاس پہنچی تھی تو اس کی ماں نے کھلے دل سے اسے قبول کیا تھا اور پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی ماں کا نکاح پڑھوایا تھا۔ بظاہر اس کی ماں کا شوہر اور اس کا بیٹا ان دونوں ماں بی بی کا آسر ابن بچکے تھے لیکن یوں اٹھنے والے لیرے تھے۔
اس کی ماں سامنے کی طرح اپنی بی بی کو اپنے شوہر اور اس کے بیٹے سے بچانی پھرتی تھی اور شوہر کی مار کھا کر بھی اس بات پر متفق نہ ہوتی تھی اس کی ماں نے، ہمیشہ اسے ہاسٹل میں رکھا تھا اور چھٹیوں کے چند دن جو وہ گھر جاتی تھی ماہ آرا کے لیے عذاب بن جاتے تھے۔
اس کی ماں کیسے کیسے ماہ آرا کو خوشی شوہر اور پھر اس کے بدکردار بیٹے کا شکار ہونے سے بچانی رہی تھی۔

جب تک فائقہ گھر نہیں آ گئی تھی ماہ آرا روتی رہی تھی۔ فائقہ گھر آئی تو ماہ آرا کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔
”کیا بات ہے روتی رہی ہو کی؟“ فائقہ نے پوچھا تھا۔

ماہ آرا کے پھر آنسو بہہ نکلے تھے۔ اس نے آہستگی سے سب فائقہ کو بتادیا تھا۔ فائقہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔
”اب کیا چاہتی ہو تم؟“
”عثمان کو اس شخص کے بارے میں علم نہیں ہونا چاہیے۔“
”احسان بہت برا انسان ہے ہماری سوچ سے بڑھ کر..... وہ عثمان سے مل چکا ہے اور یقیناً اس کے ارادے بہت خطرناک ہیں۔“

”تو تم عثمان کو سب کچھ بتا دو..... بتا دو کہ وہ تمہیں بلیک میل کر رہا ہے۔“ ماہ آرا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
”وہ شخص اگر یہاں تک آ گیا ہے اور عثمان سے بھی مل چکا ہے تو سب کچھ سوچ سمجھ کر کر رہا ہوگا..... عثمان کو بتانا نقصان دہ ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ عثمان کو نہ بتانا زیادہ نقصان دہ ہے بہر حال میری بی بی رائے ہے کہ عثمان سے کچھ بھی مت چھپاؤ..... آگے تمہاری مرضی۔“ وہ نیک نیتی سے اسے مشورہ دے کر بی بی کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور ماہ آرا سنجیدگی سے اسے کام کرتے دیکھ رہی تھی۔

ماہ آرا کو وقتی طور پر ہوش آیا تھا اور پھر وہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔ اس نے فائقہ کو نہیں دیکھا تھا فائقہ کم صم اور پریشان سی تھی۔ کہاں حسن و خوب صورتی کا شاہکار نہایت حسین و جمیل ماہ آرا اور کہاں نہایت نحیف و زرا بد صورت عورت..... وہ بے یقین تھی۔

”جب ان کی بابا سے ڈاڑھ اس ہوئی تھی تو انہوں نے احسان ڈار سے شادی کر لی تھی اور احسان ڈار انہیں

حسن آراء کے پاس لے آیا تھا اور حسن آراء کے پاس چھوڑ دیا تھا..... حسن آراء ان پر اپنے کام میں شامل ہونے پر زور دیتی تھی تب انہوں نے اپنے اوپر تیزاب گرا لیا تھا۔

”مائی گاؤ.....“ شہرینہ بتا رہی تھی اور فائقہ نے از حد تکلیف سے ماہ آراء کی طرف دیکھا جس کا چہرہ شہرینہ دوبارہ چادر سے ڈھانپ چکی تھی۔

”یہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں..... انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا اپنی تمام غلطیاں اپنی تمام تر نادانیاں اور اپنے تمام گناہ۔“ فائقہ کی آنکھیں بھیک گئیں۔ شہرینہ ان کے پاس آ کر بیٹھی۔

”آپ پلیز انہیں معاف کر دیں۔“ اس کے لہجے میں دکھ تکلیف کیا کچھ نہ تھا۔ فائقہ نے محبت سے شہرینہ کا ہاتھ تھاما۔

”ایسے مت کہو.....“

”میں جانتی ہوں آپ کی زندگی کی بہت سی محرومیاں ان کی وجہ سے ہیں..... پاپا کا بیوی بچہ آپ سے ان کا سرومراج کوئی بھی چیز مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔“ فائقہ حیران ہوئیں۔ کس قدر باریک بینی سے وہ ان کا جائزہ لیا کرتی تھی۔

”آپ کا صبر اور آپ کے خاموش آنسو انہیں اس مقام پر لائے ہیں..... آپ انہیں پلیز معاف کر دیں۔“ اب کے شہرینہ کی آواز میں گہرے دکھ و اذیت کی آمیزش تھی۔

”میں نے کسی کو بددعا نہیں دی کبھی بھی۔“

”لیکن آپ کا صبر تو رنگ لایا تاں۔“ میں پاپا سے اس معاملے میں سخت خفا ہوں..... وہ مجبوراً ہی کیا آپ کو اپنے نکاح میں لائے تھے لیکن انہوں نے ذرا بھی آپ پر اعتماد کیا اور نہ ہی آپ سے انصاف..... انہوں نے ہمیشہ آپ سے قربانیاں ہی مانگیں اور آپ نے ہمیشہ قربانیاں دیں۔“ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کیا کرتی پھر؟ اماں بی نے مجھے عثمان فاروق کے

ساتھ رخصت کر دیا تھا، فائزہ آبی اپنی زندگی میں گھر تھیں اور کوئی رشتہ تھا نہیں جس کے پاس عثمان فاروق چھوڑ کر چلی جاتی..... میں کسی کو بھی اپنی ذات سے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ عثمان فاروق کی زندگی میں سب کچھ ماہ آراء نے اور میں محض ایک نام کا رشتہ ہوں اور بس.....“ شہرینہ نے بہت دکھ سے انہیں دیکھا۔

”جو ہوا ایک وقت تھا جو گزر گیا۔“

”لیکن سب کی زندگی کو ڈسٹرب کر گیا۔“ فائقہ ایک تلخی سی ہنس دیں۔

”جب عثمان فاروق کے دل میں ہی میرے لیے جگہ نہ تھی تو کوئی کیا کر لیتا..... میرا سب سے زیادہ عثمان فاروق سے رشتہ تھا لیکن اس نے ہی قدر نہ کی کسی اور کو کیا کہوں.....“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”لیکن مجھے اب کسی سے کوئی شکوہ نہیں..... میرے تین بچے ہیں، تم تینوں میری طاقت ہو..... میں نے صرف اور صرف تمہاری محبت کے لیے عثمان کے سب رویوں کو برداشت کیا ہے کہ کبھی کہیں نہیں کوئی ہٹا نہ دے کہ میں تمہاری حقیقی ماں نہیں ہوں لیکن جس طرح تم نے مجھے اہمیت دی ہے اس کے بعد میرے دل سے سب خوف مٹ گئے ہیں۔“ وہ ابھی کہہ رہی تھی کہ فائقہ کے موبائل پر کال آئی۔ انہوں نے اسکرین دیکھی۔ شیر آگن تھا۔

”ہیلو.....“

”السلام علیکم! کہاں ہیں خالہ جان آپ؟“ انہوں نے شہرینہ کو دیکھا۔

”تم کہاں ہو؟“

”میں آپ کے گھر پر ہوں۔“

”ماہ آراء کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی شہرینہ کے ساتھ ہاسٹل میں ہوں۔“

”اوہ..... کیا ضرورت تھی آپ کو اس عورت کے

خاندانی عظمت و وقار کی آڑ میں جذبات کو مجسوم کرتی داستان

خاص موضوع اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

عشق و محبت کی کہانی

0300-8264242

لیے وہاں جانے کی؟“ دوسری طرف شیر آگن نہایت ناگواری سے بولا۔

”بعض کام کسی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ کسی کی محبت کے لیے کیے جاتے ہیں۔“ ان کے لہجے میں زمانے بھر کی محبت تھی۔

”چچا کے لیے کر رہی ہیں؟“ اس کا انداز طنز یہ ہوا۔

”نہیں..... اپنی بیٹی کی محبت میں۔“ دوسری طرف وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

”لیکن وہ بھی ایک ناقدری لڑکی ہے آپ کی محبت کی اس کے سامنے کوئی ویلہ نہیں۔“ انہوں نے شہرینہ کو دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرائیں۔

”میں شہرینہ کے پاس ہی رکوں گی گاڑو کو میں ساتھ لے آتی ہوں تم ملازمہ کو کہنا وہ کھانا گرم کر دے گی تم کھانا کھا کر آرام کرنا۔“

”میں گاؤں سے اماں بی اور بابا صاحب کو ساتھ لایا ہوں وہ دونوں اس وقت میرے ساتھ آپ کے گھر میں ہیں لیکن یہاں آ کر دیکھا تو کوئی بھی گھر میں نہ تھا۔“

”اوہ..... کب آئے تم لوگ.....“ وہ فوراً متشکر ہوئیں۔

”کچھ دیر پہلے ہی۔“

”اماں بی اور بابا صاحب ٹھیک ٹھاک ہیں ناں؟“

”جی الحمد للہ۔“

”اوہ کے میں کوشش کرتی ہوں آ جاؤں۔“

”ایک منٹ..... شہرینہ کے پاس اور کون کون ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”صرف میں ہی ہوں۔“

”اوہ..... یعنی جب آپ آ جائیں گی تو وہ اکیلی ہی ہوگی..... دماغ ٹھیک ہے ناں اس کا۔“ اس نے پوچھا تو فائقہ ایک دم ہنس دیں۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب و مطلب کچھ نہیں..... میں کچھ دیر میں پہنچ

رہا ہوں میں وہاں آتا ہوں تو پھر آپ واپس آ جائے گا..... میں شہرینہ کے پاس رک جاؤں گا۔“ اس نے کہا تو فائقہ کو اس کا شہرینہ کا اس طرح خیال کرنا آ گیا۔

”اوہ کے میں انتظار کرتی ہوں۔“ آگن نے الٹا حافظہ کھد کر کال بند کر دی۔ فائقہ نے شہرینہ کو دیکھا۔

”کیا ہوا..... کون تھا؟“ دودن سے آگن گاؤں گیا ہوا تھا لیکن اب آگن کا سن کر وہ پوچھ بیٹھی۔

”آگن کی کال تھی..... اماں بی اور بابا صاحب گاؤں سے آئے ہوئے ہیں۔“ وہ حیران ہوئی۔

”خیریت سنا ہے؟“

”کوئی کام ہوگا اب یہ تو ان سے مل کر ہی پتا چلے گا۔“ شہرینہ نے ایک گھر اسانس لیا۔

”آپ گھر جا رہی ہیں؟“

”ہاں آگن کچھ دیر میں پہنچ جائے گا تو چلی جاؤں گی۔“ شہرینہ کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔

یعنی ان کے چلے جانے کے بعد وہ پھر تنہا ہوگی۔ گھر اسانس لیتی کرے گی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

احسان ڈار اس دن کے بعد بھی کئی بار آیا تھا عثمان فاروق اور فائقہ کی غیر موجودگی میں اور جب بھی آتا تھا آرا کے لیے ایک قیمتی تحفہ لے کر آتا تھا۔ ماہ آرا جو اسے دیکھ کر پہلے پہل خوف زدہ ہوتی تھی اور فائقہ سے سہا

کچھ کہہ بیٹھی تھی اس کے بعد محتاط ہو گئی تھی۔ وہ فائقہ سے کچھ نہیں کہتی تھی اب۔ احسان ڈار جب بھی آتا تھا اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا کہ عثمان فاروق کو چھوڑ کر وہ اس کے ساتھ چلے لیکن ہر بار وہ اسے ٹال دیتا تھی۔

ایک دن وہ اپارٹمنٹ میں بالکل اکیلی تھی جب بیل بجی وہ ڈر گئی تھی اس کا خیال تھا کہ احسان ڈار ہوا لیکن دروازہ کھولنے پر اس کے سامنے جو شخصیت کھڑی تھی اسے دیکھ کر وہ ٹھنک گئی۔

”حسن آرا.....“ اس کا خون منجمد ہونے لگا تھا۔ حسن آرا خود ہی اندر آ گئی تھی۔

”کیسی ہو؟“

”احسان نے بتایا کہ تم یہاں ہو تو رہا نہیں گیا پہلی فلائٹ سے چل آئی۔“ وہ حیرت زدہ ہوئی تھی۔

”احسان بتا رہا تھا کہ بڑی پرسکون اور خوشگوار زندگی گزار رہی ہو سوچا خود چل کر دیکھاؤں۔“

”کیوں آئی ہو تم یہاں.....؟“

”تم تو یوں غائب ہوئی تھی گویا گدھے کے سر سے سینک..... تمہاری ماں ہمارے لقموں پر جھپتی رہی ساری زندگی اور تم نیک پروین بننے چلی ہو..... خیر جو ہوا سو ہوا لیکن میں اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی معاف نہیں کرتی۔“ اسے دیکھ کر ماہ آرا کا خون تو ویسے ہی خشک ہو چکا تھا لیکن نبجانے وہ خود کو کیسے قابو میں رکھے ہوئے تھی۔ وہ خاموشی سے حسن آرا کو دیکھ رہی تھی۔ حسن آرا اس سے کافی باتیں کر رہی تھیں وہ بس ہوں ہاں میں ہی جواب دے رہی تھی۔

حسن آرا نے اسے بہت کچھ بتایا تھا جو اس کی وجہ سے اسے جھیلنا پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ راز پوش ہونے پر مجبور ہوئی تھی۔

احسان ڈار نے اس کی کچھ لڑکیوں کو شو بڑا اند مشرقی میں متعارف کروایا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک بار پھر منظر عام پر آنا شروع ہو چکی تھی۔ وہ کافی دیر تک اس کے پاس رہی تھی اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی تھی۔

ان دنوں ماہ آرا بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ عثمان فاروق پر اس کی توجہ بھی کم ہو گئی تھی وہ عثمان فاروق سے کچھ کچھ اور انجھی انجھی سی رہنے لگی تھی۔ ایک طرف احسان ڈار اور حسن آرا اور دوسری طرف عثمان فاروق اور فائقہ..... انہی دنوں اچانک اشفاق فاروق چلا آئے تھے۔

وہ تو یہاں کی زندگی دیکھ کر ہی ششدر رہ گئے

تھے۔ فائقہ کی اجازت اور خاموش زندگی اور دوسری طرف عثمان فاروق کی بے بسی..... دونوں بھائیوں میں شدید لڑائی ہوئی تھی۔ اشفاق فائقہ پر بھی خوب برے تھے جو خاموشی سے یہ سب برداشت کر رہی تھی اور کسی سے ذکر تک نہ کیا تھا۔ انہوں نے پاکستان فون کر کے اماں بی اور بابا صاحب کو سب بتا دیا تھا۔ اماں بی کا تو مارے صدمے کے برا حال تھا اور بابا صاحب انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی۔

”ہم وہی فیصلہ کریں گے جس میں تمہاری رضا ہوگی..... تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟“

”میں عثمان فاروق کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کا رشتہ خراب ہو۔“ وہ ان چاہی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی بابا صاحب نے ایک گھر اسانس لیا تھا۔

”عثمان اس عورت کو چھوڑ دے گا کیا.....؟“

”عثمان اس عورت کے لیے مجھے چھوڑ دے گا بابا صاحب۔“

”ٹھیک ہے ہم جو کریں گے سب کی بہتری کے لیے کریں گے تم کوئی سوال نہیں اٹھاؤ گی بلکہ کچھ دنوں کے لیے تم اشفاق کے ساتھ واپس آ جاؤ۔“

”لیکن میں ماہ رخ کے بغیر واپس نہیں آ سکتی.....“

”اس عورت کی اولاد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں.....“

ان کے انداز میں قطعیت تھی۔

”لیکن وہ عثمان فاروق کی اولاد بھی تو ہے بابا صاحب آپ کا اپنا خون..... خدا نخواستہ وہ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئی تو..... میں برداشت نہیں کر سکتی مجھے اس بچی سے بہت محبت ہے اور میں اس کی زندگی تباہ نہیں کر سکتی۔“

”ٹھیک ہے..... میں اشفاق کو کہتا ہوں وہ جو بھی کرے گا تم ان دونوں بھائیوں کے درمیان نہیں آؤ گی..... عثمان فاروق کی اولاد ہماری نسل ہی سہی لیکن تمہاری وجہ سے ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔“

”شکریہ بابا صاحب۔“ انہوں نے ا۔۔۔ کچھ ہدایات دی تھیں۔

عثمان فاروق سے اشفاق کی بات ہوئی تھی اور پھر اشفاق فائقہ کو لے کر ایک علیحدہ قلیٹ میں شفٹ ہو گئے تھے۔ بابا صاحب نے عثمان فاروق کو کال کر کے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اس عورت کو اپنی زندگی میں رکھنا چاہتا ہے تو پھر ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرنا ہوگا..... وہ ان کی دولتِ جانیداد ہر چیز سے حاق کر دیا جائے گا۔ عثمان بہت غصے میں تھا۔ اس نے بھی کہہ دیا تھا کہ اسے ان کی دولتِ جانیداد سے کوئی سروکار نہیں۔

ماہ آرا کے سامنے یہ ساری صورت حال تھی۔ وہ عثمان فاروق سے کئی بار بحث کر چکی تھی لیکن عثمان کی انا اور ضد آڑے رہی تھی۔

اشفاق صاحب عثمان کی کمپنی میں بھی گئے تھے کچھ دنوں بعد عثمان فاروق کو اس کی کمپنی سے چند لاکھوں کی پتار فارغ کر دیا گیا تھا۔

پاکستان سے پیپوں کی آمدورفت بالکل بند ہو چکی تھی۔ جب سے فارغ ہونے اور پیپوں کی ترسیل بند ہونے کے بعد عثمان فاروق کو ایک دم شدید جھک لگا تھا۔ بہترین ایریا میں ایک لکڑی اپارٹمنٹ کے اخراجات انور کو عثمان کے بس کی بات تھی۔ وہ ماہ

آرا کو لے کر ایک عام سے فلیٹ میں شفٹ ہو گیا تھا۔
 بچی کی تمام تر ذمہ داری ماہ آرا پر تھی، ماہ آرا کو کچھ پہلی
 بار احساس ہوا کہ فاطمہ ان دونوں کے لیے کس قدر اہم
 تھی اس نے دونوں کے بہت سے کام ڈمے لے
 رکھے تھے سب سے اہم بچی کی ذمہ داری تھی۔

اشفاق فاروق یہاں بزنس کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے فائدہ روئین کے مطابق اپنے انسٹی ٹیوٹ جاری تھی۔ ماہ آراء سے بچی کو سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا تھا بچی ہر وقت روتی رہتی تھی اور چند دنوں میں ہی وہ بیمار ہو گئی تھی۔ عثمان فاروق اسے ہسپتال لے آئے تھا

لیکن بچی کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ حامی
جواب کے ساتھ سب اخراجات پورے کرنا عثمان
فاروق پہلی بار زندگی کا یہ رخ دیکھ رہا تھا، ماہ آراء وہ
بھی میزبان بننے کی تھی یا پہلے گھر اور عثمان فاروق کی
ذمہ داریاں وہ پاگل ہوئے لگی تھی۔ بچی کی حالت بہت
بگڑ چکی تھی ماہ آراء نے بہت سوچا تھا اور پھر اس کے
ذہن نے جو راہ دکھائی تھی اس نے اس پر عمل کیا تھا۔ وہ
فالتھ کے انسٹیٹیوٹ گئی اور فالتھ کو ماہ رخ کی پیاری
کے بارے میں بتایا تو وہ یہ چہن ہو گئی تھی۔

وہ ماہ آرا کے ساتھ باسپل آئی تھی، بچی بہت کمزور اور بیمار ہو چکی تھی۔ عثمان کو علم ہوا تو وہ ماہ آرا پر خفا ہوا تھا لیکن ماہ آرا خاموش تھی فائدہ دوزانہ باسپل آ جاتی تھی اور کافی وقت بچی کے ساتھ گزارتی تھی بچی اب بہتر ہو رہی تھی۔ عثمان فاروق کے لیے بچی کی یہ انچ منٹ بہت پریشان کن تھی لیکن وہ اپنی بچی کی وجہ سے خاموش تھا۔

انہی دنوں بچی گھر شفٹ ہو گئی تو ماہ آرائے فائقہ کو قائل کر لیا تھا کہ عثمان کی غیر موجودگی میں وہ بچی کو دیکھنے جایا کرے گی۔ فائقہ پہلے دن اس فلیٹ میں گئی تو اسے فلیٹ کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا تھا، لیکن اشفاق صاحب اور بابا صاحب کے سامنے وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔

وہ چند دن سے انسی ٹیوٹ کے بعد ماہ آرا کے ہاں چلی جایا کرتی تھی اس نے اشفاق صاحب سے اپنی اس روئین کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس دن بھی وہ بچی کے ساتھ مصروف تھی جب ماہ آرا کے ساتھ کوئی شخص گھر میں داخل ہوا تھا۔

”یہ فائقہ ہے۔“ وہ نووارد کو بتا رہی تھی فائقہ کے لیے یہ شخص قطعی اچھی تھا۔

”اور یہ احسان ڈار.....“ اس نے فائقہ سے کہا تھا اور فائقہ نے ناگواری سے اجنبی کو دیکھا تھا۔ اس انسان کے دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا۔

معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام

ابن صفی

کاوہ رخ جس سے ان کے قارئین نا آشنا ہیں

ابن صفی کانپارخ

کسی پریشانی اور زحمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کاپی آؤٹ محل ادارے سے بک کر لیں۔

0300-8264242

سائق ہو گئی ہے

الحمد لله رب العالمين



میں نے ان کو پہلی کلاس میں

021-35620774/2 فون

وہ اس کے بارے میں جانتی نہ ہوتی تو بھی سمجھ جاتی کہ اس طرح دیکھنے والا کوئی اچھی فطرت کا انسان نہ تھا۔ وہ تو حیران بھی ماہ آرا کی احسان ڈار سے بے تکلفی پر۔ وہ تو اس شخص سے سخت نفرت کرتی تھی۔ وہ اس شخص کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی لیکن اب تو ماہ آرا کی کامیابی ہوئی تھی۔

”یہ لڑکی بھی بڑی خوب صورت ہے۔“ وہ فائقہ کو دیکھ کر ماہ آرا سے بولا تھا۔

”اکثر اسے تمہارے پرانے اپارٹمنٹ سے باہر جاتے دیکھتا تھا۔“ ماہ آرا کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔

”تو پھر کیا خیال ہے؟“ اس نے بس تیر پھینکا تھا۔

”یہ ہے کون؟“ احسان ڈار فوراً سنجیدہ ہوا تھا۔

”یہ عثمان فاروق کی کزن ہے پڑھنے کے لیے یہاں آئی ہے۔“ وہ اسے بتا رہی تھی بتاتے ہوئے دونوں باہر نکل گئے تھے۔ فائقہ کو یہ سب کچھ بڑا حیران کر رہا تھا۔ ماہ آرا مکمل طور پر بدلی ہوئی تھی۔ عثمان فاروق جاب پر نکلا ہوا تھا وہ آج کل چھوٹی موٹی جابز کر رہا تھا جس سے ان کے اخراجات بمشکل پورے ہو رہے تھے۔ اس کی غیر موجودگی میں احسان ڈار سے ماہ آرا کی اس قدر بے تکلفی..... ماہ آرا اسے اپنے بیڈ روم میں لے گئی تھی تھوڑی دیر بعد وہ فائقہ کے پاس آئی تھی۔

”ذرا چائے تو پکا دو پلیز۔“ فائقہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا، بچی سوچتی تھی وہ اسے وہیں لٹا کر پہن میں آکر چائے پکانے لگی تھی۔

چائے بنا کر وہ ماہ آرا کے بیڈ روم میں آئی تھی احسان بڑے فریاد میں بستر پر لیٹا ہوا تھا جبکہ ماہ آرا موجود نہ تھی۔ وہ چائے رکھ کر اطراف میں دیکھنے لگی تھی۔

”ماہ آرا کہاں ہے؟“

”وہ کسی کام سے باہر گئی ہے تم بیٹھو۔“ اس نے کہا تھا۔

اور فائقہ کو اس کی بے تکلفی اچھی نہ لگی تھی۔

”تو ٹھیکس..... ماہ آرا آئے تو کہہ دیجیے گا میں جاری ہوں۔“ وہ کہہ کر پلٹی تھی۔

”ارے..... اتنی جلدی..... کو تو سہی۔“ وہ فوراً اس کے سامنے آیا تھا۔

”شٹ اپ..... بھروسے سے۔“ وہ غصے سے بولی تھی۔

”بڑے تیور ہیں بھی۔“ وہ ایک دم اپنے آوارا بن پر اترا یا تو فائقہ پہلی بار خوف زدہ ہوئی تھی۔ اس شخص کی یہاں موجودگی اور ماہ آرا کی غیر موجودگی۔

وہ سائینڈ سے ہو کر وہاں سے جانے لگی تھی جب ایک دم اس شخص نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

”ارے ایسے کیسے جاری ہو..... ماہ آرا سے پورا معاملہ طے ہوا ہے، بیٹھو ادھر.....“ فائقہ ساکت رہ گئی تھی۔

اس شخص کی اس قدر جرأت وہ بے پناہ اذیت میں گھر گئی تھی۔ حیرانی سے اپنا ہاتھ چمڑانے کی محنت کرتے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ماہ آرا نے خود کال کر کے بلایا تھا۔ اس نے سارا معاملہ طے کیا تھا کہ تم شوہز میں آنا چاہتی ہو اور تم میرے کہنے پر کچھ بھی کرنے کو تیار ہو..... اس نے آج اسی لیے تم سے ملنے کو بلایا تھا۔“

”بکواس بند کرو..... جھوٹ بولتی ہے وہ عورت خبردار مجھے ہاتھ بھی لگایا تو.....“ ایک دم غصے میں آکر اس نے اپنا ہاتھ چمڑا دیا اور باہر جانے لگی تھی لیکن اسی وقت دروازہ کھلا تھا۔

ماہ آرا کے ساتھ ساتھ عثمان فاروق بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”یہ دیکھیں یہ ہو رہا تھا یہاں سب کچھ۔“ ماہ آرا فائقہ کی طرف اشارہ کرتے بول رہی تھی اور فائقہ کچھ سمجھ نہ پاتی تھی۔ عثمان تو فائقہ کو یہاں دیکھ کر ہی حیران رہ گیا تھا۔

”مجھے نہیں پتا شخص کون ہے فائقہ کے ساتھ اس کے انٹی ٹیوٹ میں پڑھتا ہے۔ کئی بار دونوں اس طرح گھر میں ملتے رہے ہیں میں نے کئی بار بتانا چاہا لیکن فائقہ کی دھمکیوں کی وجہ سے چپ رہتی تھی کبھی بھی میں نہیں طلاق دلا دوں گی۔ اب ہمارے اس فلیٹ میں بھی لے کر آ گئی یہ تو.....“ ماہ آرا کمال مصیبت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور فائقہ اس کا تو وہ حال تھا کہ کاتو تو بدن میں لپٹیں۔

”شٹ اپ..... میں تو جانتی تک نہیں ہوں اس شخص کو تمہارا ہی کچھ لگتا ہے یہ بہانے سے بلا کر اب مجھے پھنسا رہی ہو تم۔“ چند سیکنڈ تک یہ سکتہ رہا تھا اور پھر وہ ایک دم پلٹی تھی۔

”یہ دیکھیں اپنا الزام چھپانے کے لیے یہ اب مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔“

”جھوٹ بولتی ہے یہ۔“ وہ فوراً بولی تھی۔

”بکواس بند کرو.....“ عثمان ایک دم غصے سے بولا تھا۔ اور پھر اس نے احسان ڈار کو دیکھا تھا۔

”تمہیں تو میں اچھی طرح جانتا ہوں تم وہی انسان ہو نا جو میری پرانی کپنی میں کئی بار مجھ سے مل چکے ہو۔“ احسان ڈار مسکرایا تھا۔

”ہاں میں کئی بار فائقہ کے کہنے پر تم سے بات کرنے گیا تھا، لیکن دل کی بات نہ کہہ سکا تو لوٹ آتا تھا۔“ عثمان نے بہت سنجیدگی سے فائقہ کو دیکھا تھا۔

”جھوٹ مت بولو..... میں نے آج سے پہلے بھی اس شخص کو دیکھا تک نہیں..... یہ ماہ آرا کا کچھ لگتا ہے بلکہ مجھے تو بہت اچھی طرح اب سمجھا رہی ہے کہ یہ شخص اصل میں ماہ آرا کا لگتا کیا ہے جو اس کے ساتھ مل کر یہ گیم کھیل رہا ہے۔“ فائقہ نے کہا۔

”شٹ اپ۔“ عثمان نے مشتعل ہو کر فائقہ کے چہرے پر تعجب مارا تھا اور فائقہ وہ تو اذیت کی گہری بھی میں جا گری تھی۔

”اور تم دفع ہو جاؤ..... یہاں سے.....“ اس نے

احسان ڈار کو وہاں سے نکالا اور پھر فائقہ کو دیکھا تھا۔

”اشفاق بھائی کو کال کرتا ہوں اور تمہیں ابھی طلاق دیتا ہوں۔“ عثمان نے کہا اور ماہ آرا وہ مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

”اسے ابھی دھکے دے کر یہاں سے نکالو..... یہ ایک سیکنڈ بھی یہاں رہی تو میں اسے شوٹ کر دوں گا۔“ عثمان نے کہا تھا۔ ماہ آرا اسے پُر سکون ہونے اور غصہ نہ کرنے کی تلقین کر رہی تھی۔

اس نے فائقہ کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ فائقہ وہاں سے آگئی تھی۔ وہ سیدھا فلیٹ پر آئی تھی اتفاقاً اشفاق صاحب موجود تھے اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اور اس نے روتے ہوئے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ ساری حقیقت سن کر وہ انتہائی غم زدہ ہو گئے تھے۔

”اس عورت نے بڑی گھٹیا چال چلی ہے اور عثمان کس قدر کم ظرف نکلا۔ تم جیسی حیات را پاک مصفت لڑکی کے شاید وہ قابل ہی نہیں ورنہ ہیرے اور پتھر کی پہچان تو کر سکتا تھا..... میں ملتا ہوں اس سے۔“ وہ عثمان کے پاس گئے تھے اور عثمان کا ایک ہی موقف تھا وہ فائقہ کو چھوڑنے پر رضہ دیتا تھا۔

”ٹھیک ہے ضرور دو لیکن فائقہ کا حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا تمہیں اس کے حق مہر میں کروڑوں کی مالیت کی زمین لکھی تھی بابا صاحب نے پہلے وہ ادا کر دیا پھر طلاق دینا۔“ عثمان کو ایک دم سانس سونگھ گیا تھا۔ وہ تو چند لاکھ بھی دینے کے قابل نہ تھا، کچھ کروڑوں کی مالیت کی زمین۔

”لیکن ایسی بدکردار عورت کو میں اپنے نام کے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔“

”اپنی زبان سنہال کر بات کرو عثمان، اب تک ہم لوگ محض تمہاری جذباتی محبت سمجھ کر سب نظر انداز کرتے رہے تھے لیکن تمہیں تو انسان کی پہچان ہی نہیں..... یہ عورت جس کی آنکھوں سے تم دیکھ رہے ہو

اور جس کی زبان تم بول رہے ہو چہ نہیں بھی دھتکار کر چلی جائے گی۔ ایسی عورتیں کسی کی نہیں ہوتیں۔ روپیہ پیسہ ہی ان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے اور بس۔“ اور پھر انہوں نے ماہ آرا کو دیکھا تھا۔

”تمہارے اس احسان ڈار سے بھی میں اب نبٹ لوں گا..... غلط لوگوں پر ہاتھ ڈالا ہے تم نے..... اپنے انجام کی فکر کرو اب تم۔“ وہ کہہ کر نکل آئے تھے۔ ماہ آرا واقعی پریشان ہوئی تھی۔

وہ پہلے ہی ابھی ہوئی تھی۔ وہ فائقہ کو عثمان کی زندگی سے نکالنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھی، وہ جو احسان ڈار کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی اس نے اس سے ایک معاملہ طے کیا تھا۔ فائقہ کو عثمان فاروق کی نظروں میں گمانے کا معاملہ اور اس کے بدلے وہ احسان ڈار سے مراسم بڑھانے کو تیار تھی اور یہ مراسم فی الحال دوستی تک رکھنا چاہتی تھی اور مطلب نکلنے پر احسان ڈار کو بھی صاف جواب دے دینا تھا لیکن وہ جانتی نہ تھی کہ وہ کس آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے جو کھیل شروع کیا تھا وہ اب اس کے دامن کو بھی جلائے کو تیار تھا۔ اشفاق کے لیے احسان ڈار تک پہنچنا مشکل نہ تھا۔ وہ احسان ڈار سے ملے تھے۔

احسان ڈار پیسے کا پجاری تھا اس کا منہ کھلوانے کے لیے انہوں نے اسے منہ مانگی رقم دی تھی اور اس سے ماہ آرا کے خاندان اس کی اصلیت کی ساری داستان سن لی تھی اور پھر وہ اسے لے کر عثمان تک گئے تھے لیکن ماہ آرا نے عثمان کی کچھ اس طرح کی برین واشنگ کر رکھی تھی کہ وہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ احسان ڈار نے تمام ثبوت عثمان فاروق کے سامنے رکھ دیے تھے۔ عثمان قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔

وہ ماہ آرا کے پاس گیا اور ماہ آرا وہ تو احسان ڈار سے کسی بھی تعلق رکھنے سے انکاری تھی۔ وہ تو سرے سے ہر تعلق سے ہی منکر ہو گئی تھی۔

”عثمان یہ سب جھوٹ کہہ رہے ہیں یہ سب مجھے آپ کی زندگی سے نکالنے کے لیے سازش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس پیسہ ہے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں کیا آپ کو لگتا ہے میں ایسا کر سکتی ہوں میں اتنا کر سکتی ہوں۔“ ماہ آرا کا رورو کے برا حال تھا اور عثمان خاموش تھا بالکل خاموش۔

اشفاق نے پاکستان کال کی تھی فائقہ کا رورو برا حال تھا۔ بابا صاحب کا حکم تھا کہ فائقہ کو لے کر فوراً پاکستان آ جائے۔ اشفاق صاحب فائقہ کو لے کر پاکستان چلے گئے تھے۔

دوسری طرف عثمان عجیب سے غمخیز میں تھا۔ وہ احسان ڈار سے ملا تو اس نے اسے حسن آرا سے ملوایا تھا جو ان دنوں وہیں تھی۔

”تم ماہ آرا پر بہت یقین کرتے ہو لیکن وہ ان عورتوں میں شامل ہے جن کی فطرت میں مرد کو دھوکا دینا لکھا ہوتا ہے۔ ہم نہیں مجبور نہیں کریں گے لیکن تم خود دیکھنا اس نے تمہاری دولت دیکھ کر تم سے شادی کی تھی تمہاری شخصیت تمہاری امارت سے مرعوب تھی..... اس نے ہمیشہ اپنی مال کی وجہ سے روپے پیسے کی ریل پیل دیکھی ہے وہ اب جو زندگی گزار رہی ہے وہ اس کی عادی نہیں ہے بے شک وہ عزت کی زندگی جینا چاہتی ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا تم سے تمہاری دولت وغیرہ سب چلا گیا تو وہ تمہارے ساتھ بہت دیر تک نہیں رہے گی۔“ حسن آرا نے حقیقت بتائی اور عثمان فاروق یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ حسن آرا سے ملنے کے بعد عثمان کے دل وہ مارچ پر عجیب سی کیفیت چھا گئی تھی۔ اس نے وہ فلیٹ بھی تبدیل کر لیا تھا اس نے بہت ہی پسماندہ علاقے میں نہایت خستہ حال ایک کمرے کا فلیٹ لے لیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر ماہ آرا کو شاید آمانا چاہتا تھا اور ماہ آرا اس نے بھی ایسا ماحول نہ دیکھا تھا۔ اس کی ماں نے جیسے بھی پیسہ کمایا تھا لیکن بیٹی کو ایک آرام دہ اور پرسکون زندگی دی تھی اس

کی زیادہ تر زندگی ہاسٹل میں ہی گزری تھی لیکن اس کی رہائش ہمیشہ شہر کے سب سے اچھے ہاسٹل میں ہوتی تھی اسے زندگی کی تمام بنیادی سہولیات میسر تھیں۔

عثمان فاروق نے شاید اس سے محبت کی تھی لیکن اس نے عثمان فاروق کی شخصیت کی خوب صورتی اور اس کی امارت دیکھی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس شخص کے ساتھ پرسکون آرام دہ اور عزت کی زندگی گزار سکے گی۔ صرف عزت کی زندگی اس کی ترجیح ہوتی تو اس کے لیے باقی سب بے معنی ہو جاتا لیکن عزت کی زندگی کو اس نے عثمان فاروق کی ذات اور امارت کے ساتھ مشروط کر لیا تھا اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

وہ نئے فلیٹ میں شفٹ تو ہو گئی تھی اسے یہ زندگی بڑی مشکل لگنے لگی تھی، بیٹی کے ساتھ ساتھ گھر کی ذمہ داریاں۔ عثمان فاروق کو جاب مل گئی تھی ایک بہت اچھی پگنی تھی وہ چاہتا تو ماہ آرا کو ایک بہت اچھی زندگی دے سکتا تھا لیکن اس نے فلیٹ نہیں بدلتا تھا۔ ان کا کھانا پینا اور رہن بہن بہت معمولی سا تھا۔ بہت جلد ماہ آرا اس ماحول اور سیٹ اپ سے فیض اپ ہو گئی تھی۔

”عثمان کوشش کریں کوئی اچھی سی جاب ڈھونڈیں ہم کم تک اس طرح کی زندگی گزاریں گے..... میں اس طرح کے ماحول کی عادی نہیں ہوں۔“ ایک دن اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔ عثمان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ شادی کے اولین دنوں والا ان دنوں میں کوئی رنگ باقی نہ رہا تھا۔

”میں بھی اس طرح کے ماحول کا عادی نہیں ہوں بابا صاحب نے مجھے اپنی تمام تر دولت و جائیداد سے عاق کر دیا ہے ان کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ تمہیں طلاق دے دوں ورنہ ان کی دولت و جائیداد پر میرا کوئی حق نہیں..... اس ملک میں درجہ دوم کا شہری بن کر کوئی اچھی جاب حاصل کرنا ناممکن بات ہے اور ہر طرح کی جاب میں نہیں کر سکتا۔“ ماہ آرا خاموش ہو گئی تھی۔

کچھ دن گزرے تو ماہ آرا نے اسے بتایا تھا کہ ایک اسٹور میں اسے ملازمت مل گئی ہے وہ اب کل سے جاب پر جایا کرے گی اور بیٹی کو وہ کسی مونیسوری میں داخل کروادے گی دونوں کے درمیان شدید بحث ہوئی تھی لیکن ماہ آرا دوسرے دن جاب پر چلی گئی تھی۔ چند دن ایسے گزرے تو عثمان فاروق کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

”مجھے یہ سب پسند نہیں..... اگر میری زندگی میں رہنا ہے تو تمہیں صرف اور صرف گھر میں رہ کر زندگی گزارنا ہوگی اور میری بیٹی کی پرورش کرنا ہوگی ورنہ ہم اپنے رستے الگ کر سکتے ہیں۔“ انداز قطعی تھا۔ ماہ آرا بھی غصے میں آ گئی تھی۔

”میں تھک گئی ہوں غربت سے بھی نیچے افلاس کی یہ زندگی گزارتے..... میں اپنے سکھ کے لیے یہ جاب کر رہی ہوں میں جاب نہیں چھوڑ دوں گی۔“ ”ٹھیک ہے ہم اپنے رستے الگ کر لیتے ہیں۔“ عثمان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

ماہ آرا بھی شاید تھک چکی تھی یا اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عثمان فاروق کے ساتھ رہتے ہوئے اب اسے بھی غربت زدہ زندگی گزارنا ہوگی۔ بہت سارے دن دونوں کے اسی کشمکش میں گزر رہے تھے۔ ماہ رخ مکمل طور پر مونیسوری میں ہوتی تھی۔ عثمان فاروق کو بیٹی سے بڑا پیار تھا لیکن ماہ آرا ابھی کسی بھی طرح کے سمجھوتے پر آمادہ نہ تھی۔

اس نے کسی اور شہر میں جاب کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا اور پھر اسے جاب مل گئی تو اس نے ماہ آرا سے بات کی تھی۔ آخری اور فیصلہ کن بات۔

”میں بہتر روزگار کے لیے کچھ دنوں کے لیے دوسرے شہر جا رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو گی؟“

”سوری عثمان..... میری اپنی جاب بہت اچھی ہے میں اسے نہیں چھوڑ سکتی اور کچھ دن کی چھٹی ملنا مشکل ہے پلیز تم چلے جاؤ۔“ میں یہاں ہی رہوں گی

بلکہ میں نے سیکنڈ ٹائم جاب کے لیے بھی اپلائی کیا ہے
تائٹ شفٹ ہوا کرے گی ایک ہوٹل میں سرونگ کا کام
ہے میرا کلنا بہت مشکل ہے۔

”او کے..... ایک بات بتاؤ..... اگر تمہیں مجھ سے
بہتر مرد ملے تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گی؟“

”ابھی تک تو تمہارے ساتھ ہوں بعد کا ہوتا نہیں۔“

ماہ آرا کا انداز قطعی تھا۔

”اور ہماری بیٹی کا کیا مستقبل ہوگا کبھی تم نے سوچا
ہے۔“

”جیسی زندگی یہاں کے لوگ گزارتے ہیں وہ بھی
گزارنا سیکھ جائے گی اب پاکستانی ماؤں کی طرح میں

چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ تو جچی نہیں رہ سکتی۔“ یہاں خری
الفاظ تھے جو عثمان فاروق کے دل میں چھب گئے تھے۔

یہاں کے لوگ کسی زندگی گزار رہے تھے۔ مادر پدر
آزاد بے باک آزاد زندگی۔ جو اخلاقیات جیسے دائرہ

سے کوسوں دور تھی۔ عثمان فاروق کے وجود میں ایک
کچی سی طاری ہوئی تھی۔

اسے نہ جانے کیوں پاکستان یاد آنے لگا تھا۔ اماں بی
فائزہ بھابی اور نہ جانے کون کون؟ وہ اپنی بچی کو ایک

اخلاق یافتہ زندگی نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بات نہ اس کی
طبیعت گوارا کرتی اور نہ ہی اس کی مذہبی سوچ..... وہ

خاموش ہو گیا تھا اور اگلے دن وہ دوسرے شہر روانہ ہو گیا
تھا اور جانے سے پہلے اس نے ماہ رخ کو ساتھ لے لیا

تھا۔

ماہ آرا صبح صبح ہی گھر سے نکل گئی تھی ماہ رخ کو
مونیسوری میں چھوڑنے کی ذمہ داری عثمان کی تھی اس

نے آرام و سکون سے اپنا اور اس کا سامان پیک کیا تھا
اور پھر ایک صفحے پر کچھ لائنز لکھ کر صفحہ نیچے کے نیچے رکھ

دیا تھا۔

وہ چلا گیا تھا اس شام ماہ آرا گھر لوٹی تو خوش تھی
اس کی ابھی پر فارمنس کی بنا پر اسے دوسرے

سے لیٹ گئی تھی۔ رات گئے تک عثمان اور ماہ رخ نہ
آئے تو وہ ابھی تھی۔ عثمان ہی بچی کو مونیسوری میں

چھوڑنا اور واپسی پر پک کرتا تھا۔ اس کی بے چینی
بڑھنے لگی تھی۔ اس نے یونہی نکلیے اٹھایا تو وہاں وہ صفحہ ملا

تھا۔

”تم سے میں نے حقیقی محبت کی تھی۔ سب رشتے
تو ذکر تم سے رشتہ جوڑا تھا لیکن اب مجھے لگنے لگا ہے کہ

ہم بہت دور تک ساتھ نہیں چل سکتے اس سے پہلے کہ
یادیں تلخ ہوں میں تمہیں ایک خوشگوار یاد کی طرح اپنی

زندگی میں رکھنا چاہتا ہوں اس لیے سب تعلق تو ذکر
جارہا ہوں تمہیں کچھ دن میں طلاق کے پیپر زل

جائیں گے۔ میری طرف سے تم آزاد ہو۔“ الفاظ ختم
ہو چکے تھے اور ماہ آرا وہ کم صدمی تھی۔ وہ ندکی تھی اور نہ

ہی خوش۔

وہ چند دن وہاں رہی تھی اسے کچھ دن بعد طلاق
کے پیپر زل گئے تھے وہ اپنا مختصر سامان اور کاغذات

وغیرہ سمیٹ کر ایک اسٹور روڑ کے ساتھ اس کے قلیٹ
میں آ گئی تھی۔

وہ اپنی جاب سے مطمئن تھی اس کی زندگی گزر رہی
تھی۔ اسے ماہ رخ کی کبھی یاد نہ آئی تھی مونیسوری سے

پتا کرنے پر اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عثمان ماہ رخ کو
ساتھ لے گیا تھا۔ وہ پرسکون زندگی گزار رہی تھی جب

ایک دن اس کے اسٹور میں احسان ڈار آیا تھا۔ وہ تو
اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا لیکن وہ سرد مزاجی سے ملی

تھی۔

اس کے بعد وہ اکثر آنے لگا تھا رفتہ رفتہ وہ اس
کے لیے کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ لانے لگا وہ شروع میں انکار

کرتی تھی لیکن پھر سامی و کرز کی موجودگی میں لے
لیتی تھی۔

پھر ایک دن وہ قلیٹ تک آ گیا تھا۔ وہ بیمار تھی
اسٹور نہیں ملتی تھی وہاں آیا تھا اس کی سامی و کرز جو

اسے جانتی تھی نے اسے ماہ آرا کی بیماری کا بتایا تو وہ

اس سے ایڈریس جان کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ وہ
اسے دیکھ کر شاکد ہو گئی تھی۔

”میں پاکستان چلا گیا تھا اب پھر ایک شوٹنگ کے
لیے یہاں آیا ہوں۔ کچھ دن رکوں گا۔“ اس نے بتایا

تھا۔

”تمہاری ساتھی بتا رہی تھی کہ تمہاری ڈیوئرس
ہو گئی تھی اب تم اس کے ساتھ رہ رہی ہو۔“ وہ تب بھی

خاموش رہی تھی۔

اور پھر وہ جب تک ادھر تھا اکثر کبھی فلیٹ اور کبھی
اسٹور میں آتا رہتا تھا۔ وہ شاید بہت امیر ہو گیا تھا۔ اس

کی سامی و کرز کے وارے نیارے ہونے لگے تھے۔ وہ
جب بھی آتا تو ہر بار ماہ آرا کو یہی یقین دلاتا کہ وہ

بہت بدل گیا ہے اس نے سب غلط کام چھوڑ دیئے ہیں
اور پھر اس نے ایک دن اسے شادی کا پروپزل دیا تھا۔

ماہ آرا نے انکار کر دیا تو اس نے اس کے سامنے کچھ
صورتحال رکھ دی تھیں۔

”حق مہر تمہاری مرضی کا ہوگا..... جیسی زندگی کی تم
خواہش رکھتی ہو ویسی ہی عزت بھری زندگی گزارنے کو

ملے گی چاہے تو اسٹیپ پیپر پر لکھوا لو۔“ ماہ آرا کم صدم
ہو گئی تھی۔

اسے ایک بار ایک اچھا انسان عثمان فاروق ملا تھا
لیکن قسمت کا چکر تھا کہ وہ اس کی زندگی سے نکل گیا

تھا۔ وہ احسان ڈار سے ملنے لگی تھی۔ احسان ڈار جب
بھی پاکستان سے آتا وہ اس سے مل لیتی تھی شاید احسان

ڈار کی کوششیں تھیں کہ اس نے شادی کی حامی بھر لی تھی
لیکن اس نے اس سے باقاعدہ لکھوا لیا تھا کہ وہ صرف

اور صرف اس کی بیوی ہوگی اس کے کاروباری معاملے
میں وہ اسے شامل نہیں کرے گا۔ اس نے حق مہر بھی

اپنی مرضی سے لکھوا لیا تھا۔

شادی کے بعد کچھ ماہ دونوں امریکہ رہے تھے اور
پھر گھومنے پھرنے کے لیے وہ اسے پاکستان لایا تھا اور

یہاں وہ اسے حسن آرا کے پاس لایا تھا۔

”یہ لوحین آرا تمہاری ضدی چڑیا تو تمہیں دھوکہ
دے کر اڑ گئی تھی اس کے رکاوٹ کر لایا ہوں یہ اب کبھی

اڑنے کی جسارت نہیں کرے گی۔“

”کیا بکواس ہے یہ۔“ وہ چچی لیکن سب بے سود
تھا۔

اس نے زندگی میں ایک بار عثمان فاروق کو دھوکہ دیا
تھا فائدہ کو اس کی زندگی سے نکالنے کے لیے اس بار

احسان ڈار نے دھوکہ دیا تھا اور حسن آرا نے اسے قید
کر لیا تھا اور پھر اپنی من پسند زندگی کی طرف لانا چاہا

لیکن وہ اکثر گئی تھی۔ وہ دھوکہ کھا گئی تھی لیکن عزت پر کوئی
سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے حسن آرا اور احسان

ڈار کے مجبور کرنے پر خود کو سزا دینے کے لیے اپنے
چہرے پر تیزاب گر لیا تھا اور پھر اس کی حسین و جمیل

زندگی کا اختتام ہو گیا تھا۔

وہ کئی ماہ تک ہاسٹل میں رہی تھی اور پھر جب وہ
ہاسٹل سے گھر آئی تو کوئی اور ہی ماہ آرا تھی۔ وہ ماہ آرا

جس کے تعاقب میں کسی ننھی بچی کی قتلکاریاں گونجتی
تھیں اور جس کے کانوں میں کسی عثمان فاروق کے

محبت بھرے جملے مایم کرتے تھے۔ وہ روتی، چنچتی
چلاتی تھی اور پھر خود کو پیٹنے لگ جاتی تھی۔ اس نے اپنے

آپ کو خود سزا دی تھی اور اس سزا کے طوق میں اسے تب
تک سزا تھا جب تک خری سانس باقی تھی۔

شیر اٹلن آیا تو فائدہ چلی گئی تھیں۔ شیر اٹلن گاڑی
تک چھوڑنے آیا اور گاڑی کو اچھی طرح تاکہ کر کے وہ

انہیں بیچ کر واپس آیا تو شہرینہ اسے دیکھ کر چوکی۔

”آپ گئے نہیں؟“

”مجھے کہاں جانا تھا؟“

”ہام کے ساتھ۔“

”وہ تو چلی گئی اور میں یہاں رکوں گا..... اب رات
بھر تمہیں اکیلے تو نہیں چھوڑ سکتے نہ جانے کب حسن آرا کا

سے اُن کی

شہر ہر گیس ہے

لفظ لفظ نگارے سطر سطر کس سے بھر پور تحریر میں
ایسی کہانیاں اس سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب زریں قمر کے قلم سے نکل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دس دس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوقِ آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

چل رہا تھا کہ وہ اسے کچا ہی چبا ڈالے۔
”شیم آن یو.....“ اس نے دانت کچکا پائے۔
”میں نے کیا کیا ہے اور شرم کس بات کی بیوی ہو میری۔“
”جسٹ منکوحہ۔“ وہ کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی، انگلیاں ہنس دیا۔
”منکوحہ بھی بیوی کو ہی کہتے ہیں محترمہ۔“
”میرے ساتھ اس طرح کے ڈائلاگ بولنے کی قطعی ضرورت نہیں۔“ وہ ایک دم غصے سے انگلی اٹھا کر بولی۔ شیر انگن کو نجانے کیوں اس کی کیفیت لطف دینے لگی تو وہ اور اس کے قریب ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر رکھا کر وہ اس پر جھکا۔ شیر انگن کے لمبوس سے اچھی تیز کلون کی مہک..... شہرینہ کو لگا گویا اس کا سانس اس کے سینے میں اگلنے لگا ہو۔
رات کی خاموشی..... کمرے کا سناٹا..... اور ایسے میں انگن کے تپور۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔
”میں نے تمہارے ساتھ اس طرح کے تو ایک طرف کسی اور طرح کے ڈائلاگ بھی کہی بولے ہی نہیں۔“ شیر انگن کی نگاہیں مکمل طور پر شہرینہ کے چہرے پر رقصاں تھیں۔ وہ پزل ہونے لگی تھی۔
”میرے ساتھ زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں..... پیچھے نہیں۔“ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے اسے پیچھے ہٹانا چاہا لیکن ایک انچ بھی انگن کو پیچھے نہ دھکیل سکی۔
”کیا مسئلہ ہے؟ کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا؟“ وہ پھر بولی تو شیر انگن نے ایک گہرا سانس لیا۔ شیر انگن کی سانس کی گرامٹ سے شہرینہ کو اپنا چہرہ جلتا محسوس ہوا تھا۔
شیر انگن کی نگاہوں کا تاثر اور وجود کی حدت اسے لگا وہ بے بس ہو جائے گی جبکہ وہ اس شخص کے سامنے کبھی ہارنا نہیں چاہتی تھی۔
”پلیز پیچھے نہیں..... مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ

تو گئی تھی۔ وہ جاگ رہی تھی اور وہ محترمہ سونے کی کوشش میں تھا۔
اس کا جی چاہا کہ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دے۔ وہ گڑھتی رہی اور کرسی پر بیٹھی نجانے کب اس کی آنکھ لگی شیر انگن کی دو تین گھنٹے بعد کھٹکے سے آنکھ کھلی تھی۔
ماہ آرا نے شاید کروت لی تھی چادر چہرے سے سرک گئی تھی۔ عجیب سے خدو خال والا چہرہ دیکھ کر شیر انگن بھی ساکت رہ گیا تھا۔ یہ ماہ آرا تھی جس پر کسی دور میں عثمان فاروق فدا ہوا تھا وہ بے یقین تھا وہ بستر سے اٹھ کر ان کے پاس آیا۔
شہرینہ کرسی پر ہی ناخنیں سمیٹ کر سوئی ہوئی تھی۔ شیر انگن نے چادر دو بارہ ماہ آرا کے چہرے پر کردی اور خود شہرینہ کی طرف آیا۔ وہ گہری نیند میں تھی وہ ایک دو پل اسے دیکھتا رہا۔ انتہائی رخ و تند مزاج رکھنے والی سر پھری لڑکی اس وقت خاموش قیامت بنی ہوئی تھی۔
”شہرینہ.....“ اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن وہ غالباً گہری نیند میں تھی۔ اس نے تھوڑا سا دباؤ ڈالا۔
”شہرینہ.....“ اس نے اس کی طرف جھک کر اس کے کندھے سے پیچھے ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کیا تھا۔ تب ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔
”نکون..... کیا..... کیا کر رہے ہیں آپ؟“ وہ ایک دم ہڑبڑائی۔ آنکھیں مکمل طور پر کھلی اور حیرت سے بھٹی ہوئی تھیں۔
”ابھی تک تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔“
”شٹ اپ۔“ وہ ناگواری سے بولی۔
”محترمہ کافی بے آرام حالت میں کرسی پر سو رہی تھیں مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں بستر پر سوؤں اور تم یہاں..... تمہیں دو تین بار پکارا تم نہیں اٹھی تو سوچا کہ خود ہی ہمت کر کے تمہیں بستر پر لٹا دوں۔“ وہ مزے سے بغور دیکھتے کہہ رہا تھا اور شہرینہ اس کا بس تپتی نہیں

ڈھنڈلتے پھریں۔“ شہرینہ خاموش رہی یعنی اب رات بھر وہ اس کے اعصاب پر سوار رہنے والا تھا۔
”کیا ہوا انہیں؟“ اس عورت سے ان لوگوں کی کوئی بھی اچھی یاد نہیں جڑی تھی لیکن شہرینہ کی وجہ سے وہ پوچھ رہا تھا۔
”بخار تھا۔“
”اب کیسی طبیعت ہے؟“
”بہتر ہے۔“ اس نے ڈبل بیڈ والا روم لیا تھا تاہم وہ ماں کے سر ہانے کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔
”تم ریٹ کر لو۔“ شیر انگن نے اسے بغور دیکھا تو قہر ہوا کہ وہ جیسے نیند سے لڑ رہی ہے۔
”اٹس اوکے..... اگر آپ نے لیٹنا ہے تو لیٹ جائیں۔“ انداز بہت دونوک تھا۔ وہ کندھے اچکا کر بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ واقعی تھکا ہوا تھا اس لیے لیٹ گیا تھا۔
”اماں بی اور بابا صاحب بھی میرے ساتھ آئے ہیں۔“ اس نے بتایا۔
”کیوں؟“
”ان کے بیٹے کا گھر ہے کیا وہ بغیر کسی وجہ کے نہیں آسکتے۔“ وہ بھی اٹنے سوال کا جواب گھما کر دے رہا تھا۔
”میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی..... ان کے بیٹے کا گھر ہے سو بار انہیں۔“ وہ ہنس دیا۔ اس کے جواب پر وہ کوفت زدہ ہو گئی تھی۔
”ویسے وہ ان سارے حالات پر اظہارِ افسوس کرتے آئے ہیں۔“ وہ خاموش رہی۔
”اور ان کے آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔“ وہ کہہ کر خاموش ہوا۔ وہ خاموش رہی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی وجہ بھی بتا دے گا لیکن وہ تو کروت بدل کر آنکھیں بند کر گیا تھا۔
”سخت تھکا ہوا ہوں سو رہا ہوں۔“ وہ جل جھن ہی

رہا۔“ وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔ وہ شیر انگن کی نگاہوں کا سامنا نہیں کر پاری تھی۔

آواز کی پستی اس کے اندر ہونے والی اہل پتھل کا صاف پتا دے رہی تھی اس کا چہرہ آگ کی طرح دھک رہا تھا۔ شیر انگن نے اسے بخور دیکھا اور پھر ہنس دیا۔

”لیکن مجھے یہ سب قطعی برائیاں لگ رہی۔“ وہ چھوڑا سا مزید جھکا ممکن تھا وہ کچھ جرات کرتا شہرینہ نے غصے میں آ کر پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ وہ پیچھے ہوا اور شہرینہ تیزی سے کرسی سے اٹھی۔ شیر انگن ہنس دیا تھا۔

”بڑا دم ہے بھئی تم میں۔“

”انتہائی واہیات انسان ہیں آپ۔۔۔۔۔ اب آئندہ آپ نے میرے ساتھ کوئی غلط حرکت کی تو زمین آسمان ایک کر دوں گی۔“ وہ شدید غصے میں تھی لیکن اعصاب جھنجھلائے ہوئے تھے۔ اسے شیر انگن سے اس رویے کی توقع نہ تھی۔

”میں نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں۔“ شیر انگن کے انداز میں ابھی بھی شرارت کھلی ہوئی تھی۔ شہرینہ نے لب بچھ کر گھورا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ اوکے۔۔۔۔۔ میں تو پہلے ہی گھائل ہو چکا ہوں آپ محترمہ پر۔۔۔۔۔ نظروں کے تیر چلانے بند کر دیں۔۔۔۔۔ ریشمیں میں مذاق کر رہا تھا۔“ اس نے کہا اور شہرینہ مسلسل اسے گھورے جا رہی تھی۔

کچھ ہل بعد وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی۔ کھڑکی کے باہر گہرا اندھیرا تھا اس نے انگن کو دیکھا۔ وہ کرسی پر ٹپک گیا تھا۔

”آرام سے بستر پر سو جاؤ۔ میں اب ادھر ہی ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا اور شہرینہ خاموش رہی کچھ دیر پہلے انگن نے جو کیا اس کے بعد وہ اب اس کی موجودگی میں غافل ہو کر سوئے گا کہ اسکے نہیں لگتی تھی۔ وہ اسی طرح کھڑکی میں کھڑی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ بٹنی تو دیکھا انگن کرسی پر بیٹھا اسے گا۔

یہ گھور رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد بستر پر بیٹھی۔

”سو جاؤ۔۔۔۔۔“

”میں آپ کے حکم کی منتظر نہیں ہوں۔“ اس نے تنگی سے کہا اور انگن مسکرایا۔

”تو کس چیز کی منتظر ہو؟“

”فصل کوئی کی ضرورت نہیں۔“

”یہ تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا نیند تو اب میری اڑ چکی ہے دونوں خاموش رہے تو رات کیسے گزرے گی۔“

شہرینہ نے گھورا اور پھر کروت بدل کر لیٹ گئی۔

”میرے ساتھ اب اگر دوبارہ ایسی دلی بدتمیزی کی تو آپ جانے نہیں کہ میں کیا کر سکتی ہوں کسی بھول میں مت رہیے گا۔“ اس نے کروت بدل کر کہا تو وہ تہقہ لگا کر ہنس دیا۔ شہرینہ کے اندر شدید غبار اٹھا لیکن نیند سے برا حال تھا وہ لب دبا کر آکھیں بند کر گئی تھی۔

عثمان کچھ عرصہ ادھر ادھر ہوتا رہا اور پھر ایک دن اس کے نمبر پر کال آئی تھی۔

نجانے کہاں سے ان لوگوں نے اس کا یہ نیا ایڈریس اور نمبر ڈھونڈ نکالا تھا۔

”فائقہ کو زاد کر دو۔۔۔۔۔ ہم اسے ساری عمر تمہارے نام پر بٹھانے کے حق میں نہیں ہیں ہم اس کی جلد از جلد شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ بابا صاحب کی کال تھی۔

اشفاق صاحب کسی بھی لمحے عثمان فاروق سے غافل نہ رہے تھے فائقہ کو پاکستان چھوڑنے کے بعد انہوں نے پھر ایک دو بار امریکہ کا چکر لگایا تھا انہوں نے بہت جلد پتا کر لیا تھا کہ عثمان کہاں ہے؟ اس کا ایڈریس اور نمبر حاصل کرنا مشکل نہ تھا۔ انہیں غلم ہو چکا تھا کہ عثمان فاروق ماہ آرا کو چھوڑ چکا ہے اس لیے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد بابا صاحب نے پھر اسے کال کی تھی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں طلاق کے کاغذات بھجوا دوں گا۔“

”خالی کاغذات نہیں۔۔۔۔۔ حق مہر کی مالیت بھی ایک اور خبر بھی ہے تمہاری ماں سخت بیمار ہے وہ تمہیں دیکھنے کو تڑپ رہی ہے وہ چاہتی ہے کہ تم فائقہ کو طلاق پاکستان آ کر دو۔۔۔۔۔ وہ طلاق دینے سے پہلے ایک بار تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔“ عثمان خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے ایک عورت کے لیے اتنے رشتے توڑے تھے لیکن آخراً وہ عورت بھی اس کی مذہبی کٹی تھی۔

”ٹھیک ہے میں اپنی واپسی کی اطلاع دے دوں گا۔“ رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

کچھ دن لگے تھے پاکستان جانے میں ماہ رخ ساتھ تھی وہ وہاں پہنچا تو اماں بی وافی بیمار تھیں لیکن بیٹے کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اس سے ایک بات کی تھی۔

”تم فائقہ کو زاد کر دو بیٹا لیکن ایک بار ضرور سوچنا تمہاری ماں جیتے جی مر جائے گی مجھے پتا ہے تم اس عورت کو طلاق دے چکے ہو کہیں نہ کہیں تو شادی کرو گے ہی ناں تو پھر فائقہ کیوں نہیں۔۔۔۔۔ میری بات ٹھنڈے دل سے سوچ لو اور پھر کوئی فیصلہ کرنا۔“ اور عثمان فاروق نے بہت سوچا اور پھر ماں کو فیصلہ سنا دیا تھا اور ماں فیصلہ سن کر پھر سے رو دی تھی لیکن اس بار آنسو تشکر و خوشی کے تھے۔

اماں بی کے کہنے پر عثمان نے امریکا کی جاب چھوڑ دی تھی وہ کچھ دن کے لیے واپس گیا تھا اور پھر سب کچھ کلیئر کر کے آ گیا تھا۔ وہ اسلام آباد شفٹ ہو گیا تھا۔ ماہ رخ فائقہ کی مکمل طور پر ذمہ داری بن چکی تھی۔ بچی اتنی پیاری اور مصوم تھی کہ سب ہی نے اسی خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ فائقہ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی اسے اس کی سوتیلی بیٹی نہ کہے وہ اسے لے کر بہت خوش تھی عثمان کا رویہ اسی طرح سرد تھا پھر زنی آئی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔

فائقہ کے لیے عثمان کا ساتھ ہمیشہ ایک آزمائش بنا رہا تھا۔ وہ اسے اپنی زندگی کے اس تکلیف دہ دور کا فہم

دار کھتا تھا اور فائقہ اس نے بھی زندگی گویا انگاروں پر چلتے گزاردی تھی۔

صبح اٹھی تو شیر انگن کمرے میں نہیں تھا۔ وہ بڑا بڑا کراٹھ بیٹھی۔ اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا تو حیران ہوئی دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک سوئی تھی۔ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر دھواں روم میں گئی واپس منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو شیر انگن کمرے میں موجود تھا۔

”گڈ مارننگ۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ سنجیدہ چہرے سے محض سر ہلائی۔ شیر انگن نے سائینڈیکل پر رکھا ڈسپوزیبل چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

”ناشتہ کرلو۔“ چائے کے ساتھ ساتھ ٹرے میں کھانے کے کچھ اور لوازمات بھی تھے۔ شہرینہ نے کپ لے لیا۔

”آپ نے خواہ مخواہ تکلف کیا۔۔۔۔۔ مام نے گھر سے کچھ نہ کچھ بھجوا دینا تھا۔“ انگن نے شاہر میں سے باقی کھانے کی چیزیں نکال کر اس کے سامنے کیں اس نے صرف فروٹ ٹیک لیا تھا۔

(جاری ہے)

دی تھی وہ کچھ دن کے لیے واپس گیا تھا اور پھر سب کچھ کلیئر کر کے آ گیا تھا۔ وہ اسلام آباد شفٹ ہو گیا تھا۔ ماہ رخ فائقہ کی مکمل طور پر ذمہ داری بن چکی تھی۔ بچی اتنی پیاری اور مصوم تھی کہ سب ہی نے اسی خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ فائقہ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی اسے اس کی سوتیلی بیٹی نہ کہے وہ اسے لے کر بہت خوش تھی عثمان کا رویہ اسی طرح سرد تھا پھر زنی آئی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔

فائقہ کے لیے عثمان کا ساتھ ہمیشہ ایک آزمائش بنا رہا تھا۔ وہ اسے اپنی زندگی کے اس تکلیف دہ دور کا فہم

دار کھتا تھا اور فائقہ اس نے بھی زندگی گویا انگاروں پر چلتے گزاردی تھی۔

صبح اٹھی تو شیر انگن کمرے میں نہیں تھا۔ وہ بڑا بڑا کراٹھ بیٹھی۔ اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا تو حیران ہوئی دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک سوئی تھی۔ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر دھواں روم میں گئی واپس منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو شیر انگن کمرے میں موجود تھا۔

”گڈ مارننگ۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ سنجیدہ چہرے سے محض سر ہلائی۔ شیر انگن نے سائینڈیکل پر رکھا ڈسپوزیبل چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

”ناشتہ کرلو۔“ چائے کے ساتھ ساتھ ٹرے میں کھانے کے کچھ اور لوازمات بھی تھے۔ شہرینہ نے کپ لے لیا۔

”آپ نے خواہ مخواہ تکلف کیا۔۔۔۔۔ مام نے گھر سے کچھ نہ کچھ بھجوا دینا تھا۔“ انگن نے شاہر میں سے باقی کھانے کی چیزیں نکال کر اس کے سامنے کیں اس نے صرف فروٹ ٹیک لیا تھا۔

(جاری ہے)

دی تھی وہ کچھ دن کے لیے واپس گیا تھا اور پھر سب کچھ کلیئر کر کے آ گیا تھا۔ وہ اسلام آباد شفٹ ہو گیا تھا۔ ماہ رخ فائقہ کی مکمل طور پر ذمہ داری بن چکی تھی۔ بچی اتنی پیاری اور مصوم تھی کہ سب ہی نے اسی خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ فائقہ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی اسے اس کی سوتیلی بیٹی نہ کہے وہ اسے لے کر بہت خوش تھی عثمان کا رویہ اسی طرح سرد تھا پھر زنی آئی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔

فائقہ کے لیے عثمان کا ساتھ ہمیشہ ایک آزمائش بنا رہا تھا۔ وہ اسے اپنی زندگی کے اس تکلیف دہ دور کا فہم

دار کھتا تھا اور فائقہ اس نے بھی زندگی گویا انگاروں پر چلتے گزاردی تھی۔

صبح اٹھی تو شیر انگن کمرے میں نہیں تھا۔ وہ بڑا بڑا کراٹھ بیٹھی۔ اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا تو حیران ہوئی دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک سوئی تھی۔ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر دھواں روم میں گئی واپس منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو شیر انگن کمرے میں موجود تھا۔

”گڈ مارننگ۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ سنجیدہ چہرے سے محض سر ہلائی۔ شیر انگن نے سائینڈیکل پر رکھا ڈسپوزیبل چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

جسٹون عشق تک

سمیرا شریف طور

دل سے آغاز کیا، جاں کے زیاں تک کھیلے
بازی، عشق کو ہم دیکھو کہاں تک کھیلے
ہار اور جیت کے معیار بدلنے ہوں گے
ایک سے کھیل کو اب کوئی کہاں تک کھیلے



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

باجوہ صاحب شہرینہ کو کال کر کے دارالاطفال بلوا لیتے ہیں اور اسے ماہ آرا کی خراب طبیعت کا بتا کر پریشان کر دیتے ہیں۔ عثمان فاروقی شہرینہ کو قوی طور پر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دیتے ہیں جس کی بنا پر وہ ماہ آرا سے ملنے سے قاصر ہوتی ہے لیکن ماں کی خراب طبیعت کا سن کر وہ فوراً دارالاطفال پہنچ جاتی ہے۔ ماہ آرا پچھلے تمام حادثوں کے زیر اثر ہوتی ہے ماضی کی غلطیاں ماہ آرا کو کسی حل نہیں دیتیں دیتیں شہرینہ ماہ آرا کو اسپتال لے جاتی ہے اور فائقہ کا فون آنے پر ساری تفصیل اسے بتا کر پریشان کر دیتی ہے۔ ابھی ماہ رخ چند ماہ کی ہوتی ہے جب ایک دن اچانک مال میں شاپنگ کرتے ماہ آرا کی ملاقات احسان ڈار سے ہو جاتی ہے احسان ڈار حسن آرا کا آدمی ہوتا ہے وہ باتوں میں ماہ آرا سے اس کی رہائش گاہ کا پتا معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے ماہ آرا ناٹل جاتی ہے تب احسان ڈار اسے اپنا کارڈ دیتا اور اپنے یہاں قیام کے بارے میں بتاتا ہے پریشان کر جاتا ہے احسان ڈار کو کہہ سے ماہ آرا کی رہائش گاہ کا پتا جان جاتا ہے۔ ماہ آرا کی طبیعت کافی خراب ہو جاتی ہے تب شہرینہ فائقہ کو کال کرتی رات ماہ آرا کے پاس رکنے کا بتاتی انہیں فکر میں ڈالتا کر جاتی ہے۔ فائقہ اس کے تہا اسپتال میں رہنے پر پریشان ہو جاتی ہے اور اسے ماہ آرا کو گھر لانے کا کہتی ہے۔ احسان ڈار ماہ آرا سے ملنے اس کی اپارٹمنٹ پہنچ جاتا ہے ماہ آرا اس سے آنے کی وجہ دریافت کرتی ہے ساتھ ہی اسے گھر سے جانے اور پولیس بلوانے کی دھمکی بھی دیتی ہے احسان ڈار پھر آنے کا کہہ کر وہاں سے چلا جاتا ہے تب فائقہ کے آنے پر ماہ آرا تمام صورتحال اس کے سامنے رکھتی مشورہ مانگتی ہے تب فائقہ عثمان فاروق کو تمام بات بتانے کا مشورہ دیتی ماہ رخ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ ماہ آرا احسان ڈار کے ساتھ مل کر فائقہ کو تمام کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عثمان فاروق فائقہ کو گھر سے نکال دیتا ہے تب عثمان فاروق کے بھائی اشفاق

فائقہ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں اور عثمان فاروق کو ماہ آرا کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہیں۔ عثمان فاروق ماہ آرا سے قطع تعلیق کر لیتا ہے اور ماہ رخ کو بھی اپنے ساتھ دوسرے شہر لے جاتا ہے احسان ڈار ماہ آرا کو اپنے جال میں پھنسا کر حسن آرا کے پاس لے جاتا ہے جہاں حسن آرا ماہ آرا کو اپنے اشاروں پر چلانا چاہتی ہے مگر ماہ آرا اپنے چہرے پر تیزاب ڈال کر چہرہ خراب کر لیتی ہے حسن آرا عثمان فاروق سے ماہ آرا کو طلاق دینے کا کہتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ناشتے کے بعد فائقہ بیگم آئیں تو ان کے ساتھ اماں بی بھی تھیں۔ اماں بی ماہ آرا کو دیکھ کر از حد رنجیدہ ہوئیں۔ ”ہائے یہ وہ عورت تھی جس کی وجہ سے میری بچی کو ساری عمر دھکتے انگاروں پر لوٹنا پڑا تھا۔“ وہ دھکی ہوئیں اور شہرینہ خاموش رہی فائقہ نے اماں بی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر چیک اپ کے لیے آئے تو ماہ آرا حواس میں تھیں لیکن وہ کسی کو بھی پہچان نہ پائی۔ شہرینہ نے باقاعدہ چیک اپ کروایا تو ڈاکٹر نے مزید کچھ ٹیسٹ بھی لکھ دیئے وہ انہیں لے کر لیبارٹری کی طرف چلی گئی تھیں لیکن ساتھ تھا۔ فائقہ اور اماں بی کمرے میں ہی تھیں۔

”کیسا حال ہو گیا ہے اس عورت کا؟ اگر انسان اپنے انجام کا سوچ لے تو کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں۔“ اماں بی نے کہا۔

”چھوڑیں اماں بی۔ کیا فائدہ اب ان باتوں کا۔۔۔۔۔ میں نے معاف کر دیا ہے سب کو۔“

”اگر عثمان تیرے ساتھ اچھا سلوک کرتا تو میرے دل سے سب گلے شکوے دور ہو جاتے لیکن عثمان کے رویوں نے میرے دل کو ہمیشہ دھکی کیا ہے۔“ وہ غم زدہ ہوئیں۔ فائقہ ان کو تسلی دیتی رہیں۔

کچھ دیر بعد شہرینہ ماہ آرا کے ساتھ واپس آگئی ماہ

آرا کو اسٹرپر پر لٹایا ہوا تھا۔ وارڈ بوائے اور نرس نے مل کر انہیں بستر پر لٹایا۔ شیر انگن ڈاکٹر کے پاس رپورٹس لے کر چلا گیا تھا۔ ماہ آرا کی ٹیٹو فافقہ اس کے پاس آئیں۔

”ماہ آرا.....“ اس نے آواز دی تو ماہ آرا نے چونک کر دیکھا۔ چند لمحوں تک وہ فافقہ کو بغور دیکھتی رہی۔

”پچھانا مجھے؟“ اس نے کہا تو ماہ آرا کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

”فافقہ.....“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”مجھے معاف کر دو۔“ اس نے ہاتھ جوڑے کہا۔

فافقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہرینہ ماہ آرا کے پاس کھڑی تھی۔

”میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں میں ان کی سزا جیل رہی ہوں۔ عثمان کو تم سے بدظن کیا تمہارے اوپر الزامات لگائے تم تو میری بہت اچھی دوست تھیں لیکن میں ہی بہت کم طرف تھی جو عثمان فاروق جیسے انسان کو دیکھ کر سب کچھ بھلا دیا۔“ وہ رو رہی تھی اور پھرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی فافقہ خاموش تھیں۔ اماں بی کے چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت تھی۔

”تو نے جو کیا وہ بھلانے والا تو نہیں ہے۔ یہ میری صابری بچی کا حوصلہ تھا جو سب کچھ سہہ گئی۔“

”میں آپ کی بھی گہرا رہوں۔“ اماں بی سے کہا۔

اماں بی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”جو گزر گیا وہ ماضی تھا میری بچی نے جو دکھ دیکھے تھے وہ دیکھے لیکن عثمان کے رویوں نے ہمیں توڑ دیا ہے اس حالت میں ہم تم سے کیا گلے شکوے کریں۔ اللہ تمہارے حال پر رحم کرے اور تمہیں صحت و تندرستی عطا کرے۔“ وہ کہہ کر کرسی پر جا بیٹھیں اور فافقہ وہ بھی خاموشی سے ایک طرف کھڑی رہیں۔

ماہ آرا نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لی تھیں.....

”شہرینہ ماہ آرا کو میڈیسن دیے مصروف تھی۔“

”میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو وہ بلا رہے ہیں۔“ میڈیسن لینے کے بعد ماہ آرا پھر گہری نیند میں چلی گئی تھیں۔ شہرینہ اماں بی اور فافقہ کے ساتھ بات چیت کر رہی تھی جب انگن آیا تھا۔

”خیریت ہے ناں؟“ اس نے پریشان ہو کر پوچھا تو انگن نے مختصر بھلا دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل آ گئے تھے۔

”کیا بات ہے.....؟“ انگن خاموش تھا۔ چلتے ہوئے شہرینہ نے ایک دو بار اسے دیکھا تو بخیریدگی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... ڈاکٹر ز رپورٹس کے سلسلے میں کچھ ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ.....“ شہرینہ کوتاہی سے آگیا۔

”کوئی سیریس بات ہے؟“

”یہ تو ڈاکٹر کے پاس جا کر ہی علم ہوگا۔“ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی ڈاکٹر کے پاس آئی تو ایک اور ڈاکٹر آئے۔ انہوں نے شہرینہ سے ساری رپورٹس کے بارے میں ڈسکس کیا۔

”ان کے گردوں میں مسئلہ ہے ایک گردہ تو بالکل ناکارہ ہو چکا ہے اور دوسرا بھی تقریباً خراب ہو رہا ہے کچھ سال پہلے انہیں شاید بی پی کا مرض رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں گردوں کا مسئلہ ہوا مریضہ کی کنڈیشن اس وقت جو ہے اس میں ہم آپ کو بہت زیادہ تسلی نہیں دے سکتے..... ایک گردہ کی ورکنگ بہت سلو ہے اور اس کا علاج اب ناممکن ہے اشارنگ میں پھر بھی پائل تھا لیکن گردہ کافی حد تک ڈیفیٹ ہو چکا ہے اور لیڈوٹنگ شک میں مسئلہ ہے ان کا جگر خون نہیں بناتا رہا.....“

”اوہ..... ان کا علاج پاکستان میں کس حد تک ممکن ہے؟“

”مریضہ کی کنڈیشن بہت خراب ہو چکی ہے۔ آپ کہیں بھی لے جائیں یہ کچھ ماہ سے زیادہ اب جی نہیں

”شہرینہ کم صدمی رہ گئی۔ شیر انگن نے دیکھا وہ اس ماسک کی پہنچی تھی۔“

”بیرون ملک اگر لے جائیں تو؟“ کچھ توقف کے بعد شہرینہ نے پوچھا۔

”کوشش کر دیکھیں لیکن میرا خیال ہے وہاں بھی یہی صورت حال رہے گی۔“

”آپ ہمیں مشورہ دیں ہم اپنی رپورٹس وہاں بھجوا دیں۔“ اس بار انگن نے کہا۔

”اگر بازنیو سانس ملتا ہے تو ہم انہیں وہاں لے جائیں گے۔“ اس بار انگن نے کہا۔

”اگر..... میں رابطہ کرتا ہوں شام تک آپ کو

شہرینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پھر تسلی دی تو فافقہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

”بے فکر ہو کر جاؤ میں ہینڈل کر لوں گی..... جاؤ انگن اماں بی اور شہرینہ کو لے جاؤ۔“ انہوں نے انگن سے کہا تو انگن نے سر ہلا دیا۔

”چلیں.....“ شہرینہ نے فافقہ کو میڈیسن کا ہتایا اور پھر اپنا بیگ لے کر وہ باہر نکل گئی تھی۔

گھر آئی تو شہرینہ نے محسوس کیا کہ وہ واقعی بہت تھکی ہوئی ہے۔ انگن اور اماں بی کی موجودگی میں وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی گھر آ کر وہ سیدی اپنے کمرے میں گئی۔

منہ ہر صبح کر لباس بدل کر وہ سیدھا لی وی لاؤنج کی طرف آئی بابا صاحب وہاں موجود تھے۔ اماں بی اور انگن ان کے پاس ہی تھے۔ بابا صاحب نے اسے اپنے پاس ہی بٹھالیا تھا۔ وہ اس سے ماہ آرا کے متعلق بات چیت کرتے رہے زبیدہ کھانا لے آئی تو وہیں ٹیبل پر ہی کھانا لگا دیا تھا۔

وہ اور اماں کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے جب کہ بابا صاحب اور انگن کسی کیس کو ہی ڈسکس کرتے رہے تھے۔ کھانے کے بعد زبیدہ چائے لے آئی تھی۔ وہ اپنا چائے کا کپ لے کر اٹھ گئی تھی۔

”آرام کر لو..... زبیدہ کو کہہ دیتی ہوں وہ ڈرائیور کے ساتھ ہاسٹل چلی جاتی ہے۔“ اماں بی نے نرمی سے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں آ کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔

موبائل دیکھا تو زین اور صبا کے میسجز تھے۔ فوری کی ایک دو کالز تھیں جو موبائل سائلیٹ ہونے کی وجہ سے وہ اینڈ نہ کر پائی تھی۔ اس نے فوریہ کو کال کی تو کچھ دیر بعد اس نے اینڈ کر لی۔

’ارے کہاں غائب ہو تم؟ کوئی خبر خبری نہیں۔ یہاں ہم سب اس قدر پریشان ہیں کہ حد نہیں کہاں ہو؟ بندہ کوئی رابطہ ہی کر لیتا ہے۔“ وہ تو فوراً شروع ہو گئی وہ

شہرینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پھر تسلی دی تو فافقہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

”بے فکر ہو کر جاؤ میں ہینڈل کر لوں گی..... جاؤ انگن اماں بی اور شہرینہ کو لے جاؤ۔“ انہوں نے انگن سے کہا تو انگن نے سر ہلا دیا۔

”چلیں.....“ شہرینہ نے فافقہ کو میڈیسن کا ہتایا اور پھر اپنا بیگ لے کر وہ باہر نکل گئی تھی۔

گھر آئی تو شہرینہ نے محسوس کیا کہ وہ واقعی بہت تھکی ہوئی ہے۔ انگن اور اماں بی کی موجودگی میں وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی گھر آ کر وہ سیدی اپنے کمرے میں گئی۔

منہ ہر صبح کر لباس بدل کر وہ سیدھا لی وی لاؤنج کی طرف آئی بابا صاحب وہاں موجود تھے۔ اماں بی اور انگن ان کے پاس ہی تھے۔ بابا صاحب نے اسے اپنے پاس ہی بٹھالیا تھا۔ وہ اس سے ماہ آرا کے متعلق بات چیت کرتے رہے زبیدہ کھانا لے آئی تو وہیں ٹیبل پر ہی کھانا لگا دیا تھا۔

وہ اور اماں کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے جب کہ بابا صاحب اور انگن کسی کیس کو ہی ڈسکس کرتے رہے تھے۔ کھانے کے بعد زبیدہ چائے لے آئی تھی۔ وہ اپنا چائے کا کپ لے کر اٹھ گئی تھی۔

”آرام کر لو..... زبیدہ کو کہہ دیتی ہوں وہ ڈرائیور کے ساتھ ہاسٹل چلی جاتی ہے۔“ اماں بی نے نرمی سے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں آ کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔

موبائل دیکھا تو زین اور صبا کے میسجز تھے۔ فوری کی ایک دو کالز تھیں جو موبائل سائلیٹ ہونے کی وجہ سے وہ اینڈ نہ کر پائی تھی۔ اس نے فوریہ کو کال کی تو کچھ دیر بعد اس نے اینڈ کر لی۔

’ارے کہاں غائب ہو تم؟ کوئی خبر خبری نہیں۔ یہاں ہم سب اس قدر پریشان ہیں کہ حد نہیں کہاں ہو؟ بندہ کوئی رابطہ ہی کر لیتا ہے۔“ وہ تو فوراً شروع ہو گئی وہ

ہنس دی۔

”وہ صبح رکھو..... کول ڈاؤن یار.....“

”ہم آج کل میں تمہارے گھر دھاوا بولنے والی ہیں فوراً کالج پہنچو ورنہ پھر جو ہم کریں گے وہ تم اچھی طرح یاد رکھنا۔“

”میں بتا چکی ہوں ناں کہ میں کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف شہر ہوں۔ اپنے آبائی گاؤں میں ہوں۔“

”وہ کیوں بھئی..... یہ کس خوشی میں گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا ہوا ہے؟“ دوسری طرف وہ حیران ہوئی۔

”کیوں بغیر کسی وجہ کے انسان گھومنے پھرنے نہیں جاسکتا؟“ وہ ہنس دی۔

”بالکل جاسکتا ہے لیکن یاد رہے یہ وہی گاؤں ہے ناں جہاں آپ کے شوہر نامدار بھی قیام پذیر ہوتے ہیں..... آپ محترمہ کا دوھیال وغیرہ وہیں رہائش پذیر ہے ناں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں..... وہاں صرف میرے گریڈ فادر اور گریڈ مدر ہوتے ہیں اور انکے صاحب تو اپنے والدین کے پاس ہوتے ہیں۔“

”چلو مان لیتے ہیں..... ویسے واپسی کب تک ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”دیکھو کیا کرتے ہیں..... ہو سکتا ہے ایک دو دن میں ہم لوٹ آئیں۔“ وہ مسلسل ٹال مٹول سے کام لے رہی تھی۔

”اوکے..... زین مسلسل تمہارا پوچھ رہا ہے۔ اس سے رابطہ کر لیتا۔“

”اوکے۔“

”لیکن کب واپس ایپ پر بھی تم موجود نہیں ہو۔ آن کرو..... ایسی بھی کیا مصروفیات کہ بندہ آن لائن ہونا ہی بھول جائے۔“ وہ مسکرا دی۔

”اوکے..... جیسے ہی فری ہوئی آن لائن ہوں گی۔“

اس نے ٹالا۔ چند اور باتوں کے بعد کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

وہ کالج سے مسلسل آف کر رہی تھی۔ حسن آرا کو تو

میں تھی اور وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔

صاحب کا خیال تھا کہ اسے محتاط رہنا ہوگا۔ آج کل کل فائنل

تیم کی بھی سب ہی ساجی سرگرمیاں معطل تھیں۔ سیکرٹری

اقدامات کے سبب وہ مسلسل گھر پر تھی بس ماہ آرا کا

خراب طبیعت کے سبب اسے باہر نکلتا پڑا تھا لیکن

صاحب ابھی بھی محتاط تھے۔

کچھ دیر بعد اسے گہری نیند نے آ لیا تھا۔ وہ کافی

تک سوئی تھی اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اگلے دن کے

سرتین رہے تھے۔ وہ حیران ہوئی۔ وہ بہت گہری نیند

سوئی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھی پہلا خیال ہی ماہ آرا کا آکا

تھا۔ کل جب وہ وہاں سے نکلی تھی تو اس نے فائنل کو وہاں

چھوڑا تھا۔

”یعنی وہ ابھی تک وہیں تھیں۔“ بہر حال ماہ آرا اس

کی ذمہ داری تھیں نہ کہ فائنل ٹیم کی جلدی سے کپڑے

نے اوہاوش روم میں مٹھ گئی۔

اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر پنا بیگ لے کر باہر آئی

تو ڈانٹنگ روم میں ٹیبل پر بابا صاحب انان بی انکے

علاوہ عثمان صاحب بھی موجود تھے۔

ہا کر فائنل بیٹھی تھیں نہ سمجھتی تو شاید ہم شہرینہ کو قبول

۱۷ نہ کر پاتے۔“ بابا صاحب کا انداز جی تھا۔ عثمان

۱۸ نے ایک گہرا سانس لیا اور شہرینہ لب بلبھیٹے کھڑی

ہو گئی۔

”ماہ آرا جس خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور پھر اس

۱۹ بعد اس نے ہماری بیٹی فائنل کے ساتھ جو کیا تمہاری

۲۰ مکی سے اسے نکالنے کے لیے وہ جو بھی گھناؤنا کھیل

۲۱ لپاتی رہی وہ سب اس قابل نہ تھا کہ ہم اس کا چہرہ بھی

۲۲ دیکھ سکیں۔ لیکن ہم فائنل کی صلہ دینی والی صفت کی وجہ سے

۲۳ خود ہیں ہماری اس بیٹی نے بہت سی تکلیفیں سہی ہیں اور

۲۴ ان ہم اسے انکار کر کے اس کی دل شکنی نہیں کر سکتے۔“

۲۵ شہرینہ خاموشی سب سن رہی تھی۔

”ہم نے نہ صرف شہرینہ کو قبول کیا بلکہ اس کی

۲۶ خاندانی حیثیت کو بھی تسلیم کرتے اسے خاندان میں اعلیٰ

۲۷ مقام دینے کے لیے اپنے سب سے قابل پوتے

۲۸ انکے کی دلہن بنایا۔ شہرینہ ہمارا خون ہے اور ہم اپنے

۲۹ ان کا دفاع ہر حال میں کریں گے۔“ شہرینہ کا دل ایک

۳۰ اچاٹ ہوا وہ لب بلبھیٹتی تیزی سے وہاں سے پلٹی تھی۔

باہر آ کر اس نے چند گہرے سانس لیے وہ وہیں

مظاہرہ تو شہرینہ کی ذات کے ساتھ کیا تھا۔

ماہ رخ نامی بچی کو شہرینہ ہمارا کرنا صرف قبول کیا بلکہ

خانہ ان میں عزت و مقام دلانے کی کوشش کی تھی۔ ورنہ

اس کی ماں کی طرف سے ملنے والا حوالہ کچھ اس قدر معتبر

بھی نہ تھا کہ وہ اس پر فخر محسوس کرتی۔

”کیا بات ہے ادھر کیوں بیٹھی ہو؟“ انکے باہر آیا تو وہ

لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دی تو وہ حیران ہوا شہرینہ

نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

انکے نے دیکھا اتنا زیادہ سونے کے باوجود اس کی

آنکھوں میں سرخی تھی۔ شہرینہ کو شہرینہ نے کچھ پل

بغور دیکھا۔ اونچا لہبا قد مضبوط سراپا خوب صورت

مردانہ نقوش اور اس پر پہنے کاہلے وہ نظر انداز

کر دیے جانے والا انسان نہ تھا۔ لیکن بچانے کیوں

شہرینہ کا دل اس پر نہیں آیا تھا۔ وہ نگاہ پھیر گئی شہرینہ

نے حیران ہو کر اس کا رویہ دیکھا۔

”ناشتے پر اماں بی اور بابا صاحب تمہارا ویت

کر رہے تھے۔“ اس نے دیکھا بیگ اس کے پہلو میں

رکھا ہوا تھا اور گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں تھی۔ جو وہ

لاشعوری طور پر گھما رہی تھی۔ یعنی بیدار رہے وہ سیدھا

”میں ہاسٹل جا رہی ہوں۔“

”ناشتہ تو کر لیتیں۔“

”نہیں اس وقت بھوک نہیں۔“ اسے واقعی بھوک لگی

ہوئی تھی لیکن اب واپس اندر جانے کو اس کا دل نہ تھا۔

”اماں بی اور بابا صاحب کئی بار تمہارا پوچھ چکے

ہیں۔“ شہرینہ نے خمیدگی سے کہا۔

”واپسی پر ان سے مل لوں گی۔“ وہ کہہ کر اپنی گاڑی

کی طرف بڑھی شہرینہ کو وہ بڑی نا قابل فہمی لگی۔

”شہرینہ رو۔“ شہرینہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”میں بھی ہاسٹل جانے کے لیے ہی نکلا تھا۔“ وہ

خاموش رہی۔

جکڑے گئے تھے۔

”کسی اور کو مرے حال سے نہ غرض ہے نہ کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بکڑ گیا ہوں سنو اور
”دو۔“

انہوں نے شہرینہ نے شپٹا کر لگا ہوں گا زویہ بدلتا تھا اور اس کے اندر کا موسم عجیب سے طوفانوں کی زد پر آ گیا تھا اور اسے ڈی بچے کی خوب صورت آواز کا ردھم۔

”میری دوستوں کو بڑھا دیا ہے جدائیوں کے علاوہ“
 نے
 میرے دل پر ہاتھ رکھ کر ”میری دوستوں کو بڑھا دیا ہے“
 آواز گویا لہو سے چٹ گئی تھی۔
 ”میری دوستوں کو بڑھا دیا ہے“
 نے

فرمایا عزل سم ہوئی نو وہ پچھ اور پڑھنے لگا تھا اور
شہرینہ کو لگا کہ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا ہے وہ

اسے بغور دیکھا اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی اور

”شہرہ نشہ“ شہرہ نشہ کی لاطینی ٹوٹی۔

”ہوں.....“ اس نے بہت سنجیدگی سے تیراٹن دیکھا۔

بابا صاحب نے پوچھا۔

”لیکن اس باران کا آنا کسی اور سبب سے ہے۔“

”مئے کی.....“ وہ کندھے اچکا کر میسر لاسی خلا کرتی باہر دیکھنے لگی وہ سمجھ رہی تھی اُٹن کیا کہنا چاہتا ہے وہ کس طرف نشاندہی کر رہا ہے۔

”بھئی میرے نکاح میں ہیں اور ہاں نا کا اختیار آپ کھو چکی ہیں۔ اب تو جو میں کہوں گا وہ ہوگا۔“ تم تو ایک طرف چچا جالان بھئی اس رخصتی کو چیلنج نہیں کر سکتے۔“ اس نے آنکھوں میں آنسو لے کر کہیں ڈال کر بہت بخیدگی سے کہا۔

حقیقت آشکار کر رہا ہوں۔“ اب کے لہجہ سرد تھا۔ شہرینہ تلملا اٹھی۔

رشتے سے انکار ہے تو آپ مجھے زبردستی اس رشتے میں
باندھ کر نہیں رکھ سکتے۔“

”جوڑ کر رکھنا تو ایک طرف محترمہ شہزینہ تیسرا لے
صاحب آپ کو اسی وقت ڈائریکٹ اپنی رہائش گاہ لے

ایک طرف تمہیں وہاں سے نکلنے تک نہ دوں گا۔“

”آف کورس..... جس طرح کا تمہارا بی بیوئیر ہے

میں بھی فوج کی نشاندہی کر رہا ہوں..... اگر تم مفاہمت نہیں کرو گی تو میں زبردستی کروں گا۔“ شہمینہ نے اپنا سر

تھارے لب بھینچے لیے تھے۔
 اُٹلن نے اسے دیکھا وہ اسے کھا جانے والی نگاہوں

دیا۔ شہرینہ کا غصہ مزید بڑھا۔
سے کھور رہی تھی۔ کوپا کچا چبا جانے کا ارادہ ہو..... وہ اس

نشت اپ..... وہ عی سے بوی امن هوو اساس
کی طرف جھکا۔

اس کی اسوں میں دیکھا کچھ ہنس چاہا میں پر
ہونٹوں کو دانتوں تلے دبایا۔ شہرینہ مکمل طور پر اس سے
العلق رہی، اس کے گھبراہٹ اور راتی رات رات سے سنبھل آئی۔

تک اُٹھن باآواز بلند اُچھی آواز میں ”اک بار کہو تم میری
ہو“ کھٹکتا رہا تھا اور شہرینہ بڑے حوصلے سے انصاف

آزماتی رہی تھی۔

فائقہ دوپہر کے قریب گھر چلی گئی تھیں۔ ماہ آرا کی طبیعت بظاہر ٹھیک تھی لیکن اندرونی پوزیشن کافی تشویش ناک تھی۔ شہرینہ مختلف ڈاکٹرز سے کنسلٹ کر رہی تھی۔ تقریباً سب کی ایک ہی بات تھی ایل الیٹی کی کاربراہم تھا اور خراب کڈنی کے باعث ان کی حالت اب سنبھلنے کے بجائے بگڑنے کا زیادہ خطرہ تھا۔ رات تک وہ مختلف ڈاکٹرز سے ملنے کے بعد پریشان سی واپس ماہ آرا کے کمرے میں آئی، دوپہر میں زبیدہ آگئی تھی۔ باقی سارا وقت وہی ماہ آرا کے ساتھ رہی تھی اور جب کہ وہ خود مختلف ہسپتالوں میں ڈاکٹرز سے ملنے میں لگی رہی تھی۔ سارے عرصے میں انھن اس کے ساتھ تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی انھن کے اس تعاون کی مشکور تھی۔

ماضی میں ماہ آرا نے اس خاندان کے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا ایسے میں ان لوگوں کا جوابی رد عمل پھر بھی حوصلہ افزا تھا۔ ماہ آرا سے اب صرف اور صرف شہرینہ کا تعلق تھا اور اس کے اس تعلق کے سبب باقی سب لوگ اس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔

ماہ آرا سوری تھی۔ کچھ دیر بعد ماضی تو شہرینہ نے اسے کھانا کھلایا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔

”شہرینہ۔“ کچھ توقف کے بعد حیف سی آواز میں ماہ آرا نے کہا تو وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

”فاقہ نے بتایا تھا کہ تمہارا شیرانگن کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔“ وہ خاموش رہی۔ شیرانگن کچھ کھانے پینے کا سامان لینے باہر گیا ہوا تھا۔

”فاقہ نے یہ بھی بتایا کہ تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔“

”آپ بتائیں آپ جوں بیوں گی۔۔۔۔۔ پیاس تو نہیں لگ رہی۔“ اس نے ان کی بات کو نظر انداز کر دیا۔ ماہ آرا نے گہرا سانس لیا۔

”عزت کی زندگی پانا میرا خواب تھا لیکن اس کے لیے میں نے غلط راستوں کا انتخاب کیا۔“ وہ کہہ دیتی غلط

بیانی اور سازشیں جو کچھ بھی ہو سکا میں نے کیا اور آج انجانہ تمہارے سامنے ہے۔“ وہ رونے لگی۔ شہرینہ نے ماہ آرا کے ہاتھ تھام لیے۔

”پلیز روئے مت۔۔۔۔۔ جو کچھ بھی ہوا بھول جائیں۔۔۔۔۔“

”نہیں بھول سکتی۔۔۔۔۔ مجھے میرا ماضی ہر وقت کچھ کے لگتا ہے۔“ لغت ملامت کرتا ہے نہ میں نے دوست سے وفا کی اور نہ ہی شوہر سے لیکن میں بدکردار نہ تھی۔ میں ایک اچھی معزز دولت مند زندگی گزارنا چاہتی تھی سو مجھے جو اچھا لگا کرتی رہی۔ میں نے فاقہ سے معافی مانگی ہے اس نے معاف کر دیا اور میرا احساس گناہ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔“ وہ اور شدت سے رونے لگیں۔

شہرینہ نے اسے پھر چپ نہیں کروایا، دل کھول کر رونے دیا تھا، خوب رونے کے بعد اس نے شہرینہ کو دیکھا۔

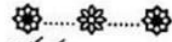
”میری ایک بات مانو گی؟“ اس نے پوچھا۔ ”میں نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں لیکن تم بھی مجھی میرے جیسی غلطی مت کرنا۔“ شہرینہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

”تم ایک عزت دار شخص کی بیٹی ہو اور ایک عزت دار گھرانے کی بہو۔“ شہرینہ لب بلب بھجے لیے۔

”تمہیں سب جانتے ہیں اور عزت دیتے ہیں میں نے شیرانگن کو دیکھا ہے۔ وہ اچھا انسان ہے اسے بھی کھونا مت ورنہ ساری عمر بچتاؤ کی میری طرح۔۔۔۔۔ یہ دیکھو میرا اجھلا ہوا جسم، میرا اجھلا ہوا چہرہ۔۔۔۔۔ میں نے کیا کھویا کیا پایا۔۔۔۔۔ میری طرف دیکھو میں نشان عبرت ہوں۔۔۔۔۔ اپنی ماں سے عبرت حاصل کرو اور رشتوں کی قدر کرو۔“ وہ پھر شدت سے رودی۔

شہرینہ از حد تکلیف سے لب و لسان تلے دبائے ڈبڈبائی آنکھوں سے ماہ آرا کو دیکھتی رہی تھی اور دروازے کی دہلیز پر کھڑا انگن تجیدہ نگاہوں سے چند لمب تک آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے بیٹھی شہرینہ کو دیکھتے رہا وہ جس قدر خاموشی سے آیا تھا ویسے ہی واپس

پلٹ گیا تھا۔



”ماں کی طرح شاطر ہیں۔ تعلقات رابٹے کافی کچھ استعمال کر رہے ہیں۔ ہائی لیول پراپروج ہے ان کی لیکن میں پیچھے نہیں ہٹنے والا۔“

”اور اگر ضمانت ہو گئی تو؟“

”تو ہم کون سا کم ہیں۔ بابا صاحب نے ایک عمر سیاست میں گزاری ہے۔ تعلقات کی بنا پر کچھ نہ کچھ تو ضرور کریں گے۔“ انہوں نے کتاب بند کر دی۔

”بابا صاحب شہرینہ کی رخصتی کی بات کر رہے تھے۔“

”جی۔۔۔۔۔“

”تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟“ انہوں نے شجیدگی سے بیوی کو دیکھا۔

”ابھی تو اس کی ایجوکیشن چل رہی ہے۔“

”اس کے علاوہ کوئی اور اعتراض۔۔۔۔۔“

”شہرینہ شاید اتنی جلدی نہ مانے۔۔۔۔۔“

”آپ نے شہرینہ سے اس سلسلے میں بات کی ہے کیا؟“ بخوردیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“

”تو پھر آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں؟“

”وہ جس طرح اپنے نکاح والے معاملے کو لے کر از حد پریشان ہو رہی تھی اس کے بعد میرا یہ شورہ ہے کہ اس کی رائے اور مرضی کے بغیر کچھ نہ کیا جائے۔“ ان کا کچھ سوچنا انداز تھا۔

”کیا وہ انگن کو ڈس لائیک کرتی ہے؟“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔۔۔۔۔“

”کیا وہ کسی اور کو لائیک کرتی ہے؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“ وہ پریقین نہ تھیں۔ ”لیکن وہ اب مجھ سے کافی دور ہو چکی ہے اب کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ پریقین نہ ہونے کی وضاحت مل گئی تھی۔ عثمان فاروق نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔

”بہر حال آپ آج کل میں اس سے یہ بات کر لیں پھر بابا صاحب کو فائل جواب دینا ہوگا ہمیں۔۔۔۔۔“ وہ

عثمان فاروق اپنے بستر پر دراز کوئی کتاب ہاتھ میں لیے پڑھ رہے تھے۔ فاقہ وائل روم سے نکلی تھیں۔ شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ ایک نگاہ شوہر پر ڈالی اور پھر وہ ڈریسنگ کی طرف آئیں۔ وہاں رکھا موبائل اٹھا کر دیکھا۔ شیرانگن کی کال تھی کچھ دیر پہلے کی تھی شاید۔ انگن گارڈ اور زبیدہ کے ساتھ آج رات شہرینہ کے پاس ہسپتال میں رکھا تھا۔ انہوں نے کال بیک کی۔

”ہاں انگن کیسے ہو؟“ کتاب کی طرف نگاہ جمائے عثمان فاروق کا دراز کا ٹوٹا۔

”شیری کسی ہے؟“

”اچھا۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟“

”اوہ۔۔۔۔۔ ترموگ کوشش کرو۔۔۔۔۔ ڈاکٹر کو کہو رقبہ کی فکر نہیں کریں ہم منج کریں گے۔“ اس نے کہا۔ عثمان فاروق نے ماضی سے کتاب بند کر دی تھی۔

”شہری کا کیا پراسنس ہے؟“ عثمان فاروق اب اپنی طرف سے پشت کیے کھڑی بیوی کو دیکھ رہے تھے۔

”بہر حال جو بھی ہے آپ شہرینہ کو تسلی دیتے رہیں۔ کل ہم ملنے آئیں گے۔ میں۔۔۔۔۔ میں خود۔۔۔۔۔“

اوکے اللہ حافظ۔۔۔۔۔ اپنا خیال رکھنا اور شہرینہ کا بھی۔“ انہوں نے کال منقطع کر دی تھی۔ وہ کچھ دیر اسی زاویے میں کھڑی رہیں۔

عثمان فاروق نے گھورتا ترک کر کے دوبارہ کتاب کھول لی، فاقہ پلٹیں۔ ایک نگاہ کتاب میں منہمک شوہر پر کی۔ موبائل ہاتھ میں لیے وہ بستر کی طرف آئیں۔

موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ بستر پر بیٹھ گئیں۔

”حسن آرا کو الے معاملے کا کیا بنا پھر؟“

”نی الحال تو وہ جیل میں ہی ہے اور ہماری پوری کوشش ہے کہ وہ جیل میں ہی باقی کی زندگی گزارے۔“ مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

”اور اس کے لواحقین۔۔۔۔۔“

new
Freedom
Ultra thin sanitary napkins

اب مخصوص دن بھی گزاریں خوشگوار

Ultra Thin
Extra Long

Freedom

ULTRA THIN 7 EXTRA LONG

Ultra Thin
Long

Freedom

ULTRA THIN 8 LONG

A product of
H&P

Health and Hygiene products

لیٹ گئے تو فائقہ نے شوہر کو دیکھا۔
حسن آرا والے واقعے کے بعد ان کا فائقہ سے رویہ
بدلتا تھا لیکن گفتگو بس برائے نام ہی کرتے تھی۔ دونوں
کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار اب بھی حائل تھی۔ ایک
تکلف ایک سرد بین۔
”ایک بات کہنی تھی۔“ فائقہ نے آخر کار ہمت کر لی۔
لی۔

”ہوں.....“ آنکھیں بند کیے عثمان فاروق نے
ہنکارا بھارا۔
”آپ ایک بار ماہ آرا سے مل لیں۔“ بات ہی ایسی
تھی کہ انہوں نے پوری آنکھیں کھول کر بیوی کو دیکھا۔
”وہ بہت بیمار ہے۔ اس کی ایک کڈنی مکمل طور پر ختم
ہو چکی ہے اور دوسری بھی متاثر ہے لیور فنکشن بہت سلو
ہے۔ اس کا جگر خون نہیں بناتا ہڈیاں ڈاکٹر کہتے ہیں وہ بس
چند دن کی مہمان ہے۔“ فائقہ نے آنکھوں سے تفصیل
بتائی۔

عثمان فاروق نے حیران ہو کر اس عورت کو دیکھا۔ وہ
اس عورت کا ذکر کر رہی تھی جو کبھی اس کی ماضی میں سوتن
تھی۔
”مجھے یہ سب کیوں بتایا جا رہا ہے میرا اس عورت
سے بھلا کیا تعلق؟“
”وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔“
”لیکن مجھے ایسی کسی عورت سے نہیں ملنا۔“
”آپ کا ماضی میں ایسی عورت سے بہت گہرا تعلق
بڑھ رہا ہے۔“ عثمان فاروق کو لگا فائقہ نے انہیں ایک
طعنہ دیا وہ اور یہ طعنہ ایک تیز دھار تحقیر کی طرح ان کے
سینے میں پیوست ہوا تھا۔

”شٹ آپ.....“ انہوں نے بہت غصے سے بیوی کا
بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔
”کیا چاہتی ہیں آپ؟“ انداز بہت جارحانہ تھا۔
”ماضی میں لگائے گئے الزامات میری روح کا ناسور
بن چکے ہیں عثمان فاروق صاحب آپ تو مرد ہیں ماہ آرا
نے کہا۔“

اسے دیکھا۔
”کچھ دیر پہلے لگتا ہے ملکہ جذبات بنی ہوئی تھی؟“
بن چکے ہیں عثمان فاروق صاحب آپ تو مرد ہیں ماہ آرا
نے کہا۔

”شٹ اپ.....“ وہ خاموش رہنا چاہتی تھی شیر انگن کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن انگن کے معاملے میں وہ اپنے جذبات اور اپنے لب و لہجے کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی۔ اب بھی کینہ تو زنگاروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

”بتانے میں کوئی حرج نہیں میں نے کون سا کسی سے کہہ دینا ہے۔ ویسے کس بات نے آنکھوں کی اس سرخی کو اس قدر رواں دواں کر دیا ہے۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ اس نے بہت سنجیدگی اور ضبط سے پوچھا۔

”اک بار کہو تم میری ہو.....“ وہ پھر سے گنگنایا اور شیرینہ کو اپنا دماغ جھنجھلاتا محسوس ہوا۔

وہ انگن کے ان رویوں کو نہیں بھول سکتی تھی جو ماضی میں ہمیشہ اس کی جانب سے روا رکھے گئے تھے۔ ان رویوں نے شیرینہ عثمان کے دل کی نرم و نازک سرزمین کو بالکل بخر کر دیا تھا اور اب وہ بدل گیا تھا اسے اسی بخر پرن میں چھوڑ کر۔

”کیا ایک جذبات و احساسات کی حدت سے یکسر انجان ایک شخص گوشت پوست سے مزین وجود آپ کو ہاں کا عندیہ دیتا ہے تو کیا آپ اسے قبول کر لیں گے؟“ اس نے بہت نرمی سے پوچھا۔ انگن ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”کہنا کیا چاہتی ہو؟“

”میرے الفاظ اتنے غیر واضح بھی نہیں تھے جو آپ کو سمجھ نہ آئے ہوں۔“

”لفظوں میں الجھنا چاہتی ہو؟“ بنو راسے دیکھا۔

”نہیں..... ہاں کا عندیہ دے رہی ہوں۔“ انداز سرد و سہا تھا۔ شیر انگن چند پل اُسے دیکھتا رہا۔

”رخصتی چاہتے ہیں تو جا کر بابا صاحب کو کہہ دیں میں فاضل ٹرم کے انگریز کے بعد رخصتی کے لیے تیار ہوں۔“ انگن نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر مسکرا دیا۔

”اتنی بڑی خبر کتنے غیر رویہ بنگ موڈ میں سنارہی ہو

یار۔“ وہ ہنس کر بولا اور پھر شہرینہ کا ہاتھ تھام لیا۔

شہرینہ ہاتھ جھٹک کر بستر سے اٹھ گئی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

”لیکن اس رخصتی کے لیے بھی میری ایک شرط ہوگی یہ بھی بابا صاحب کو کہہ دیجیے گا۔“

”کیسی شرط؟“ وہ اس کے پاس چلا آیا۔

”میں اپنی ماں کو اپنے ساتھ رکھوں گی۔ جہاں میں ہوں گی وہیں وہ بھی ہوں گی۔“ شیر انگن کی آنکھوں تک سائت رہا یعنی ماضی ایک بار پھر زندہ ہونے والا تھا۔

”یہ ممکن ہے۔“

”تو پھر رخصتی کو بھول جائیں۔“ وہ کہہ کر کھڑکی سے پیچھے ہٹنے لگی جب انگن نے بہت نرمی سے اس کا بازو تھام کر اسے سامنے کیا۔

”رخصتی تو ضرور ہوگی لیکن جو تم چاہتی ہو شہر کی حد تک تو چل سکتا ہے لیکن گاؤں کی حدود میں یہ ممکن نہیں۔ بابا صاحب بھی نہیں مانیں گے۔“ غصے سے باور کروانا چاہا لیکن شہرینہ نے سختی سے اپنا ہاتھ جھڑوا لیا۔

”پھر میری شرط بھی نہیں بدلے گی۔“

”شہرینہ.....“ وہ بہت نرمی سے بولا۔ ”کیوں اری فیٹ کر رہی ہو؟“

”تو کیا کروں؟ یہ دیکھیں.....“ وہ آگے بڑھی اور رپورٹ اٹھا کر اس کے چہرے کے سامنے لہرا سیں۔

”وہ کچھ ماہ کی مہمان ہیں۔ کب اس دُنیا کو خیر باد کہہ دیں کوئی نہیں جانتا۔ میں انہیں دارالاطفال میں چھوڑ چکی تھی کہ ان کا ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں سوائے میرے لیکن ان کی اس خراب طبیعت کے بعد اور اب اس شخص کی وجہ سے میں انہیں کیسے تنہا چھوڑ دوں..... میرا ضمیر ابھی اتنا مردہ نہیں ہوا..... ورنہ اس رخصتی کو بھول جائیں..... شاید کبھی میرا دل اس رشتے کے لیے آمادہ ہو جائے اور میں اسے قبول کر لوں ورنہ ابھی تو کچھ بھی ممکن نہیں۔“ بہت صاف اور واضح الفاظ تھے۔

شیر انگن جواب تک سمجھ رہا تھا کہ وہ محض رد عمل کے

طور پر سارا غصہ نارضامی دکھاتی رہی ہے پر وہ شاید اس کے لیے یہ رشتہ اس قدر تکلیف دہ نہ ہو لیکن نہ لہجے میں رعایت تھی اور نہ ہی رویوں میں چپک۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا، وہ تو سرے سے ہی اس رشتے سے انکاری تھی۔ وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا اور شہرینہ دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

وہ کسی کے سامنے روٹی نہیں تھی لیکن اس وقت اس کے تیور اور انداز..... وہ کم صدمہ تھی اور انگن اس نے چند ثانیے اسے دیکھا۔

”میں باہر کارڈ میں ہوں اگر کسی چیز یا مدد کی ضرورت ہو تو کال کر لیتا۔“ وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور شہرینہ نے از حد سنجیدگی سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔

وہ جیسے ہی باہر نکلا وہ ایک گہرا سانس لیتے دوبارہ بستر کے کنارے آ بیٹھی زبیدہ ابھی بھی کرسی پر بیٹھی اونٹنی سے زیادہ سورتی تھی اور ماہ آ رہی تھی۔ بس ایک وہی تھی جس کے لیے زندگی ایک عجیب سا ”جنون“ بن گئی تھی۔

انگن دن دارالاطفال کے کچھ لوگ آئے تھے۔ ایک میڈ بھی تھیں جو ”دارالاطفال“ میں بھی ماہ آ رہی کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ شہرینہ نے کال کر کے انہیں بلوایا تھا۔ وہ انہیں چھوڑ کر انگن اور زبیدہ کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔

کھانا کھا کر لباس بدل کر وہ سوئے کی بجائے لاؤنچ میں آ گئی۔ وہاں شیر انگن کے علاوہ فائقہ بابا صاحب اور اماں بی موجود تھیں۔ انگن خاموش تھا۔ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا حالات حاضرہ پر ڈکشن کر رہا تھا۔ بابا صاحب بھی زور و شور سے اس کے ساتھ مصروف تھے۔

”اب ماہ آ رہی کی ہے؟“ اس نے سر ہلایا۔ اماں بی نے اس کے سنجیدہ تیور دیکھے۔ کچھ سال پہلے وہ ایسی تو نہ تھی۔ کافی ہنس کھہ اور زندہ دل لڑکی تھی اور پھر اب کچھ مرصے سے وہ تو مکمل طور پر بدل چکی تھی۔ خاموش پڑ پڑی بد زبان اور جذباتی..... وہ فائقہ سے باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ کچھ دیر بیٹھی رہی پھر یور ہوئے گی تو کھڑی ہو گئی۔

”میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے۔ میں کالج جاری ہوں۔“ اس نے فائقہ کو بتایا۔

”ابھی کچھ دن رُک جانی..... حالات سازگار ہوتے تو چلی جاتی۔“ فائقہ نے کہا تو انگن اور بابا صاحب نے دیکھا۔

”پہلے ہی کافی لیوڑ ہو چکی ہیں۔ دوستوں کی بھی کانڑ آ رہی ہیں۔ آج چکر لگا لوں واپسی پر کالج سے ہی ہاسٹل پہنچ جاتی جاؤں گی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ انگن خاموش رہا اور بابا صاحب نے انگن کی خاموشی نوٹ کی۔

”کیا بات ہے؟“ وہ بظاہر ٹی وی دیکھ رہا تھا لیکن دھیان کہیں انہوں تھا۔ انہوں نے کہا تو وہ چونکا اور پھر مسکرا دیا۔

”تھکنک۔“ انہوں نے سر ہلایا اور پھر فائقہ کو دیکھا۔

”عثمان نے پھر کیا فیصلہ کیا ہے شہرینہ کی رخصتی کے لیے؟“

”وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ شہرینہ سے پوچھ لیں.....“ اس کے بعد ہی کچھ ڈیباؤ کرتے ہیں۔“ بابا صاحب نے سر ہلایا۔

”شہرینہ کو علم ہے کہ ہم نے رخصتی کا ذکر کیا ہے؟“

”میں نے تو ابھی اس سے ذکر نہیں کیا۔“

”انگن تم کیا کہتے ہو..... کب کی ڈیٹ فاضل کر سیں؟“ انہوں نے خاموشی ٹی وی پر نگاہیں جمائے بیٹھے انگن کو متوجہ کیا تو وہ چونکا۔

”میرا خیال ہے ابھی اس معاملے کو روکنے دیں۔“ سب کی حیران ہوئے خصوصاً اماں بی۔

”لیکن تم نے تو خود کہا تھا کہ اب رخصتی کروادیں۔“ وہ خاموش رہا۔

”کیا بات ہے؟“ بابا صاحب نے ہی پوچھا۔

”وہ اپنی والدہ کو لے کر کافی پچھی ہو رہی ہے اور اس کی والدہ کی حالت بھی کافی کریشکل ہے۔ میرا خیال ہے ان حالات میں اس ٹاپک پر ڈکشن نہ ہی کریں تو اچھا رہے گا۔“

مغربی ادبی



لفظ لفظ سے لفظ لفظ سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں اس سے قبل آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
ہر ماہ دو سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں کی قلم کے قلم سے نکلے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں



خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے مآخذ ان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”لاسٹ ٹائم جب تم سے بات ہوئی تھی تو تم جانتی ہوئیں کہ میں نے کیا کہا تھا۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ جب بھی زین سے سامنا ہوگا یہ بات ضرور چڑے گی۔

”تم میری فیملی کے بے خبر نہ تھی اور سب سے زیادہ شاک مجھے جب لگا جب تم نے بتانا تک گوارا نہ کیا۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں جانتی ہوں تم حق بجانب ہو لیکن یہ رشید محض فیملی ریلیشن میں تھا۔ میں وہاں محض شادی میں شرکت کے لیے گئی تھی۔ ماما پاپا نے مجھے اس طرح ٹریپ کیا کہ میرے پاس سوائے یہ نکاح کرنے کے کوئی دوسرا آپشن نہ تھا۔ واپس آ کر میں بہت زیادہ ڈپریمڈ رہی ہوں۔ میں اس ریلیشن کو قبول ہی نہیں کر پاری تھی پھر تم سے یا کسی اور سے کیسے ذکر کرتی۔“ زین نے اسے بغور دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھی۔

”تو اب کیا ارادہ ہے؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اس کے سوال کی نوعیت نہ سمجھ پائی۔

”میری منگیت تمہارے سامنے ہے۔ میں اپنی کزن وغیرہ ہر ایک کو ٹھکرا کر تمہاری خاطر اپنی فیملی سے اسٹینڈ لینے کو تیار ہوں۔ تم بتاؤ تم میرا ساتھ دو گی؟“ وہ آ رہا پار والی کیفیت میں تھا۔

”نہیں۔“ شہرینہ نے سنجیدہ اور بے سکون انداز میں کہا تو زین نے حیران ہو کر دیکھا۔

”تم اس نکاح سے خوش نہیں ہو اس کے باوجود؟“ ”بات میرے نکاح سے خوش ہونے کی نہیں لیکن زین، ہم لوگ اچھے دوست تھے ہیں اور رہیں گے۔ میں نے تمہیں ایزے فریڈ ہمیشہ اپورٹس دی ہے اس سے زیادہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی فیملنگو نہیں تمہاری کزن ایک اچھی سلجی ہوئی اور کافی محبت کرنے والی لڑکی ہے تم اس کے ساتھ خوش رہو گے۔“

”لیکن میں اسے لانگ نہیں کرتا۔ پلیز شہرینہ ایک بار پھر سوچ لو۔“

”لیکن اتنے دن گاؤں میں رہنا بات ہضم نہیں ہو رہی۔“ حور یہی بات پرودہ پھر منس دی۔ ”بدلی بدلی لگ رہی ہو؟“ ”اندرونی طور پر یا بیرونی طور پر؟“

”یہ بعد میں بتاؤں گی لیکن اتنے ٹھنڈے مزاج کی تو کبھی بھی نہیں رہیں۔ جتنی اس وقت لگ رہی ہو۔“ وہ کھلکھلا کر منس دی اور زین سمیت سب بغور سے دیکھنے لگے۔

اس نے ایک دو کلمہ لیں۔ صبا اور حور یہ کولا بھری جانا تھا۔ وہ زین کے ساتھ پچھلے بہت سارے دنوں کے مس ہو جانے والے لکچر ڈسکس کر رہی تھی۔ ”کچھ ڈنیا پوائس بی میں ہے میں وائس ایپ یا ای میل کر دوں گا۔“

”ٹھیکس زین۔“ وہ قدرے مطمئن ہوئی۔ فائل ٹرم میں اب کچھ ہی دن تھے اور اس کی تیاری زبردستی۔ ”کہاں غائب تھی؟“ زین نے اسے بغور دیکھتے پھر ایک بار پوچھا تو وہ مسکرائی۔

”بتایا تو ہے کہ۔۔۔۔۔“ ”اور تمہارا کیا خیال ہے کہ حور یہ اور صبا کی طرح یقین کر لوں گا؟“ اس نے اس کی بات کاٹی۔

”یہ تو تمہارا ہیڈک ہے۔ میں زبردستی یقین دلانے سے تو رہی۔“ اس نے کندھے اچکائے تو زین نے کافی ملاحتی نظروں سے گھورا۔

”کس قدر سیلفش لگ رہی ہو تم اس وقت۔“ ”موڈ کیوں آف ہے؟“ اس نے بے سکون انداز میں پوچھا۔

”بہت بدل چکی ہو تم۔۔۔۔۔ ڈھونڈنے سے بھی کہیں سے بھی تم وہ پرانے والی شہرینہ دکھائی نہیں دیتی۔ تم اتنی بے خبر ہو کہ میرا موڈ کیوں آف ہے یا پھر بننے کی کوشش کر رہی ہو؟“

”دیکھو اگر میری غیر حاضری کی وجہ سے موڈ خراب ہے تو اس کے لیے میں سوری کر چکی ہوں۔“

”کیوں تمہاری اس سلسلے میں شہرینہ سے بات ہوئی تھی کیا؟“ ”جی۔“ بابا صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”تو پھر کیا کہا شہرینہ نے؟“ ”فائنل نے پوچھا۔“ ”وہ انکار کر چکی ہے۔“

”رخصتی سے یا اس رشتے سے ہی؟“ بابا صاحب نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

”دونوں سے ہی۔“ بابا صاحب کے چہرے پر سوچ کے سائے لہرائے۔

”ہم عثمان سے بات کریں گے۔“ آگن کھڑا ہو گیا۔ ”ابھی مت کریں۔۔۔۔۔ اس کی مدد بہتر ہو جائے کچھ حالات سنہلتے ہیں تو پھر بات کر لیجیے گا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اسے آج واپس گاؤں جانا تھا۔ وہ محض شہرینہ کی وجہ سے اتنے دن رکا ہوا تھا اب مزید نہیں رکا سکتا تھا۔ اس کے کام کا بہت حرج ہو رہا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر بیگ میں اپنا سامان رکھنے لگا تھا۔

شہرینہ کا دل آئی تو صبا حور یہ اور زین سب ہی دیکھ کر حیران ہوئے۔

”کہاں غائب تھی تم؟“ زین نے ہی سب سے پہلے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

”بتایا تو تھا حور یہ کہ میں گاؤں گئی ہوئی تھی۔“ ”اتنے دن۔۔۔۔۔؟“ وہ مزید حیران ہوا۔

”بس وہاں کئی فیملی فکشنز تھے۔“ اس نے ٹالنا چاہا تو صبا اور حور یہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”فیملی فکشنز۔“ حور یہ نے دہرایا۔ ”کہیں تمہاری رخصتی تو نہیں تھی؟“ زین کو اب اس کے نکاح کا علم تھا سو آواز بلند ہی پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ مسکرائی۔ ”جن کی شادی ہو چکی ہو ان کے یہ رنگ ڈھنگ تو نہیں ہوتے۔ ان کا تو رنگ روپ ہی نرالا ہوتا ہے۔ خیر“

”سوری زین ہمارے ہاں چھوڑ دیتے ہیں لیکن رشتے ختم نہیں ہوتے۔ یہ نکاح میرے والدین کے علاوہ ہمارے بزرگوں کی خواہش تھا اور میں لاکھ انکار کر لوں لیکن یہ ٹوٹ نہیں سکتا۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ایم سوری میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئے ہو لیکن میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ زین لب بچھینچا سے ڈور تک جاتے دیکھتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆
ماہ آرا بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ دارالاطفال سے آنے والی میڈ اس کے پاس تھی جب عثمان فاروق کمرے میں داخل ہوئے۔ ماہ آرا عثمان فاروق کو دیکھ کر ششدر رہ گئی اور دوسری طرف عثمان فاروق بھی اپنی جگہ پتھر بن گئے تھے۔

”کی دور میں جو حسن و خوب صورتی میں یکساں تھی آج پھلسا ہوا خوفناک چہرہ لیے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی ہوئی تھی۔ عثمان فاروق تو کئی محوں تک حرکت نہ کر پائے تھے۔

”آس میں سر پلیز۔“ میڈ شہرینہ کے والد کو جانتی تھی سو فوراً احتیاط کر لیا کہ وہ کمرہ۔

عثمان فاروق کا گویا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ بستر کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ ماہ آرا بھی خود کو سنبھالتی کہنیوں کے بل اٹھ کر بستر پر بیٹھی گئی تھی۔

”مجھے معاف کر دو عثمان۔“ عثمان فاروق کچھ دیر وہاں رُکے اور پھر وہاں سے نکل آئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے آفس میں تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہی کچھ دیر پہلے کے مناظر چل رہے تھے۔

ہاتھ باندھ کر سسک سسک کر روتی وہ عورت ان کے دل کو پتھر بنا کر جانے والی عورت اس وقت کتنی قابل رحم حالت میں تھی اور عثمان فاروق نہایت سہاٹ نظروں سے لیے تھے۔

سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”میں نے تمہارے اور فائقہ کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر اپنی بیٹی کے ساتھ بہت غلط کیا۔ میں بہت بری عورت تھی صرف اور صرف اپنی ذات کا سوچتی رہی اور تم سب کی زندگیوں سے کھینچی گئی۔“ عثمان فاروق تب بھی بے حس کھڑے رہے تھے اور اب سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ عثمان فاروق کو اپنی ساری زندگی کسی فلم کی طرح چلتی دکھائی دے رہی تھی۔

ماہ آرا کا اس کی زندگی میں آنا فائقہ کو چھوڑ کر ماہ آرا کو اپنا فائقہ کی قربانیاں اس کا ضبط اور پھر اس کی طرف سے لگائے گئے الزامات۔ ماہ آرا نے تو گویا تمام جرائم کا اعتراف کر کے بظاہر اس کے دل و دماغ کی گریں کھول دی تھیں لیکن عثمان فاروق کو لگ رہا تھا اس کی ساری زندگی وہ عورت کھن کی طرح کھا گئی تھی۔ اس نے اپنی ساری ناتمام حسرتوں کا بدلہ فائقہ سے لیا تھا۔ اس کی زندگی بھر کا نٹوں پر کھینچا تھا۔ ایک ایک لمحے کا حساب رکھا تھا اور ایک ایک پل سولی پر لٹکائے رکھا تھا۔ وہ لاشعوری یا شعوری طور پر اپنے ساتھ کیے جانے والے سلوک کا بدلہ ساری عمر فائقہ سے لیتا رہا تھا۔

”ماضی میں لگائے گئے الزامات میری روح کا ناسور بن چکے ہیں عثمان فاروق۔ آپ تو مرد ہیں ماہ آرا نے چھوڑا تو فائقہ تو تھی ہی آپ کے قدموں میں سر رکھنے کے لیے لیکن میری روح میرا جسم لہو لہان ہو چکا ہے۔ آبلہ پا چلی ہوں اس سارے سفر میں۔“ بیٹھی آرزو آواز نے عثمان فاروق کو جکڑا تو انہیں لگا جیسے سانس تک لینا محال ہو رہا ہے۔

وہ جانتے تھے سب سے زیادہ خسارہ فائقہ کے حصے میں آیا تھا۔ وہ اسے نہ وہ مقام دے سکے تھے اور نہ ہی عزت جو با حیثیت ایک وفادار اور وفا شعار بیوی کے طور پر وہ ڈیزور کرتی تھی بلکہ انہوں نے تو اپنی ناکام محبت ویران دل اور نا آسودہ زندگی کے تمام بدلے ہی فائقہ سے لیے تھے۔

”ایک بار ماہ آرا سے مل لیں اس سے پوچھ لیں ان الزامات کی حقیقت میرے کردار کی سچائی پھر بات کریں گے اس سارے سوڈوزیاں کی۔“ وہ پھر الجھنے کی ترسی اور عثمان فاروق کا ایسا سلوک۔ وہ اس وقت آفس میں بیٹھے اپنا محاسبہ کر رہے تھے۔

ماہ آرا ان کے سامنے گڑ گڑا کر روتی رہی تھی اور وہ بس اسے جاملے تاثرات سے دیکھتے رہے تھے۔ وہ اپنے سارے جرم قبول کرتی رہی احسان ڈار سے روائے بڑھانے سے لے کر فائقہ کی کردار کشی تک ہر بات بتاتی اور معافی مانگتی رہی تھی اور پھر وہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے چلے آئے تھے اور سارا رستہ خود کو ملامت کرتے رہے تھے۔

انہوں نے ساری زندگی ایک ایسی عورت کی خاطر قربان کر دی تھی جو ان کی بھی وفادار نہ تھی جس کے نزدیک اپنی ترجیحات اور ویل آف زندگی گزارنے کے خواب تھے۔ انہوں نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا اور پھر نہایت بے بسی سے خود کو اس سارے عمل کا ذمہ دار قصور وار سمجھتے اپنا سر ٹیبل پر گرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆
شہرینہ ابھی کان میں ہی تھی جب اس کے موبائل پر ہاسپٹل سے کال آئی تھی۔ میڈ نے کال کی تھی۔ ماہ آرا کی طبیعت سخت خراب ہو گئی تھی۔

شہرینہ سننے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً ہاسپٹل کی طرف بھاگی وہ وہاں آئی تو میڈ کے علاوہ ”دارالاطفال“ کے ایک دورور کر زاد بھی تھے جن کو کچھ اس نے بلوایا تھا۔ ماہ آرا آبزوریشن میں تھیں۔ حالت ابھی بھی ناگفتہ بہ تھی۔ میڈ نے بتایا۔

”آپ کے والد صاحب آئے تھے میں کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ جب چلے گئے تو میں وہاں کمرے میں آئی تھی تب یہ رو رہی تھیں۔ اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ سب کی زندگی برباد ہو جانے کی باتیں کر رہی تھیں اور پھر ان کی حالت بگڑتی چلی گئی۔“

”بابا آئے تھے۔“ وہ حیران ہوئی۔ ”لیکن کیوں؟“ وہ ماضی کے بارے میں ناخبر نہ ہوتی تو یقیناً ان کی آمد پر اس قدر حیران نہ ہوتی۔ وہ دل پر ایک گہرا مالال لیے۔ ہاسپٹل کے کارڈیڈر میں ٹپکتی رہی ڈاکٹر ز سے بات کرتی رہی لیکن ڈاکٹر ز تسلی دینے کے علاوہ ماہ آرا کے بارے میں کوئی اور بات نہیں کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆
وہ گھر آ کر ابھی بابا صاحب اور اماں بی سے بات چیت کر رہے تھے۔ فائقہ کچھ دیر قبل ہاسپٹل گئی تھی۔ لیکن کو ایک کام تھا وہ وہاں چلا گیا تھا۔ وہ ابھی باتوں میں ہی مصروف تھے جب ان کا موبائل بجایا۔ انہوں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف فائقہ تھیں۔

”ماہ آرا مر گئی ہے عثمان صاحب۔“ اطلاع ہی ایسی تھی کہ وہ چند پل کو ساکت رہ گئے تھے۔ فائقہ نے کال کاٹ دی تھی۔ یقیناً مزید بات کرنے کے لیے کچھ تھا بھی نہیں۔ وہ موبائل کو دیکھتے گم سم سے بیٹھے تھے۔ اماں بی اور بابا صاحب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”کیا بات ہے؟“ ”ماہ آرا مر گئی۔“ وہ کہہ کر کھڑے ہو گئے۔ اماں بی اور بابا صاحب دونوں نے افسردگی سے آنکھیں دیکھا۔ ”آپ شہرینہ سے رابطہ کر بیجیے گا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ اماں بی نے بابا صاحب کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔ ”میں شہرینہ سے رابطہ کرتا ہوں۔“ بابا صاحب نے ٹیلی فون اپنی طرف کھسکا تھا۔

☆.....☆.....☆
ماہ آرا کی ڈیڈ باڈی کے سامنے شہرینہ گم سم کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے محض آنسو بہہ رہے تھے۔ فائقہ مسلسل اس کے ساتھ تھیں اسے تسلیاں دے رہی تھیں اور پھر ڈیڈ باڈی کو لے جانے کا وقت آیا تو شہرینہ

Hamkies

Perfumed Tissue

Perfumed Tissue by Hamkies

Hamkies by Hamkies

Makers of Quality Hygiene Products

Available in 3 different colors

Simply Clean

Available in 3 different colors
Quality hygiene products

نے "دارالاطفال" کے مالک ریاض بانجو صاحب سے بات کی اور پھر ڈیڈ پاڈی کو ایبوسنس میں رکھ کر "دارالاطفال" بھیج دیا گیا اور شہرینہ فائقہ کے ساتھ گاڑی میں وہاں پہنچی تھی۔

وہاں سب ہی ماہ آرا اور شہرینہ کے رشتے سے متعلق باخبر نہیں تھے۔ سب کو شہرینہ نے یہی کہا تھا کہ وہ ان کی رشتہ دار نہیں ان کا آگے چھپے کوئی بھی نہ تھا اس لیے اس نے انہیں "دارالاطفال" رکھ لیا تھا۔

وہ نڈھال اور غمزدہ تھی۔ فائقہ مسلسل دلجوئی میں مگی ہوئی تھیں۔ آج کی رات بڑی تکلیف دہ مگی اور اگلے دن جنازہ تھا۔

بابا صاحب اور اماں بی اگلی صبح آئے تھے۔ اگلن کو فائقہ نے اطلاع کر دی تھی لیکن وہ نہیں پہنچ پایا تھا۔ تجھیزو تکلفین "دارالاطفال" سے ہوئی تھی۔

جنازہ اٹھا تو شہرینہ سسک سسک کر روئی، اماں بی اور فائقہ اسے مسلسل تسلیاں دے رہی تھیں۔ وہ چند گھنٹے مزید وہاں رکی اور پھر فائقہ کے اصرار پر واپس گھر آ گئی تھی۔ فائقہ اور اماں بی اس کا خاص خیال رکھ رہی تھیں لیکن اس کا دل تھا کہ بے قرار تھا۔

وہ نہایت اذیت میں تھی۔ ماہ آرا کچھ ماہ کی مہمان تھی لیکن ماہ آرا چند راتیں بھی جی نہ پائی تھیں۔ لوگوں کے لیے وہ کچھ بھی تھی لیکن اس کے لیے تو وہ ماں تھی۔ ماں کیسی بھی ہو کسی بھی طبقے کی ہو۔ ماں تو بس ماں ہوتی ہے اور اس کا دل چل کر آنسوؤں کے رستے بہہ رہا تھا۔

عثمان صاحب گھر پر نہ تھے۔ رات کے وقت کال آئی تھی کہ وہ ضروری میٹنگ کے سلسلے میں وہیں سے ایک دو دن کے لیے آؤٹ آف شہر جا رہے ہیں۔ شہرینہ کو لگا کہ کہیں بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑا سوائے اس کی اپنی ذات کے۔

وہ رات شہرینہ کے لیے از حد تکلیف دہ تھی۔ وہ ساری رات شہرینہ اذیت کی جھٹی میں جلتی سکتی رہی تھی۔

اگلے دن اگلن آیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں ہی تھی اگلن اس کے پاس کمرے میں آیا تو وہ بستر پر گم سم سمی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو؟" اس نے ایک گہرا سانس لیے اگلن کو دیکھا۔

"مجھے ماہ آرا کی موت کا شدید دکھ ہے میں کل بھی آنا چاہ رہا تھا لیکن کیس میں الجھا ہوا تھا۔" اس نے بتایا۔

وہ پھر بھی چپ رہی۔

"کلائنٹ کی پیشکش تھی اس کے کیس کا فائل فیصلہ ہونا تھا ورنہ میں جنازے میں ضرور شرکت کرتا۔" اس نے مزید کہا۔

"وہ کون سا بڑی اعلیٰ ہستی تھی جو ان کے لیے کوئی اتنا تردد کرتا۔ ویسے بھی ندان کا ماضی کوئی قابل فخر تھا اور نہ ہی ان کا بیک گراؤنڈ۔" وہ طنز یہ بولی۔

"چند دن کی کہانی تھی..... اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ مجھے نہیں لگتا اس خاندان میں سے کسی کو بھی ان کی موت سے کوئی فرق پڑا ہو۔ مجھے بھی نہیں پڑا۔ بس ایک رشتہ تھا بھادیا۔" وہ آرزو تھی۔ اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔

یقیناً وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"حسن آرا سے رابطہ کیا کیا؟" اس نے پوچھا تو وہ طنز یہ بولی۔

"ان کا ہونا یا نہ ہونا کسی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ سو ایسے لوگوں کو اطلاع کرنے کا فائدہ؟ بس چند لوگ تھے۔ جنازہ اٹھا تو قصہ ختم۔" وہ کہہ رہی تھی اور اگلن خاموش سے منتظر رہا۔

اماں بی وہیں آ گئیں۔ وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں تو اگلن اٹھ کر باہر آ گیا۔ فائقہ اپنے کمرے میں تھیں وہ انہیں تلاش کرتا وہیں چلا آیا۔ گفتگو کا آغاز کیا تو پتہ چلا کہ وہ خاصی افسردہ تھیں۔

"کیا بات ہے؟"

"میں نے عثمان صاحب کو کہا تھا ماہ آرا سے ملنے

کو..... میں چاہتی تھی کہ ان کا دل میری طرف سے صاف ہو۔ جس دن ماہ آرمی تھی اس دن وہ اس سے ملنے گئے تھے۔ ملازمہ نے بتایا تھا کہ ماہ آرا ان کے سامنے روٹی رہی تھی اور پھر وہ چلے گئے تو اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ پھر ماہ آرا کو آریزرویشن میں لے جایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکی تھی۔ انہوں نے تفصیل سے بتایا۔ آگن نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

”تو اس سارے عمل میں بھلا آپ کا کیا قصور؟ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟“

”میں اب پچھتا رہی ہوں۔ مجھے عثمان کو ماہ آرا کے پاس جانے کا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا۔ نہ جانے دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی جو ماہ آرا نے اس قدر اثر لیا۔“

”کچھ نہیں ہوا ہوگا۔ وہ بستر مرگ پر تھی چچا جان نے کچھ نہیں کہا ہوگا۔ آپ پلیز شہرینہ کے سامنے اس بات کا ذکر مت کیجیے گا۔“ وہ ان کے ہاتھ تمام کر تسلی دے رہا تھا۔

”وہ جانتی ہے کہ عثمان صاحب اسپتال گئے تھے۔“ آگن خاموش رہا۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا ان کی دل جوئی کرتا رہا تھا۔

لاہور میں کسی کو بھی اس سارے معاملے میں سے کسی بھی بات کی خبر نہ تھی سو کسی نے بھی رابطہ نہ کیا تھا۔ آگن نے اس کے بعد بھی ایک دو بار شہرینہ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا انداز سنجیدہ ہی رہا تھا۔ اگلے دن بابا صاحب کے کہنے پر آگن انہیں لے کر چلا گیا تھا۔ اماں بی ابھی وہیں تھیں۔ عثمان کا نور دو دن کے بجائے طویل ہو گیا تھا۔ انہیں مزید کچھ دن وہاں رکنا تھا۔

اگلے دن شہرینہ کالج جاری تھی۔ وہ ابھی بھی یاسیت کا شکا کرتی لیکن اس میں کچھ بہت لمبا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی ماہ آرا سے صرف اس کا رشتہ تھا۔ ماہ آرا چلی گئی اور معاملہ ختم۔ وہ آخر تک سوگ منائی۔ اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس کا فائل ٹرم تھا وہ سب کچھ

ایک طرف رکھ کر صرف اور صرف پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی۔

اسے اس یاسیت بھری دھک کی کیفیت سے نکلنے کا بس یہی واحد حل ملا تھا۔ سو اس نے خود کو صرف اور صرف پڑھائی میں مصروف کر لیا تھا اور بس۔



وہ ایگزیز دے کر فارغ ہوئی تو صورت حال کافی بدل چکی تھی۔ شہرینہ نے محسوس کیا کہ فائقہ اور عثمان فاروق کے تعلقات کافی بہتر ہوئے تھے۔ ان دنوں آفاق چلا آیا تو گویا گھر میں رونق سی ہو گئی تھی۔ اماں بی کچھ دن رہ کر واپس جا چکی تھیں۔ شہرینہ بھی ماں کی موت والے حادثے سے نکل چکی تھی۔ آفاق کو کسی بھی معاملے کا علم نہ تھا سو کسی نے اس سے ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

العدو فرح کا کوئی رشتہ آیا تھا۔ اماں بی اور بابا صاحب کے توسط سے۔ ساتھ والے گاؤں کے چودھری کا بیٹا تھا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ سب ہی کو رشتہ پسند آیا تھا۔ پھر ذات برادری بھی ملتی تھی سو کسی کو بھی اعتراض نہ تھا۔ منگنی کی تقریب گاؤں میں ہونا پانی تھی۔ فرح نے اسے کال کی تھی۔

”شیری پلیز آ جاؤ..... اماں بی نے اتنے دنوں سے مجھے یہاں بلوا کر بیٹھا دیا ہے۔ پہلے تو ان لڑکے والوں کی طرف سے دیکھنے کے لیے آتے جاتے رہے تھے اور اب اس منگنی کا شور سب نے عین وقت پر ایک دو دن پہلے ہی آتا ہے۔ میں ادھر اکیلی بور ہو رہی ہوں۔ پلیز آ جاؤ.....“

”کیوں بھی تمہارے وہ ہلاکو خان ٹائپ برادر صاحب کہاں ہیں؟“ وہ بھی فرح کی آواز سن کر اپنی پرانی روٹین میں بولی تو فرح ہنس دی۔

”وہ کچھ دنوں کے لیے پایا (اشفاق صاحب) کے کسی کلاسٹ سے ملنے لندن گئے ہوئے ہیں۔ انہیں گئے ہوئے اب تو ایک ماہ ہو رہا ہے۔ تمہیں خبر نہیں؟“ ”اوہ.....“ شہرینہ کے لیے یہ نئی خبر تھی۔ وہ واقعی

حیران ہوئی۔ آگن نے بھی کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ وہ ایگزیز کے دوران اس قدر مصروف رہی تھی کہ اسے نہیں خبر تھی کہ آگن اتنے دنوں سے کیوں غیر حاضر ہے ورنہ تو وہ اکثر چکر لگا رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

”آ رہی ہوتاں پھر..... زویہ بھی آ جائے گی مل کر منگنی کی تیاری کریں گے۔“

”گاؤں میں منگنی کی تیاری..... وہاں کون سا شاپنگ مال ہے جہاں سے تم تیاری کرو گی؟“ وہ طنزیہ بولی تو وہ ہنس دی۔

”خریداری وغیرہ سب ماما (والدہ) کر رہی ہیں۔ یہاں گاؤں میں بھلا یہ چیزیں کہاں ملتی ہیں۔ بس فٹنشن کی حد تک کہہ رہی ہوں۔“

”لیکن میرا دل نہیں کر رہا آئے کو۔“

”پلیز شیری..... میں بچا جان سے بھی اجازت لے چکی ہوں۔ رات انہیں کال کی تھی انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ پلیز.....“

”اوکے..... کب آتا ہے؟“ وہ بمشکل راضی ہوئی۔

”جھینک یو یا رُبس آج ہی آ جاؤ..... بلکہ میں چچا جان کو کہہ دیتی ہوں وہ تمہاری آج کی ہی ٹکٹ بک کروا دیتے ہیں۔ کالج سے تمہارا آف ہی ہے۔ یہاں سے ایئر پورٹ سے میں اور بابا صاحب تمہیں پک کر لیں گے۔ اوکے۔“

”پلانتک تو تم نے ساری کر رکھی ہے مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔“ اس نے کہا تو دوسری طرف فرح کھلکھلا کر ہنس دی۔

”میں پینکنگ کر لوں پھر.....“

”میں انتظار کروں گی۔“ اس نے کال بند کر دی۔

اس نے فرصت سے خود کو دیکھا کافی عرصے سے وہ اپنی طرف سے کافی غافل اور لا پرور رہی تھی۔ کافی خراب حالیہ ہو رہا تھا۔ سیلون کا ایک چکر لگانے کی ضرورت تھی۔ آگن تو گاؤں میں میں تھا پھر وہاں جانے میں بھلا کیا حرج تھا اور وہ کچھ ماہ میں اس قدر اسٹرپس لے چکی تھی

کہ اب کچھ ریلیف چاہتی تھی۔ کچھ سکون اور ویسے بھی فائل ٹرم کے بعد وہ اب فری تھی۔ یہ اس کا فائل مسٹر تھا۔ اب کچھ پروجیکٹ ورک تھا اور انٹرن شپ وغیرہ کا کام تھا۔ پروجیکٹ کا کام اس کے گروپ ممبرز کر رہے تھے اور انٹرن شپ سرٹیفکیٹ عثمان صاحب نے کہا تھا کہ وہ بنوائیں گے اسے خوار ہونے کی ضرورت نہیں۔ سو وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

اس نے پینکنگ کی۔ فائقہ کو گاؤں جانے کا بتا کر وہ سیلون آ گئی۔ بالوں کو ڈائی کروا کر اس نے اسٹریٹ کروایا اس کے علاوہ چہرہ بھی قابل توجہ تھا۔ اس نے مکمل فیشل کے علاوہ مینی کیور اور پیڈی بھی کروائے تھے۔ اور جب سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو اسے اپنا آپ ایک عرصے بعد کافی اچھا اور فریش سا لگا تھا۔ سیلون سے وہ سیدھا مارکیٹ آئی کچھ شاپنگ کی تھی اور پھر گھر آئی تو فائقہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

شہرینہ کو ایک عرصے بعد دوبارہ پرانی روٹین میں آتے دیکھ کر انہیں اچھا لگا تھا۔ انہوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ رات کی فلائٹ تھی۔ عثمان صاحب نے ٹکٹ کنفرم کر دیا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر اپنی تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)



جنون عشق تک

سمیرا شریف طور

آخری حصہ

تمہارے ساتھ ہی موسم بھی رخ بدلنے لگے
ہوا چھٹی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے
رہ حیات میں یوں تم نے میرا ساتھ دیا
کہ جیسے چاند مسافر کے ساتھ چلنے لگے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

امان بی فائقہ کے ہمراہ ماہ آرا کی عیادت کو لگاتی ہیں ماہ آرا
انہیں پہچان نہیں پاتی۔ امان بھی ماضی کو یاد کرتی ماہ آرا کے حال
پر افسردہ ہو جاتی ہیں۔ فائقہ ماہ آرا کو معاف کر دیتی ہیں۔
شہرینہ کا روپیہ شیر گلن کے ساتھ روز اول جیسا ہی ہوتا ہے اس کا
دل ابھی تک شیر گلن کے لیے محبت جیسے احساسات سے
عاری ہی رہتا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر ماہ آرا کو جواب دے
دیتے ہیں۔ شیر گلن اور شہرینہ علاج کے لیے ماہ آرا کو ملک
سے باہر لے جانا چاہتے ہیں مگر ڈاکٹر زان کی اس بات پر انہیں
غناظر خواہ جواب نہیں دیتے جس سے دونوں مایوس ہو جاتے
ہیں۔ شہرینہ گھر آ جاتی ہے اور دل بہلانے کے لیے دوستوں
سے بات کرتی ہے۔ بابا صاحب عثمان فاروق سے شہرینہ کی
رقص کی بات کرتے ہیں مگر عثمان فاروق ابھی شہرینہ کی رخصتی
نہیں چاہتے اس لیے وہ یہ بات شہرینہ پر رکھ دیتے ہیں جس
پر بابا صاحب شہرینہ کو سمجھانے کا کہتے ہیں شہرینہ تمام باتیں
سن لیتی ہے تب گلن شہرینہ کو اسپتال ڈراپ کرنی کی بات
کرتا اسے غصہ دلا جاتا ہے۔ حسن آرا جیل میں ہوتی ہے۔
عثمان فاروق کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں وہ جیل سے رہا ہو کر شہرینہ کو
نفصال نہ پہنچا دے اس لیے وہ سکیورٹی کے سخت انتظامات کرا
دیتے ہیں۔ شیر گلن فائقہ کو فون پر ماہ آرا کی طبیعت کے
بارے میں بتاتا ہے تب وہ شیر گلن سے پیسوں کی فکر نہ کرنے
اور علاج بہتر کرنے کی بات کرتی ہے۔ عثمان فاروق بھی ماہ آرا
کی طبیعت پوچھتے فائقہ کو حیران کر جاتے ہیں فائقہ انہیں
اسپتال جا کر ماہ آرا سے ملنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ عثمان فاروق
ماہ آرا سے ملنے اسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ ماہ آرا عثمان فاروق کو
پہچان جاتی ہے اور ان سے معافی مانگتی ہے۔ عثمان فاروق اس
کی حالت دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ ماہ آرا ان کے سامنے
ماضی کی تمام غلطیاں اور فائقہ پر لگائے گئے الزام بھی قبول لیتی
ہیں۔ شہرینہ کالج میں ہوتی ہے جب اس کے موبائل پر ماہ آرا
کی موت کی خبر آتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

وہ رات کے بارے بچے وہاں پہنچی تھی۔ فرح بابا صاحب
کے ساتھ اسے لینے لگی تھی۔ وہ شہرینہ کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔
”رہی.....! تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی
ہے۔“ وہ مسکرائی۔
وہ لوگ رات گئے گاؤں پہنچے تھے۔ وہ بابا صاحب سے ملی
تھی۔ امان بھی اسے دیکھ کر خوش ہوئیں وہ اس کے لیے جاگ
رہی تھیں انہوں نے کھانے کا پوچھا تو اس نے انکار کر دیا وہ گھر
سے کھانا کھا کر آئی تھی۔ بابا صاحب اور امان بی سونے چلے
گئے تو وہ بھی فرح کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی دونوں کو
ایک ہی کمرے میں رہنا تھا۔
حوبلی کے کمرے کھلے کھلے ہوا دار اور بڑے بڑے
دریچوں والے تھے سجاوٹ بھی دیہاتی اور ثقافتی اسٹائل میں کی
گئی تھی وہ یہاں آ کر خوش ہوئی لیکن پابند یوں سے بہت جلد
اکتا جاتی تھی۔
”تم نے لڑکے کو دیکھا ہے؟“ وہ فریش ہو کر آئی تو فرح
سے پوچھا۔
”نہیں۔“
”کوئی تصویر وغیرہ؟“ فرح نے پھر نفی میں سر ہلایا تو وہ
مزید حیران ہوئی۔
”بالکل دیو ہو تو..... بغیر لڑکے کو دیکھے بغیر تم کیسے اس
رشتے پر راضی ہو گئی؟“ وہ ناول ایک طرف رکھ کر فرح کے پاس
دھڑکیں بٹھائی۔
”یہ میرے بڑوں کا فیصلہ ہے، وہ مجھے اچھی طرح جانتے
ہیں میرے مزاج وغیرہ کو سمجھتے ہیں یقیناً سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ
کیا ہوگا۔“
”ہاں جیسا فیصلہ انہوں نے میرے اور گلن کے حوالے
سے کیا تھا۔“ اس کے انداز میں از حد ناگواری تھی فرح نے
ایک گہرا سانس لیا۔
”تمہیں گلن بھائی سے کس بات پر اختلاف ہے؟“
”یہ پوچھو مجھے ان کی کس بات سے اختلاف نہیں تو
میرے لیے بنانا آسان ہوگا۔“ فرح ہنس دی۔
”اب اتنے بھی برے نہیں ہیں تم انہیں تھوڑا ریلیف دو

new

Freedom

Ultra thin sanitary napkins

اب مخصوص دن بھی گزاریں خوشگوار

Ultra Thin
Extra Long

Freedom

ULTRA THIN

7 EXTRA LONG

Ultra Thin
Long

Freedom

ULTRA THIN

8 LONG

Health and Hygiene products

ذات کی خوبیوں خامیوں سمیت قبول کریں! میں کسی کے پر خود کو نہیں بدل سکتی! میں شہرینہ عثمان فاروق ضرور ہوں! میری اپنی بھی ذات اور شخصیت ہے اس کو مت بھولیں! قطعی انداز میں کہہ کر وہ مکمل طور پر کھڑکی کی طرف منہ کیے دیکھنے لگی فرح پلٹی تو ٹھہر گئی اماں بی کچھ فاصلے پر موجود تھیں انہوں نے چند پل شہرینہ کو دیکھا اور بغیر کچھ کہے وہ سے چلی گئیں یقیناً انہوں نے شہرینہ کی تمام باتیں سن تھیں فرح نے پلٹ کر دوبارہ شہرینہ کو دیکھا وہ بالکل لائق سی باہر دیکھ رہی تھی یقیناً وہ اماں بی کی آمد اور واپس چلنے جانے سے بالکل بے خبر تھی اس نے ایک گہرا سانس لیا واپس اماں بی کے کمرے کی طرف آئی اماں بی فون میں مصروف تھیں۔

”ابھی کچھ دن نہیں آ سکتے ہم شہرینہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔“ یقیناً وہ اس کے سسرال کال کر کے سناتے کے لیے وضاحت کر رہی تھیں۔

”نہیں..... نہیں بس سر میں درد تھا۔“

”کل تو بالکل بھی وقت نہیں ہوگا شہر سے کچھ مہمان آ جائیں گے جب بھی وقت ہوایا آنے کا پروگرام بنا تو ہم آپ کو آگاہ کر دیں گے۔“ انہوں نے مزید چند باتوں کے بعد کال کاٹ دی فرح ان کے پاس آ بیٹھی انہوں نے بہت سنجیدگی سے فرح کو دیکھا۔

”اے سمجھاؤ اس قدر ضد یا جذباتیت اچھی نہیں ہوتی آج تک ہم سے ہمارے اپنے بچوں نے بدتمیزی نہیں کی وہ ہمیں بہت عزیز ہے ہماری لاڈلی بھی ہے لیکن بڑوں کے ساتھ بات کرنے کے کچھ داب ہوتے ہیں اسے کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔“

”پتا نہیں وہ کیوں ایک دم ایسی ہوتی جا رہی ہے اچھی بھلی تھی محض ایک لگن بھائی سے رشتہ بدلنے سے وہ اس قدر ڈسٹرب یا بدلنا نہیں ہوتی مجھے لگتا ہے کہ کہیں نہ کہیں وجہ کچھ اور بھی ہے۔“ انداز کچھ بڑے سوچ تھا اماں بی نے اسے بخور دیکھا۔

”آپ کو اس کے مزاج کا علم تو ہے ناں میں اسے منا کر کسی اچھے سے ڈریس کے لیے ملاہ کر لیتی اب وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے مجھے نہیں لگتا کہ اب آپ کے ساتھ جائے گی بھی.....“

”میں نے اس کے سر پر پہاڑ گرا دیے کیا؟“ اماں بی بھی حقیقتاً امان کی گئیں۔

”جاؤ جا کر اسے لے کر آؤ وقت کم ہے ہم نے ان لوگوں کو دوپہر کا وقت دیا تھا ایک تو اس لڑکی کو کچھ کہنا ہی فضول ہے ہر وقت مزاج بگاڑنے لگتی ہے۔“ فرح باہر آئی تو وہ راہداری میں کھڑی تھی۔

”شہری۔“ اس نے پلٹ کر فرح کو دیکھا۔

”تیار ہو جاؤ یا رکائی دیر ہوگئی ہے۔“ اس نے نارمل لہجے میں کہا تو شہرینہ نے سنجیدگی سے دیکھا۔

”میں نہیں جا رہی۔“

”اے حد ہوتی ہے شہری..... تم بعض اوقات بچوں کی طرح امی میٹ کرنی ہو اماں بی تو بس ویسے کہہ رہی تھیں جو تمہارا دل چاہتا ہے پڑھو اور جاؤ۔“ شہرینہ نے محض سرسری سا نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں اب دل نہیں چاہ رہا پھر کبھی سہی۔“

”یار اچھا نہیں لگتا انہوں نے بطور خاص تمہیں انوائٹ کیا ہے۔“

”انہوں نے مجھے نہیں اس لڑکی کو انوائٹ کیا ہے جس کے نام کے ساتھ لگن عثمان فاروق صاحب جیسے معتبر ناموں کے حوالے جڑے ہیں میں کیا ہوں محض ایک ایسی لڑکی جس کی اپنی کوئی ویلٹیو نہیں۔“ اس کے لہجے میں از حد تلخی تھی فرح کو لگا کہ اس وقت شہرینہ کو جانے کے لیے قائل کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

”نی الحال میرا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کو کال کر کے معذرت کر لو پھر کسی دن موڈ ٹھیک ہوا تو چلی جاؤں گی۔“ انداز اٹل تھا۔

”اماں بی کو اچھا نہیں لگے گا یار۔“

”تو ان سے جا کر کہہ دو میں جو ہوں جیسی ہوں مجھے میری

”میں لیکن میں پوچھوں گی ضرور۔“ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”آپ ٹینشن نہ لیں وہ ایسی ہی ہے ابھی مت کچھ کہیں تھوڑی دیر بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی آپ ریٹیکلس رہیں۔“
 لالہ بی نے شخص سر ہلادیا۔
 فرح واپس چلی گئی تو انہوں نے بہت دکھ سے اپنا سر تکیے پر رکھا وہ شہرینہ کے مزاج اور رویے کو دیکھ کر بہت مایوس ہوئی تھیں۔ ان کی اپنی اولاد آنے آج تک ان کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی اور یہ شہرینہ..... ان کی سوچ کی گرہیں الجھنے لگی تودہ ستر پر دراز ہو گئی تھیں۔

❖.....❖

اگلے دن شایان زویہ اسد اور پھوپھی فیملی سے کچھ لوگ آگئے توجیسے حویلی میں رونق آگئی۔ شہرینہ کبھی مزاج ایک دم بدل گیا تھا شایان اور اسد کی موجودگی میں وہ بہت دیر تک اپنے قنوطیت زدہ موڈ میں نہیں رہ سکی۔ لالہ بی نے اس کے مزاج بدلنے پر تشکر کا سانس لیا تھا ورنہ وہ تو اس کے بارے میں خصوصاً شیر انگن کے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوئی رہی تھیں۔ انہیں اب شہرینہ اور شیر انگن کے نکاح والے فیصلے پر پچھتاوا اور ہاتھ اٹھانا نہیں لگ رہا تھا کہ انہوں نے ایک غلط فیصلہ کر دیا..... وہ اگرچہ عثمان فاروقی کی بیٹی تھی لیکن کہیں نہ کہیں ماہر آج بھی عورت کی ذات کا حصہ بھی تھی ماہ آرمز چکی تھی لیکن شہرینہ ان کے سامنے تھی اور شہرینہ جس طرح دو نوک انداز میں شیر انگن سے شادی بلکہ رخصتی سے انکار کر چکی تھی ایسے میں وہ ان دونوں کے مستقبل کے بارے میں خوف زدہ تھیں تاہم ان سب لوگوں کی آمد سے اس پر اچھا اور خوشگوار اثر پڑا تھا وہ اپنے خول سے نکل کر سب میں گھل مل گئی تھی۔

سب ہی توفیق ضیاء کو دیکھنے کو بے قرار تھے۔ لالہ بی اور بابا صاحب کی طرف سے یہی طے پایا تھا کہ سب جوان باری صرف ایک بار جا کر وہ بھی لالہ بی کے ہمراہ توفیق ضیاء کو دیکھ آئیں لالہ بی نے ان لوگوں سے وقت لے لیا تھا اگلے دن سب ہی جانے کو تیار ہو رہے تھے۔

لالہ بی نے شہرینہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا پہلے تو اس کا دل کیا کہ جانے سے انکار کر دے لیکن پھر خاموشی سے مان گئی وہ کمرے میں آئی تو ایک بار پھر کپڑے نکال کر دیکھ رہی تھی اسے آفس ہوا چند ایک فنی ڈیسے کے علاوہ باقی سب ہی شارٹ شرٹس کرتے وغیرہ کے ساتھ تانہ نش یا سائنلس سے پا جاے تھے ان سب میں سے اس نے ایک کافی معقول سا (جس پر لالہ بی کو بھی اعتراض نہ ہو) لباس منتخب کر لیا تھا۔
 لائٹ پنک سا دھرتا اور اس کے ساتھ کپڑے کی مثال میں وائٹ پا جامہ تھا۔ لباس نکال کر اس نے طیلندہ کیا تو فرح نے بغور دیکھا۔

”یہ پہنو گی؟“ ڈرتے ہوئے پوچھا تو شہرینہ نے غصے سے دیکھا۔

”کیوں اب کیا مسئلہ ہے اس میں؟“
 ”نہیں میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی بہت اچھا سوٹ ہے لیکن کافی سادہ سا ہے۔“ ڈرتے ہوئے اس نے آخری الفاظ کہے تو شہرینہ گھونٹ رہی۔
 ”چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ باقی بھی تیار ہو رہے ہیں لاؤ میں استری کر دوں۔“ اس سے پہلے کہ شہرینہ جانے سے انکار کرتی اس نے فوراً کہتے ہوئے سوٹ اٹھایا اور سوٹ لے کر نکل گئی۔

شہرینہ نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے دال روم میں گھس گئی وہ تیار ہو کر آئی تو سب سے پہلے لالہ بی نے اسے دیکھا۔ انہوں نے کوئی بات نہیں کی کچھ دیر بعد زویہ بھی کمرے سے نکلی تو اسے دیکھ کر شہرینہ کو اپنا لباس بہت سادا لگا۔ زویہ اچھے کام والے سوٹ میں ہلکا چمکا میکا کیے جیولری پہنے ہوئی تھی جبکہ شہرینہ بالکل سادہ سے طیلے میں تھی۔ وہ پھوپھی بیٹی لالہ بی کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گئی تھی۔

کچھ دیر میں سب ہی تیار تھے وہ لوگ ان کی طرف گئے تو وہاں سب ہی منتظر تھے۔ گھر کے بڑوں سے ملاقات کے بعد وہ ان کی خواتین کے ساتھ اندرونی حصے میں آگئیں جبکہ مرد حضرات مردانے کی طرف چلے گئے تھے۔

فرح کی ساس بہت اچھی خاتون تھیں دو بیٹیاں تھیں سب سے بڑا بیٹا توفیق تھا اور پھر دو بیٹیاں تھیں اور اس کے بعد دو بیٹے تھے۔

شہرینہ یہاں آ کر بورنوس ہوئی فاطمہ بہت ہنس کھ تھیں جبکہ عائشہ شادی شدہ تھی اور لالہ بی کی منگنی کے سلسلے میں میکے آئی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد توفیق ضیاء اندر آیا۔ توفیق ضیاء کو دیکھ کر وہ سب ہی متاثر ہوئی تھیں۔

وہ ایک وجیرہ ہارڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور رکھ رکھاؤ والا انسان تھا۔ وہ ان کے درمیان کافی دیر بیٹھا رہا تھا۔ وہ چاروں اس سے مختلف سوالات کرتی رہیں وہ سبھی انداز میں جواب دیتا رہا شہرینہ کو بھی وہ اچھا لگا تھا۔ شام کو ان کی واپسی ہوئی۔ آتے ہی وہ چاروں فرح کے سر ہو گئی تھیں۔

”یارت تم کہاں پھنس گئی ہو لڑکا ذرا بھی اچھا نہیں ہے۔“
 چھوٹی پھوپھی بیٹی ایمان نے کہا تو سب ہی سنجیدہ ہو گئیں۔

”بالکل..... نہ کوئی پر سنائی اور نہ ہی بولنے چاہئے کا کوئی سلیقہ۔“ زویہ نے بھی کہا تو فرح کے چہرے کا رنگ بدلا۔
 ”لیکن لالہ بی تو بہت تعریفیں کر رہی تھیں۔“

”ظاہر ہے انہیں تو پسند ہیں انہیں تو تعریفیں کرنا ہی نہیں۔“ ایمان کی چھوٹی بہن نے بھی حصہ لیا تو وہ واقعی پریشان ہو گئی۔

”کیا واقعی سب سچ ہے؟“ اس نے شہرینہ سے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔

”یہ تو تم ان لوگوں سے ہی پوچھو میری رائے کب تم لوگوں کے نزدیک کوئی اہمیت رکھتی ہے۔“ وہ اسے جواب دے کر اپنے موبائل میں مصروف ہو گئی فرح نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”چلو جو بھی ہے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو..... ویسے

میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مزاج کے لئے برے نہیں ہیں تمہارے ساتھ اچھے لگیں گے۔“ فرح کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی۔ شہرینہ نے اسے دیکھا تو مسکرا دی۔

”یہ کچھ تصویریں بنائی ہیں میں نے یہ دیکھ لو۔“ اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا لیکن فرح نے نفی میں سر ہلادیا۔
 ”رہنے دو..... جب بڑوں نے فیصلہ کیا ہے تو کچھ سوچ

سمجھ کر اور کچھ دیکھ بھال کر ہی فیصلہ کیا ہوگا میں کیوں خود بخود دل خراب کروں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“ وہ ایک دم بڑے سکون ہو گئی اور شہرینہ اچھے کر رہی تھی۔

کیا واقعی کوئی اتنی جلد ہی مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ تو ابھی تک اپنی ذات کی لڑائی میں الجھی ہوئی تھی۔ شیر انگن سے زبردستی رشتہ طے ہو جانا تو ایک کڑی گمی اصل چوکا تو ماہر آ کا وجود اسے لگا گیا تھا۔ نجائے کیوں اندر ہی اندر وہ ان سب سے بھی بدظن ہو چکی تھی۔ وہ فرح کے کہنے پر یہاں آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چند دن حویلی میں گزارے گی تو شاید ذہنی طور پر مطمئن ہو جائے۔ دو بار وہ پہلے کی طرح زہندہ دل اور مطمئن لڑکی بن جائے لیکن یہاں آ کر کبھی وہ مطمئن نہیں ہو پارہی تھی۔ وہ خود کو ان لوگوں اور اس ماحول میں اب ایک دم اجنبی محسوس کرنے لگی تھی خصوصاً ماہر آ کے ایک گہرے تعلق کو لے کر وہ از حد حساس ہو چکی تھی۔

فائدہ اس کے ساتھ بہت اچھی تھیں۔ وہ ایک عرصہ تک انہیں حقیقی ماں کا مقام دیتی رہی لیکن اب آ کر وہ ان سے اپنے تعلق سے متعلق سمجھوتہ نہیں کر پارہی تھی۔

زویہ اور ایمان دونوں فرح کو خوب تنگ کر رہی تھیں لیکن وہ مطمئن تھی۔

”ظاہری شخصیت دنیا کے لیے تو اچھی ہو سکتی ہے لیکن اہم بات انسان کا باطن ہوتا ہے میرے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ توفیق ضیاء میرے والدین اور میرے بزرگوں کی پسند ہیں دیش آل۔“ سب ہنس دیں۔

”حضرت ماں کو کتنا عت کہتے ہیں۔“ زویہ نے چھیڑا۔

”شہری اس کو تصویر دکھا دو۔ اب بے چاری کا اتنا حق تو بنتا ہے نا۔“ لالہ بی نے کہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ فرح نے کندھے اچکائے

شہرینہ نے تصویر نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ فرح کی نگاہیں چند لمحوں کو ساکت ہوئیں اور پھر اس کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت درآئی وہ مسکرا دی اور پھر ان سب کو دیکھا۔

”بہت بدتر بہتر سب۔“ وہ سب ہنس رہی تھیں۔

”کیا لگا کر پرانے؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

”ویریٹی؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”ویریٹی۔“

لیکن اس کا دل بوجھل ہونے لگا تو وہ ان میں سے اٹھ کر اپنا موبائل لیے باہر لان میں آگئی تھی۔

.....○.....

وہ رات دیر سے سوئی تھی لیکن صبح اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ باہر لان میں آئی اسے یہاں آئے کافی دن ہو رہے تھے جو پچھلے میں بڑی ماما (فائزہ بیگم) بھی آچکی تھیں اس کے علاوہ دونوں چھوہیاں اور ان کے بچے بھی تھے کافی رونق ہو چکی تھی۔ رات گئے تک ڈھونگ وغیرہ کا پروگرام چلا تھا۔

وہ چند منٹ لان میں ہی رہتی رہی اور پھر کسی کو بھی بتائے بغیر باہر نکل آئی صبح کے تروتازہ ماحول میں وہ کافی دور تک نکل گئی تھی۔ کچی سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو وہ واپس پلٹی۔ جو پلے کے گیٹ کے قریب آئی تو ایک سیاہ رنگ کی کار اندر جاتی دکھائی دی وہ حیران ہوئی اتنی صبح بھلا کون آگیا وہ اندر آئی تو چوکی گاڑی ہاتھ دے پر کھڑی تھی۔ گاڑی سے شیر

آگن اتر رہا تھا وہ ٹھنک کر رک گئی۔

اتنی صبح شیر آگن کی آمد جبکہ گاڑی بھی جو پلے کی تھی جو خصوصی طور پر بابا صاحب کے استعمال میں رہتی تھی اور ڈرائیور بھی ان ہی کا تھا۔

شیر آگن نے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ ڈرائیور کچھ سیٹ سے سامان نکال رہا تھا۔ دوسرے دروازے سے اسد باہر نکلا۔ شیر آگن اندر چلا گیا وہ چلتے ہوئے اسد کے پاس آئی۔

”اتنی صبح کہاں سے آ رہے ہو؟“ رات گئے تک تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ڈھونگ کی محفل میں رہا تھا اور اب آگن کے ساتھ اس کی آمد۔

”آگن بھائی کو ایئر پورٹ سے لینے گیا تھا۔“

”وہ کب آئے؟“

”صبح تین بجے کی فلائٹ تھی بابا صاحب کو کال کی تھی۔ انہوں نے مجھے ڈرائیور کے ساتھ لینے بھیجا تھا انھی لے کر آیا ہوں۔“

”شہرینہ نے سر ہلایا۔“

”آپ کہاں سے رہی ہیں؟“

”میں ڈراما کے لیے آئی تھی۔“

”آپ کہاں سے رہی ہیں؟“

”میں ڈراما کے لیے آئی تھی۔“

”آپ کہاں سے رہی ہیں؟“

”کیوں یہاں آکیلے جانا منع ہے کیا؟“

”آکیلے جانا منع تو نہیں لیکن پھر بھی احتیاط کرنا چاہیے۔“

اب آپ کا آگن بھائی ہے جو رشتہ ہے اس لحاظ سے جو پلے کی عورتیں آگنیں باہر نہیں نکلتیں۔ اس نے کہا تو شہرینہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”میں پہلی بار جو پلے نہیں آئی جو ان ریڈز کو فالو کروں میں جب بھی آتی تھی آکیلے نہیں بھی چلی جاتی تھی۔“ وہ مسکرایا۔

”جب آپ صرف شہرینہ عثمان تھیں اب آپ شہرینہ شیر آگن ہیں پورا علاقہ شیر آگن کو جانتا ہے پھر احتیاط اچھی بات ہے۔“ وہ کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ سامان لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

”آپ بھی آجائیں شیر آگن بھائی سے مل لیں۔“ جاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

شہرینہ نے غی سے اسے دیکھا وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ کیونہ تو نظروں سے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر جانے کے بجائے کچھ دیر وہیں لان میں ہی ٹھہرتی رہی اور پھر وہ اندر فرخ کے کمرے میں آگئی۔

فرخ سو رہی تھی رات کی چٹکن تھی جبکہ اسے اب شدید بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کپاس تبدیل کر کے باورچی خانے میں آگئی۔ اس نے ملازمہ کو ناشتہ تیار کرنے کا کہا اور واپس کمرے میں آگئی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ ناشتہ لیے اس کے کمرے میں آگئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اپنے موبائل میں مصروف رہی اور پھر جلدی سو گئی اور جب سو کر اٹھی تو کمرے میں کوئی بھی نہ تھا منہ ہاتھ دھو کر کپاس تبدیل کر کے ہال سے باتوں کی آواز سن رہی تھیں۔ وہ قریب آئی تو رک گئی۔

”بس اچانک کام ختم ہوتے ہی آج کی فلائٹ مل گئی تھی تو فوراً چلا آیا۔“ شیر آگن بتا رہا تھا۔

”کسی نے ہمیں بتایا ہی نہیں ورنہ سب ہی جاتے جنہیں لینے۔“ فرخ نے کہا۔

”میں نے منع کر دیا تھا تب بچے کی لینڈنگ تھی کیا سب کو زحمت دینا بس بابا صاحب کو اطلاع کر دی تھی کسی سے

بھی ذکر نہ کریں ویسے مجھے اچانک دیکھ کر تمہیں تو خوشی ہوئی چاہیے تھی۔“ اس نے فرخ سے کہا۔

”ہاں خوشی تو مجھے واقعی بہت ہو رہی ہے پتا نہیں آپ فنکشن میں سب کے ساتھ یہاں ہوتے کہ نہیں میں سوچ سوچ کر ٹینشن میں تھی۔“

”اسی فنکشن کے لیے یہی جلدی جلدی سب کام نبھاتا آیا ہوں وہاں بابا کے ایک کلائنٹ کے ساتھ کچھ قانونی معاملات طے کرنے تھے اس لیے اتنی دیر ہو گئی۔“ وہ اور بھی بچانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ شہرینہ اندر جانے کے بجائے وہیں سے پلٹ گئی تھی۔

نجانے کیوں آگن سے سامنا کرنے کا دل ہی نہیں جا رہا تھا۔ لیکن شام کے وقت جب سب ہی ہال میں بیٹھی ہوئی تھی اس لیے اسے اسے کسی کام سے کمرے میں بلوایا ملازمہ پیغام لے کر آئی وہ ان کے کمرے میں آئی تو دھکیلی۔ آگن بھی وہاں موجود تھا۔

کافی عرصے بعد یہ پہلا موقع تھا فائزہ بھی وہیں تھیں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں دونوں ہی ایک پل کو ساکت ہوئے لیکن شہرینہ فوراً سنبھل گئی تھی۔

”آپ نے بلوایا تھا ملاں بی۔“

”ہاں اصرار ڈیٹھو۔“ انہوں نے اپنے قریب بیٹھنے کو کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

”یہ فائزہ نے تمہارے لیے بلوایا تھا پہن کر دیکھو ٹھیک ہے۔“ انہوں نے سونے کا ایک برہ سلپٹ اسے دکھایا تو وہ حیران ہوئی۔

”میرے لیے لیکن کیوں؟“

”لو اب تم اس کی بہنوئی کی منگنی پر خالی ہاتھ تھوڑا جانے دے گی۔ یہ پہن کر دکھاؤ۔“ انہوں نے کہا تو شہرینہ کا جی چاہا کہ لہنا تھا پیٹ لے۔

وہ بڑے واضح انداز میں آگن سے متعلق بیڑی کا اظہار کرتی آ رہی تھی۔ بڑے صاف الفاظ میں سب کو مختصر بلکہ اس رشتے سے ہی انکار کر چکی تھی لیکن ملاں بی بابا کی کسی پر بھی کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

”سوری..... لیکن مجھے یہ سب پسند نہیں۔“ اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ فائزہ کے سامنے نکاح کے بعد پہلا موقع تھا جو کھل کر اس نے کسی بات کے لیے انکار کیا تھا بلکہ نکاح کے بعد حویلی میں ہی دنوں کا سامنا ہی اب ہوا تھا۔

”کیوں برے سلیسٹ اچھا نہیں لگا کیا؟“

”نہیں یہ تو خوب صورت ہے لیکن میں گولڈ نہیں پہنتی بلکہ جس حوالے سے آپ دینا چاہ رہی ہیں اس حوالے سے تو کبھی نہ لوں۔“ اس کا انداز صاف واضح اور ختم تھا۔ فائزہ نے حیران ہو کر جبکہ لہلہائی نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”تم ہماری بھانجی بھی ہو بیٹا۔“ فائزہ نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کھڑی ہو گئی۔

”بس ماہ آ کی بیٹی ہوں اور مجھے نہیں لگتا کہ ان کے حوالے سے میرا کسی سے کوئی خونی رشتہ ہوگا ہاں عثمان فاروق کے حوالے سے میں انکار نہیں کرتی لیکن یہ نہیں لے سکتی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ لہن نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ فائزہ حیران اور ماں کی پریشان ہوئیں۔

”یہ کیا کہہ رہی تھی..... یہ ماہ آ کو کیسے جانتی ہے؟“ فائزہ پریشان ہوئیں۔

”وہ سب جانتی ہے۔“ لہلہ بی نے دھڑکے لہجے میں کہا۔

”مگر کیسے؟“ جواب لہلہ بی نے تمام کہانی کہہ سنائی۔ فائزہ حیران و پریشان نہ رہی تھیں۔

”اتنا کچھ ہو گیا اور آپ نے ہوا تک نہ لگنے دی۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”جو کچھ بھی ہوا وہ اس قدر قابل فکرتو نہ تھا کہ سب کو بتائی دے۔“

”یہ بھی ماضی کی راہ کریدنے سے اب کیا حاصل۔“

”لیکن لہلہ بی آپ کو ہم سے تو ذکر کرنا چاہے تھا..... شہرینہ تو ماہ آ کی موت کے بعد بالکل ٹوٹ گئی ہوگی کم از کم اسی سے اظہارِ تفریق کرتے۔“

”جو ہوتا تھا ہو گیا..... مٹی ڈالو میری فائدگی آؤ ماش ختم ہوئی..... عثمان کا رویہ بہت بدل گیا ہے۔“

”لیکن شہرینہ کا رویہ بھی کچھ بہتر نہیں۔“ فائزہ کو تشویش لاحق تھی۔

”ٹھیک ہو جائے گی۔ ہم نے بھی فی الحال اسے اس حال پر چھوڑ دیا ہے۔“

”لیکن یہ انہی بات نہیں وہ مزید نیکی ہو سکتی ہے وہ اسے صرف ماضی کی ماہ آ کی بیٹی نہیں بلکہ میرے لہن کی بہن بھی ہے یہ خوش آمدت بات نہیں۔“ وہ بہت فکر مند تھیں۔ لہن کو بکھڑے سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں کو اس گفتگو میں الجھا ہوا چھوڑ کر باہر نکلا تھا۔

وہ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شارٹ شرٹ اور ٹائٹ کے ساتھ گلے میں دوپٹا جھول رہا تھا۔ وہ گم سمی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لہرا گیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی لہن کی آواز پر چونکی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ گزشتہ کچھ عرصے نے لہن کی صحت پر کافی خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند اور پُرکشش لگ رہا تھا۔ لہن اس کے پاس ایک سیریز چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

”بتایا نہیں تم نے کیسی ہو؟“

”میں نہیں جانتی کہ میری خیریت سے آپ کو کوئی سروکار ہوتا چاہیے۔“

”کیوں بھئی..... مجھے تو سروکار ہے اس لیے تمہارے پیچھے چلا آیا ہوں۔“ اس نے لہن سے کہا۔ شہرینہ بظاہر مسکرائی۔

”نئی خبر ہے۔“ وہ اب سامنے دیکھنے لگی اور شیر لہن اسے ”مختوب اور غلوں کی قدر نہ کریں تو وہ ہم سے چھن بھی سکتی ہیں اور اگر یہ ایک بار چھن جائیں تو واپس نہیں پلٹیں۔“ لہن نے کہا تو شہرینہ نے اسے دیکھا۔

”محبت کی بات آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگ رہی شیر لہن صاحب۔“ وہ ہنس دیا۔

”کچھ عرصہ میرے ساتھ رہ کر دیکھوں میں یقین دلانا ہوں تمہیں نہ صرف میرے منہ سے محبت کی بات اچھی لگے گی بلکہ میرا جو دم بھی اچھا لگنے لگے گا۔“ وہ استہزائیہ ہنس دی۔

”بڑی خوش بختی ہے جناب کو۔“

”لیکن غلط فہمی نہیں.....“ اس نے بھی فوراً کہا۔

دونوں خاموش ہو گئے اور خاموشی کچھ پل ہی رہی اور

شہرینہ کھڑی ہو گئی۔

”مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے بلا لیجئے گا۔ بات بہت اہم ہے مگر اس وقت نہیں کر سکتی۔“

”میں فارغ ہوں تم کہو۔“ وہ بھی اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

”مجھے ڈائیورس چاہیے۔“ قطعی انداز تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شیر لہن چند پل کو ساکت رہا۔

”مگر میں انکار کروں تو.....“ وہ بھی اذہ بخیدہ ہوا۔

”تو پھر میں آپ کے چچا کو مجبور کروں گی کہ وہ یہ اقدام اٹھائیں۔“ وہ ہنسنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

”وہ ایسا نہیں کریں گے۔“

”تو پھر میں ذہنی طور پر کورٹ میں جاؤں گی۔“ لہن کے چہرے کی مسکراہٹ ختم ہو گئی۔

”کورٹ ڈائیورس لینے کی ریزن بتائیے گا۔“

”ریزن دینا میرا کام ہے۔“ وہ مزید بولی۔

”وکیل میں ہوں ہماری عدالتوں میں ڈائیورس لینا اتنا آسان نہیں ہے۔“

”وہ بعد میں دیکھیں گے۔“ وہ اٹل لہجے میں بولی۔ لہن کی آنکھوں میں سرخی پھیلنے لگی۔

”تو ٹھیک ہے..... بڑوں کو راضی کر لؤ کورٹ میں ہی ملیں گے پھر۔“ وہ دونوں الفاظ میں کہہ کر جیسے یا تھا دیسے ہی چلا بھی گیا اور شہرینہ..... وہ عجیب سے بے حس انداز میں اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

○.....○.....○

فائزہ بیگم نے ماہ آ کی تقریر کی اور تمام صورت حال پر افسوس کا اظہار کیا وہ خاموش ہی رہی۔

”یہ مت سمجھنا کہ تمہارا ہم سے کوئی سوتیلا رشتہ ہے تم نے فائدگی کو کھ سے نہیں لیا تو کیا وہاں عثمان فاروق کی بیٹی ہو اور ہمیں ہماری فرح کی ہی طرح عزیز ہو بلکہ اب تم ہماری بہو ہو تو فرح سے بھی بڑھ کر عزیز ہو۔“ شہرینہ اب بھی خاموش رہی۔

”ہم نے تمہیں کبھی سوتیلا نہیں سمجھا اس لیے تم کوئی غلط بات مت سوچنا۔“ وہ اب بھی خاموش تھی۔ وہ اس کے پاس کافی تک بیٹھی تھیں۔

شایان اور اسد باہر جانے کے لیے نکل رہے تھے۔ لڑکیاں بھی ان کے سر ہو گئیں۔ وہ جب سے آئی تھی حویلی میں ہی کسی ان سب کا خیال تھا کہ فارم ہاؤس کی طرف گھومنے نکلیں لہلہ بی سے اجازت مل گئی تھی انہوں نے اسد اور شایان کو ساتھ چلنے کے لیے راضی کر لیا تھا۔

شہرینہ بھی ساتھ جانے کو راضی تھی۔ وہ عصر کے قریب فارم ہاؤس آئے تھے۔ فارم ہاؤس کے ساتھ باغ تھا جس میں امرود کے درخت تھے لڑکیوں کے لیے یہ ایک خوش گوار تفریح تھی۔ کھانا ساتھ تھا سب ہی نے خوب انجوائے کیا تھا۔ شایان اور اسد گھر سواری کے لیے اسٹبل کی طرف چلے گئے شایان نے ایک دو چکر لگائے تو گھر سواری کی شو قین شہرینہ کا دل چمکنے لگا۔

”شایان..... میں بھی رائیڈنگ کروں گی۔“ وہ اسٹبل کے باہر کھڑی زور سے چلائی۔

”نہیں بھئی ماضی کے تجربات گوارہ ہیں کہ تم کوئی مصیبت ہی لگاتی ہو..... اس بار بختی سے انکار ہے۔“

”لیکن مجھے ضرور کرنی ہے۔“

”شیر لہن بھائی ابھر فارم ہاؤس میں ہی ہیں انہیں خبر ہوگئی تو میری شامت آجائے گی۔“ وہ گھر سواری کرتے ہوئے دور سے کہہ رہا تھا۔ شہرینہ نے حیران ہو کر زد یہ کو دیکھا۔

وہ اور زد یہ دونوں اسٹبل کے احاطے کے پاس تھیں جبکہ باقی تینوں اسرود کے باغ میں تھیں۔

”یہ شیر لہن کب آیا؟“

”یہ تو ہماری آمد سے پہلے ہی یہاں موجود تھے بلکہ جب ہم آئے تھے تو چونکہ کیدار نے ہی اطلاع دی تھی کہ لہن صاحب دوپہر سے یہاں ہیں کچھ دست راستہ تھے دست تو چلے گئے خود اندر دم میں سو رہے ہیں۔“

”تو کیا ہوا میں اس سے کون سا رتی ہوں..... ابھر آؤں

یہ ہوش ہو جاتی تھا چوت کانی شدید تھی۔

”اس کو فارم ہاؤس لے چلیں۔“ آگن نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً کہا۔

”لیکن کیسے یہ ہوش ہے؟“ شایان پریشان ہوا۔

”میں لے جاتا ہوں تم دوسرے گھوڑے کو لے کر جلدی پانچو۔“ شایان کی مدد سے بے ہوش شہرینہ کو مشکل سنبھالنے شیر آگن خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔

وہ اسے لے کر فارم ہاؤس آیا تو سب ہی لڑکیوں کی شہرینہ کو دیکھ کر چپیں لٹکی گئی تھیں وہ لڑکیوں کی مدد سے اسے اندر کمرے میں لے آیا تھا۔ شہرینہ کے سر سے ابھی بھی خون بہہ رہا تھا وہ مسلسل بے ہوش تھی۔ آگن نے کسی کو کال کی اور پھر اسے فوراً اپنے کمرے کو گانا لہا ڈاکٹر لے گیا۔

”پانی لاؤ۔“ اس نے پریشان سے فرخ کو کہا اور خود شہرینہ کے پاس بیٹھ گیا۔

”شہرینہ.....“ وہ استاء وازیں دے رہا تھا۔ جبکہ زبیر اور ایمان اس کے ہاتھ پاؤں ملنے لگیں۔

”شہرینہ..... شہرینہ.....“ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

خون سے تھکے رنگین ہو رہا تھا اور شیر آگن کا آف وائٹ سوٹ جا بجا خون سے رنگین ہو گیا تھا۔

فرخ بانی لائی اور اس کے منہ پر چیپٹے مارے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا آگن نے تو لیے سے اس کے سر کا زخم چیک کرتے ہوئے خون صاف کیا اور کوئی فرسٹ ایڈ باکس تو تھا نہیں جو فوراً ہم پٹی کرتا۔

”اگر زیادہ مسئلہ ہے تو کسی اسپتال لے جلتے ہیں۔“ اسد نے کہا تو آگن خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا اور ساتھ ہی شایان بھی۔

ڈاکٹر کی موجودگی میں شہرینہ پر چادر ڈال کر سب لڑکیاں باہر نکل گئی تھیں۔ شایان اسد اور آگن پاس رک گئے تھے۔

”چوٹ کیسے لگی؟“

”گھوڑے سے گر گئی تھیں۔“ وہ زخم صاف کر کے خون روکنے کا بندوبست کرنے لگے۔ خون رکا تو اب وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش میں تھے۔ اس نے دو تین انکیشن

لگائے۔

تھوڑی دیر بعد شہرینہ کے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ کراہ رہی تھی اور پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھولنے پر اسے سب سے پہلے جو چہرہ دکھائی دیا وہ شیر آگن کا تھا بہت پریشان اور الجھا ہوا۔ وہ حواسوں میں نہیں تھی اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

”شہرینہ۔“ آگن نے ایک دم پریشان ہو کر پکارا تو اس نے پھر آنکھیں کھولیں۔

”کیسی ہو اب؟“ اس نے پوچھا مگر وہ خاموش رہی۔ اسے اپنے سر سے درد کی ٹیمیں اچھی محسوس ہو رہی تھیں تکلیف لگتا تھا اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

”زی لیکن۔“ ایک ایڈی۔“ درد کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے پانی بہا تو آگن نے فوراً اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا ڈنٹ وری۔“ اس نے تسلی دی۔ شہرینہ نے آنکھیں بند کر لیں تو کئی آنسو ٹوٹ کر سائیدوں پر گرے تھے۔

”زخم کانی گہرا ہے لیکن پریشانی دلی بات نہیں۔“ ڈاکٹر نے تسلی دی۔

”کوئی اور زخم تو نہیں؟“ ڈاکٹر نے پوچھا تو آگن نے شہرینہ کو دیکھا۔

”شہرینہ۔“ اس نے آنکھیں کھولیں۔

”کہیں اور درد غیر جانبدار نہیں؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے لیٹے لیٹے ہی اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے لیکن بایاں پاؤں اس سے نہیں ہلایا گیا وہاں شدید درد تھا۔ اس نے دوبارہ پاؤں کو حرکت دی تو حلق سے چیخ نکل گئی۔

”میرا پاؤں۔“ زمین میں پھنس جانے کی وجہ سے اس کا پیر کافی زخمی تھا۔ ڈاکٹر نے دونوں پیر دیکھے اور پھر بایاں پیر دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا پھر پر جا بجا نیلے ساتھ سوجن بھی تھی۔

”آئی تھنک پاؤں کی ہڈی فریکچر ہو گئی ہے۔“ پیر میں شدید درد تھا پھر رہا تھا ڈاکٹر نے پیر پر ہاتھ رکھا تو شہرینہ کی چپیں

نرا احسنین کے قلم سے لگی

دل کے تاروں کو چھیرتی محبت کی ایک اچھوتی داستان خوابوں کی سرزمین اپہن میں ہوا دور وحوں کا ملن جن کے دل زخموں سے چپاک تھے تو بدن برسوں کی تھکن سے چور آپ بہت جلد حجاب کی نگری میں ملیں گے

عشق بگڑ گیا

عشق بگڑ گیا

عشق کے ہر انگ میں رنگ ہے تو وفاؤں کا بھی اک انوکھا ڈھنگ ہے

عشق بگڑ گیا

حسن کی ادا کو رد حاصل ہے تو عشق میں کھیلے گئے داؤ کا بھی اک بھاؤ ہے

ہوس کے نشے میں چور مجرم اپنے ہی گھر کو نشانہ بنا کر گناہ کا ٹھہرتا ہے
محبت اور ان کی جنگ لڑتے کرداروں سے متعارف کراتی خوب صورت تحریر

کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ کرنا نہ بھولیں

حجاب کچی

بے اختیار تھیں۔

”پلیز ڈونٹ شی می۔“

”میرا خیال ہے کہ انہیں کسی ایجنے سے ہسپتال لے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔“ ڈاکٹر نے ہنسی ماری۔

گاڑی موجود تھی لیکن نہ حویلی کال کر کے دوسری گاڑی لانے کو کہا اور اس کو ہدایت کی کہ دوسری گاڑی آتے ہی وہ تمام لڑکیوں کو لے کر حویلی چلا جائے۔ وہ اور شایان شہرینہ کو لے کر نزدیکی ہسپتال جا رہے ہیں۔

فرح نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو لیکن اسے ساتھ لے لیا باقی سب کو اس کے ساتھ حویلی چلے جانے کی تاکید کر دی تھی۔

ہسپتال آ کر وہ اسے ایمر جنسی میں لے آئے تحصیل کی سطح پر ایک اچھا پرائیویٹ ہسپتال تھا۔ انہیں فوراً دیکھا گیا۔ پیر کی ہڈی فریکچر تھی ڈاکٹر نے فوری طبی لمداد بنا شروع کر دی تھی۔

♦.....♦

رات کو حویلی سے فائزہ بیگم ماں بی اور پھوپھی آگئی تھیں۔ شہرینہ کو دم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ غنودگی میں تھی۔ لیکن سب ہی لڑکیوں کو لے کر شایان سب کو کتنی سے اصل بات بتانے سے منع کر دیا تھا ماں بی کو بھی اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ درخت سے گر گئی تھی۔ وہ رات سارا وقت ہسپتال میں رہے اگلے دن وہ ہوش میں آئی تو اسے بخار نے آ لیا تھا جسم شدید درد کر رہا تھا۔

جسم کے روئیں روئیں میں درد تھا لیکن وہ کسی سے بھی کہنے سے قاصر تھی۔ لیکن مسلسل اس کے پاس تھا۔ شایان ساتھ تھا فرح فائزہ بیگم ماں بی اور پھوپھی سب ہی پریشان تھیں۔

اگلے دن دوپہر تک وہ ہسپتال رہی اور پھر اس کے چند ٹیسٹ لینے کے بعد ڈاکٹر نے اسے سچا کر دیا تھا۔

فرح فائزہ پھوپھی کو لے کر تھیں اسے سہارا دینے والے وہ لوگ گھر آ گئے تھے۔ حویلی آ کر بھی اسے کمرے میں لٹا دیا گیا تھا۔ کسی نے بھی اسے حادثے کی وجہ کو موضوع گفتگو نہیں

بنایا لیکن نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرے گی۔ وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ پرہیزی کھانے پھل اور جوس وغیرہ اس کے کمرے میں رکھ دیے گئے تھے۔

ہر کوئی اس کی بیمار داری کے لیے سرگرم عمل تھا مگر آنے کے بعد لیکن کمرے میں نہیں آیا تھا۔ رات میں فرح نے سب کو جا کر سونے کا کہا وہ فرح کے ساتھ ہی تھی۔ فرح اس کا خیال رکھ رہی تھی رات گئے لیکن کمرے میں آیا۔

”کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟“ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی جب لیکن کی آواز پر اسات ہوئی۔

”چوتھ اور فریکچر ہوا۔ اب اس کو کچھ دن لیکن گے سب

دخم کو رہنے میں۔“

”کوئی مسئلہ تو نہیں ڈاکٹر کی ضرورت نہیں؟“

”نہیں سو رہی ہے اپنی تو میڈیسن دی ہے اسے شاید یہ

اب بات بھروسے۔“

”تم ایسا کرنا آرام کرو میں اس کے پاس ہوں۔“ اس نے

فرح سے کہا۔

”آرام کی تو آپ کو بھی ضرورت ہے۔“

”ڈونٹ وری گھر آ کر دو تین گھنٹے آرام کر لیا تھا تم

ریسٹ کرو دو دن بعد فنکشن ہے تمہارے لیے نیند زیادہ

ضروری ہے۔“

”لیکن آپ.....“

”اس لوکے..... میرے دم میں چلی جاؤ ورنہ اصرار بیڈ پر

لیٹ جاؤ۔“ لیکن نے کہا۔ اس نے چند بل لیکن کو اور پھر

شہرینہ کو دیکھا۔

وہ جاتی تھی شہرینہ سوئی ہوئی نہیں ہے محض آنکھیں بند

کیے ہوئے تھی وہ مسکرائی۔

”میں آپ کے قدم میں چلی جاتی ہوں۔“ وہ چلی گئی۔

شہرینہ عجیب سی بے بسی میں تھی اس وقت وہ لیکن کے

ساتھ کمرے میں تنہا تھی۔ لیکن فرح کے جانے کے بعد بیڈ

کے قریب آیا اور بیڈ کے کنارے بیٹھا تو شہرینہ کا دل عجیب

پیشانی پر ہاتھ رکھا تو شہرینہ کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

”شہرینہ.....“ اس نے پکارا تو اس کی آنکھوں کی لرزش

ایک دم بڑھ گئی تھی۔

”شہرینہ جاگ رہی ہو؟“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

”شہری۔“ لیکن کے لہجے میں بچانے کی تاثر تھا۔

اس رات میں کسی تاثر تھی کہ شہرینہ کی ٹانگیں بے اختیار نیم

وا ہوئیں لیکن اسے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

”کیسی ہو؟“ اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

وہ اس شخص سے ہر موڑ پر نفرت کا اظہار کرتی آتی تھی حتیٰ

کہ ایک دن پہلے اس سے واضح الفاظ میں طلاق کی بات

کر چکی تھی اور اب اس کے کرم کی بارش میں بھیگ رہی تھی۔

”کیوں زیادہ رو تو نہیں؟“ وہ نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا اور

ساتھ ہی اس کے الفاظوں میں عجیب سی گرمی بھی تھی۔ اس

نے ہاں میں سر ہلایا تو لیکن چونکا۔

”کہاں؟“

”میرے سارے جسم میں شدید درد ہے۔“ وہ ہستہ سے

بولی تو لیکن ایک پل کولا جواب ہو گیا۔

”ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا بلکہ کسی بھی چیز کی

ضرورت ہوتی ہے۔“

”بابا! ما کو اطلاع کر دی؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، مگنی بتائیں گے تو علم ہو ہی جائے گا۔“ شہر لیکن

کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے مزاج پر کیا بات گراں گزر

جائے یہ سوچ کر خاموش رہا۔

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ لگ گئی لیکن پاؤں کے درد

کی وجہ سے آنکھ کھلی تو وہ اس کے ساتھ تھا۔ مکمل طور پر دھیان

رکھے ہوئے۔ وہ ساری رات شہرینہ کی عجیب سے اضطراب

میں گزری تھی۔ وہ عجیب سے دور ہے پتا نہ لگتی تھی۔

صبح کے قریب وہ غڑ غڑا لی اور شہر لیکن اس کی دیکھوئی

کر رہا تھا۔ تسلی و دلدار سے رہا تھا۔ اگلے دن کا سورج طلوع

ہوا تو شہرینہ کو لگا کہ اس کا وجود گویا پتھر بن گیا ہو۔

بدلنے لگا تھا۔

صبح کے قریب فرح کمرے میں آئی اور شیر لیکن چلا گیا

لیکن شہرینہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے تمام احساسات بھی اپنے

ساتھ لے گیا ہوا لگا دن اس کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا۔

فرح کے سرال سے بہت لوگ اس کی عیادت کا آئے

تھے وہ کافی دیر کے رہے ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ بیڈ

پر رہا ہوئی۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نیل کے نشان تھے فرح

مختلف نشانوں پر مرہم لگا رہی تھی۔

”میرے بھائی بہت اچھے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی

بیمار ہو جائے تو وہ ہمارے لیے ساری ساری رات جاگتے

رہتے ہیں ان کے دل میں ہمارے لیے جوا احساسات ہیں وہ

شاہد ہی کسی اور بہن بھائی میں ہو وہ تم سے شدید محبت کرتے

ہیں..... میں دیکھ رہی ہوں وہ تین دن سے بے حد پریشان

ہیں انہیں صرف تمہاری پروا ہے۔“ وہ اسی کے زخموں پر مرہم

لگاتے ہوئے دیر سے دیر سے ہاتھ رہی تھی۔ شہرینہ کو لگ رہا تھا

کہ اس کے دل کی کیفیت بدل رہی ہے۔ وہ لیٹی ہوئی نیم

غنودگی میں تھی۔

شیر لیکن کمرے میں آیا تو اس نے اشارے سے فرح کو

بولنے سے منع کیا ماں اس کی نظر نہ پڑ جائے۔ وہ خاموشی سے

باہر نکل گئی تو وہ اس کے پاس بیٹھا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا

تو وہ جل رہی تھی۔

”شہری۔“ اس نے پکارا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول

دیں۔

”کل فرح کی مگنی کا فنکشن ہے..... میں نے بابا

صاحب اور ماں بی سے بات کی ہے تمہیں یہ رشتہ قبول نہیں

اب وہی ہوگا جو تم چاہو گی تمہیں زبردستی یہ رشتہ نبھانے پر کوئی

مجبور نہیں کرے گا۔“ وہ کم صم اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی بات

کے اختتام پر مسکرایا۔

”چچا جان اور خالہ رہی ہیں ان سے بھی بات ہو جائے گی

لوکے۔“ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

”بہتر نہ خوا لے ہیں میں نے۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی

چاہتی تھی اور اب وہ مڑوہ حال سنا رہا تھا تو اتنی سارکت کیوں تھی اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا ایک ناپسندیدہ انسان اور اس رشتے سے جان چھوٹ رہی تھی لیکن وہ سارکت تھی اس کی آنکھوں میں کچھ لکھا ٹھہرے ہوئے ہوش تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کی نگاہوں کے سامنے جابجا خون کے دھبوں سے رنگین وہ قیص تھی اور پھر جس طرح وہ اس کے لیے غوار ہوا وہ تو جنون کی حد تک اس سے نفرت کرتی تھی پھر اس کا احساس کیوں بدل رہا تھا اس کے جنون کی جگہ پر یوں سانپا جیہ بے لہہ ہاتھ وہ چند لمبے بیٹھا اسے دیکھتا رہا وہ اٹھنے لگا تو شہرہ نے کہہ لیا اس کی سسکی نکلی تھی۔

”کیا ہوا؟“ شہرہ نے بازو اس کی طرف بڑھایا۔
”مجھے بیٹھنا ہے لیٹے لیٹے میری کمر دیکھنے لگی ہے۔“ اگلے نے اس کا بازو پکڑ کر سہارا دے کر اسے ستر بٹھا دیا۔
”ماما پاپا کو اس ایکسٹنٹ کا علم ہے کیا؟“ اس نے اگلے کو بغور دیکھا۔

”نہیں..... میں نے انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔“ وہ خاموش رہی۔

”کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں؟“ اگلے نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ پرکھ رہا اور پھر چلا گیا وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس پر وہاں کی غنودگی چھانے لگی تو وہ لیٹ گئی۔ وہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تھی اس کے کانوں میں کچھ واژیں آئیں۔ اگلے بی افازہ اور فرخ تھیں کمرے میں۔

❖.....❖.....❖

”اما آئے جو کچھ کیا اس کے بعد ہم نے اپنا دل وسیع کر لیا تھا صرف اور صرف اپنی بیٹی فائزہ کے لیے شہرہ نے ہمارا خون تھی ہم خود غرض نہیں ہیں ہم نے ساری عمر بھی اسے امن چاہا ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اب آ کر ہمارا دل دھکے لگا ہے فائزہ نے تو ماں بن کر پالا تھا لیکن اما آ کو دیکھ کر وہ سب بھول گئی اب اسے نہ ہم اچھے لگتے ہیں اور نہ ہی ہماری اولاد اگلے دیکھی ہے میں جانتی ہوں وہ کس دل سے یہ فیصلہ کر رہا ہے لیکن کیا فائدہ مجھوڑی کے رشتے بھانے بھی تو نہیں جاتے ساری عمر فائزہ نے گزاری تھی اور اب شیر اگلے اور شہرہ نے کی

زندگی کو میں امتحان نہیں بنانا چاہتی اگلے نے بات کی ہے عثمان اور فائزہ آتے ہیں جو حتی فیصلہ کریں گے ہم لوگ۔“ ان کا انداز بہت رنجیدہ تھا۔ نیم غنودگی میں وہ ہاتھوں ایک دم ہوش کی دنیا میں اوتار آیا تو وہ انکھیں بند کیے سب سنتی رہی۔
”چھوٹے موٹے اختلافات تھے..... شہرہ یہ ایسا کیوں کر رہی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا؟“

”پکی بری نہیں ہے..... بس ہم سب نے سمجھنے میں غلطی کر دی مجھے لگتا ہے یہ سب خد میں کر رہی ہے ورنہ دل کی تو کبھی بھی بری نہ تھی۔“

”اگلے کے اس فیصلے کو میرا دل نہیں مان رہا..... یہ سو کر اشدی ہے تو میں اس سے بات کروں گی۔“

”چلو تم بھی کرو کچھ۔“ اماں بی رنجیدہ سی کہہ کر اٹھ گئیں۔ فائزہ اس کے متعلق فرخ سے بات کرنے لگیں۔

فرخ اماں کے متعلق پوچھ رہی تھی فائزہ بیگم سے سب بتا رہی تھیں اور فرخ حیرانی سے سن رہی تھی۔

❖.....❖.....❖

وہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔ اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا وہ بالکل تنہا تھی۔ پاؤں فریچ رہا ہونا اس کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا۔ شایان نے اسے اس کھوٹے پر سوار ہونے سے منع کیا تھا اور اس نے شیر اگلے کی خد میں اس پر سوار کی تھی نتیجہ تو سامنے تھا لیکن اسے ایک جگہ بیٹھ کر سب کچھ سوچنے کا موقع مل رہا تھا۔ سب کی تجویز دیکھ کر وہ رنجیدہ اپنی خد میں بہت کچھ تباہ کر رہی تھی لیکن اسے تو نہ خد خود کو بدل سکتی تھی لیکن وہ خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن اب اس کا دل بدل رہا تھا وہ کہیں اس کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے موبائل نکالا تو جگہ۔

”کیسی ہو؟“

”جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ سب بہت پریشان ہیں سب ہی جہیں چلتا پھرتا صحت مند دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”گیت ویل ہون۔“

کئی میمنج تھے جو شیر اگلے کی جانب سے آئے ہوئے تھے۔ وہ آج سارا دن اس کی منتظر رہی لیکن وہ اس کے کمرے

میں نہیں آیا اور اب اسے سارے میمنج۔

”مجھے کورٹ میں ایک کام تھا۔ میں شہرہ آیا ہوا ہوں کل فرخ کی منگنی کے فنکشن میں شامل ہوں گا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر موبائل ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بالکل ایمان داری سے اپنا تجویز کرنا چاہتی تھی۔

ان لوگوں کی قیمتوں میں کوئی شک نہ تھا شیر اگلے نے ماضی میں جو بھی اختلافات تھے وہ سب ماضی کا حصہ بن چکے تھے جو محض خد اور اپنے جنون میں اسے چھوڑنا چاہتی تھی لیکن اب سب کی باتیں سن کر اور رویداد کچھ کہہ کر وہ اٹھ کر نکلی تھی۔

اگلے اسے صاف الفاظ میں کہہ چکا تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا یہ جان کر تو اسے خوش ہونا چاہیے تھا جبکہ وہ غم زدہ تھی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان اور ہونے والے نقصان پر ماتم کناس بھی تھی ان لوگوں کے دل وسیع تھے انہوں نے ایک ایسی لڑکی کو اپنے درمیان جگہ دی تھی جس کی ماں کا ماضی کوئی قابل فخر نہ تھا لیکن وہ عثمان فاروق کے حوالے سے جانی جاتی تھی اب بھلا کسی چیز کا ذکر تھا۔

فرخ کمرے میں آئی تو وہ اس طرح گم سمٹ بیٹھی ہوئی تھی۔ فرخ نے آج مہندی لگوائی تھی۔

ماہر سے آنے والی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہاں کافی گہما گہمی ہے۔

”یار..... کیا مصیبت ہے تم نے عین فنکشن کے دن یہ چوٹ لگوائی..... وہاں سب ہی ہلہ گڑھ کر رہی ہیں اور تم اھر ہو مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم جا کر انجوائے کرو تمہاری زندگی کا اتنا اہم فنکشن ہے تم کیوں مس کر رہی ہو یہ سب۔“

”ایک بات کہوں؟“ اس نے فرخ کو دیکھا۔
”تم واقعی اگلے بھائی کو چھوڑ رہی ہو؟“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”یہ لیز ایسا تم کرو شیر اگلے بھائی بہت اچھے ہیں وہ تم سے واقعی بہت محبت کرتے ہیں آج شہرہ گئے ہوئے تھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد کال کر کے مل رہا تھا میری خبر لے رہے ہیں وہ غصے سے تیز ہیں شروع میں کچھ کہہ دیا تھا لیکن دل کے

برے نہیں ہیں۔“

”وہ کھل جائیں گے کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہوں۔“

”میں لیٹے لیٹے تھک گئی ہوں اب ذمہ کافی بہتر ہیں تم لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ باہر لے جایا کرو۔“ اس نے کہا تو فرخ مسکرائی۔

”اچھا..... اماں بی نے یہ کچھ چیزیں دی ہیں کہہ رہی تھیں کہ تمہیں دکھا دوں رکھنی ہیں کہ وہاں کتنی ہیں۔“ اس نے پلو میں بندھی ہوئی چیزیں اس کے سامنے کیں۔ ان میں ایک بریسلیٹ تھا جو کچھ دن پہلے دکھارہی تھیں ایک خوب صورت سی انگوٹھی تھی اور ایک چین۔

”یہ سب کچھ مانے تمہارے لیے بولا تھا۔“ اس نے وہ تینوں چیزیں اٹھالیں۔ بریسلیٹ بہت پیرا تھا انگوٹھی اور چین بھی اچھی تھیں۔

”مجھے ذاتی طور پر گولڈ پسند نہیں لیکن یہ میں ضرور لوں گی..... بڑی ماما کو کھینکس کہنا۔“ اس نے انگوٹھی پہن لی چین اور بریسلیٹ بھی لے لیا تھا۔

”ایک اور بات یہ چین بھائی لائے تھے باہر سے تم شاید ان سے نہ لیتی انہوں نے ماما کو دی تھی کہ تمہیں دے دیں۔“ وہ گم سمٹ سی ہو گئی۔

”میں کسی کو بولتی ہوں تمہیں سہارا دے کر باہر لے جاتے ہیں۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

❖.....❖.....❖

منگنی کی تقریب میں کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی خوب صورت لباس زیب تن کیے فرخ سے ہلکا سا میک اپ کروا کر بڑے ہل میں بیٹھی تھی۔ فائزہ اور عثمان کی آمد ہوئی تو وہ دونوں اسے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

”یہ کیا ہوا..... اور کیسے؟“ فائزہ زحمت پریشان ہوئیں۔
”ریلیکس ماما آئی ایم فائن بس چھوٹی سی انگری ہے۔“

فرخ انہیں تفصیل بتانے لگی کہ کسی یہ چونٹیں لگیں۔
”آپ کو کیا ضرورت تھی درخت پر چڑھنے کی؟“ عثمان صاحب نے بھی کہا۔

”جو ہوتا تھا وہ ہو گیا اب اس کا دھیان بناؤ ایس پریشان ہوگی۔“ فائزہ نے دونوں کو کہا تو دونوں خاموش ہو گئے۔
فنکشن میں ایک دو بار شیر آگن سے سامنا ہوا۔۔۔۔۔ جب وہ کسی کام سے ایک دو بار ہال میں آیا تھا۔

اسلام عا اور خال خال کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی وہ بہت مصروف تھا منگنی کا فنکشن بہت اچھا رہا اور فنکشن کے بعد بھی کافی ہلا گلہ رہا تھا۔ وہ تھک گئی تو لڑکیوں کے سہارے واپس کمرے میں آ گئی وہ ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ فرح چلی آئی۔

”باہر سب تمہارے اور آگن بھائی کے رشتے پر میٹنگ کر رہے ہیں۔“

”تو پھر کیا فیصلہ ہوا؟“

”فیصلہ تو نہیں کرنا ہے۔“ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ کافی دیر گزر چکی تھی پھر ملایا پاس کے پاس آئے۔ فائزہ خاموش تھیں عثمان فاروق نے ہی بات کی۔
”آپ نے آگن سے رشتہ ختم کرنے کی بات کی تھی؟“
معاملہ سب بڑوں کے علم میں آیا ہے ہم نے ہر پہلو پر غور کر لیا ہے اب آپ بتائیں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟“ وہ گم گم ہی رہی۔
”میرے فیصلے کو مانا جائے گا کیا؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو عثمان فاروق نے کچھ سوچتے ہوئے سر اٹھاتے میں ہلا دیا۔

”تو پھر میں سوچ کر جواب دوں گی۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو دونوں حیران ہوئے۔

”مطلب؟“

”نہ مجھے کسی سے نفرت ہے اور نہ ہی کسی سے ذاتی دشمنی“ جب یہ لوگ مجھے میری خوبیوں خاموشی سمیت قبول کر رہے تو شاید میرے اندر بھی چلک پیدا ہو جائے۔“ انداز ابھی بھی قطعی تھا۔

”جو بھی فیصلہ کرو یہ یاد رکھنا تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہو بعض اوقات انسان اپنے ساتھ خود ہی زیادتی کر جاتا ہے اور پھر وقت گزر جانے کے بعد پچھتااتا ہے مگر ازلے کے لیے پھر کچھ باتیں نہیں رہتا خوش رہو میں تمہارا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔“

عثمان صاحب نے اس کی ذات کی برتری کو قبول کر لیا تھا۔ وہ آنکھوں میں پانی لیے انہیں دیکھتی رہی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر چلے گئے تھے۔

❖.....❖

اگلے دن عثمان اور فائزہ چلے گئے وہ پاؤں ٹھیک ہونے تک بیٹھیں رک گئی رہی باقی چیدہ چیدہ لوگ بھی رخصت ہو گئے تھے۔ اس کے بعد پھر کسی نے اس سے بات نہیں کی اور نہ ہی اس کا فیصلہ پوچھا تھا۔ اس دن وہ لباس بدل کر فریش ہو کر بیٹھ گئی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

”لیس۔“ شیر آگن کو دیکھ کر وہ چونکی۔

”کیسی ہو؟“ شہرینہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

”اور پاؤں؟“

”کالی بہتر ہے ڈاکٹر کا قاعدہ گی سے بیڑیخ کر رہا ہے۔“

دونوں کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔

”چچا نے شاید تم سے کوئی بات کی تھی؟“ اس نے پوچھا۔

”کون سی بات؟“

”ہمارے رشتے کے متعلق۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نے ان سے کچھ مدت مانگ لیا تھا۔“

”میرا خیال ہے تم فیصلہ کر چکی تھیں اب یہ وقت لینا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”آپ نے میری ذات کو سمجھنے کی کوشش ہی کب کی؟“

اس کے کچھ میں عجیب سی شکایت تھی۔ اس نے چونک کر اسے لغو دیکھا تو حیران رہ گیا۔

شہرینہ کے گلے میں اس کی دی ہوئی چین تھی وہ اس کے لیے یہ گفت خاص طور پر لایا تھا لیکن وہ شاید اس سے نہ لیں سو اس نے فائزہ کو دے دی تھی۔ اسے یقین نہ تھا کہ وہ پہننے گی لیکن اس نے وہ چین پہن کر رکھی تھی۔

”یہ چین۔۔۔۔۔۔“ اس نے گلے کی طرف اشارہ کیا تو اس نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا۔

”یہ۔۔۔۔۔۔ یہ تو بڑی ماما نے دی تھی۔“ انداز نارمل تھا وہ خاموش ہو گیا۔

”میں سمجھوں کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔“ وہ کھڑا ہوا اور اسے سرسری سنا بتایا۔

”تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔“ اصل میں اس بیڈ ریٹ سے بے زار ہو چکی ہوں۔ وہاں کالج میں میرا پراجیکٹ ورک بھی منتظر ہے کافی دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے اب واپس چلنا چاہیے۔“ اس نے وضاحت سے کہا۔

”اماں بی سے پوچھ لو میں لے چلوں گا۔“ وہ کہہ کر چلا گیا اس نے فرح کے ذریعے اماں بی سے پوچھا تو انہوں نے اجازت دے دی۔ فرح نے اس کی پیکنگ کر دی تھی۔

اگلے دن وہ آگن کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھی۔ اماں

بی نے اسے بہت سا پیار کیا۔

”جو بھی فیصلہ کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔“

”جی۔“

وہ بابا صاحب سے بھی ملی اور پھر گاڑی میں آگن کے سہارے بیٹھی۔

لیز پورٹ تک ڈرائیور چھوڑنے آیا تھا اور پھر وہاں سے اسلام آباد چلا تھا۔ وہ آگن کے سہارے چلتی رہی گھر سے گاڑی آئی تھی اسے لینے آگن نے اسے گاڑی میں بٹھا دیا تھا۔

”ڈرائیور آپ کو گھر لے جائے گا۔“ اس نے کھڑکی میں جھک کر کہا تو شہرینہ چونکی۔

”کیا آپ مجھے نہیں سے اللہ حافظ کہہ رہے ہیں گھر نہیں چھوڑنے جائیں گے۔“

”مجھے ایک کام ہے۔“ آگن نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے بات کاٹ دی۔

”آپ کے یہ کام مجھ سے زیادہ اہم ہیں کیا؟“ وہ حیران ہوا تو اس نے ڈرائیور کو دیکھا۔

”یو ڈرائیور۔“ ڈرائیور گاڑی چلانے لگا لیکن آگن نے روک دیا اور دروازہ کھول کر اس کے ساتھ ہی کچھ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

”اب چلو۔“ اس نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

اس نے شہرینہ کی طرف رخ کیا۔
”لے اس جملے کی وضاحت کرو۔“
”کیسی وضاحت۔“ وہ لا پرواہی سے بولی تو آگن نے اسے بخور دیکھا۔

”جو کچھ لے پہلے کہا تھا۔“

”کیا؟“ وہ لا پرواہی سے باہر دیکھتی رہی وہ خاموش ہو گیا تھا۔

”میرے پاؤں میں شدید درد ہو رہا ہے۔“ کچھ دیر بعد اس نے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگ رہا ہے یہ مومنٹ کرنے سے ہوا ہے۔“ شیر آگن نے کہا۔ ”ڈاکٹر کو دکھائیں۔“

”نہیں پہلے گھر چلوں گی۔“ وہ نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ گویا دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہی نہ ہو جیسے۔

کچھ دیر بعد گھر آ گیا تھا۔

وہ آگن کے سہارے چلتی اندر آئی تو فائزہ گھر پر نہیں تھیں۔ آگن اسے اس کے کمرے میں چھوڑنے آیا تھا۔

”آپ بیٹھیں پلیز۔“

”خالہ نہیں ہیں تو پھر کبھی سہی۔“

”کوئے میں زبیدہ سے کہتی ہوں۔ کچھ کھانی کر جائیے گا۔“ اس نے ان کا کام اٹھایا۔ آگن نے فوراً منع کر دیا۔

”میں رات کو چکر لگاؤں گا۔ اگر پاؤں میں زیادہ درد ہے تو ڈاکٹر کے پاس لے چلا ہوں۔“

”نہیں اب ریٹ کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔“ آگن نے کچھ کہنا چاہا خاموش ہو گیا وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر نکل گیا اور شہرینہ اسے سسکاتی نگاہوں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

❖.....❖

رات کو آگن گھر نہیں آیا تھا۔ وہ لاخوری طور پر اس کی منتظر تھی۔ وہ نہیں آیا تو اس نے کال ملائی۔

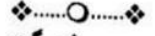
”آپ گھر نہیں آئے؟“

”کیوں خیریت؟“

”نہیں ویسے ہی ملا پوچھ رہی تھیں تو کال کی۔“

”خالد سے کچھ پہلے میری بات ہوئی ہے انہیں نہ آنے کا بتایا ہے میں نے۔“ شہرینہ ہنس دی تھی۔ ”پھر کب آئیں گے۔“

ایک عرصے تک اس نے تلکفانہ محبت کو ترسی ہوئی تھی۔ اب میرا آئی تو آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔



”کیوں..... خیریت؟“

”میں نے سوچنے کے لیے وقت لیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ فیصلہ سب سے پہلے آپ کو سناؤں۔“ دوسری طرف چند سینکڑوں کے لیے خاموشی چھائی رہی۔

”اگر فری ہوئے تو ضرور پکڑ لگا لیجیے گا..... میں انتظار کروں گی۔“ اس نے کہہ کر کال منقطع کر دی۔ وہ لگے دن کی منتظر تھی۔

اگلے دن وہ اچھی طرح تیار ہو کر انتظار کرتی رہی لیکن آگن نہیں آیا۔ اس نے فون کیا۔

”آپ کیوں نہیں آئے؟“

”میں بہت بڑی تھا۔“

”کیا میری بات سننے کے لیے بھی آپ کے پاس وقت نہیں تھا۔“ دوسری طرف پھر خاموش چھائی گئی۔

”پھر بات ہوگی..... اس وقت بڑی ہوں اؤ کے بائے۔“

شہرینہ کو ایک دم غصے آنے لگا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اسے فون نہیں کرے گی کچھ دن مزید گزرے تو آگن کی آمد کا انتظار ناامیدی میں بدلنے لگا۔ اس کا پاؤں اب کافی بہتر ہو گیا تھا پلستر اتر چکا تھا۔

اس کو اسلام آباد آئے کوئی پندرہ دن ہو چکے تھے وہ ایک دوبار زیدہ کے ہمراہ کالج بھی جا چکی تھی۔ اس رات عثمان صاحب نے اسے بلایا تھا۔

”پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے؟“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جس میں آپ سب کی خوشی ہے وہی میرا فیصلہ ہے۔“

اس کا انداز مطمئن اور نہ سکون تھا۔

عثمان اور فائقہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا دونوں کے لیے اس کی یہ فرماں برداری معمول سے ہٹ کر تھی۔ عثمان نے کھڑے ہو کر اسے گلے سے لگایا اور فائقہ مسکرا رہی تھیں وہ

”آپ اس دن کیوں نہیں آئے تھے؟“ اس نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔

”بڑی تھا۔“

”یعنی وہ کام مجھ سے بھی زیادہ اہم تھا آپ کے لیے؟“

”کسی بات نہیں میں واقعی بڑی تھا۔“

”چلیں مان لیتی ہوں۔“ وہ پھر مسکرائی۔

”سنئے دن گزر گئے آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ میں نے کیا فیصلہ کیا۔“ اس نے خود ہی بات چھیڑی۔ آگن بھید کی سے اسے دیکھتا رہا۔

”جب فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا تو اختیار بھی دیا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کر لیں۔“

”تو پوچھنے پر پابندی تھی کیا؟“ اس نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

”میں تمہارے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتا تھا۔“

”وہ تو ہو ہی گئے ہیں آپ پورے طرح۔“ وہ حیران ہوا۔

”مطلب.....؟“

”میں نے اپنے پورے ہوش و حواس میں اپنی ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے کیا آپ کو میرا ساتھ قبول ہے؟“ اس نے بڑے اعتماد سے شیر آگن کو دیکھتے کہا۔

شیر آگن ایک دم حیران ہو کر اڑھ کھڑا ہوا اور پھر اگلے ہی پل اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

”رہی.....؟“ اس نے مسکرا کر سر ہلایا تو وہ واقعی بے پناہ خوش ہوا۔

”تھینک گاؤ۔“ اس نے اسے دیکھا اور پھر مسلسل دیکھتا ہی رہا۔

”بعض اوقات ہم انسان کو جیسا سمجھتے ہیں وہ ویسا نہیں ہوتا۔“ میں ماضی میں تمہیں بہت کچھ کہہ چکا ہوں آج اپنے ان تمام خراب رویوں کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“ سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”ماضی میں جو وہاں میری جذباتیت اور میرا جنون تھا لیکن اس وقت میرے جو جذبات ہیں وہ سب سے بڑی حقیقت ہیں۔“

”میں پریشان تھا کہ نچانے تم نے کیا فیصلہ کیا ہوگا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہ فیصلہ کرو گی تو میں بہت پہلے ہی آ جاتا۔“ وہ ہنس دی۔

”بہر حال تھینک پوسوچ۔“ وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا اور

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا اور چند پل اسے بغور دیکھتا رہا۔

”آپ مجھے پرل کر رہے ہیں۔“ اس نے شرملا کر کہا۔

”یہ فیصلہ کیونکر کیا..... کیا کسی نے مجبور کیا تھا؟“

”مجھے کیا کوئی مجبور کر سکتا ہے؟“ اس نے پوچھا تو آگن مسکرا دیا۔

”ہاں ویسے مجھے مجبور کیا تھا لیکن میرے دل نے.....“ وہ کھل کر مسکرایا۔

”یہ میرے پاؤں کے فریکچر والا حادثہ نہ ہوتا تو شاید میں جذباتیت میں آ کر سب کا نقصان کر دیتی لیکن اس حادثے نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کیا ہیں اور آپ کا وجود میرے لیے کتنا اہم ہے آپ کی محبت اور آپ کے خلوص میں ہر چیز کی قدر کرتی ہوں۔“ آگن ہنس دیا۔

”ایک جنونی جذباتی لڑکی تھی لیکن اس نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ درست وقت پر ٹھیک کر کے خود کو نوا لیا تھا۔“

اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر خود سے قریب کیا اور محبت سے اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکادی تھی۔

”لو پوسوچ شہرینہ.....“ وہ منگھٹایا تھا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا اور چند پل اسے بغور دیکھتا رہا۔

”آپ مجھے پرل کر رہے ہیں۔“ اس نے شرملا کر کہا۔

”یہ فیصلہ کیونکر کیا..... کیا کسی نے مجبور کیا تھا؟“

”مجھے کیا کوئی مجبور کر سکتا ہے؟“ اس نے پوچھا تو آگن مسکرا دیا۔

”ہاں ویسے مجھے مجبور کیا تھا لیکن میرے دل نے.....“ وہ کھل کر مسکرایا۔

”یہ میرے پاؤں کے فریکچر والا حادثہ نہ ہوتا تو شاید میں جذباتیت میں آ کر سب کا نقصان کر دیتی لیکن اس حادثے نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کیا ہیں اور آپ کا وجود میرے لیے کتنا اہم ہے آپ کی محبت اور آپ کے خلوص میں ہر چیز کی قدر کرتی ہوں۔“ آگن ہنس دیا۔

”ایک جنونی جذباتی لڑکی تھی لیکن اس نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ درست وقت پر ٹھیک کر کے خود کو نوا لیا تھا۔“

اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر خود سے قریب کیا اور محبت سے اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکادی تھی۔

”لو پوسوچ شہرینہ.....“ وہ منگھٹایا تھا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا اور چند پل اسے بغور دیکھتا رہا۔

”آپ مجھے پرل کر رہے ہیں۔“ اس نے شرملا کر کہا۔

”یہ فیصلہ کیونکر کیا..... کیا کسی نے مجبور کیا تھا؟“

”مجھے کیا کوئی مجبور کر سکتا ہے؟“ اس نے پوچھا تو آگن مسکرا دیا۔

”ہاں ویسے مجھے مجبور کیا تھا لیکن میرے دل نے.....“ وہ کھل کر مسکرایا۔

”یہ میرے پاؤں کے فریکچر والا حادثہ نہ ہوتا تو شاید میں جذباتیت میں آ کر سب کا نقصان کر دیتی لیکن اس حادثے نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کیا ہیں اور آپ کا وجود میرے لیے کتنا اہم ہے آپ کی محبت اور آپ کے خلوص میں ہر چیز کی قدر کرتی ہوں۔“ آگن ہنس دیا۔

”ایک جنونی جذباتی لڑکی تھی لیکن اس نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ درست وقت پر ٹھیک کر کے خود کو نوا لیا تھا۔“

اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر خود سے قریب کیا اور محبت سے اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکادی تھی۔

”لو پوسوچ شہرینہ.....“ وہ منگھٹایا تھا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا اور چند پل اسے بغور دیکھتا رہا۔

”آپ مجھے پرل کر رہے ہیں۔“ اس نے شرملا کر کہا۔

”یہ فیصلہ کیونکر کیا..... کیا کسی نے مجبور کیا تھا؟“

”مجھے کیا کوئی مجبور کر سکتا ہے؟“ اس نے پوچھا تو آگن مسکرا دیا۔

”ہاں ویسے مجھے مجبور کیا تھا لیکن میرے دل نے.....“ وہ کھل کر مسکرایا۔



خائف

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

میڈل ایسٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

رقم ڈیمانڈ آرٹ منی آؤڈر منی گرام دیسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد

0316-0128216

0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

فون نمبرز: +922-35620771/2

ganchalpk.com

aanchalnovel.com

تجسس کی منزلیں بہت کڑی تھیں اور انتظار کی گھڑیاں جان نکالتی تھیں۔ ساس لایا سا سکون بھی غارت تھا آج کل کہ بھانجے نے یہو کیا قدم اٹھائے یا بیٹی سے اٹھوانے والی ہے جو یوں غامضی چھپا گئی ہے۔ نہ بیٹے سے پوچھنے کی ہمت کر سکیں نہ بہو کی پراسراریت کا سبب جان سکیں۔ احسان صبح کا گیارہ شام کو ہی دفعتاً آخراً کچھ ہوتا کیوں نہیں کیا وجہ ہے آخر؟ عالیہ باجی نے بہت انتظار کیا اور یہ انتظار انتظار ہی رہا۔ وہ دل پر پتھر رکھے، سستی مسکرائی معمولات میں مگن رہی۔

”بڑی بہن ہونے کا بڑا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے عالیہ نے۔“

سنان کو جب غصہ آتا تھا تو بہت شدید آتا تھا۔ وہ جانتی تھی
 ماری اپنے جال میں خود پھنس جاتا ہے کس ذرا انتظار کی رحمت
 مارتا پڑتی ہے، فاختاؤں کو..... احسان نے فاطمہ اور نرگس سے
 اس بات کی تصدیق کر لی تھی۔ طوفان آیا اور سارے پھل
 کی جھولی میں گر کر اس نے اپنا رخ و نشوں کی سمت موڑ لیا
 آئندہ کوئی دشمن اس کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھ سکے گا،
 بات کا اسے یقین ہو گیا تھا۔ اس کے دکھ پر جشن منانے
 والے کے چہرے آج اتنے تاریک ہو گئے تھے کہ لہاؤں کی
 بجلی پچھلے ہو گئی تھی۔



احسان سے کہہ کر وہ سیکڑا گئی۔ ساجد وہاں میں نگینہ اور علیہ
 حاجی کا بھی گھر تھا۔ کراچی سے لہذا فاصلہ طے کر کے وہ لوکاں کو
 پہنچنے پہلے غٹلی، ایبٹنی، بہن سے ملنے اس کے گھر گئی۔ اسی کا گھر
 تو آگے فریڈا باد میں تھا۔ غٹلی سے مل کر اب اس کا ارادہ علیہ
 حاجی کے گھر جانے کا تھا کہ ان کا فون آ گیا۔ وہ پچھلے مہینے ان
 کے ہاں سے ہو کر گئی تھیں۔ کھانا پینا الگ ہوا تھا اور دینا دلانا
 بھی وہ لے کر گئی تھیں۔ ہزار ہزار کے دو نوٹ مشکل سے انہوں
 نے پکڑے تھے۔ وہ مطالبہ پانچ ہزار کر رہی تھیں اور ہار ہار
 ہاتھ جھٹک کر جس طرح انہوں نے نانکے سے پیسے پکڑے تھے
 وہ اسے اچھی طرح سے یاد تھا۔

”ہم ٹائلہ سے ملنا نہیں چاہتے۔ وہ ہمارے گھر نہ آئے۔“
عظمیٰ اس کی چھوٹی بہن نے بتایا کہ عالیہ باجی نے فون کر کے
خود یہ بات کہی ہے۔ وہ ان کی بد فطرت سے واقف تو تھی ہی مگر
وہ اس حد تک جا سکتی ہیں یہ اندازہ نہ تھا۔ فاطمہ، ندیا اور وہ تو
آئے تھے احسان ساتھ نہیں تھے۔ ٹوٹ جانے کی اسے کبھی
عادت نہ رہی تھی۔ وہ خود کو سنبھال کر میٹھا گئی۔

امی کو سب صورت حال کہہ سنائی۔ انہوں نے احسان سے خود بات کرنے کا کہا مگر اس نے منع کر دیا۔ وہ بہنوں کے ہاتھوں پر غم غالب بھائی تھا جس کی آنکھیں ٹھکنے میں ابھی بہت وقت تھا شاید وہ بیٹے کے سسرال واپس آگئی۔ ساس لعل اس کے تیروں کا اعجاز کرنے کے لیے بار بار اس کے سامنے آن بیٹھیں حال احوال پوچھا اور اصل میں اس کے دل کو پھینکنے والی غصے کو جاننے کی جستجو میں تھی وہ بیٹھی رہیں مگر اس نے کوئی بات نہ کی۔ کچھ نہ کہنے میں بھی ایسا اسرار ہے ایسا غلام ہے جو بول دینے میں ہرگز نہیں۔

وہ رات اس پر بے حد بھاری گزری۔ اپنی بے وقوف
 ٹھکرائے جانے کا احساس جان لیا ہوتا ہے بہت تکلیف
 رات تھی اور بہت براس اور فیصلہ تھا۔ اٹھانے کو اسے خیر اٹھا اور
 چاہیے تھا۔ احسان کو اس کی بہنوں کی شکایت لگا کر گھر کو موبد لے

احسان کا انتہا احسان کیا کم تھا کہ وہ روزی روٹی کی طرف سے بے فکر تھی۔ وہ بچوں سے بھی پیار کرتا تھا مگر ایک عادت جو ساری عاداتوں پر حاوی تھی، وہ تھی، بہنوں اور ماں کی جائز ناجائز ماننا۔ اس نے بھی غلطی کبھی نہیں کی تھی کہ وہ اسے احساسِ دلفانی کہہ کر غلط ہے بلکہ اس کی غلطیوں سے بچاؤ اس کے لیے اہم تھا۔ حالیہ بابی اور یگینہ بابی اندر سے کتنے نکرہ و عزم رکھتی تھیں، وہ جانتی تھی مگر وہ بھی جانتی تھی کہ احسان کو یہ سب بتانا بے کار ہے۔ وہ ان کے آنسوؤں پر فوراً یقین کر لیتا اور ناکہ کے سچ پر یقین کبھی نہیں کرتا۔

زندگی اپنے مخصوص انداز میں روایں دہاتی تھی۔ کچھ مومن کا کنبلا پن تھا تو کچھ اس کا دل بھی بھر آیا تھا اپنے سیکے کی آرزو فضاؤں میں سانس لینے کو دل چاہنے لگا تھا۔ دوسوٹ عید والے اس نے سنبھل رکھے تھے اور بچوں کے بھی لیس گڑھا کنٹاری گئے بہت پیارے کپڑے ایک ہی پار پہننے کے بعد اس نے ہلکے ہاتھ سے حوکر محفوظ کر لیے تھے۔ دوسوٹ اور بنا کر وہ گھر جانے کے لیے برتول رہی تھی۔

”ماں جیسی کھنی میسنی ہے یہ ناکمل۔“ ساس اماں نے نہ بھگی
امی کو بخشنا نہ بھگی اسے۔

مشر چھلیا اُس کے ہاتھ کے اور پھر روٹاں ہو گئے۔ ندیا اور
فاطمہ نے مشر پلاؤ کی فرمائش کی تھی۔ اوائل سردی کے دن تھے
اور مشر مہنگی بھی تھی۔ بے خیالی میں کہتے ہی مشر کے دانے
کچرے والی تھیلی میں ڈال بیٹھی اور جھکے مشروں میں رکھتی گئی۔
دھوا آتے۔ روتے جھکوں کو علیحدہ کرتے تھی۔

”امی نے تو کبھی اہل جی کو برا نہیں کہا، پتا نہیں اہل جی ہر وقت کیا سوچتا ہے جو یوں فضول بولتی رہتی ہیں۔“